تلقین عمل

شائع کردہ

نظارت صنعت وتجارت صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

تلقین عمل

''ایک بابرکت خواہش''

حضرت مصلح موعودنوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''میں نہیں جانتا کہ دوسرے دوستوں کا کیا حال ہے لیکن میں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں میرے دل میں حسرت ہوتی ہے کی کاش یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہواوراس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں اور جب میں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں۔ میں پچھلے دنوں کراچی گیا تو اپنے دوستوں سے کہا کاش کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے اور میری یہ حسرت پوری کردے اور میں اس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے...... بڑے کاموں کی ابتدا چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔ یہ ہیں میرے ارادے اور یہ ہیں میری تمنائیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں۔''

(رپورٹس مجلس مشاورت 1936ء صفحہ 129 تا 130)

نام کتاب:	تلقین عمل
ایڈیشن:	اوّل
سن اشاعت:	2009ء
تعداد:	1000
مطبع:	بلیک ایرو پرنٹنگ پریس لاہور

تعاون

اس کتاب کی اشاعت میں مکرم منیر نواز صاحب شیزان انٹرنیشنل نے اپنے والد محترم چوہدری شاہنواز صاحب اور اپنی والدہ محترمہ مجیدہ شاہنواز صاحبہ کی طرف سے تعاون فرمایا ہے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

پیش لفظ

اسلام نے عملی زندگی کے متعلق انسان کو بہت ہی خوبصورت تعلیم دی ہے جو دوسرے مذاہب پیش کرنے سے قاصر رہے۔ اسلام نے انسان کو بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہنے سے منع فرمایا ہے اور دینی اور دنیوی ترقیات کے حصول کے لیے کام کرنے اور محنت کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کی بہت ترغیب دلائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ.

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی کوئی انسان بغیر سعی کے کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے پھر اس کے خلاف اگر کوئی کچھ حاصل کرنا چاہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور اسے آزماتا ہے اس لیے محروم رہے گا۔ دنیا کے عام کاروبار میں بھی تو یہ سلسلہ نہیں ہے کہ پھونک مار کر کچھ حاصل ہو جائے یا بدوں سعی اور مجاہدہ کے کوئی کامیابی مل سکے۔ دیکھو آپ شہر سے چلے تو سٹیشن پر پہنچے اگر شہر سے ہی نہ چلتے تو کیونکر پہنچتے؟ پاؤں کو حرکت دینی پڑی ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے جس قدر کاروبار دنیا کے ہیں سب میں اول انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت ڈال دیتا ہے۔''

(الحکم مؤرخہ 10 تا 17 نومبر 1904 صفحہ 3)

پھر کام کرنے والے کو محنت، ہوشیاری، سمجھداری اور دیانت داری سے اپنے کام کو ترقی دینے کی طرف توجہ دلائی اور سمجھایا کہ تمام جائز ذرائع جو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کو بروئے کار لا کر محنت اور دیانت سے ترقیات کی معراج تک پہنچنے میں ہی عظمت ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''لوگ محنت نہیں کرتے اور تجارت کا علم حاصل نہیں کرتے اور ناجائز وسائل سے

اپنی دکان چلانا چاہتے ہیں......اگر صحیح ذرائع پر عمل کریں تو ان ذرائع کو اختیار کرنے کی ان کو ضرورت نہ رہے......ہوشیار آدمی ہوشیاری سے کام کرتا اور کامیاب ہوتا ہے۔لیکن اگر ہوشیاری کے ساتھ دیانت بھی شامل ہو جائے تو پھر یہ بہت اعلیٰ درجہ کی بات ہوتی ہے۔اگر ہوشیاری نہ ہو بلکہ سستی ہو تو پھر کامیابی مشکل ہے اور پھر فائدہ اُٹھانے کی خواہش ایک مخفی بددیانتی ہے۔‘‘

(خطبات محمود جلد نمبر 7 صفحہ 306 تا 311)

پھر اس تعلیم کی ایک یہ بھی خوبصورتی ہے کہ ان دنیاوی کاموں کو دست بکار دل بیار کی رنگت میں رنگین ہو کر کیا جائے اس صورت میں یہ نہ صرف دنیاوی ترقی کے حصول کا موجب ہوگا بلکہ یہی دنیاوی کام دینی خدمت اور بہت بڑے ثواب کے حصول کا موجب بھی بن جائیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں:

’’اسلام انسان کو بے دست و پا بنانا یا دوسروں کے لیے بوجھ بنانا نہیں چاہتا۔عبادت کے لیے اوقات رکھے ہیں جب ان سے فارغ ہو جاوے پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو۔ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کاروبار میں مصروف ہو کر بھی یادِ الٰہی کو نہ چھوڑے بلکہ

دست بکار دل بیار

ہو اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے اور دیکھ لے کہ آیا خلافِ مرضیٔ مولیٰ تو نہیں کر رہا۔جب یہ بات ہو تو اس کا ہر فعل خواہ وہ تجارت کا ہو یا معاشرت کا، ملازمت کا ہو یا حکومت کا۔غرض کوئی بھی حالت ہو عبادت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امرِ الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے۔یہ اصل ہے جو ساری فتح مندیوں کی کلید ہے‘‘

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 127 تا 128)

پھر ہر ایک کو انفرادی سطح تک محدود رہ کر ترقی کرنے کی تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ خودغرضی سے الگ ہو کر ایسے وسیع پیمانے پر کام کیے جائیں اور ایسے اتحاد و اتفاق اور باہمی تعاون سے کیے جائیں کہ جس سے پوری قوم کو ترقی حاصل ہو نہ کہ صرف چند افرادِ قوم کو۔اور ایک مجموعی کاوش سے قوم

ایک ترقی یافتہ قوم کے طور پر ابھر کر سامنے آجائے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

دنیوی ترقی کے لیے بہترین چیز تعاون ہے۔یورپ کے لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا اور ترقی حاصل کر لی۔......پس تعاون سے جو نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں وہ کسی اور طرح حاصل نہیں ہو سکتے۔اسی طریق سے ہماری جماعت بھی ترقی کر سکتی ہے۔''

(فضائل قرآن (۳)۔انوار العلوم جلد 11 صفحہ 560)

جماعت احمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں خلافت حقہ کے ذریعہ ایک ایسی بابرکت قیادت عطا فرمائی ہے جو افرادِ جماعت کی ہمہ جہت تربیت و ترقی کے لیے مسلسل رہنمائی فرماتی رہتی ہے۔چاہے وہ دینی معارف کا کوئی میدان ہو یا کاروبارِ دنیا کے معاملات۔خلافت کی بابرکت روشنی ہر تیرگی کو نور میں بدلنے کے لیے دعاؤں اور تدابیر سے مسلسل کوشاں رہتی ہے۔زیرِ نظر کتاب تلقینِ عمل اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں اسلامی نقطۂ نظر اور جماعتی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر خلفاء کرام نے جو ہدایات افرادِ جماعت کو دنیاوی طور پر عظمت اور ترقی کے حصول کے لیے فرمائی ہیں وہ یکجائی صورت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

موجودہ زمانہ میں مادہ پرستی کا زور ہے اور بعض لوگ دنیاوی ترقیات کے لیے تمام جائز ناجائز ذرائع کو استعمال کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے۔ایسے میں خلفاء کرام کی بابرکت ہدایات، قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ سے عطر کشید کر کے چارسو فضائے عالم کو معطر کر رہی ہیں۔اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ احباب جماعت کو یہ پر معارف ارشادات اور احکامات یکجائی صورت میں مل جائیں۔چنانچہ مکرم اکبر احمد صاحب نائب ناظر صنعت و تجارت نے اس بابرکت کام کو نہایت اخلاص اور ذاتی دلچسپی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ان کی زیرنگرانی اس کام کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی جس نے بہت محنت سے ان نوادرات کو جمع کیا ہے۔تاہم خلفاء کرام کے تمام ارشادات طبع نہ ہونے یا کتابی صورت میں موجود نہ ہونے

کے باعث اس کتاب میں مزید اضافہ کی گنجائش بہرحال موجود ہے جس کو انشاء اللہ آئندہ کسی وقت احباب کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو توفیق عطا فرمائے کو وہ ان ارشادات کو حرز جان بنا کر دست بکار دل بیار کا عملی مظاہرہ کرسکیں اور جماعتی ترقی کے متعلق خلفاء کرام کی تمناؤں اور ارادوں کو پورا کرنے کے لیے کام میں جُت جائیں۔

اس سے قبل خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی کے بابرکت سال میں نظارت ہذا احمدی تجار کے پتہ جات اور فون نمبرز پر مشتمل ایک ''بزنس ڈائریکٹری'' بھی شائع کر چکی ہے۔ نیز اسی سال www.sanat-o-tijarat.org کے نام سے نظارت کی ایک آفیشل ویب سائٹ بھی موجود ہے۔

اس کتاب کی تیاری کے دوران مکرم اسفند یار منیب صاحب، مکرم شفیق احمد ججہ صاحب، مکرم طارق محمود طاہر صاحب، مکرم وزیر خان ساجد صاحب، مکرم شیخ نصیر احمد صاحب، مکرم احمد طاہر مرزا صاحب، مکرم مسعود احمد شاہد صاحب، مکرم فرید احمد ناصر صاحب، مکرم حافظ طاہر اسلام صاحب، مکرم فرید الرحمٰن صاحب، مکرم اسامہ اظہر صاحب، مکرم عطاء المحسن دھاریوال صاحب، مکرم محمد علیم بلوچ صاحب نے خصوصی تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ کتاب کی تیاری کے ہر مرحلہ پر کسی بھی طرح تعاون کرنے والے سب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

ناظر صنعت وتجارت
صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ ربوہ

فہرست مضامین

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

آیات قرانیہ

۞ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے پیشتر اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی تجارت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی شفاعت۔ اور کافر ہی ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں۔

(البقرة:255)

۞ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوتے مگر ایسے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے (اپنی) مس سے حواس باختہ کر دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا یقیناً تجارت سود ہی کی طرح ہے۔ جبکہ اللہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس کے پاس اُس کے ربّ کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ باز آ جائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا رہے گا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو یہی لوگ ہیں جو آگ والے ہیں۔ وہ اس میں لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر سخت ناشکرے (اور) بہت گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی۔ اُن کے لیے اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے۔ اور اُن پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو سود میں سے باقی رہ گیا ہے، اگر تم (فی الواقعہ) مومن ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے اصل زر تمہارے ہی رہیں گے۔ نہ تم ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی تنگ دست ہو تو (اسے) آسائش تک مہلت دینی چاہیے۔ اور اگر تم خیرات کر دو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے، اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر جان کو جو اُس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معیّن مدت تک کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ اور کوئی کاتب اِس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے۔ پس وہ لکھے جیسا اللہ نے اُسے سکھایا ہے۔ اور وہ لکھوائے جس کے ذمہ (دوسرے کا) حق ہے،

اور اللہ اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرے، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ پس اگر وہ جس کے ذمہ (دوسرے کا) حق ہے بیوقوف ہو یا کمزور ہو یا استطاعت نہ رکھتا ہو کہ وہ لکھوائے تو اُس کا ولی (اس کی نمائندگی میں) انصاف سے لکھوائے۔ اور اپنے مَردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہرالیا کرو۔ اور اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ایسے) گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو۔ (یہ) اس لیے (ہے) کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کروا دے۔ اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور (لین دین) خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اُسے اس کی مقررہ میعاد تک (یعنی مکمل معاہدہ) لکھنے سے اکتاؤ نہیں۔ تمہارا یہ طرزِ عمل خدا کے نزدیک بہت منصفانہ ٹھہرے گا اور شہادت کو قائم کرنے کے لیے بہت مضبوط اقدام ہوگا، اور اس بات کے زیادہ قریب ہوگا کہ تم شکوک میں مبتلا نہ ہو۔ (لکھنا فرض ہے) سوائے اس کے کہ وہ دست بدست تجارت ہو جسے تم (اسی وقت) آپس میں لے دے لیتے ہو۔ اس صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اسے نہ لکھو۔ اور جب تم کوئی (لمبی) خرید وفروخت کرو تو گواہ ٹھہرالیا کرو۔ اور لکھنے والے کو اور گواہ کو (کسی قسم کی کوئی) تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً یہ تمہارے لیے بڑے گناہ کی بات ہوگی۔ اور اللہ سے ڈرو جبکہ اللہ ہی تمہیں تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کاتب میسر نہ آئے تو کوئی چیز باقبضہ رہن کے طور پر ہی سہی۔ پس اگر تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے پاس امانت رکھے تو جس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہے اسے چاہیے کہ وہ ضرور اس کی امانت واپس کرے اور اللہ اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو کوئی بھی اسے چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہو جائے گا۔ اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب جانتا ہے۔

(البقرۃ: 276تا284)

۞ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اموال آپس میں ناجائز طریق پر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر وہ ایسی تجارت ہو جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔ اور تم اپنے آپ کو (اقتصادی طور پر) قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(النساء: 30)

۞ ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو۔ ہم کسی جان پر اس کی وسعت سے بڑھ کر ذمہ

داری نہیں ڈالتے۔اور جب بھی تُم کوئی بات کروتو عدل سے کام لوخواہ کوئی قریبی ہی (کیوں نہ) ہو۔ اوراللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ امر ہے جس کی وہ تمہیں سخت تاکید کرتا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

(الانعام:153)

۞ تو کہہ دے کہ اگرتمہارے باپ دادااورتمہارے بیٹے اورتمہارے بھائی اورتمہارے اَزواج اور تمہارے قبیلے اور وہ اموال جوتم کماتے ہواوروہ تجارت جس میں گھاٹے کا خوف رکھتے ہواور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں اللہ اوراس کے رسول سے اوراللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہیں تو پھرانتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔اوراللہ بدکردارلوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(التوبة:24)

۞ اور مَدیَن کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (ہم نے بھیجا)۔اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔یقیناً میں تمہیں دولت مند پاتا ہوں اور میں تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔اور اے میری قوم! ماپ اور تول کوانصاف کے ساتھ پورا کیا کرواورلوگوں کی چیزیں انہیں کم کر کے نہ دیا کرواور زمین میں مفسد بنتے ہوئے بدامنی نہ پھیلاؤ۔اللہ کی طرف سے جو (تجارت میں) بچتا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگرتم (سچے) مومن ہو۔اور میں تم پر نگران نہیں۔انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اُسے چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے یا ہم اپنے اموال میں وہ (نہ) کریں جو ہم چاہیں۔یقیناً تو ضرور بڑا بردبار (اور) عقل والا (بنا پھرتا) ہے۔

(ھود:85تا87)

۞ اور جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے شعیب کواوران لوگوں کو جواس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات بخشی۔اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک گونج دار عذاب نے پکڑ لیا۔پس وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بَل پڑے رہ گئے۔گویا کہ وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خبردار! مَدیَن کے لیے بھی اسی طرح ہلاکت ہو جیسے قومِ ثمود ہلاک ہوئی۔

(ھود 95.96)

۞ تو میرے اُن بندوں سے کہہ دے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے مخفی طور پر بھی اور اعلانیہ طور پر بھی خرچ کریں پیشتر اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی اور نہ کوئی دوستی (کام آئے گی)۔

(ابراھیم:32)

۞ اور جب تم ماپ کرو تو پورا ماپ کرو اور سیدھی ڈنڈی سے تولو۔ یہ بات بہت بہتر اور انجام کار سب سے اچھی ہے۔

(بنی اسرائیل:36)

۞ ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے یا نماز کے قیام سے یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل (خوف سے) الٹ پلٹ ہو رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی۔

(النور:38)

۞ پورا پورا ماپ تولو اور ان میں سے نہ بنو جو کم کر کے دیتے ہیں۔ اور سیدھی ڈنڈی سے تولا کرو۔ اور لوگوں کے مال ان کو کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فسادی بن کر بدامنی نہ پھیلاتے پھرو۔

(الشعراء:182تا184)

۞ یقیناً وہ لوگ جو کتابُ اللہ پڑھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے پوشیدہ بھی خرچ کرتے ہیں اور اعلانیہ بھی، وہ ایسی تجارت کی امید لگائے ہوئے ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔

(الفاطر:30)

۞ تا کہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور تول میں کوئی کمی نہ کرو۔

(الرحمٰن:9،10)

۞ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن کے ایک حصّہ میں نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی کرتے ہوئے بڑھا کرو اور تجارت چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے

لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پس جب نماز ادا کی جا چکی ہو تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کے فضل میں سے کچھ تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور جب وہ کوئی تجارت یا دل بہلاوا دیکھیں گے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور تجھے اکیلا کھڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ تو کہہ دے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ دل بہلاوے اور تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ رزق عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

(الجمعة:10تا12)

۞ ہلاکت ہے تول میں ناانصافی کرنے والوں کے لیے۔ یعنی وہ لوگ کہ جب وہ لوگوں سے تول لیتے ہیں بھرپور (پیمانوں کے ساتھ) لیتے ہیں۔ اور جب اُن کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

(المطففين:2تا4)

نوٹ: آیات کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ ترجمہ سے لیا گیا ہے۔



احادیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۞ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کون سا ذریعہ معاش بہتر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ کی محنت، دستکاری اور صاف ستھری تجارت بہترین ذریعہ معاش ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4صفحہ141نسخہ میمنیہ)

۞ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں میں سے ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا تھا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا اور لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔وہ جواب دے گا اے میرے رب تو نے مجھے مال دیا، میں لوگوں سے خرید وفروخت اور لین دین کرتا، درگذر کرنا اور نرم سلوک کرنا میری عادت تھی۔خوشحال اور صاحب استطاعت سے بھی آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کرتا اور تنگدست کو بھی سہولت سے ادا کرنے کی مہلت دیتا۔اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا مجھے اس بات کا زیادہ حق پہنچتا ہے کہ درگذر سے کام لوں اور اپنے اس بندے سے شفقت کا سلوک کروں۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی طرح خود سنی تھی۔

(مسلم کتا ب البیوع باب فضل انظار المعسر)

۞ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کو دینے کے لیے کچھ تولو تو جھکتا ہوا تولو۔

(ابن ماجه ابو اب التجارات باب الرجحان فی الوزن)

۞ حضرت قیلہ ام بنی انمار رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عمرہ کے موقع پر مروہ کے مقام میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں ایک تاجر عورت ہوں۔میرا خریدنے کا طریقہ یہ ہے کہ چیز کی پہلے بہت کم قیمت بتاتی ہوں پھر آہستہ آہستہ قیمت زیادہ کرتی جاتی ہوں اور جس قیمت پر خریدنی مقصود ہو اس پر مال خرید لیتی ہوں۔اسی طرح جو چیز فروخت

کرنی ہوتی ہے پہلے اس کے دام بہت زیادہ بتاتی ہوں پھر آہستہ آہستہ دام کم کرتی جاتی ہوں اور پھر جس قیمت پر چیز فروخت کرنا مقصود ہواس پر مال فروخت کر دیتی ہوں ۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اے قیلہ !اس طرح نہ کیا کرو بلکہ قیمت مقرر ہونی چاہیے۔جس قیمت پر خریدنا ہو وہ صحیح قیمت بتا دو اگر اس نے اس قیمت پر دینا ہو تو دیوے اور نہ دینا ہو تو نہ دے۔اسی طرح فروخت کرتے وقت اصل قیمت بتاؤ اگر کسی نے لینی ہو تو لے ورنہ اس کی مرضی ۔(اس طرح اعتبار بھی قائم ہوگا اور وقت بھی ضائع نہ ہوگا)

(ابن ماجه ابواب التجارات باب السوم)

۞ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سچا اور دیانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی معیت کا حقدار ہے۔

(ترمذی ابواب البیوع باب فی التجار)

۞ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیانت دار اور سچا مسلمان تاجر بروز قیامت شہداء میں شامل سمجھا جائے گا۔

(ابن ماجه ابواب التجار باب الحث علی الکاسب)

۞ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خرید وفروخت کرنے والوں کو، جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں اختیار ہے کہ وہ سودا فسخ کر دیں اور اگر خرید وفروخت کرنے والے سچ بولیں اور مال میں اگر کوئی عیب یا نقص ہے تو اسے بیان کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس سودے میں برکت دے گا اور اگر وہ دونوں جھوٹ سے کام لے کر کسی عیب کو چھپائیں گے یا ہیرا پھیری سے کام لیں گے تو اس سودے میں سے برکت نکل جائے گی۔

(بخاری کتاب البیوع باب اذا لم یوقت الخیار هل یجوز البیع)

۞ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شہر کا رہنے والا دلال بن کر دیہات سے تجارتی سامان لانے والے کا سودا بیچے۔اسی طرح آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ صرف بھاؤ بڑھانے کے لیے بولی دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی کے پیغام پر

پیغام بھجوائے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ اس غرض سے نہ کرے کہ تا وہ اس کی جگہ لے اور اس کا حصہ اپنے برتن میں ڈالے۔ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارتی قافلے کو آگے جا کر ملنے اور سودا کر لینے سے منع فرمایا۔اسی طرح اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شہر کا رہنے والا دلال بن کر دیہاتی کا سامان بکوائے۔آپؐ نے فرمایا کوئی عورت اس شرط پر شادی نہ کرے کہ اس کا خاوند اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے، اسی طرح کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔محض بھاؤ بڑھانے کے لیے بولی نہ دے اور زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے دودھ دینے والے جانور کا دودھ اس کے تھنوں میں نہ روک رکھے۔

(بخاری کتاب البیوع باب لابیع علی بیع اخیہ....الخ)

۞ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجارتی سامان لانے والے قافلے کو آگے جا کر نہ ملو یعنی سامان مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے ہی نہ خرید لو بلکہ اس تجارتی سامان کو بازار میں آنے دو تا کہ قیمتوں میں اعتدال رہے۔

(بخاری کتاب البیوع باب النھی عن تلقی الرکبان)

۞ حضرت ابی حمراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو غلہ کا تاجر تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے غلہ کے برتن کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو محسوس کیا کہ نیچے کا غلہ گیلا ہے تو آپؐ نے فرمایا تم دھوکا دیتے ہو۔دیکھو دھوکا فریب دینا ہم مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔

(سنن ابن ماجہ ابواب التجارت باب النھی عن الغش)

۞ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماہر دست کار اور ہنر مند مومن کو پسند کرتا ہے۔

(الترغیب والترھیب باب الترغیب فی الاکتساب صفحہ 184/3 بحوالہ الطبرانی فی الکبیر)

۞ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کی طرح محنت کی کمائی بھی فرض ہے۔

(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل و عملہ بیدہ)

۞ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی روزی سے بہتر کوئی روزی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)

۞ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ خوراک وہ ہے جو تم خود کما کر کھاؤ اور تمہاری اولاد بھی تمہاری عمدہ کمائی میں شامل ہے۔

(ترمذی ابواب الاحکام باب ان الوالد یا خذمن مال ولدہ)

۞ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری سوالی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر میں کچھ ہے اس نے عرض کیا ایک چادر ہے جسے آدھا بچھاتا ہوں اور آدھا اوڑھتا ہوں اور ایک چھاگل ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے کر حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو لے کر فرمایا یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو تین مرتبہ فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔ اس پر ایک اور شخص نے کہا کہ میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چیزیں اسے دو درہم میں دے دیں۔ اور اس انصاری کو کہا کہ یہ لو ایک درہم سے کھانے پینے کی چیزیں خرید کر گھر دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ کلہاڑی خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں خود لکڑی کا دستہ ڈالا اور اس شخص سے فرمایا جاؤ اور اس سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر فروخت کرو اور پندرہ دن سے پہلے تجھے ادھر آتا نہ دیکھوں۔ وہ شخص لکڑیاں کاٹ کر اور لا کر بیچتا رہا یہاں تک کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے دس درہم کما لیے تھے۔ چنانچہ ان درہموں سے اس نے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ کا کھانے پینے کا سامان خریدا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ تیرے لیے خود کما کر کھانا اس بات سے زیادہ اچھا ہے کہ تو در در مانگتا پھرے اور قیامت کے دن اس حالت میں اللہ کے حضور آئے کہ تیرا چہرہ خراش زدہ

ہو۔دیکھو مانگنا صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے۔ایک وہ شخص جو غربت کی وجہ سے پس گیا ہو۔دوسرے وہ شخص جس پر ناحق مصیبت آپڑی ہواور قرض کے بوجھ تلے دب گیا ہواور اس کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہ دیکھتا ہو۔تیسرے وہ شخص جس کے ہاتھ سے غلطی سے قتل ہو گیا ہواور اس وجہ سے اس نے دیت یعنی خون بہاادا کرنا ہو۔

(ابو داود کتاب الزکوٰۃ باب ما تجوز فیه المسألة)

۞ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص رسی لے کر جنگل میں جاتا ہے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر بازار میں آتا ہے اور اسے بیچتا ہے اور اس طرح اپنا گزارہ چلاتا ہے اور اپنی آبرو اور خودداری پر حرف نہیں آنے دیتا وہ بہت ہی معزز ہے اور اس کا یہ طرز عمل لوگوں سے بھیک مانگنے سے ہزار درجہ بہتر ہے نہ معلوم وہ لوگ اس کے مانگنے پر اسے کچھ دیں یا نہ دیں۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب استعفاف عن المسألة)

۞ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں مل گئی تھیں۔اس حالت میں وہ اپنے گزارہ کے لیے کھجوریں توڑنے نکلیں تو ایک آدمی نے ایام عدت میں گھر سے نکلنے سے انہیں منع کیا۔وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھجوریں توڑنے جایا کرو ہوسکتا ہے تم اس میں سے کچھ صدقہ خیرات کرو یا نیک راستہ اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرو۔

(ابوداود کتاب الطلاق باب فی المبتوتةتخرج بالنهار)

۞ حضرت ابن اعبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں تجھے اپنا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک واقعہ نہ سناؤں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام رشتہ داروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز تھیں۔میں نے کہا کیوں نہیں ضرور سنائیں۔اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سنانے لگے کہ چکی چلا چلا کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں گٹے اور پانی ڈھوڈھو کر سینے پر مشکیزہ کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے کچیلے ہو جاتے تھے۔اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ خادم

آئے۔میں نے کہا فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خام آئے ہوئے ہیں اگر مانگوگی ایک آدھا مل جائے گا۔جاؤ جا کر کوئی خادم مانگ لو۔جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو دیکھا کہ لوگ بیٹھے باتیں کررہے ہیں وہ اس دن واپس آگئیں پھر دوسرے دن گئیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیسے آئی ہوتو وہ خاموش رہیں۔میں نے کہا حضور میں بتاتا ہوں یہ کس لیے آئی ہے۔چکی چلا چلا کر ہاتھ میں گٹے پڑ گئے ہیں اور مشک اٹھا اٹھا کر سینے پر نشان نظر آتے ہیں اور آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس خادم آئے تو میں تمہیں دوں گا۔پس آپؐ اسے کوئی خادم دے دیں تاکہ وہ اس جانکاہ محنت سے بچ جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر فرمانے لگے: فاطمہ! اللہ سے ڈرو اپنے رب کے فرائض ادا کرو۔گھر کے کام کاج خود کرو۔جب رات کو سونے لگو تو 33 بار سبحان اللہ 33 بار الحمدللہ 34 بار اللہ اکبر کا ذکر کرو۔یہ کل سو بار ہوئے۔یہ طرز عمل نوکر چاکر کی تمنا سے زیادہ بہتر ہے۔اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رضا پر راضی ہوں۔

(ابوداود کتاب الخراج و الفی و الامارۃ باب فی بیان موضع قسم الخمس)

۞ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا لوگوں کو سوال کرنے سے بچنا چاہیے۔اوپر والا ہاتھ جو کہ خرچ کرنے والا ہے نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان الید العلیاء خیر من الید السفلیٰ)

۞ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ امداد کے لیے عرض کیا تو آپؐ نے میرے سوال کے مطابق مجھے عنایت فرمایا۔ایک بار پھر ایسی ہی میں نے درخواست کی۔آپؐ نے یہ منظور فرمالی۔تیسری بار پھر میں درخواست گزار ہوا۔اسے بھی آپؐ نے منظور فرما لیا لیکن ساتھ ہی ارشاد فرمایا: دنیا بہت مرغوب چیز ہے۔بہت کچھ سمیٹنے کو جی چاہتا ہے لیکن برکت بے نیازی میں ہی ہے۔جو شخص اس دنیا کے حاصل کرنے میں حرص ولالچ کا مظاہرہ کرتا ہے وہ بے برکتی کا منہ دیکھتا ہے اور اس کی مثال اس بھوک کے مریض کی سی ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔یاد رکھو اوپر والا یعنی دینے والا ہاتھ

نیچے والے یعنی لینے والے ہاتھ سے افضل ہے یعنی دینے والے بنو لینے والے نہ ہو۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے سچائی دے کر آپؐ کو بھیجا ہے آئندہ میں آپؐ کے سوا کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔ چنانچہ بعد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بلایا جاتا تا کہ وہ اپنا عطیہ لے جائیں لیکن وہ قبول نہ کرتے اور اس کے لینے سے انکار کر دیتے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے مسلمانو! میں تم کو حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے متعلق گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے سامنے ان کا حق پیش کیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ غرض حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ تا وفات اپنے اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتے دم تک کسی سے کچھ نہ لیا۔

(بخاری کتاب الوصیة باب تاویل قولہ من بعد وصیة یوصی بھا)

نوٹ: احادیث کا ترجمہ حدیقۃ الصالحین سے لیا گیا ہے۔

☆ اس مضمون سے متعلقہ مزید احادیث کے لیے نظارت اشاعت کی شائع کردہ صحیح بخاری ترجمہ و شرح از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ جلد 4 کا مطالعہ فرمائیں۔



اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ تجارت کے طریق اپناؤ

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سود جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

''یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جب تک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے حرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاویں ہم اس کے متعلق اپنی رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کیے ہیں مسلمان کو چاہیے کہ ان کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے۔ ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹال دینا گناہ ہے مثلاً اگر دنیا میں سؤر کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لیے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے تب ہم فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (البقرۃ:174) کے نیچے لا کر اس کو جائز کہہ دیں گے مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔''

(الحکم مؤرخہ 10 مئی 1902ء صفحہ 11)

خدا تعالیٰ متقی کے لیے راہ نکال دیتا ہے

''جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے خدا اس کا کوئی سبب پردہ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لیے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقع نہیں بناتا کہ وہ سودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان دہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر اتنا خرچ ہو جو انسان سودی قرضے لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی

خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں جو ان کی تباہی کا موجب ہے۔ دیکھو سود کا کس قدر سنگین گناہ ہے کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں سؤر کا کھانا تو بحالت اضطرار جائز رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ غفور رحیم ہے مگر سود کے لیے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لیے تو ارشاد ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرة:280) اگر سود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اُسے حاجت ہی نہیں پڑتی۔ مسلمان اگر اس ابتلا میں ہیں تو یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو مالدار ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کے مصداق۔ پس کیا ضروری نہیں کہ مسلمان اس سے باز آئیں۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدنظر رکھے تا کہ سودی قرضہ اُٹھانے کی نوبت نہ آئے۔ جس سے سود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ابھی کل ایک شخص کا خط آیا تھا کہ ہزار روپیہ دے چکا ہوں ابھی پانچ چھ سو باقی ہیں پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ۔ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ سود دینے پر راضی ہے۔ پس وہاں سے ڈگری جاری ہو جاتی ہے اس سے یہ بہتر تھا کہ مسلمان اتفاق کرتے اور کوئی فنڈ جمع کر کے تجارتی طور پر اُسے فروغ دیتے تا کہ کسی بھائی کو سود پر قرضہ لینے کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ اسی مجلس سے ہر صاحب ضرورت اپنی حاجت روائی کر لیتا اور میعاد مقررہ پر واپس دے دیتا۔''

(بدر مؤرخہ 6رفروری 1908ء صفحہ 6)

''دیکھو جو حرام پر جلدی نہیں دوڑتا بلکہ اس سے بچتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے حلال کا ذریعہ نکال دیتا ہے۔ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق:3) جو سود دینے اور ایسے حرام کاموں سے بچے خدا تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل بنا دے گا۔ ایک کی نیکی اور نیک خیال کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر استقلال رکھے تو سود خوار بھی مفت دینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔''

(بدر مؤرخہ 6رفروری 1908ء صفحہ 6) (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اول صفحہ 766 تا 772)

دست با کار دل بایار

''وہ ایسے مرد ہیں کہ ان کو یادِ الٰہی سے نہ تجارت روک سکتی ہے اور نہ بیع مانع ہوتی ہے یعنی محبت الٰہیہ میں ایسا کمال تام رکھتے ہیں کہ دنیوی مشغولیاں گو کیسی ہی کثرت سے پیش آویں ان کے حال میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں۔''

(براہین احمدیہ صفحہ 517 حاشیہ درحاشیہ)

''یہ ایک ہی آیت صحابہ رضی اللہ عنھم کے حق میں کافی ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی تبدیلیاں کی تھیں اور انگریز بھی اس کے معترف ہیں کہ ان کی کہیں نظیر ملنا مشکل ہے۔ بادیہ نشین لوگ اور اتنی بہادری اور جرأت، تعجب آتا ہے۔''

(الحکم مؤرخہ 24/اپریل 1903ء صفحہ 6)

''یادرکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:38) جب دل خدا کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں۔ اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔ اسی طرح جو لوگ خدا کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں وہ کسی حال میں بھی خدا کو فراموش نہیں کرتے۔''

(الحکم مؤرخہ 24 جون 1904 صفحہ 21)

''دین اور دنیا ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے سوائے اس حالت کے جب خدا چاہے تو کسی شخص کی فطرت کو ایسا سعید بنائے کہ وہ دنیا کے کاروبار میں پڑ کر بھی اپنے دین کو مقدم رکھے اور ایسے شخص بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا ذکر تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک شخص ہزار ہا روپیہ کے لین دین کرنے میں مصروف تھا ایک ولی اللہ نے اس کو دیکھا اور کشفی نگاہ اس پر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا دل باوجود اس قدر لین دین...... روپیہ کے خدا تعالیٰ سے ایک دم غافل نہ تھا۔ ایسے ہی آدمیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کوئی تجارت اور خرید و فروخت ان کو غافل نہیں کرتی اور انسان کا کمال بھی یہی ہے کہ دنیوی کاروبار میں بھی مصروفیت رکھے

اور پھر خدا کو بھی نہ بھولے۔ وہ ٹٹو کس کام کا ہے جو بر وقت بوجھ لادنے کے بیٹھ جاتا ہے اور جب خالی ہو تو خوب چلتا ہے وہ قابل تعریف نہیں۔ وہ فقیر جو دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشین بن جاتا ہے وہ ایک کمزوری دکھلاتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہم کبھی نہیں کہتے کہ عورتوں کو اور بال بچوں کو ترک کردو اور دنیوی کاروبار کو چھوڑ دو۔ نہیں بلکہ ملازم کو چاہیے کہ وہ اپنی ملازمت کے فرائض ادا کرے اور تاجر اپنی تجارت کے کاروبار کو پورا کرے لیکن دین کو مقدم رکھے۔

اس کی مثال خود دنیا میں موجود ہے کہ تاجر اور ملازم لوگ باوجود اس کے کہ وہ اپنی تجارت اور ملازمت کو بہت عمدگی سے پورا کرتے ہیں پھر بھی بیوی بچے رکھتے ہیں اور ان کے حقوق برابر ادا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک انسان ان تمام مشاغل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھ کر بڑی عمدگی سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔

(بدر مؤرخہ 14 / مارچ 1907ء صفحہ 6)

''ہمارے ایسے بندے بھی ہیں جو بڑے بڑے کارخانہ تجارت میں ایک دم کے لیے بھی ہمیں نہیں بھولتے۔ خدا سے تعلق رکھنے والا دنیا دار نہیں کہلاتا۔''

(بدر مؤرخہ 9 / جنوری 1908ء صفحہ 10)

''ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت و حرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ والا معاملہ ہو۔ دست با کار دِل بایار والی بات ہو۔ تاجر اپنے کاروبارِ تجارت میں اور زمیندار اپنے امورِ زراعت میں اور بادشاہ اپنے تختِ حکومت پر بیٹھ کر۔ غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمے بیٹھ رہو اور بجائے اس کے کہ اَوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔ نہیں بلکہ سُست ہونا گناہ ہے۔ بھلا ایسا آدمی پھر خدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔ عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ تم دنیا کو بالکل ترک کر دو بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:10) تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرواور حرفت کرو۔ جو چاہو کرومگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ پھر جوتمہاری دُنیا ہے وہ بھی دین کے حکم میں آجاوے گی۔

انسان دنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔ دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لَو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دُنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔''

(الحکم مؤرخہ 26،30 /اگست 1908ء صفحہ 3،4) (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 3 صفحہ 455 تا 457)

محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے بلکہ اس نے صاف فرمایا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم:40) اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ جدو جہد سے کام کرے لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دنیا کو مقصود بالذات نہ بنالو دین کو مقصود بالذات ٹھیراؤ اور دنیا اس کے لیے بطور خادم اور مَرکَب کے ہو۔''

(الحکم مؤرخہ 16 اگست 1900 صفحہ 4)

......''قرآن کریم کو بہت پڑھنا چاہیے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیے کیونکہ محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو کہ جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے اور قسم قسم کی محنت اُٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے مگر محنت کے لیے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو سامان بھی عمدہ ہو سب کچھ کر بھی سکے تب جا کر فائدہ پاوے گا۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیے۔ جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بَلاؤں سے اُسے بچاتا ہے۔''

(البدر مؤرخہ 24 اپریل 1903 صفحہ 109)

......’’قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی کوئی انسان بغیر سعی کے کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے پھر اس کے خلاف اگر کوئی کچھ حاصل کرنا چاہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور اسے آزماتا ہے اس لیے محروم رہے گا۔ دنیا کے عام کاروبار میں بھی تو یہ سلسلہ نہیں ہے کہ پھونک مار کر کچھ حاصل ہو جائے یا بدوں سعی اور مجاہدہ کے کوئی کامیابی مل سکے۔ دیکھو آپ شہر سے چلے تو سٹیشن پر پہنچے اگر شہر سے ہی نہ چلتے تو کیونکر پہنچتے؟ پاؤں کو حرکت دینی پڑی ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے جس قدر کاروبار دنیا کے ہیں سب میں اول انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی راہ میں وہی لوگ کمال حاصل کرتے ہیں جو مجاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے فرمایا وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) پس کوشش کرنی چاہیے کیونکہ مجاہدہ ہی کامیابیوں کی راہ ہے۔‘‘

(الحکم مؤرخہ 10 تا 17 نومبر 1904 صفحہ 3)

......’’اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآن شریف نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کرے گا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہو سکے گا۔‘‘

(الحکم مؤرخہ 14 مئی 1908ء صفحہ 1)

(تفسیر حضرت مسیح موعودعلیہ السلام جلد 4 صفحہ 269 تا 272)



سود کے بدنتائج

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا (البقرۃ:276) کمانے کی صورتوں میں سے ایک صورت کمانے کی جہاد کی بہت بھاری دشمن ہے اور وہ سود ہے۔ رِبٰوا کے بہت ہی خطرناک نتائج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ سودخواروں کے اخلاق ایسے خراب ہوتے ہیں کہ ایک سودخوار کے آگے میں نے ایک فقیر کے لیے سفارش کی تو وہ کہنے لگے کہ پانچ روپے میں دے تو دوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود سے سوا لاکھ ہو جاتا۔

لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے ان کے مبلغات پرومیسری نوٹوں کے بدلے میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت تباہ ہوگئی۔ میں نے چند مصنفین کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ربٰوا کے معنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی نہ کھلے۔ تعجب کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہاں تک تو فرمادیا کہ فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ:280) اور یہ نہ کھولا کہ رِبٰوا کیا ہے پھر ساہوکار جاہل سے جاہل زمیندار سب جانتے ہیں کہ سود کیا ہے۔‘‘

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 20 رمئی 1909ء) (حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 430)

لین دین کے ہر معاملہ کو لکھ لیا کرو

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’او ایمان والو! ہر ایک معاملہ کو لکھ لیا کرو جس کے لیے کوئی میعادی معاہدہ ہوا اور ہر ایک کو نہ چاہیے کہ معاہدوں کو لکھا کرے بلکہ چاہیے کہ معاہدہ کو وہ شخص لکھے جو ایسے معاہدوں کا لکھنے والا ہو اور معاہدہ کو اس انصاف کے ساتھ لکھے جس میں ضرورت کے وقت تمسک میں نقص نہ نکلے اور تمسک نویس کو تمسک کے لکھنے میں کبھی انکار نہ ہوا کرے کیونکہ کاتب کو اللہ تعالیٰ نے فضل سے ایسا کام سکھایا۔ پس چاہیے کہ تمسکات کو لکھے اور لکھاوے۔ وہ جس نے دینا ہو اور ضرور ہے کہ لکھاتے ہوئے لکھانے والا اللہ سے ڈرتا رہے اور ذرہ بھی اس میں کمی و نقص نہ کرے اور اگر لکھانے والا کم عقل اور بچہ اور لکھانے

کے قابل نہیں تو اس کا سربراہ انصاف وعدل کے ساتھ لکھاوے اور اپنے معاملات پر دومرد گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دومرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دوعورتیں۔ دو کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک ان میں سے کچھ بھول گئی تو دوسری اُسے یاد دلائے گی اور گواہ بلانے پر انکار نہ کریں اور ایسے سُست نہ بنیو کہ تھوڑا یا بہتا میعادی معاملہ لکھنے میں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں پر انصاف کی باتیں ہیں اور جہاں گواہی کی ضرورت پڑے گی وہاں یہ باتیں بڑی مفید پڑیں گی اور ایسی تدبیروں سے باہمی بدگمانیاں جاتی رہیں گی۔ ہاں دستی لین دین اور نقدی کی تجارت میں تحریر نہ ہونے سے گناہ بھی نہیں۔ مگر ہر ایک سودے میں گواہوں کا پاس ہونا تو ضرور چاہیے (اگر اس پر عمل ہوتا تو چوری کی چیزیں لینے میں پولیس کی گرفتاری سے بہت کچھ امن ہو جاتا) اور یاد رہے کہ کاتب اور گواہ کو ان کا ہرجانہ دو اگر نہ دو گے تو بدکار بنو گے۔ خدا کا ڈر رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آرام کی باتیں سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے۔''

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ 266 تا 268)

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ (البقرۃ: 283) جہاد میں ضرورت ہے روپیہ کی اور روپیہ کا حصول بعض کے نزدیک سود پر منحصر ہے۔ فرمایا کہ جو سود لیتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔ ہاں لین دین کے معاملے میں کافی احتیاط ضروری ہے۔

کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ یعنی کاتب کی تحریر عدالت سے وابستہ ہو اور قانون سلطنت کے ٹھیک مطابق ہو۔ ہم نے ایک دفعہ پانچ سو روپیہ دیا اور جائیداد کی رجسٹری نہ کرائی۔ چنانچہ وہ روپیہ بھی واپس نہ ملا۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا نورالدین نے دو گناہ کیے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے حکم کے مطابق وہ رجسٹری داخل خارج نہ کرائی۔ دوم اپنے تساہل سے دوسرے کو گناہ کرنے کا موقع دیا۔ انہیں شاید 500 روپیہ کی فکر ہے اور مجھے اس بات کی کہ یہی 500 روپیہ گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ کسی اور شامت میں مبتلا نہ ہوں۔

کئی لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ لکھوانے میں اور قانون سلطنت کے مطابق رجسٹری وغیرہ کرانے میں تساہل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجی یہ ہمارے اپنے ہیں یا بڑے بزرگ ہیں ان کی نسبت کیا خطرہ ہے۔ مگر آخر اس حکم کی خلاف ورزی کا نتیجہ اُٹھاتے ہیں۔......

عَلَّمَهُ اللّٰهُ صحیح فرمایا۔ کیونکہ اللہ ہی نے دماغ دیا اسی نے فہم دیا۔ اسی نے آنکھیں دیں۔ کوئی کاتب کتابت نہیں کرسکتا مگر اللہ کے فضل سے۔ اس لیے اپنی طرف منسوب فرمایا۔......

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی لاہور میں ایک شخص نے میری تقریر سن کر مجھ سے کہا کیا یہ باتیں آپ کی مجھے لفظ بلفظ یاد رہیں گی۔ میں نے سادگی سے کہا۔نہیں۔اس پر وہ بولا۔تب یہ حدیثیں وغیرہ سب نامعتبر ہیں کیونکہ جب دس منٹ کے بعد کوئی کلام لفظ بلفظ یاد نہیں رہ سکتا تو پھر دو سو سال کے بعد وہ باتیں کیسے یاد رہ سکتی ہیں۔حدیثیں تو تمام دوسو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ میں نے اسے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک بھول جائے تو دوسرا یاد کرائے۔اس اصول کے مطابق ہم حدیثوں کے قدر مشترک کو لے لیتے ہیں۔

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا تم پر گناہ نہیں جو نہ لکھواسکو۔اس سے معلوم ہوا کہ لکھنا بہر حال بہتر ہے۔یہ اس کلمہ سے خوب ملتا ہے فَلَاجُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا (البقرہ:159)اس میں طواف واجب ہے۔

وَاَشْھِدُوْا اِذَا تَبَایَعْتُمْ شافعی دکاندار معمولی سودوں میں بھی آس پاس کے دکانوں کے لوگوں کو گواہ کر لیتے ہیں یا کم از کم علیٰ مذہب ابی حنیفہ کہہ کر اعلان کر دیتے ہیں۔

لا یضار کاتب کو حق کتابت ضرور دینا چاہیے۔گواہوں کو بھی حرجانہ حسب حیثیت ان کو دینا چاہیے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اللہ کو سپر بناؤ۔اس کا تقویٰ اختیار کرو۔اللہ علم دے گا۔یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ تقویٰ کا نتیجہ سچے علوم کا ملنا ہے۔“

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 20 مئی 1909ء)(حقائق الفرقان جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 433 تا 435)

ماپ تول میں خیانت کی ایک سزا

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے سورۃ المطففین آیت 3 اَلَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

”اکثر اوقات ماپ تول برضا ورغبت جھکتی ڈنڈی سے لیا جاتا ہے اور دینے والا بھی جھکتی تول خوشی سے دیتا ہے۔ممنوع لینا جھکتی تول وہ ہے جو ضرر کے لیے ہو کہ بلا رضامندی دینے والے کے جھکتی تول لی جاوے۔حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگ ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں تو خداوند کریم بارشوں کو روک لیتا ہے۔قحط شدید پڑتا ہے۔حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت یہ مرض

خصوصیت سے ہوگا۔مگر اس وقت تو بات حد سے بڑھ گئی ہے۔‘‘

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 342)

دینی امور پر تجارت کو فوقیت نہ دیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے سورۃ الجمعہ آیت 10 **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کہنے میں ہم سب یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود محبوب اور مطاع نہ ہوگا اور کوئی غرض و مقصد اللہ تعالیٰ کے اس راہ میں روک نہ ہوگی۔اس امامؑ نے اس مطلب کو ایک اور رنگ میں ادا کیا ہے کہ ہم سے یہ اقرار لیتا ہے ’’دین کو دنیا پر مقدم کروں گا‘‘۔اب اس اقرار کو مدنظر رکھ کر اپنے عمل درآمد کو سوچ لو کہ کیا اللہ تعالیٰ کے احکام اوامر ونواہی مقدم ہیں یا دنیا کے اغراض و مطالب؟......غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تم نماز کے لیے جمعہ کے دن بلائے جاؤ تو بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔

عام جمعوں میں چھوٹی چھوٹی بیع ہے لیکن مسیح موعود علیہ السلام کا وقت چونکہ عظیم الشان جمعہ ہے اس لیے اس وقت دجال کا فتنہ بہت بڑی بیع ہے اس لیے فرمایا کہ اس کو چھوڑ و اور ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔ نتیجہ اس کا کیا ہے؟ **ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** اگر تم کو کچھ علم ہے تو یاد رکھو یہ تمہارے لیے مفید ہے۔اس میں خیر و برکت ہے۔تمہارے لیے اللہ تعالیٰ جس امر کو خیر و برکت کا موجب قرار دیتا ہے اس کو ظنی یا وہمی خیال کرنا کفر ہے۔انسان چونکہ عواقب الامور اور نتائج کا علم نہیں رکھتا اس لیے وہ بعض اوقات اپنی کمزوریٔ علم اور کمیٔ معرفت کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مأمور کی صحبت میں رہنا یا اس کے پاس جانا اخراجات کو چاہتا ہے یا بعض تجارتی کاموں میں اس سے حرج واقع ہوگا۔دکان بند کرنی پڑے گی یا کیا کیا عذرات تراشتا ہے لیکن خدا تعالیٰ یقین دلاتا ہے کہ اس کی آواز سنتے ہی حاضر ہو جانا خیر و برکت کا موجب ہے۔اس میں کوئی خسارا اور نقصان نہیں مگر تم کو اس کا علم ہونا چاہیے۔پس اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

دست بکار دل بیار

ہاں فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعۃ:11) جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو لو۔ اس کا اصل اور گُر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مظفر اور منصور ہو جاؤ گے۔ خدا کی یاد ساری کامیابیوں کا راز اور ساری نصرتوں اور فتوحات کی کلید ہے۔ اسلام انسان کو بے دست و پا بنانا یا دوسروں کے لیے بوجھ بنانا نہیں چاہتا۔ عبادت کے لیے اوقات رکھے ہیں جب ان سے فارغ ہو جاوے پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کاروبار میں مصروف ہو کر بھی یادِ الٰہی کو نہ چھوڑے بلکہ

دست بکار دل بیار

ہو اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے اور دیکھ لے کہ آیا خلافِ مرضیٔ مولیٰ تو نہیں کر رہا۔ جب یہ بات ہو تو اس کا ہر فعل خواہ وہ تجارت کا ہو یا معاشرت کا، ملازمت کا ہو یا حکومت کا۔ غرض کوئی بھی حالت ہو عبادت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امرِ الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے۔

یہ اصل ہے جو ساری فتح مندیوں کی کلید ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس اصل کو چھوڑ دیا جب تک اس پر عملدرآمد رہا اس وقت تک وہ ایک قوم فتح مند قوم کی حالت میں رہی۔ لیکن جب اس پر سے عمل جاتا رہا تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم ہر طرح کی پستیوں میں گر گئی۔''

(الحکم 28 رفروری 1903ء صفحہ 3 تا 6)(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 126 تا 128)

اللہ تعالیٰ ہی بہتر رزق دینے والا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے سورۃ الجمعہ آیت 12 وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا نِانْفَضُّوْا اِلَیْھَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''اور جب تجارت کے سامان مل جاتے ہیں یا کھیل تماشہ کا وقت پاتے ہیں۔ وہ تجھے چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں اور کھیل تماشوں سے بہتر ہے

اور اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہ حالت انسان کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ خدا تعالیٰ پر سچا اور کامل یقین نہیں رکھتا اور اس کو رازق نہیں سمجھتا۔ یوں ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ جب کامل ایمان ہوتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے لیے سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

بعض لڑکوں سے میں نے پوچھا ہے کہ تم جو گھر جاتے ہو کیوں؟ کیا لھو کے واسطے؟ اگر یہ غرض ہے تو پھر یہ خدا کے ارشاد کے نیچے ہے۔ لَهْوًا اور تِجَارَةً کو گویا خدا تعالیٰ پر مقدم کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

اللہ کو خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ یقین کرو اور مت خیال کرو کہ صادق کی صحبت میں رہنے سے کوئی نقصان ہوگا کبھی ایسی جرأت کرنے کی کوشش نہ کرو کہ اپنی ذاتی اغراض کو مقدم کرلو۔ خدا کے لیے جو کچھ انسان چھوڑتا ہے اُس سے کہیں بڑھ کر پالیتا ہے۔ تم جانتے ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا چھوڑا تھا اور پھر کیا پایا۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے کیا چھوڑا ہوگا۔ اس کے بدلہ میں کتنے گُنے زیادہ خدا نے ان کو دیا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے جو نہیں ہے؟ لِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تجارتوں میں خسارہ کا ہو جانا یقینی اور کاروبار میں تباہیوں کا واقع ہو جانا قرین قیاس ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو چھوڑ کر کبھی بھی انسان خسارہ نہیں اٹھا سکتا۔

(الحکم 28 فروری 1903ء صفحہ 7)

غرض اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں سے بہتر ہے۔ وہ خیر الرازقین ہے۔ میں نے بہت سے ایسے بے باک دیکھے ہیں جو کہا کرتے ہیں

اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم
اے دیانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم

ایسے شوخ دیدہ خود ملعون ہیں جو دیانت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ پس خدا کے لیے ان ذریعوں اور راستوں کو چھوڑ و جو بظاہر کیسے ہی آرام دہ نظر آتے ہیں لیکن ان کے اندر خدا کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ میں نے بسا اوقات نصیحت کی ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة: 120) پر عمل کرنے کے واسطے ضروری ہے یہاں آ کر رہو۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ تجارت یا ملازمت کے کاموں سے فرصت نہیں ہوتی۔ لیکن میں ان کو آج یہ سناتا ہوں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام تجارتوں کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آ جاؤ! وہ اس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں؟ کیا ہم کُنبہ قبیلہ والے نہیں؟ کیا ہماری

ضروریات اور ہمارے اخراجات نہیں ہیں؟ کیا ہم کو دنیوی عزت یا وجاہت بُری لگتی ہے؟ پھر وہ کیا چیز ہے جو ہم کو کھینچ کر یہاں لے آئی؟ میں شیخی کے لیے نہیں کہتا بلکہ **تحدیث بالنعمة** کے طور پر کہتا ہوں کہ میں اگر شہر میں رہوں تو بہت روپیہ کما سکوں لیکن میں کیوں ان ساری آمدنیوں پر قادیان کے رہنے کو ترجیح دیتا ہوں؟ اس کا مختصر جواب میں یہی دوں گا کہ میں نے یہاں وہ دولت پائی ہے جو غیر فانی ہے۔ جس کو چور اور قزاق نہیں لے جا سکتا۔ مجھے وہ ملا ہے جو تیرہ سو برس کے اندر آرزو کرنے والوں کو نہیں ملا۔ پھر ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر میں چند روزہ دنیا کے لیے مارا مارا پھروں؟ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر اب کوئی مجھے ایک لاکھ کیا ایک کروڑ روپیہ یومیہ بھی دے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہے میں نہیں رہ سکتا۔ ہاں امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں۔ پھر خواہ مجھے ایک کوڑی بھی نہ ملے۔ پس میری دولت، میرا مال، میری ضرورتیں اسی امام کے اتباع تک ہیں اور دوسری ساری ضرورتوں کو اس ایک وجود پر قربان کرتا ہوں۔

مہاجرین میں خلافت کا انعام ملنے کا سبب

میرے دل میں بارہا یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کو جو مہاجر تھے کیوں خلافت ملی اور مدینہ والے صحابہ رضی اللہ عنھم کو جو انصار تھے اس سے حصہ نہیں ملا۔ بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ انصار کی جماعت نے ایسے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی جب آپؐ مکہ سے تکالیف برداشت کرتے ہوئے پہنچے۔ مگر اس میں بھید یہی ہے کہ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھوڑا نہیں۔ اس کی نصرت کے لیے خدا نے ان کو بہت کچھ دیا۔ مگر مہاجر جنہوں نے اللہ کے لیے ہاں محض اللہ ہی کے لیے اپنے گھر بار بیوی بچے اور رشتہ داروں تک چھوڑ دیے تھے اور اپنے منافع اور تجارتوں پر پانی پھیر دیا تھا وہ خلافت کی مسند پر بیٹھے۔ میں سقیفہ کی بحث پڑھتا تھا اور مِنْكُمْ اَمِيْرٌ وَّ مِنَّا اَمِيْرٌ پر میں نے غور کی ہے۔ مجھے خدا نے اس مسئلہ خلافت میں یہی سمجھایا ہے کہ مہاجرین نے چونکہ اپنے گھر بار تعلقات چھوڑے تھے ان کو ہی اس مسند پر اول جگہ ملنی ضرور تھی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ پس ایسے عذر بے فائدہ اور بیہودہ ہیں۔ اس وقت دنیا خطرناک ابتلا میں پھنسی ہوئی ہے۔ پہلی بلا جہالت کی ہے۔ تدبر سے کتاب اللہ کو نہیں پڑھتے اور نہیں سوچتے جب تدبر ہی نہ ہو، تلاوت ہی نہ ہو تو اس پر عمل کی تحریک کیسے پیدا ہو۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی جگہ

بہت بڑا وقت قصوں کہانیوں اور لغویات میں بسر کیا جاتا ہے۔''

(الحکم 10 / مارچ 1903ء صفحہ 3،2) (حقائق الفرقان جلد چہارم، صفحہ 130 تا 132)

تجارت دین سے غافل کرنے والی نہ ہو

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے سورۃ النور آیت 38 رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''تصوف کی تعریف میں فرمایا التَّجَافِيُ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْإِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ صوفی موت کی تیاری کرتا ہے قبل اس کے موت نازل ہو۔ ظاہری و باطنی طور پر پاکیزہ رہتا ہے یہاں تک کہ تجارت وبیع اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اصحابِ صُفَّہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ یہ لوگ دن بھر محنت ومشقت کرتے۔ اس سے اپنا گزارہ کرتے اور اپنے بھائیوں کو کھلاتے اور پھر رات بھر وہ تھے اور قرآن کریم کا مشغلہ۔''

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 13 / جون 1912ء) (حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 219)

تجارت میں 19 حصے منافع ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ جولائی 1911ء میں سفر ملتان سے واپسی پر لاہور میں حضرت میاں چراغ دین صاحب رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی دکان ''عزیز ہاؤس'' میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپؓ نے فرمایا:

''دکان چلانے کے واسطے ہمت استقلال، دیانت، ہوشیاری، عاقبت اندیشی اور امانت کی ضرورت ہے۔'' نیز فرمایا: ''لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک ہزار حرفہ سکھایا تھا۔ یورپ میں بہت ترقی ہے مگر ہنوز ہزار تک نوبت نہیں پہنچی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تجارت میں 19 حصہ منافع ہے باقی ایک حصہ دیگر حرفوں میں ہے۔ حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ تجارت کے واسطے مغربی ممالک میں جاؤ۔''

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 323)



تجارت اور سود

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 9؍جنوری 1914ء کے خطبہ جمعہ میں سود اور تجارت کا فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''سود کا نظارہ دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرۃ:280) یہ تو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنا ہے۔ تو تم پھر اللہ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سود میں کچھ حرج نہیں ہے اور اس کے بغیر دنیا تباہ ہوتی ہے اور اس کے سوا کام نہیں چل سکتا۔ لیکن قرآن شریف میں تو یہ آیا ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی اس کتاب میں ہلاکت کی تعلیم نہیں ہے تو گویا یہ کہنے والے کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور دنیا ہلاک ہوتی ہے وہ قرآن کریم کی تعلیم کو جھوٹا قرار دیتے ہیں اور ان کو قرآن کریم پر ایمان نہیں ہے۔ لوگ تجارت اور سود کو برابر بتلاتے ہیں وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (البقرۃ:276) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حرمتِ سود و حلّتِ بیع پر دلیل نہیں دی۔ حالانکہ جب ڈاکٹر ایک چیز سے منع کرتا ہے تو وہ ضرور مضر ہوگی اور اگر وہ کسی چیز کو جائز قرار دیتا ہے تو وہ ضرور فائدہ مند ہوگی۔ پس اللہ جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے وہ ضرور ہی ضرر رساں ہوگی۔ پس یہی دلیل ہے۔

بنکوں کے معاملے کو دیکھ لو اور ان کے دیوالیے نکلنے سے معلوم کر لو۔ اس سے بخوبی ثابت ہو جائے گا کہ تجارت اور سود ایک چیز نہیں کیونکہ ایک بنک کے ٹوٹنے سے دوسرے کئی بنک اس وجہ سے ٹوٹ گئے کہ ان کا آپس میں سودی لین دین تھا دوسرے بے اعتباری ہونے پر امانتداروں نے اپنا روپیہ واپس لینا شروع کر دیا اگر کسی تجارتی کوٹھی کو نقصان پہنچتا تو اس کا نتیجہ یہ ہرگز نہ ہوتا بلکہ ایک دکان جاتی رہنے سے بہت سی دکانیں فروغ پا جاتی ہیں کیونکہ ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔''

(خطبات محمود جلد 4 صفحہ 20)

انصاف اور معاہدات کی پابندی

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ یکم مئی 1914ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''بہت لوگ دنیا میں اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ انصاف سے کام نہیں کرتے جہاں کہیں ان کا معاملہ کسی سے پڑتا ہے ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ دوسرے کی چیز ہم لے لیں یہ لوگ معاہدات کی پابندی نہیں کرتے حالانکہ بڑے شرم کی بات ہے کہ جب ایک بات پر معاہدہ ہو جائے تو اس سے یہ اُمید رکھی جاوے کہ اس کو زید تو پورا کرے اور میں نہ کروں اور کسی کا نقصان ہو تو ہو لیکن مجھے ضرور ہی فائدہ پہنچ جاوے۔

تاجر لوگ چاہتے ہیں کہ ہر ایک چیز کی قیمت تو پوری لیں لیکن چیز گندی اور خراب دیں۔ ادھر خریداروں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم قیمت تو تھوڑی دیں لیکن مال اچھا لیں۔ خواہ تاجر گھر سے ڈال کر دے۔ نوکر چاہتا ہے کہ میں محنت کم کروں لیکن تنخواہ زیادہ پاؤں اور آقا چاہتا ہے کہ کام پورا لوں لیکن تنخواہ بہت کم دوں۔ غرضیکہ ہر ایک آدمی اپنے معاملہ میں دوسرے کا نقصان ہی کرنا چاہتا ہے لیکن یہ نہیں چاہتا کہ کسی اور کو بھی کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ بعض دفعہ ہر دو فریق ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہوئے خود نقصان اٹھا لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے سنا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بزاز سے کپڑا خریدا۔ جب وہ خرید کر گھر چلا گیا تو فروخت کرنے والے شخص کو معلوم ہوا کہ اس کپڑے میں تو نقص تھا۔ کیڑے نے اس کو ناکارہ کر دیا ہوا تھا۔ اس کو خوف خدا آیا کہ میں نے مسافر سے دھوکا کیا ہے وہ ایک قافلے کا آدمی تھا، قافلہ چلا گیا۔ تاجر اس کے پیچھے گیا اور دو تین منزلوں پر جا کر اس سے ملا اور کہا کہ میرا دل گھبرا گیا کیونکہ میں نے تم کو دھوکا دیا۔ تم اپنا روپیہ واپس لے لو اور مجھے کپڑا دے دو۔ اس نے کہا کہ تو نے ہی دھوکا نہیں دیا میں نے بھی کیا ہے جتنے روپے میں نے تم کو دیے تھے وہ سب کھوٹے تھے مجھے تو نفع ہی رہا تھا۔

لوگوں سے تو دھوکا کیا ہی جاتا ہے لیکن آدمی اللہ کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ آدمی دھوکا کھا جاتا ہے لیکن تعجب اور حیرت اس بات پر ہے کہ انسان خدا کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں اور پھر عجیب در عجیب فریب کرتے ہیں۔ خدا کے ساتھ جو معاہدہ ہے اس کو تو پورا نہیں کرتے لیکن یہ امید رکھتے ہیں کہ

خدا ہم سے اپنے عہد کو پورا کرے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے چونکہ مسلمان کہلا لیا پس خدا ہم کو مسلمان سمجھ لے گا۔خواہ ہم میں کتنا ہی بغض، کینہ، دشمنی اور برائیاں کیوں نہ ہوں اور خدا ہم سے مسلمانوں والا سلوک کرے گا اور دھوکا کھا جائے گا۔لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ عالم الغیب ہے۔انسان دھوکا کھا سکتا ہے، دکاندار خریدار کو دھوکا دے سکتا ہے،نوکر آقا کو دھوکا دے سکتا ہے اور آقا نوکر کے ساتھ دغا بازی کر سکتا ہے لیکن خدا دھوکا نہیں کھا سکتا کیونکہ وہ تو انسان کی ہر ایک کمزوری کو خوب جانتا ہے اور پوشیدہ بھیدوں اور ارادوں سے بھی خوب واقف ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان عبادت کرتا ہے لیکن خدا کی درگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔روزے رکھتا ہے لیکن خدا کے حضور قبول نہیں کیے جاتے۔بیسیوں نیکی کے کام کرتا ہے لیکن رد کیے جاتے ہیں۔جس کی وجہ یہ ہے کہ خدا انسان کی نیتوں اور اندرونی رازوں کو جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان باتوں سے کام نہیں بن سکتا میں اسی وقت اپنے وعدے پورے کروں گا جبکہ تم بھی اپنے وعدے پورے کرو گے۔جب تم راستباز بن جاؤ گے، گناہوں کو چھوڑ دو گے، فسق و فجور سے قطع تعلق کر لو گے، بغض و کینہ سے اپنے سینوں کو صاف کر لو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جاؤ گے تب تم سچے مسلمان بنو گے اور پھر تم سے وعدے پورے کیے جائیں گے۔‘‘

(خطبات محمود جلد 4 صفحہ 81 تا 83)

الٰہی بیع میں کوئی نقصان نہیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 17 / جولائی 1914ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’دنیا میں قسم قسم کی بیعیں ہوتی ہیں اور بڑا بیوپار اور تجارت ہو رہی ہے۔ یورپ کا سارا زور تجارت پر ہے۔اس زمانہ میں تجارت کا اتنا زور ہے کہ اس کی وجہ سے بعض مفید اور نیک باتیں دنیا سے مفقود ہیں مثلاً مہمان نوازی یہ ایک اعلیٰ وصف تھا لیکن یورپ میں کوئی کیسا عزیز دوست کیوں نہ ہو اسے ہوٹل میں اُترنا پڑتا ہے اور کھانے پینے کا بل اس کے سامنے پیش کر کے پیسے وصول کر لیے جاتے ہیں اور اس زمانہ میں ہر ایک ذلیل سے ذلیل چیز کی بھی بیع ہو رہی ہے۔حیرت کا مقام ہے شہروں میں اب پاخانہ بھی فروخت کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی ذرا بھر نفع دینے والی چیز ہو اسے جھٹ فروخت کر دیا جائے گا تم

یہاں سے چلو گے تو یہیں سے تم بیع میں لگ جاؤ گے۔ یکہ والے سے بیع، ریل میں پھر سٹیشنوں پر جا کر مختلف قسم کی بیعیں ہوں گی۔ برف، مٹھائی، مختلف قسم کے میوے اور مختلف قسم کی اور چیزیں ہوں گی جن کی تم بیع کرو گے لیکن یہ وقتی بیعیں ہوں گی۔ یہ سب چیزیں جو تم لو گے کچھ تو گھر پہنچتے پہنچتے تمہارا جزو بدن بن چکی ہوں گی کچھ فضلہ بن کر تم سے الگ ہوں گی۔ پھر جو چیزیں تم گھروں میں لے جاؤ گے وہ تم اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو دو گے۔ بچوں کو دو گے وہ بھی انہیں کھا کر ختم کریں گے لوگ بھاگے بھاگے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر پھرتے ہوں گے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی چیزیں بک جائیں اور وہ اس کے بدلے میں روپے پیسے لیں۔ وہ چیزیں بھی تمہارے پاس نہ رہیں گی بلکہ تمہارا جزوِ بدن بن جائیں گی۔ یہ تو وقتی بیعیں ہیں جو فنا ہونے والی اور محدود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک بیع بتلاتا ہے اور وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُم (التوبة: 111) خدا فرماتا ہے ہم تم سے ایک بیع کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس اپنے نفس اور اموال بیچ دو اور تمہیں اس کے بدلے میں ہم ایک کبھی نہ ختم ہونے والی چیز دیتے ہیں وہ کبھی ختم نہ ہو گی اور اس کے بدلے میں آرام اور سُکھ تم کو ملے گا۔ دنیا میں تو جو چیز دے کر دوسرے کے پاس سے اس کی محنت لیتا ہے۔ بیچنے والا ایک چیز اپنی محنت کے ذریعہ پیدا کرتا ہے پھر اسے بیچتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ انسان کو بغیر اس کی محنت اور مشقت کے ایک چیز دیتا ہے پھر کہتا ہے اچھا یہ چیز ہمارے پاس بیچ دو ہم تمہیں اس کے بدلے میں ایک غیر فانی چیز دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، سر، منہ غرض تمام اعضاء عنایت کیے اور مال بھی اپنے پاس سے دیا لیکن پھر وہ انسان کو کہتا ہے یہ چیز بیچ دو اس کے بدلہ میں مَیں تم کو ایک اعلیٰ چیز دوں گا کیا تم بتلا سکتے ہو کہ اس بیع میں کوئی نقصان ہے؟ نادان ہے وہ شخص جو اس بیع کے کرنے میں ہچکچائے۔''

(خطبات محمود جلد 4 صفحہ 132، 133)

سود کا نفع

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 25/اگست 1916ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے اپنے لیے یہ بات خاص کر چھوڑی ہے کہ جب بندہ اس سے لین دین کرتا ہے تو نفع ہی نفع حاصل کرتا ہے۔ چونکہ سود بھی ایک قسم کا نفع ہے جس میں نفع ہی نفع ہوتا ہے، نقصان نہیں

ہوتا۔اس لیے خدا تعالیٰ نے اس فعل کو اپنے لیے خالص کرنے کے لیے بندوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ سود نہ لیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہی صفت ہے کہ وہ نفع ہی نفع دیتا ہے۔پس جب خدا کو اتنی غیرت ہے کہ اس نے بندوں کو اس قسم کے لین دین سے بھی منع کر دیا ہے تا کہ یہ صرف خدا ہی کی خصوصیت رہے، حالانکہ بندوں کا فعل خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر اور لا شے ہے اور اکثر دفعہ سود کی بجائے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، تاہم خدا تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں کیا۔پس وہ جو اس کی رضاء کے لیے کچھ خرچ کرتا ہے کبھی نقصان نہیں اُٹھاتا۔''

(خطبات محمود جلد 5 صفحہ 234)

بد دیانتی کا نتیجہ

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 29 ستمبر 1916ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں جب کشمیر گیا تو وہاں ایک غالیچہ باف کو غالیچے بُننے کے لیے کہا گیا اور قیمت پیشگی دے دی۔غالیچہ کا طول وعرض سب اس کو بتا دیا گیا۔ہم آگے چلے گئے جب واپس آ کر اس سے غالیچے مانگے تو اس نے لپیٹے ہوئے ہمارے ہاتھ میں دے دیے اور کہنے لگا کہ اسی طرح بند کے بند ہی لے جاؤ، کھولو نہیں۔لیکن اس کے بار بار اس بات پر زور دینے سے ہمیں خیال ہوا کہ کوئی بات ہی ہے جب یہ کہتا ہے کہ بند کے بند ہی لے جاؤ اس لیے کھول کر دیکھنے چاہییں۔ جب کھولے اور ناپے تو معلوم ہوا ایک ایک بالشت طول میں اور ایک ایک چپہ عرض میں کم تھے۔ہم نے اسے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا جی ہم مسلمان ہوتے ہیں۔میں اسے کہوں کہ اسلام میں تو ایسا کرنا ناجائز ہے پھر تم نے مسلمان ہو کر کیوں ایسا کیا؟ اس کا وہ یہی جواب دیتا رہا کہ میں مسلمان ہوں۔اس کہنے سے اس کا یہ مطلب تھا کہ اگر ہم مسلمان لوگ ایسا نہ کریں تو ہمارا گزارہ نہیں ہوتا۔تو اب مسلمانوں میں ہر ایک سے دھوکہ، فریب، دغا کرنے کی عادت ہی ہوگئی جب انہوں نے دوسروں سے غدر کرنا سیکھا تو اب اپنوں پر بھی استعمال کرنے لگ گئے۔ اس طرح ان کا نہ آپس میں اعتبار بھروسہ اور اطمینان رہا اور نہ دوسروں کے نزدیک اور ان اخلاقی جرموں کی پاداش میں ان کی حالت اس قدر ذلت اور رُسوائی کو پہنچ گئی کہ اب کشمیر کی تجارت پہلے کی نسبت سینکڑوں گنا کم ہوگئی ہے۔میں نے اس کی وجہ پوچھی تو یہ بتائی گئی کہ یہاں کے لوگ ناقص مال بنا کر بھیجتے

تھے۔ جس کا آہستہ آہستہ یہ انجام ہوا کہ لینے والوں نے مال کا لینا ترک کر دیا اور جب مال نہ بِکا تو بنانے والوں نے بھی اس کام کو چھوڑ کر اور کام اختیار کر لیے اور اس طرح تجارت کو زوال آ گیا۔''

(خطبات محمود جلد 5 صفحہ 268)

دکانداری کے ساتھ مہمان نوازی بھی مدنظر رکھیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 22 ردسمبر 1916ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں یہاں (قادیان) کے دکانداروں کو دکانداری سے روکنا پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ نے حج کے موقع پر بھی تجارت کو جائز رکھا ہے۔ قادیان کے دکانداروں کے لیے بھی یہ تجارت کرنے کا موقع ہے۔ مگر جہاں خدا تعالیٰ ایسے موقع پر تجارت کرنے سے منع نہیں کرتا وہاں یہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ بالکل اسی میں لگ جائیں۔ پس دکاندار خوب کمائیں اور خوب تجارت کریں مگر کچھ وقت مہمانداری میں بھی صرف کریں۔''

(خطبات محمود جلد 5 صفحہ 358)

تجارت کا ایک سنہری اصول

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 2 رفروری 1917ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہر ایک تاجر کی ایک الگ سیاست ہے اور ہر ایک پیشہ ور کی الگ۔ تاجر کی سیاست تو یہ ہے کہ وہ باہر سے مال نہ اس بے احتیاطی اور کثرت سے خریدے کہ اس کی دکان میں ہی پڑا خراب ہوتا رہے اور نہ اتنا کم لائے کہ لوگوں کی ضروریات بھی پوری نہ ہوں بلکہ وہ ضروریات کو دیکھتا ہوا کسی چیز کی خریداری پر ہاتھ ڈالے تاکہ نہ اس کو ایک لمبے عرصہ تک خریداروں کا انتظار کرنا پڑے اور نہ یہ ہو کہ اس کے ہاں سے مال ہی نہ ملے۔ اسی طرح پیشہ ور کی سیاست یہ ہے کہ نہ تو اشیاء کے تیار کرنے میں اتنی دیر لگائے جس سے مانگ کا وقت گزر جائے اور نہ اتنا پہلے کہ ابھی مانگ کا موقع ہی نہ آئے اور وہ اشیاء کے تیار کرنے میں مصروف رہے۔''

(خطبات محمود جلد 5 صفحہ 381)

عہدیداران کے فرائض

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 17 / مارچ 1919ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''اس محکمہ کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ احمدی جماعت کی دنیاوی ترقیات کے متعلق خیال رکھے۔ مثلاً جو لوگ بے کار ہیں انہیں کام پر لگانے کی کوشش کی جائے کیونکہ اگر ایک حصہ بے کار ہو تو اس کا ساری جماعت پر اثر پڑتا ہے اور ان کے کام پر لگنے سے جماعت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً پچاس آدمی ایسے ہوں جو ملازمت کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ لیکن ناواقف ہونے کی وجہ سے کسی جگہ ملازم نہ ہو سکیں تو ان کا بار جماعت کے افراد پر ہی پڑے گا اور اگر وہ ملازم ہو جائیں تو نہ صرف دوسروں پر بوجھ نہیں رہیں گے بلکہ خود بھی جماعت کے کاموں میں چندہ دے سکیں گے۔ پس اس صیغہ کا یہ بھی کام ہوگا کہ ایسے لوگوں کی فہرستیں تیار کرے جو ملازمت تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ناواقفیت کی وجہ سے ملازم نہیں ہو سکتے اور ان کے متعلق ایسے لوگوں کو لکھا جائے جو ملازمتیں تلاش کر سکتے ہیں کہ وہ انہیں نوکر کرائیں۔ اسی طرح تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق خیال رکھنا اس صیغہ کا کام ہوگا۔ لوگوں میں عام طور پر بھیڑ چال ہوتی ہے۔ مثلاً اگر وہ دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے فائدہ اٹھایا ہے تو وہ اسی کے حصول میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن کوئی قوم اور خصوصاً وہ قوم جو بھی ابتدائی حالت میں ہو اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ سب قسم کے تعلیم یافتہ لوگ اس میں نہ پائے جاتے ہوں۔ میرے خیال میں آجکل مسلمانوں کو اس بات سے بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگوں نے انجینئری کی تعلیم کی طرف توجہ کی ہے اور عام طور پر یہ صیغہ ہندوؤں کے قبضہ میں ہے۔ اگر مسلمان اس طرف خاص توجہ کرتے تو اپنی قوم کے لوگوں کو جائز طور پر بہت فائدہ پہنچا سکتے تھے۔ کیونکہ اس محکمہ کے آفیسروں کے اختیار میں کئی قسم کے ٹھیکے وغیرہ دینے کا کام ہوتا ہے جو آج کل عام طور پر ہندوؤں ہی کو ملتے ہیں اور اگر کسی مسلمان کو مل بھی جائے تو اس کام میں نقص نکال کر اس کے اپنے سرمایہ کو بھی تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی سٹیج پر ایک صاحب بیٹھے ہیں ان کے ایک بزرگ کو ٹھیکہ کے معاملہ میں ہی انجینئر نے اس قدر نقصان پہنچایا کہ ان کی اپنی جائیداد جو کروڑوں کی تھی تباہ و برباد ہوگئی۔ پس ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نئے تعلیم پانے والوں کی خبر لیتے رہیں اور ان کے لیے ان کے

مذاق اور قابلیت کے مطابق تعلیم کا انتظام کریں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ ان مختلف شعبہ ہائے تعلیم میں تقسیم ہو جاویں جو آئندہ ان کی ذات کے لیے بھی اور جماعت کے لیے بھی مفید ثابت ہوں۔‘‘

(خطاب جلسہ سالانہ 17 مارچ 1919ء۔انوارالعلوم جلد 4 صفحہ 340، 341)

دست در کار دل بایار

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 29 ؍اگست 1919ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غرباء آئے اور کہا حضور! ہمارے بھائی امیر نیکیوں میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔نماز ہم پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں، ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں وہ بھی جاتے ہیں، وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں ہم اس سے محروم ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ اگر تم وہ کرو گے تو امراء سے تم نیکیوں میں بڑھ جاؤ گے اور وہ بات یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد 33 دفعہ تحمید 33 دفعہ تقدیس اور 34 دفعہ تکبیر کہا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے بڑھا دے گا۔چند دن کے بعد غرباء پھر آئے کہ حضور! امیر تو یہ کام بھی کرنے لگ گئے ہم کیا کریں آپؐ نے فرمایا کہ خدا جس کو فضیلت دیتا ہے میں کس طرح اُس کو روک سکتا ہوں۔وہ دولت مند مسلمان ایسے مسلمان نہ تھے کہ فرائض کو بھی ترک کر دیں۔وہ تو نوافل میں اس قدر جدوجہد کرتے تھے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔پھر ان کی دولت مندی برائے نام نہ تھی بلکہ کافی دولت رکھتے تھے۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنھم کا خیال تھا کہ غریب ہیں جب فوت ہوئے تو ان کے پاس اڑھائی کروڑ روپیہ کی جائیداد ثابت ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کو تجارت کا بھی خاص ملکہ تھا۔چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس فن میں کامل تھے۔انہوں نے ایک دفعہ دس ہزار اونٹ خریدے اور اصل قیمت پر ہی فروخت کر دیئے۔ایک دوست نے کہا کہ اس میں آپ کو کیا نفع ہوا۔انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اسی وقت کھڑے کھڑے اڑھائی ہزار روپے کا نفع ان اونٹوں کی خرید و فروخت میں حاصل ہوا ہے اور وہ اس طرح کہ میں نے جب اونٹ خریدے تھے تو نکیل سمیت خریدے تھے اور فروخت بغیر نکیل کے کیے ہیں اس سودے میں دس ہزار نکیل مجھے نفع میں ملی اور اگر میں

اس وقت فروخت نہ کرتا تو خدا جانے کب گاہک پیدا ہوتا اور اتنے عرصہ میں کتنا کھا جاتے لیکن اس وقت بغیر کسی خرچ کے اڑھائی ہزار روپے کا نفع ہوا۔ چونکہ ان کو تجارت کا فن خوب آتا تھا اور اپنے کام میں بہت چست تھے اس لیے وہ مال میں بڑھ گئے۔''

(خطباتِ محمود جلد 6 صفحہ 294، 295)

قرض کے لین دین کے متعلق ہدایات

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 19 ر نومبر 1920ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''جو لوگ قرض لیتے ہیں اور دینے میں حیل و حجت کرتے یا مکر جاتے ہیں وہ اپنے دشمن ہوتے ہیں۔ نہ صرف اپنے ملک اپنی قوم کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ جب ان کو ضرورت پڑتی ہے تو گڑگڑاتے ہیں مگر جب قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے تو اس کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بدمعاملگی سے ڈر کر وہ لوگ جن کی سچی ضرورت ہوتی ہے قرض لینے سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کے پاس وہ قرض لینے جاتے ہیں وہ ان کی بات کا اعتبار نہیں کر سکتا جبکہ پہلے وہ دیکھ چکا ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اس سے قرض لے کر کیا سلوک کیا ایسے لوگ دو طرح مضر ہوتے ہیں اور وہ دو قسم کے لوگوں کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

(ا) وہ لوگ جو سچی ضرورت رکھتے ہیں ان کو قرض نہیں مل سکتا۔ (۲) وہ لوگ جن سے قرض لیتے ہیں آئندہ ان کو نیکی کرنے سے محروم کر دیتے ہیں اور نیز ایسے لوگ دوسرے لوگوں کو بدمعاملگی کی تعلیم کرتے ہیں۔

خوب یاد رکھو جس طرح شریعت یہ کہتی ہے کہ دوسروں سے نیکی کرو اس طرح یہ بھی کہتی ہے کہ محسن کے احسان کی قدر کرو اور احسان فراموش نہ بنو۔ جو شخص تم کو ضرورت کے وقت قرض دیتا ہے وہ تمہارا محسن ہے تم اس کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرو اور جن آنکھوں سے لیا ہے انہی سے دو۔ بعض لوگ جب قرض لے جاتے ہیں تو بہت الحاح سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب وہ مانگنے آتا ہے تو اس کو کہتے ہیں۔ لاٹ صاحب بن گیا۔ ہر وقت سر پر چڑھا رہتا ہے۔ حالانکہ لینے والے کا حق تھا کہ وہ سختی کرے مگر یہاں الٹا معاملہ ہے کہ جب مطالبہ کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ ہم پر حکومت کرنے لگا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غیر مسلم شخص نے کچھ لینا تھا وہ آیا اور سختی کرنے لگا۔بعض صحابہ رضوان اللّٰہ علیہم کو بُرا معلوم ہوا۔آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کا مقروض ہوں اس کو حق ہے کہ سختی کرے۔

تو ضرورت کے وقت جاتے ہیں اور لیتے ہیں لیکن جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو کبھی سامنے نہیں ہوتے اور ہمیشہ آنکھ بچا کر نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر قرض خواہ لوگوں کے پاس کہے کہ آپ ہی لے دیں تو کہتے ہیں کہ ہم اب نہیں دیں گے کیونکہ اس نے ہمیں بدنام کیا ہے گویا وہ اس کے باپ کی جائیداد میں سے کچھ اس سے مانگتا تھا۔اس کا حق تھا وہ کیوں نہ طلب کرتا جو شخص ایسے کمینہ کو گالی دیتا ہے وہ حق ہے۔اگرچہ اخلاق گالی کی اجازت نہیں دیتا، کانے کو کانا کہنا حق ہے مگر اخلاق سے بعید ہے چور کو چور کہنا جائز ہے لیکن مجسٹریٹ کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔شریعت نے منع کیا ہے کہ کانے کو کانا کہا جائے اس لیے کہ جو کانا کہتا ہے وہ اُس کو چڑانا چاہتا ہے مگر اس میں شک نہیں کانے کو کانا کہنا درست ہے۔اس طرح جو شخص کسی کا مال مارتا ہے حق ہے کہ وہ اس کو چور یا ڈاکو کہے۔کیونکہ یہ اس عیب کا مرتکب ہوتا ہے۔بعض لوگوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ قرض لیتے ہیں اور اس سے اپنی جائیداد بناتے ہیں۔قرض دینے والا اس خیال سے کہ ان کو ضرورت ہے ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کر کے دے دیتا ہے لیکن جب وہ مطالبہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ دس دن کو آنا۔پھر جب جائے تو پھر دس دن توقف کرنے کو کہتے ہیں۔اس طرح کئی دفعہ ہو چکنے کے بعد انکار کر بیٹھتے ہیں یا بعض عدم گنجائش کا بہانہ کر بیٹھتے ہیں۔حالانکہ یہ کہنا ان کو جُرم سے نہیں بچاتا۔کیونکہ جب قرض لینے لگے تھے ضروری تھا کہ اس وقت حیثیت کو سوچتے۔نہ یہ کہ جب دینے کا وقت آیا اس وقت گنجائش کا سوال اٹھایا۔پس جب قرض لینے لگے تھے اس وقت سوچنا تھا کہ ہم ادا بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

مجھے قرآن کریم کی اس آیت پر ہمیشہ تعجب ہوا کرتا تھا کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (البقرہ:283) اس میں مدت کی شرط لگائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اس میں دو فائدے ہیں۔

اول۔دینے والے کے لیے۔دوم۔لینے والے کے لیے۔

اول لینے والے کے لیے یہ فائدہ ہے کہ مثلاً مہینہ کا وعدہ ہے تو مہینہ کے بعد جا کر طلب کرے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کو روز روز پوچھنا پڑے گا اور نیز یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جب مہینہ کا وعدہ ہوگا تو یہ حق نہیں ہوگا کہ دوسرے دن ہی مطالبہ شروع کر دے۔ دوسرا فائدہ ہوگا کہ جب لینے والا لینے لگے گا تو پہلے سوچے گا کہ میں جتنے عرصہ میں ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں ادا بھی کر سکوں گا کہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی آمدنی پندرہ بیس روپیہ ماہوار رکھتا ہے اور ایک مہینہ کے وعدہ پر سو روپیہ قرض لیتا ہے تو سوال ہوگا کہ وہ کہاں سے ادا کرے گا۔

اس لیے قرض دینے والا اس سے متنبہ ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر ایک زمیندار قرض لیتا ہے اور اس کی فصل اس کے قرض سے زیادہ یا برابر ہے تو وہ لے سکتا ہے۔ پس اس آیت میں یہ فوائد بتائے ہیں اور اب ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ جو قرض لیتا ہے وہ اس کو ادا کر سکے گا یا نہیں۔ اگر نہیں ادا کر سکے گا اور وہ قرض لیتا ہے تو یہ ٹھگی ہے۔ بعض وہ لوگ جو کہتے ہیں، گنجائش نہیں۔ ان کو ثابت کرنا چاہیے کہ جب وہ لینے لگے تھے اس وقت ان کو امید تھی کہ وہ قرض اُتار سکیں گے۔ مگر ناگہانی اسباب نے ان ذرائع کو منقطع کر دیا۔ اس لیے قرض اُتارنا ممکن نہ رہا۔ ورنہ گنجائش کا سوال بعد از وقت ہے۔

اگر کوئی شخص قرض لے کر نفع اُٹھاتا اور تجارت کرتا ہے اور قرض خواہ کو قرض نہیں دیتا تو ضروری ہے کہ اس سے روپیہ لے کر اس کو دیا جائے۔ اگر وہ کہے کہ میری تجارت تباہ ہوگئی تو اس کا روپیہ تھا ہی نہیں کہ یہ تجارت کر سکتا۔ اس نے جو نفع اُٹھایا اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح قرض لیتے ہیں اور آپ نفع اُٹھاتے ہیں اور قرض خواہ کو نہیں دیتے وہ نفع نہیں اُٹھاتے وہ آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ پس جو معاملہ کرو دیانت سے کرو اور صفائی اس میں رکھو۔ قرض دینے والے کو چاہیے کہ لکھ لے اور مدت مقرر کر لے اس میں دونوں کے لیے فائدہ ہے۔ بعض لوگ کام کچھ نہیں کرتے اور قرض لے لے کر گزارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں توکل پر گزارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ توکل انبیاء اور اولیاء کرتے ہیں، اور اس کے معنے ہیں کہ وہ شخص بادشاہ ہوگیا۔ کیونکہ جس طرح بادشاہ جب چاہتے ہیں ٹیکس لگا کر رقم وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو متوکل ہوتے ہیں۔ ان کی ضرورت خدا پوری کرتا ہے۔ مگر یہ عجیب متوکل ہیں کہ لوگوں سے قرض لیتے ہیں اور دیتے نہیں۔

ہاں جو لوگ اپاہج ہوں یا معذور ہوں ان کی مدد حکومت پر فرض ہے اگر حکومت غیر مذہب کی ہو

اور اس کا ایسا انتظام نہ ہو تو پھر وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اس جماعت کے امام کا اور بیت المال کا فرض ہے کہ ان کی ضروریات کو پورا کرے۔لیکن جس طرح بعض لوگ قرض لینے میں بدمعاملگی کرتے ہیں اسی طرح بعض دکاندار بھی بدمعاملگی کرتے ہیں وہ بچوں یا عورتوں کو یا ایسے لوگوں کو جن کی آمد کی کوئی سبیل نہیں وہ محتاج یا اپاہج ہیں اور ان کا بار بیت المال پر ہے قرض دیتے ہیں اور بچوں کے باپ کو اور عورت کے خاوند اور اپاہجوں کے قرض کے لیے انجمن کو مجبور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ شور ڈالنے سے مل ہی جائے گا۔حالانکہ ان کا فرض ہے کہ یہ قرض اس کو دیں جس پر ان کو ذاتی اعتماد ہو اور وہ شخص ذاتی آمدنی رکھتا ہو۔اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ بھی ٹھگی کرتا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے معاملات کی خرابی سے جماعت کو بدنام کرتے ہیں اس لیے بہتر ہو کہ ایسے لوگ اپنے رویہ کی اصلاح کریں۔ورنہ ان کو جماعت سے الگ کر دیا جائے گا۔مذہب سے الگ کرنا تو اختلاف عقائد سے ہوتا ہے مگر جس شخص کا رویہ جماعت کے لیے مضر ہو اس کو جماعت سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

میں اُن اصحاب کو بھی نصیحت کرتا ہوں جو سُستی سے کام لیتے ہیں کہ وہ سُستی کو چھوڑ دیں۔یاد رکھو کہ یہ معاملات کی اچھائی یا بُرائی ہے جس کی بنا پر غیر شخص تمہارے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔اگر معاملات اچھے ہیں تو لوگ تمہاری بات سن سکتے ہیں۔اگر نہیں تو ساری جماعت چند آدمیوں کی خاطر ٹھگ کہلائے گی اور مثال میں دو چار نام لے دینا ہی کافی خیال کیا جائے گا۔

پس جو قرض دیتا ہے وہ محسن ہے سچی ضرورت کے وقت لو اور میعاد معینہ میں ادا کرو۔اگر کسی معقول وجہ سے نہیں اُتار سکتے تو نرمی اور خندہ پیشانی سے اس کو یقین دلاؤ کہ میں ان وجوہ سے اب ادا نہیں کر سکا۔پھر آئندہ کر دوں گا اور جب روپیہ آئے تو پہلے قرض خواہ کے روپے ادا کرو۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں مَیں نے عورتوں کو زیادہ دیکھا۔بوجہ ان کے ناشکر گزار ہونے کے۔تو ناشکروں کی سزا جہنم ہے۔لوگ معاملات سے حالات کا اندازہ کرتے ہیں۔نمازوں سے نہیں۔اگر اس طرح تبلیغ کے رستہ کو بند کر دیا تو پھر کوئی عمدہ رستہ نہیں۔پس اپنے معاملات کی دُرستی پر بہت زور دو۔اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔آمین‘‘

(خطبات محمود جلد 6 صفحہ 550 تا 553)

قولِ سدید کے فوائد

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 30رجنوری 1922ء کو ایک خطبۂ نکاح میں فرمایا:

''یورپ والے قریباً دہریہ ہیں مگر ان کا تجارت کے معاملہ میں صداقت اور سداد پر عمل ہے۔ان سے لاکھوں کی چیز منگواؤ تو کوئی فریب کا اندیشہ نہیں اس لیے ان کی تجارت کو فروغ ہے۔اگر ناقص چیز ہو تو وہ لکھ دیں گے کہ یہ چیز ناقص ہے اس لیے ہم نے قیمت کم کر دی ہے۔اگر پسند نہ ہو تو واپس بھیج دیں۔خرچ ہمارا۔اس بارے میں وہ نقصان کا بھی خیال نہیں کرتے مگر اور لوگ تجارت میں اس اصول کے پابند نہیں اس لیے ان کی تجارت تباہ ہو رہی ہے۔یورپ کے اس اصول میں گو خدا کی رضا مدنظر نہیں۔اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا o یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا o(الاحزاب: 71،72) مسلمانو! یہ تو تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں کہ سچ بولو اس لیے کہ تم اس پر عمل کرتے ہو اور ہر شریف سچ بولنے کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس کے طبعی نتائج ظاہر ہیں لیکن ہم ایک زائد بات بتاتے ہیں کہ تقوی اللہ کو مدنظر رکھو کیونکہ سدید کہتے ہیں ہر پیچ سے مبرّا،صاف سیدھی،راستی کی بات۔ممکن ہے کہ ایک بات سچی ہو مگر اس میں پیچ رکھا گیا ہو کہ موقع پر اس سے نکل جائیں۔مگر سدید بات میں اس کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔اس میں ہر مخفی دھوکہ سے اجتناب ہوتا ہے۔اس لیے فرمایا کہ تم قولِ سدید پر عمل کرو اور زائد بات یہ ہے کہ خدا کے تقویٰ سے کام لو کہ خدا کی رضا حاصل ہو۔یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ اعمال کو درست کر دے گا۔یہ سداد پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔لیکن اگر سداد کے ساتھ تقویٰ ہو گا تو اس کا نتیجہ اس سے زائد ہو گا وہ یہ کہ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ تمہارے کئی قسم کے گناہ اور کمزوریاں دور ہو جائیں گی اور خدا کی صفات تم پر جلوہ گر ہوں گی۔اگر قولِ سدید پر عمل کرتے ہوئے تقوی اللہ بھی مدنظر ہو تو نقصان کچھ بھی نہیں۔طبعی نتائج ضرور ملتے ہیں اس لیے فرمایا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا اگر قولِ سدید پر عمل کرتے ہوئے تقوی اللہ بھی مدنظر ہو گا تو جو کامیابی ہو گی وہ محض قولِ سدید پر عمل کرنے والے لوگوں سے بہت زیادہ ہو گی جن کو سچائی کے طبعی نتائج پر یقین ہے۔گویا سداد پر عمل کرنے کا ایک تو طبعی نتیجہ ہو گا اور ایک تقویٰ پر عمل کرنے سے شرعی ثواب بھی مل جائے گا۔'' (خطبات محمود جلد 3 صفحہ 127،128)

تاجر کو باخبر ہونا چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 26/اپریل 1922ء کو ایک خطبۂ نکاح میں فرمایا:

''قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کی اہمیت سے ناواقف ہے وہ اس کے فوائد کو حاصل بھی نہیں کر سکتا مثلاً یہی چائے جو ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے لوگ اس سے ناواقف تھے انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اس کا پودا پیدا ہوتا تھا اور جنگل میں ہی سوکھ جاتا تھا۔ انگریزوں نے چینیوں کے ساتھ تجارت میں اس کے فوائد اور اس کی اہمیت کو سمجھا اور فوراً ان علاقہ جات کو سستے داموں خرید لیا جہاں چائے پیدا ہوتی ہے۔

اب تمام ہندوستان میں چائے کے باغات انگریزوں کے ہیں۔ انہوں نے زبردستی نہیں لیے قیمت سے لیے ہیں۔ ہاں اپنے علم سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اب اسی چائے سے بیس کروڑ روپیہ سالانہ انگریز ہندوستان میں کماتے ہیں۔

انگریز ہندوستان سے روپیہ لیتے ہیں مگر حکومت کے ذریعہ نہیں ایسے ہی ذرائع سے۔ پھر ہندوستان میں بانس ہوتا تھا۔ ہندوستانی صرف بانس کی غرض یہ سمجھتے تھے کہ کاٹا اور ڈنڈا بنا لیا اس لیے بانس کے جنگلات ان کے لیے بے سود تھے مگر انگریزوں نے اس کے فوائد کو سمجھا اور اس کے لاکھوں کروڑوں روپیہ کے کاغذ بنا ڈالے۔......

میں جن دنوں بمبئی گیا تھا وہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک سوداگر کی جیب سے جواہرات کی پڑیا گر گئی۔ ایک بچہ کو ملی اس نے معمولی شیشہ خیال کر کے پیسہ کے چار چار بیچ ڈالے۔ لڑکے آپس میں گولیاں کھیلتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے بچہ کے پاس دیکھا تو پہچانا۔ کسی دکاندار کے پاس لے گیا۔ اس نے بڑی قیمت بتائی۔ جس کے جواہرات تھے اس نے پولیس میں اطلاع کر دی۔ اس شخص سے جس کے بچہ کے قبضہ میں ہیرا تھا پوچھا گیا۔ اس نے سب حال بتایا۔ آخر سراغ لگا کہ لڑکوں کو پڑیا ملی تھی۔ اب دیکھو کہ ان بچوں کو صرف یہ معلوم تھا کہ یہ شیشے ہیں ان سے کھیلنا چاہیے۔ اگر ان کو اس کی اہمیت معلوم ہوتی تو وہ پیسہ کے چار چار نہ بیچتے۔''

(خطبات محمود جلد 3 صفحہ 151)

تجارت کے سنہری اصول

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 23/جون 1922ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''آج میں اپنی جماعت کے ایک خاص حصے کے متعلق بعض باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔مگر اس میں ساری جماعت کے لیے بھی فائدہ ہے۔اس لیے کہ وہ حصہ ایسا نہیں کہ وہ کسی خاص قوم سے تعلق رکھے۔بلکہ ہر ایک کے لیے ممکن ہے کہ اس میں شامل ہو جائے اور ممکن ہے کہ اس طرح پر نصائح سب لوگوں کے لیے مفید ہوں وہ حصہ تاجروں کا حصہ ہے۔آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں طبعاً اس بات کا خواہش مند ہوں اور ہر ایک وہ شخص جو احمدیت سے تعلق رکھتا ہے اس بات کا خواہش مند ہونا چاہیے کہ یہ جماعت ترقی کرے۔دین میں بھی اور دنیا میں بھی اور اس کی ترقی کے لیے جس قدر بھی جائز اخلاق کے اندر ذرائع ہوں وہ استعمال کیے جائیں۔کوئی مذہب اس خواہش سے نہیں روکتا۔یہ خواہش مجھ میں بھی ہے اور ہر ایک احمدی کے دل میں ہوگی۔

صحیح ذرائع کے استعمال سے کامیابی ملتی ہے

لیکن ہر ایک کام کے لیے کچھ ذرائع ہوتے ہیں میں نے اس طرف بارہا توجہ دلائی ہے کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام کے لیے خدا نے جو راستہ اور ذرائع رکھے ہیں انہی پر چلنے اور ان کو استعمال کرنے سے کامیابی ہو سکتی ہے اور ان کو ترک کرنے سے ناکامی ہوتی ہے۔صحیح ذرائع سے کام نہ لینے کی غلطی مختلف مذاہب کے لوگوں کو مذہب کے بارے میں لگی ہے۔وہ محض خالی کوشش کو کامیابی کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ایسے لوگ سمجھتے ہیں اگر ایک شخص سارا دن خدا کے لیے کام کرتا اور رات بھر اس کے لیے جاگتا ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے کی وجہ سے کیوں جہنم میں جائے۔وہ کہتے ہیں اصل چیز تو محبت الٰہی ہے۔اگر ایک شخص کو جہالت سے اصل نماز کا پتہ نہیں لگتا اور وہ اپنے رنگ میں عبادت کرتا ہے اگر وہ رمضان کے روزوں کی بجائے یونہی فاقہ کشی کرتا ہے یا حج بیت اللہ کرنے کی بجائے یونہی خدا کے لیے گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلا جاتا ہے یا مقررہ طریق پر زکوٰۃ دینے کی بجائے اپنے مال کا چالیسواں حصہ نہیں بلکہ بہت زیادہ دیتا ہے تو وہ کیوں خدا کو نہیں پا سکتا۔ہم کہتے ہیں ہر ایک چیز کے ملنے کے لیے مقررہ ذرائع ہوتے ہیں اور جب تک ان

کو نہ استعمال کیا جائے وہ چیز نہیں مل سکتی مثلاً پانچ روپیہ اگر منی آرڈر کرنے ہوں تو ان پر چار آنہ محصول مقرر ہے۔ اگر کوئی شخص فارم پُر کر کے سوا پانچ روپیہ ڈاکخانہ میں دے گا تو اس کا منی آرڈر منزل پر پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص فارم پُر کرنے اور ڈاک خانہ میں دینے کی بجائے تھانے میں جائے اور پانچ روپیہ کے ساتھ چار آنہ محصول کی جگہ دو روپیہ وہاں دے آئے تو اس کے روپے نہیں پہنچ سکیں گے۔ تھانہ والے اس کا روپیہ واپس کر دیں گے اور اگر کوئی خراب نیت کے لوگ ہوئے تو سات کے سات خود کھا جائیں گے۔ اسی طرح زمین بونے کے لیے اس میں ہل چلایا جاتا اور ایک حد تک گہرا چلایا جاتا ہے مگر ایک شخص زمین میں ہل چلانے کے بجائے لمبے لمبے اور گہرے کنویں کھود کر ان میں بیج ڈال دے تو کیا اس کا کھیت تیار ہو جائے گا گو اس نے محنت کی اور ہل چلانے والے سے بہت زیادہ کی مگر چونکہ اس طریق کو چھوڑ دیا جو کھیت بونے کے لیے مقرر تھا اس لیے اس کا بیج زمین میں ضائع ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ اس کا کھیت تیار ہو۔ اسی طرح ایک شخص سخت گرمی میں آتا ہے اور کنویں سے ڈول نکال کر پانی پی لیتا ہے مگر دوسرا پیاسا آتا ہے جو دو من کی بوری اُٹھا کر ایک میل تک چلا جاتا ہے اور پھر شکایت کرتا ہے کہ میں نے پہلے سے زیادہ کام کیا اور محنت اُٹھائی مگر میں پیاسا ہی رہا۔ تو اس کا یہ کہنا غلط ہوگا کیونکہ پیاس کے لیے پانی کنویں سے نکال کر پینا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن یہ کوئی ذریعہ نہیں کہ پیاسا بوریاں اُٹھا کر بھاگتا پھرے۔ پس جو طریق کسی کام کے کرنے کا ہے اسی طریق پر کیا جائے گا تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح مذاہب کا حال ہے۔ بعض مذاہب میں اسلام کی نسبت بہت مشقتیں اور محنتیں ہیں مگر ان کا نتیجہ کچھ نہیں۔ مثلاً ہندو مذہب ہے اس میں لوگ اُلٹے لٹکتے ہیں اور اُلٹے لٹکے ہوئے ہی آٹا گوندھتے اور اسی حالت میں روٹی پکاتے ہیں اور اس کو عبادت سمجھتے ہیں مگر کیا وہ اس سے خدا کی رضا اور جنت کے اعلیٰ مقام پا لیں گے؟ نہیں۔ کیونکہ غلط طریق سے جو کام کیا جاتا ہے اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی غلط طریق پر خدا تعالیٰ کے حضور جانا چاہے گا تو رد کیا جائے گا۔

نفع کی بھی ایک حد ہونی چاہیے

ہماری جماعت میں خواہش ترقی ہے خواہ دینی ترقی ہو یا دنیاوی۔ مگر اس کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ صحیح طریق پر عمل ہو۔ بعض حالات کی وجہ سے یہاں سودے سلف پر بعض روکیں عائد کی گئی

ہیں۔کیونکہ ان حالات نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم ایسا کریں۔اگر وہ حالات دور ہو جائیں تو یہ روکیں نہیں رہ سکتیں۔گویا یہ روکیں عارضی ہیں۔ان کی وجہ سے اگر کوئی فائدہ آتا ہے تو وہ حقیقی فائدہ نہیں۔اصل میں فائدہ وہ ہے جو اپنی لیاقت اور قابلیت سے حاصل کیا جائے۔مگر لوگ اس اصل کو نہیں سمجھتے۔وہ اپنی اس بات کو خلاف دیانت نہیں سمجھتے کہ بازار میں ایک چیز جو سستی بکتی ہو اس سے ایک شخص اس دلیل کی بنا پر مہنگا بیچے کہ یہ میری چیز ہے میں جس قیمت پر چاہوں بیچوں اور اس طرح زیادہ قیمت لینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔مگر ان کا یہ کہنا اس وقت تک غلط ہے جب تک کہ خریداروں پر روکیں لگائی گئی ہیں اور اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ اس کی بددیانتی ہے۔اگر زید کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ بکر سے سودا نہ لے بلکہ خالد سے لے اور خالد، بکر کی نسبت مال کی قیمت بڑھاتا ہے اور زید اس سے لینے پر مجبور ہے تو اس کی مجبوری سے اس کو ناجائز فائدہ اُٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے اور وہ نہیں کہہ سکتا کہ میری چیز ہے جس طرح چاہوں بیچوں۔اس کا ایسا کہنا غلط ہے۔اس کو منڈی کے نرخ کا خیال رکھنا چاہیے۔

دیکھو اگر کسی شخص کے پاس کچھ روٹیاں ہوں اور ایک سائل اس سے مانگنے آئے تو یہ اس کا حق نہیں کہ وہ اس کو کہے کہ میں نہیں دیتا تو جب فقیر جو ایک پیسہ بھی نہیں دیتا اس کو روٹی نہ دینا غلطی اور ظلم ہے۔تو جو شخص قیمتاً ایک چیز لیتا ہے اور دکاندار اس کو منڈی کے نرخ پر نہیں دیتا وہ بھی ظالم ہے۔

اگر کوئی شخص منڈی کے نرخ سے گراں نرخ رکھتا ہے تو یہ بددیانتی کرتا ہے اور لوگوں کی مجبوری اور ناواقفی سے فائدہ اُٹھاتا ہے ہاں اگر کوئی دکاندار ایسا اعلان کر دے اور بورڈ پر لکھ کر لگا دے کہ میں دو پیسہ میں امرتسر سے چیز خریدتا ہوں اور یہاں ایک آنے میں بازار میں بکتی ہے مگر میں دو آنے میں بیچتا ہوں اور پھر گاہک اس کی دکان پر جائیں اور اس سے خریدیں تو اس کا حق ہوسکتا ہے لیکن لوگ عام طور پر چونکہ بھاؤ سے واقف نہیں ہوتے اس لیے ان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان سے زیادہ قیمت لی جاتی ہے اور یہ بددیانتی ہے اور یہ بددیانتی اپنی غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے کی جاتی ہے اور اپنی غلطی کا اثر دوسروں پر ڈالا جاتا ہے کہ ہم نے مہنگی خریدی ہے۔اس لیے مہنگی بیچتے ہیں۔حالانکہ اس کا خمیازہ ان کو خود بھگتنا چاہیے۔

جو لوگ یہ طریق جاری رکھتے ہیں نہ ان کی تجارت کامیاب ہوتی ہے نہ ان کو تجارت کا علم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں کوئی دکان اچھی حالت میں نہیں ہے۔لوگ محنت نہیں کرتے اور تجارت کا

علم حاصل نہیں کرتے اور ناجائز وسائل سے اپنی دکان چلانا چاہتے ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ روک جو سودے سلف کے متعلق ہے قائم رہے اور جو چیز ایک لاتا ہے وہ دوسرا نہ لاوے۔ مگر خود محنت نہیں کرتے ۔ یہ ناجائز یا وقتی حفاظت کے طریق ہیں۔ اگر صحیح ذرائع پر عمل کریں تو ان ذرائع کو اختیار کرنے کی ان کو ضرورت نہ رہے اور ان کی یہ خواہش نہ ہو کہ یہ روک قائم رہے۔ کیونکہ یہ بھی عارضی ہے۔ اگر آج حالات بدل جائیں تو وہ روک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہوشیار آدمی ہوشیاری سے کام کرتا اور کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہوشیاری کے ساتھ دیانت بھی شامل ہو جائے تو پھر یہ بہت اعلیٰ درجہ کی بات ہوتی ہے۔ اگر ہوشیاری نہ ہو بلکہ سستی ہو تو پھر کامیابی مشکل ہے اور پھر فائدہ اُٹھانے کی خواہش ایک مخفی بددیانتی ہے۔

ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ وہ ہر ایک بات میں بڑھ کر رہیں۔ مومن غیرت مند ہوتا ہے اور وہ کسی بات میں کسی سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت شاہ اسماعیل (شہید دہلوی) کا ایک واقعہ ہے ان کو معلوم ہوا کہ ایک سکھ ہے جو تیرنے میں بہت مشّاق ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر آپ تیرنے کی مشق کرنے لگے اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا کہ کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ یہ انہوں نے اس لیے کیا کہ کوئی غیر مسلم مسلمانوں سے کسی کام میں کیوں بڑھ جائے تو مومن چھوٹی چھوٹی باتوں میں غیرت رکھتا ہے اور ہر ایک بات میں خواہ وہ دین کی ہو یا دنیا کی دوسروں سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہمیں شبہ نہیں کہ دنیا الگ ہے اور دین الگ۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دنیاوی باتوں کا اثر دین پر پڑتا ہے جو شخص دنیا میں سست ہو وہ دین میں بھی سست ہوتا ہے جو دنیاوی کام کرنے میں سست ہے وہ تہجد کے لیے کب اُٹھے گا اور وہ آہستہ آہستہ سنتوں کا بھی تارک ہو جائے گا اور فرائض کو بھی جواب دے دے گا۔ کیونکہ سستی ایک ہی چیز ہے اور وہ دونوں جگہ کرے گا۔ دنیا میں بھی اور دین میں بھی۔

ولایت میں نفع کی حد بندی

ولایت میں نفع کی حد بندی کی گئی ہے مثلاً اس حد تک نفع جائز ہے اور اس کے آگے ناجائز اور وہاں نفع مقرر کرنے کا ایک ہی طریق ہے کہ چیز عام مقابلہ میں آجائے اس وقت جو قیمت ٹھہر جائے وہ

اصل قیمت ہو اور اس میں یہ بات بھی مدنظر رکھی جاتی ہے کہ بیچنے والے آپس میں سمجھوتہ نہ کرلیں۔یعنی یہ نہ ہو کہ دس پندرہ دکاندار آپس میں فیصلہ کرلیں کہ اس قیمت پر فروخت کریں گے۔اگر یہ ہو تو یہ ناجائز ہے اور سمجھوتہ کرکے جو نفع حاصل کیا جائے وہ بھی ایک قسم کی ٹھگی ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص زائد نفع اپنی لیاقت سے حاصل کرتا ہے تو وہ جائز ہے۔مثلاً لوگ عموماً امرتسر سے چیزیں لاتے ہیں اور ایک نرخ پر یہاں بیچتے ہیں دوسرا شخص اگر دلی سے اس سے سستی لاکر اس نرخ پر بیچتا ہے اور دوسروں کی نسبت زیادہ نفع کماتا ہے تو اس پر الزام نہیں یا کراچی میں ایک چیز بہت سستی ملتی ہے اور ایک شخص وہاں سے لاتا ہے جو یہاں بہت سستی پڑتی ہے پھر اگر وہ بازار کے عام نرخ پر بیچ کر تمام بازار والوں سے زیادہ نفع لیتا ہے تو اس پر الزام نہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ عام طور پر دکانداروں کے متعلق جو شکایات ہوتی ہیں ان میں بعض غلط بھی ہوتی ہیں مگر بعض درست بھی۔بعض دکانداروں کا یہ کہنا کہ ہمارا حق ہے کہ ہمارے بھائی ہم سے چیزیں خریدیں۔یہ سچ ہے کہ ان کا حق ہے کہ ان کے بھائی ان سے چیزیں خریدیں۔مگر بھائیوں کا بھی تو حق ہے کہ تم ان سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤ۔اس سے بری بات کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنا حق یاد رکھے مگر دوسرے کا حق بھول جائے۔حالانکہ مومن کی یہ شان ہے کہ وہ اپنا حق بھلا دیتا ہے اور دوسروں کا حق جو اس پر ہو یاد رکھتا ہے۔......صحابہ کرام رضی اللہ عنھم دوسرے کے حق کو خوب یاد رکھتے تھے۔روایات میں آتا ہے کہ ایک گھوڑا ایک صحابیؓ بیچنے لگے اور اس کی قیمت انہوں نے مثلاً دو ہزار مقرر کی۔دوسری طرف جو صحابیؓ خریدار تھے وہ چار ہزار بتاتے تھے اور ان میں اسی بات پر جھگڑا تھا کہ مالک کم قیمت بتاتا اور خریدار زیادہ دیتا۔تو مومن کا طریق یہ ہے کہ وہ دوسرے کے حقوق کا بہت خیال رکھتا ہے جب دوسرے کے حقوق کا خیال لازمی ہے اور بددیانتی منع ہے تو مومن کے لیے کس قدر لازمی ہے کہ وہ ہوشیاری اور چستی سے کام لے۔

دکانداروں کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہماری چیز ہے ہم اس کی جو قیمت چاہتے ہیں مقرر کرتے ہیں۔نہ یہ اصولاً درست ہے نہ اخلاقاً درست ہے عام طور پر دکاندار یہ غلطی کرتے ہیں کہ اپنی ناواقفیت سے جتنے کی چیز ملتی ہے لے آتے اور سستی اور عمدہ تلاش نہیں کرتے اور پھر اس کا اثر خریدار پر ڈالتے ہیں۔اگر انہیں اپنی سستی کا خمیازہ بھگتنا پڑے اور عام بھاؤ پر بیچ کر نقصان ہو تو آئندہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔مگر ابھی تک لوگ اس گُر کو نہیں سمجھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ نہ خود اچھی طرح دکان چلا سکتے ہیں اور نہ ان

کے خریداران سے خوش ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دکان بند ہو جاتی ہے۔

میں تو یہ خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی احمدی کہلانے والا جان بوجھ کر دھوکہ دیتا ہے۔ کیونکہ میں مان ہی نہیں سکتا کہ کوئی احمدی ہو اور پھر جان بوجھ کر دھوکہ دے۔ میرا دل ہی اس قسم کا نہیں بنایا گیا کہ میں کسی کے متعلق ایسا خیال کروں۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ غفلت یا ناواقفی سے ان لوگوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن غفلت سے بھی جو جرم ہو وہ جرم ہی ہوتا ہے اور اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی کو گولی مارتا ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ میں نے جانور سمجھا تھا۔ اگر یہ درست ثابت ہو جائے تو گو اسے پھانسی کی سزا نہ ملے مگر سزا ضرور ملے گی۔ اسی طرح اور باتوں میں ہوتا ہے۔ پس تم غفلت کو دور کرو تا دنیا کا مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کر سکو۔......''

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمُدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ پڑھتے ہوئے فرمایا:

''یہ کامیابی کا گُر بتایا گیا ہے۔ اللہ کی تعریف ہو جس نے ہمیں صحیح رستہ دکھایا۔ پھر خدا سے گناہوں کی معافی مانگے اور دعا مانگے کہ غفلت سے بچایا جائے۔ پھر وہ طریق اختیار کرے جو خدا تعالیٰ نے کسی کام کے لیے مقرر فرمائے ہیں اور **وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ** اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب کرے گا۔ کیونکہ جو اس پر توکل کرتا ہے وہ ناکام نہیں رہتا۔ اگر خدا نہیں ہے تو پھر سب فریب ہے اور اگر ہے تو اس پر بھروسہ کرنے والے اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے ذلیل نہیں ہو سکتے۔''

(خطباتِ محمود جلد نمبر 7 صفحہ 306 تا 311)

ایک تاجر صحابی رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا واقعہ

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/اکتوبر 1922ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''صحابہ رضی اللہ عنھم تجارت بھی کرتے تھے اور زراعت بھی کرتے تھے لیکن دین ان کو مقدم تھا اور دین کے کام میں کبھی سوال نہیں کرتے تھے اور دنیا ان کو دین کے کام سے روک نہیں سکتی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کو تجارت یا کوئی کام کرنا نہیں آتا تھا چنانچہ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کئی ہزار اونٹ خریدے جب وہ ہزاروں اونٹوں کا ایک وقت میں سودا کر سکتے تھے تو اس سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے پاس لاکھوں ہی روپے ہوں گے چنانچہ جب وہ فوت

ہوئے تو ان کے گھر میں کئی کروڑ روپیہ تھا۔ وہ اونٹ انہوں نے تجارت کے لیے خریدے تھے اور فوراً ہی بک گئے اور سودا اسی طرح ہوا کہ جس قیمت پر انہوں نے خریدے تھے اسی پر بیچ دیئے۔ مگر عقال (اونٹ باندھنے کی رسی) کے بغیر۔ کسی نے کہا آپ کو کیا نفع رہا ہے؟ انہوں نے کہا اتنے ہزار عقال جتنے ہزار اونٹ ہیں نفع میں آئے کیونکہ میں نے سودا مع عقال کیا تھا اور بیچے بغیر عقال کے ہیں اور اسی طرح ان کو کھڑے کھڑے نفع ہو گیا۔ یہ سودا کئی لاکھ کا تھا اور آج کل بھی اتنا بڑا سودا بہت بڑا سودا سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ ان کی تجارت کا حال تھا۔ باوجود اس کے وہ دین میں تجارت نہ کرتے تھے بلکہ جو کام کرتے تھے خدا کے لیے کرتے تھے۔ وہ دنیاوی امور میں بھی انصاف اور عدل کو نہ چھوڑتے تھے۔ دو صحابیوں کا حال میں نے تو کسی کتاب میں پڑھا نہیں حضرت صاحب علیہ السلام بیان فرمایا کرتے تھے کہ ان میں اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ ایک اپنا گھوڑا مثلاً تین ہزار درہم پر بیچتے تھے اور جو خریدنا چاہتے تھے کہتے تھے نہیں یہ گھوڑا پانچ ہزار کا ہے۔ وہ اس قدر قیمت دینے پر مُصر تھے۔ لیکن آج کل تو لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر دیکھیں خریدار اتنی زیادہ رقم دیتا ہے تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ لو سودا پختہ ہو گیا۔ اصل میں بیچنے والا واقف نہ تھا اور خریدار واقف تھا اس لیے وہ اس کی کم قیمت نہ دینا چاہتا تھا اور بیچنے والا اس کی زیادہ قیمت لینا دھوکہ خیال کرتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھ پر احسان کرنا چاہتا ہے۔''

(خطبات محمود جلد 7 صفحہ 396)

عزت و آبرو کی زندگی گزارنے کا طریق

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 14 ر نومبر 1923ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''مسلمان صنعت و حرفت کی طرف توجہ کریں۔ ڈاکٹری اور وکالت وغیرہ کے پیشوں میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو۔ اسی طرح بنکوں میں مسلمان پیچھے ہیں ان میں ترقی کرنی چاہیے۔ میں سودی لین دین کے خلاف ہوں کیونکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا مگر میں نے غور کیا ہے کہ اگر قوم تیار ہو تو سود کے بغیر بینک چل سکتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی تجارت ایکسپورٹ اور امپورٹ جو کُلی طور پر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اس شعبہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں کمیشن ایجنسیوں میں بھی مسلمان پیچھے ہیں بلکہ صفر کے برابر ہیں۔ ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ پس اگر مسلمان گھٹنوں

کے بل گر کر معافی مانگنا اور ذلیل ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اور بات ہے ورنہ اگر چاہتے ہیں کہ عزت و آبرو کی زندگی بسر کریں تو ان کمیوں کو پورا کریں۔''

(پیغام صلح۔انوار العلوم جلد 7 صفحہ 315)

سود سے پاک قرضہ سکیم

مجلس مشاورت مؤرخہ 22؍مارچ 1924ء میں مکرم ناظر صاحب امور عامہ نے درج ذیل سکیمیں پیش کیں۔قرضہ سکیم،کواپریٹو سوسائٹی،اجتماعی اراضی،پول سسٹم۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بات یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لیے بعض مشکلات ہیں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔بعض ایسی باتیں ہیں جن سے دُنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے اور اگر ہماری جماعت کے لوگ بھی ہمت کریں تو فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔اس لیے میں نے امور عامہ کو کہا تھا کہ سکیم تیار کریں۔......

ہماری جماعت کے لوگوں کو جب قرض لینا پڑتا ہے تو سود میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔حالانکہ سود سے خدا نے سخت منع کیا ہے۔مگر جو مشکلات میں ہوتے اور سود پہلے سے لے چکے ہوتے ہیں ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔بعض جائیدادیں بیچ کر سود سے بچ جاتے ہیں مگر بعض کے پاس اتنی جائیداد نہیں ہوتی کہ قرض ادا کر سکیں۔بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سود نہیں دیتے مگر ان کو کوئی قرض دیتا ہی نہیں۔ان مشکلات کی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ قرضہ کا طریق جاری ہو جو مختلف سوسائٹیوں کے لیے الگ ہو۔زمینداروں،تاجروں،ملازموں کے لیے علیحدہ علیحدہ قسم کی سوسائٹیاں ہوں۔

تاجر یوں کر سکتے ہیں کہ مثلاً سو تاجر مل جائیں،10 روپیہ مہینہ ہر ایک دیتا رہے،ایک ہزار ماہوار جمع ہو،یعنی 12 ہزار سالانہ۔اس میں سے چھ ہزار سے ایسی کمپنیوں کے حصے خرید لیں جس سے وقتی ضروریات یا نقصان کو پورا کر سکیں اور بقیہ رقم کو اس لیے رکھیں کہ جس کو ضرورت ہو اپنے ممبروں میں سے اس کو قرض دیا جائے۔آہستہ آہستہ یہ کام بہت وسیع ہو جائے گا۔اسی طرح زمیندار ہیں،وہ حصہ مقرر کر لیں کہ اتنے روپیہ چندہ دینے والے کو اتنا قرض دیا جا سکتا ہے جس قدر روپیہ جمع ہو نصف کو قرضہ کے لیے رکھیں اور باقی سے زمین خرید لیں۔ان کی آمد سے نقصان وغیرہ پورا کیا جائے۔

اس طرح قرض اُترنا شروع ہو جائے گا۔ اس قسم کی سوسائٹیاں بن جائیں تو ان سے ان کو قرضہ ملے گا جس کو ضرورت پڑے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو سب آدمی سود سے نہیں بچ سکتے۔ مگر یہ طریق نہیں چل سکتا جب تک سارے اس کے لیے متفق نہ ہوں اور ان میں یہ کام کرنے کی روح نہ پیدا ہو۔

یہ سکیم ہے اس کے لیے کہتے ہیں کمیٹی مقرر کی گئی ہے مگر وہ ایک ہے تین ہونی چاہئیں۔

(1) تاجروں کی (2) ملازموں کی (3) زمینداروں کی۔

اقتصادی طور پر جماعت گرتی جا رہی ہے کیونکہ احمدی ایک طرف چندہ زیادہ دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہ قرض چونکہ سودی ملتا ہے وہ اس طرح کام نہیں چلا سکتے جس طرح اور چلا سکتے ہیں۔ اس کا اثر دینی کاموں پر بھی پڑتا ہے اس لیے قرضہ کے لیے ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ سود بھی نہ دینا پڑے اور ضرورت کے وقت قرضہ بھی مل جائے۔

اسی طرح ایک اور طریق ہے اور وہ یہ ہے ساؤتھ امریکہ میں گاؤں والے ایک جگہ زمین جمع کر لیتے ہیں اگر ہمارے مربعوں والے ایسا کریں کہ اپنی زمین اکٹھی کر لیں تو بہت اچھا کام ہو سکتا ہے امریکہ میں گاؤں والے مل کر سوسائیٹیاں بنا لیتے ہیں۔ سارے مل کر ٹھیکہ پر اس کمیٹی کو زمین دے دیتے ہیں اور خود اس کے ممبر ہوتے ہیں اور سوسائٹی میں وہی کام کرتے اور مزدوری لیتے ہیں۔ اگر ہم نے دنیا میں حکومت کرنی ہے تو ضروری ہے کہ ہر قسم کے بہترین انتظام کر لیں ہمیں چاہیے کہ سوچیں اور سکیم پر غور کریں اور جب بھی فرصت ہو اس پر عمل شروع ہو جائے جب ایک دو گاؤں اس کے لیے تیار ہو جائیں تو اس پر عمل شروع ہو جائے۔ اگر ضرورت ہو تو مرکز بھی مدد دے سکتا ہے۔ اگر اس طرح سکیموں پر غور ہوتا رہے تو ہماری جماعت دینی ہی نہیں اقتصادی برتری بھی حاصل کر سکتی ہے جو کمیٹی اس کام کے لیے بنی ہے وہ اس امر کو مدنظر رکھ کر غور کرے اور اس قسم کی اور تجاویز پر اور سکیموں پر غور کرے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1924ء صفحہ 50 تا 53)

ہر احمدی محنت کرے

حضور انور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک مسلمان شہری کے جو کام اسلام نے مقرر کیے ہیں اب میں ان میں سے بعض کا ذکر کرتا

ہوں۔ایک حق اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ ہر ایک آدمی محنت کر کے کھائے اور سست نہ بیٹھے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! بہترین رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی سے مہیا کرے اور فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی عادت تھی کہ وہ ہاتھ کی محنت سے اپنا رزق پیدا کرتے تھے۔''

(احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔انوار العلوم جلد 8 صفحہ 280)

سود اور منافع کی زیادتی کے نقصانات

حضور انور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر غور کیا جائے تو اس نقص کے باعث کہ بعض ملکوں میں چند گھرانوں میں تمام ترقیات محدود ہوگئی ہیں، تین ہیں۔

(۱) جائیداد کا تقسیم نہ ہونا بلکہ صرف بڑے لڑکے کے قبضہ میں رہنا اور مال کے متعلق باپ کو اختیار ہونا کہ جس قدر چاہے جس کو چاہے دے دے۔

(۲) سود کی اجازت جس کی وجہ سے ایک ہی شخص یا چند افراد بغیر محنت کے جس قدر چاہیں اپنے کام کو وسعت دے سکتے ہیں۔

(۳) منافع کی زیادتی۔

ان تین نقائص کی وجہ سے بہت سے ممالک میں لوگوں کے لیے ترقیات کے راستے بالکل محدود ہو گئے ہیں۔جائیدادیں چند لوگوں کے قبضہ میں ہیں اور اس وجہ سے غرباء کو جائیدادیں پیدا کرنے کا موقع نہیں۔سود کی وجہ سے جو لوگ پہلے ہی اپنی ساکھ بٹھا چکے ہیں وہ جس قدر چاہیں روپیہ لے سکتے ہیں۔چھوٹے سرمایہ دار کو ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔منافع کی زیادتی کی وجہ سے دولت ایک آبشار کی طرح چند لوگوں کے گھروں میں جمع ہو رہی ہے......

دوسری روک غرباء کے راستہ میں سود ہے، سود کے ذریعہ سے وہ تاجر جو پہلے سے ساکھ بٹھا چکے ہیں جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو آسانی سے بنکوں سے لے سکتے ہیں۔اگر ان کو اس طرح روپیہ نہ مل سکتا تو وہ یا تو دوسرے لوگوں کو اپنی تجارت میں شامل کرنے پر مجبور ہوتے یا اپنی تجارت کو اس پیمانہ پر نہ بڑھا سکتے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے روک بن سکیں اور ٹرسٹس

اور ایسوسی ایشنز قائم کر کے دوسرے لوگوں کے لیے ترقی کا دروازہ بالکل روک دیں۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ مال ملک میں مناسب تناسب سے تقسیم رہتا اور خاص خاص لوگوں کے پاس حد سے زیادہ مال جمع نہ ہوسکتا۔ جو ملک کی اخلاقی ترقی کے لیے مہلک اور غرباء اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کے لیے تباہی کا موجب ہوتا ہے۔

تیسری صورت جو نفع کی زیادتی کی تھی اس کا اسلام نے ایک تو اس ٹیکس کے ذریعہ سے انتظام کیا ہے جو غرباء کی خاطر امراء سے لیا جاتا ہے۔ اس ٹیکس کے ذریعہ سے اتنی رقم امراء سے لے لی جاتی ہے کہ ان کے پاس اس قدر روپیہ اکٹھا ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کے زور سے ملک کا سارا روپیہ جمع کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جس قدر روپیہ ان کے پاس ہوگا اس میں سے ہر سال ان کو غریبوں کا ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ دوسرے شریعت نے یہ انتظام کیا ہے کہ غرباء میں سے ہوشیار اور ترقی کرنے والے لوگوں کو اس ٹیکس میں سے اس قدر سرمایہ دیا جائے کہ وہ اپنا کام چلا سکیں۔ اس ذریعہ سے نئے نئے لوگوں کو ترقی کرنے کا موقع ملے گا اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں رہے گا۔

تیسرے اسلام نے ان ترکیبوں سے منع کر دیا ہے جن کے ذریعہ سے لوگ ناجائز طور پر زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام اس امر کو گناہ قرار دیتا ہے کہ کوئی شخص تجارتی مال کو اس لیے روک رکھے کہ تا اس کی قیمت بڑھ جائے اور وہ زیادہ قیمت پر فروخت ہو۔ پس اس اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹرسٹس کی قسم کے تمام ذرائع جن سے نفع کو زیادہ کیا جاتا ہے اسلامی تعلیم کے مطابق ناجائز ہوں گے اور حکومت ان کی اجازت نہ دے گی۔

اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر سود بند کیا جائے گا تو تمام تجارتیں تباہ ہو جائیں گی مگر یہ امر درست نہیں۔ ممانعتِ سود سے کبھی تجارتیں تباہ نہ ہوں گی۔ اب بھی سود کی وجہ سے تجارتیں نہیں چل رہیں بلکہ اس وجہ سے سود کا تعلق تجارت سے ہے کہ مغربی ممالک نے اس طریق کو نشو و نما دیا ہے۔ اگر وہ اپنی تجارتوں کی بنیاد شروع سے سود پر نہ رکھتے تو نہ آج یہ بے امنی کی صورت نظر آتی اور نہ تجارتوں سے سود کا کوئی تعلق ہوتا۔ آج سے چند سو سال پہلے مسلمانوں نے ساری دنیا سے تجارت کی ہے اور اپنے زمانہ کے لحاظ سے کامیاب تجارت کی ہے مگر وہ سود بالکل نہیں لیتے تھے۔ وہ بوجہ سود نہ لینے کے ادنیٰ ادنیٰ غرباء سے روپیہ شراکت کے طور پر لیتے تھے اور ملک کے اکثر حصہ کو ان تجارتوں سے

فائدہ پہنچتا تھا۔

پس سود کی وجہ سے تجارتیں نہیں چل رہیں بلکہ سود پر چونکہ ان کی بنیاد رکھی گئی ہے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سود پر چل رہی ہیں۔ بے شک شروع میں دقتیں ہوں گی لیکن جس طرح سود پر بنیاد رکھی گئی ہے اسی طرح اس عمارت کو آہستگی سے ہٹایا بھی جاسکتا ہے۔

سود اس زمانہ کی وہ جونک ہے جو انسانیت کا خون چوس رہی ہے۔ غرباء اور درمیانی درجہ کے لوگ بلکہ امراء بھی اس ظلم کا شکار ہو رہے ہیں مگر بہت سے لوگ اس چیتے کی طرح جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی زبان پتھر پر رگڑ رگڑ کر کھا گیا تھا ایک جھوٹی لذت محسوس کر رہے ہیں۔ جس کے سبب سے وہ اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے اور اگر چھوڑنا چاہتے ہیں تو سوسائٹی کا بہاؤ ان کو الگ ہونے نہیں دیتا۔

اس کے دو خطرناک اثر ملکوں کے امن کے خلاف پڑ رہے ہیں۔ ایک اس کے ذریعہ سے دولت محدود ہاتھوں میں جمع ہو رہی ہے۔ دوسرے اس کی وجہ سے جنگیں آسان ہوگئی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کا کوئی انسان بھی اس جنگ عظیم کی جو پچھلے دنوں ہوئی ہے جرأت کرسکتا تھا اگر سود کا دروازہ اس کے لیے کھلا نہ ہوتا؟ جس قدر روپیہ اس جنگ پر خرچ ہوا ہے مختلف ممالک اس روپے کے خرچ کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتے اگر اس کا بوجھ براہ راست ملک کی آبادی پر پڑ جاتا۔ اس قدر عرصہ تک جنگ محض سود کی وجہ سے جاری رہی ورنہ بہت سی سلطنتیں تھیں جو اس عرصہ سے بہت پیشتر جس میں پچھلی جنگ جاری رہی جنگ کو چھوڑ بیٹھتیں کیونکہ ان کے خزانے ختم ہوجاتے اور ان کے ملک میں بغاوت کی ایک عام لہر پیدا ہوجاتی۔ یہ سود ہی تھا جس کی وجہ سے اس وقت تک لوگوں کو بوجھ محسوس نہیں ہوا لیکن اب کمریں اس کے بوجھ کے نیچے جھکی جارہی ہیں اور غالباً کئی نسلیں اس قرضہ کے اتارنے میں مشغول چلی جائیں گی۔ اگر سود نہ لیا جاتا تو جنگ کا نتیجہ وہی ہوتا جو اب ہوا ہے یعنی وہی اقوام جیت جاتیں جو اب جیتی ہیں۔ مگر فرانس اس قدر تباہ نہ ہوتا، جرمنی اس طرح برباد نہ ہوتا، آسٹریا اس طرح ہلاک نہ ہوتا، انگلستان پر یہ بار نہ پڑتا، اول تو جنگ چھیڑنے ہی کی حکومتوں کو جرأت نہ ہوتی اور اگر جنگ چھڑ بھی جاتی تو ایک سال کے اندر جوش مدھم ہوکر کبھی کی صلح ہوچکی ہوتی اور آج دنیا شاہراہِ ترقی پر چل رہی ہوتی۔ حکومتیں آج کل آلاتِ جنگ کے کم کرنے پر زور دے رہی ہیں۔ یہ بھی ایک اچھی بات ہے مگر آلات تو ارادے کے ساتھ فوراً ہی بن جاتے ہیں۔ جس چیز کے توڑنے کی ضرورت ہے وہ سود ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ سود جنگ کے پیدا کرنے کا موجب ہے اور آج ہم اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔''

(احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔انوار العلوم جلد 8 صفحہ 307 تا 310)

صنعت وحرفت کی ایک خاص سکیم

حضور انور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤرخہ 12 راپریل 1925ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا:

''اسی طرح ہماری جماعت کے لوگوں کو صنعت وحرفت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ ایک خاص سکیم بے کاروں کے انتظام کے متعلق تیار کی جائے۔اگر جماعت اس طرف توجہ کرے تو بہت کچھ کام ہوسکتا ہے اور بے کاروں کے نوکر ہو جانے یا کاروبار کرنے کی صورت میں سلسلہ کی کئی ہزار کی آمدنی ہوسکتی ہے۔

میں اس کے لیے بھی سکیم تیار کر رہا ہوں کہ کس طرح سلسلہ کے لیے ہم زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے لیے جمع کر سکتے ہیں۔مگر فی الحال اظہار نہیں کرنا چاہتا۔میں تو اپنی جماعت سے بہت سے مردوں اور عورتوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہندو اور مسلمان سوراج کے لیے کھدر پہن سکتے ہیں تو ہماری جماعت کو تیار رہنا چاہیے کہ اگر ہمیں اسلام کے لیے کھدر پہننا پڑے تو عورتیں اُسے تیار کریں اور مرد پہنیں اور خالی روٹی یا معمولی روٹی کھا کر اس وقت تک اس طرح گذارا کریں جب تک کہ کافی جماعت نہ ہو جائے۔

(رپورٹ مجلس مشاورت 1925ء صفحہ 77)

تجارت کے ہر شعبہ کو اختیار کرنا چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تجارت کے متعلق میں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اس امر سے مسلمانوں نے سب دوسرے امور کی نسبت زیادہ تغافل برتا ہے۔تجارت بالکل مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں ہے اس کا ہر ایک شعبہ ہندوؤں کے قبضہ میں ہے اور اس کی وجہ سے مسلمان اقتصادی طور پر ہندوؤں کے غلام ہیں اور ان کی

گردنیں ایسی بُری طرح ان کے پھندے میں ہیں کہ وہ بغیر ایک جان توڑ جدوجہد کے اس سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ آڑھت، صرافی، تجارت درآمد و برآمد، ایجنسی، انشورنس، بنکنگ، ہر ایک شعبہ جو تجارت کے علم سے تعلق رکھتا ہے اس میں وہ نہ صرف پیچھے ہیں بلکہ اس کے مبادی سے بھی واقف نہیں اور اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچے۔ صرف چند چیزیں خرید کر دکان میں بیٹھ جانے کا نام وہ تجارت سمجھتے ہیں اور ان چیزوں کے بیچنے اور خریدنے کا بھی ڈھنگ ان کو نہیں آتا۔ وہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے سبب اس دیانتِ تجارت اور خُلقِ تاجرانہ سے جس کے بغیر تجارت باوجود علم کے بھی نہیں چل سکتی ناواقف ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ایک کمیشن کے ذریعہ تجارت کی تمام اقسام کی ایک لسٹ بنائی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ کس کس قسم کی تجارت میں مسلمان کمزور ہیں اور کس کس قسم کی تجارت سے مسلمان بالکل غافل ہیں اور پھر ان نقائص کا ازالہ شریعت کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔‘‘

مسلم چیمبر آف کامرس

یہ بھی ضروری ہے کہ ایک مسلم چیمبر آف کامرس بنائی جائے تاکہ مسلمان تاجروں میں اپنی قومی کمزوری کا احساس ہو اور وہ ایک دوسرے سے تعاون کا معاملہ کرنے کے عادی ہوں۔ اسی چیمبر سے نظامِ مرکزی بھی نہایت قیمتی مدد اپنے اغراض کے پورا کرنے میں لے سکتا ہے۔

صنعت و حرفت

صنعت و حرفت کا میدان میرے نزدیک تجارت سے بھی اہم ہے کیونکہ (۱) اس میں نفع کا زیادہ موقع ہے اور (۲) اس میں دوسرے ملکوں کی دولت کھینچی جا سکتی ہے۔ اور (۳) ملک کے لاکھوں آدمیوں کے گزارہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے (۴) تجارت کا دارومدار اس پر ہے۔ جو قوم اس پر اچھی طرح قابو پالے وہ تجارت کو اپنے ہاتھ میں آسانی سے لے سکتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ملک اقتصادی اور سیاسی غلامی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے اس میدان میں بہت موقع ہے۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ جو ملکی قدیم صنعت و حرفت ہے اس کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ گو وہ آج کل مردہ ہے لیکن اگر اس کو اُبھارا جائے

تو مسلمانوں کے پاس ایک بیج موجود ہے۔دوسرے اس وجہ سے وسیع پیمانے پر صنعت وحرفت کا تجربہ ابھی ہمارے ملک میں شروع نہیں ہوا۔یہ صیغہ ابھی ابتدائی تجارت کی حالت میں ہے اور بہت ہی قریب زمانہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔پس مسلمانوں کے لیے اس میدان کا دروازہ بند نہیں اور وہ آسانی سے اپنا حصہ بلکہ اپنے حصہ سے بڑھ کر اس شعبۂ عمل میں حاصل کر سکتے ہیں۔پس میرے نزدیک اس امر کی طرف فوری توجہ ہونی چاہیے اور اس کا بہترین طریق یہی ہے کہ (۱) ایک بورڈ آف انڈسٹریز مقرر کیا جائے جس کا کام یہ ہو کہ وہ ان صنعتوں کی ایک فہرست بنائے جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہو رہی ہیں اور ان کی جو آسانی سے رائج ہوسکتی ہیں اور ان کی جن کی ملک کی اقتصادی آزادی کے لیے ضرورت ہے۔جو رائج ہیں ان کو تو ایک نظام میں لا کر ترقی دینے کی کوشش کی جائے اور جو ملک میں رائج ہیں مگر مسلمان ان سے غافل ہیں ان کی طرف مسلمان سرمایہ داروں کو توجہ دلا کر ان کو جاری کروایا جائے اور جو ملک میں رائج ہی نہیں مگر ان کی ضرورت ہے ان کے لیے تجربہ کار آدمیوں کا ایک وفد بیرونی ممالک میں بھیجا جائے جو ان کے متعلق تمام ضروری معلومات بہم پہنچائے اور جن جن صنعتوں کا اجراء وہ ممکن قرار دے ان کے لیے ہوشیار طالب علموں کو وظیفہ دے کر بیرونی ممالک میں تعلیم دلوائی جائے اور ان کی واپسی پر مسلم سرمایہ داران کے ذریعہ سے ان صنعتوں کے کارخانے جاری کیے جاویں۔‘‘

(آل پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر۔انوار العلوم جلد 9 صفحہ 122 تا 124)

احمدی تاجروں اور صنّاعوں سے چیزیں خریدیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28؍دسمبر 1925ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

’’ضروری ہے کہ جماعت کی مالی اصلاح اور ترقی کے لیے کوشش کی جائے۔اس کے لیے ایک تو یہ ضروری ہے کہ جماعت کے لوگ ایک دوسرے سے تعاون کریں مختلف مقامات پر ٹرنک سازی، سیاہی سازی، لُنگیاں بنانا، ازار بند بنانا، کلاہ وغیرہ مختلف قسم کی صنعتیں جاری ہیں۔اگر مختلف جگہ کے احمدی تاجر احمدی صنّاعوں سے اشیاء خریدیں تو ان کی بکری وسیع ہوسکتی ہے اور ان کی آمد زیادہ ہونے کی وجہ سے سلسلہ کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔پس احمدی تاجر احمدی صنّاعوں سے مال خریدیں اور احمدی گاہک احمدی دکانداروں سے خریدیں تو اس طرح بھی بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔ہمارے مبلغوں کو بھی اس کام

میں مدد دینی چاہیے۔ جہاں جائیں دیکھیں کہ کون سی صنعت کوئی احمدی کرتا ہے اور جب دوسری جگہ جائیں تو وہاں کے لوگوں کو بتائیں کہ فلاں مال فلاں احمدی بناتا ہے اس سے خریدا جائے۔

صنعتی نمائش کے انعقاد کی تلقین

میرے نزدیک اس پہلو میں ترقی دینے کا ایک آسان طریق یہ بھی ہے کہ مجلس مشاورت کے وقت ایک نمائش بھی ہو جایا کرے جس میں احمدی صنّاع اپنی بنائی ہوئی چیزیں لا کر رکھیں تا کہ دوست واقف ہو جائیں کہ فلاں چیز فلاں جگہ سے مل سکتی ہے اور پھر ضرورت کے وقت وہاں سے منگالیں۔ پھر احمدیوں کو چاہیے کہ بے کار احمدیوں کو ملازم کرانے کی کوشش کریں۔ بعض دوستوں نے اس بارے میں بڑی ہمت دکھائی ہے مگر اکثر سستی کرتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کے لوگوں کو چاہیے تجارتی شہروں میں جا کر تجارت اور صنعت سیکھیں۔''

(منہاج الطالبین۔ انوار العلوم جلد 9 صفحہ 170، 171)

محکمہ تجارت تجارتی معلومات بہم پہنچائے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 15 /اپریل 1927ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا۔

''پھر نظارت تجارت کی تجاویز ہیں۔

(۱) یہ کہ احمدیوں کو بغیر سود قرضہ دینے کے لیے انجمن قائم کی جائے

(۲) احمدی تاجروں اور اہل حرفہ کے باہمی تعارف کا انتظام کیا جائے۔

(۳) بے کاروں کے لیے کوئی کام جاری کیا جائے۔

یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ جن کے نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کو بہت دقت پیش آ رہی ہے۔ ان باتوں پر بھی جلد غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ نتیجہ ہوگا کہ جماعت کے مال کا بڑا حصہ ان بے کاروں کو سنبھالنے کے لیے خرچ کرنا پڑے گا۔......

اس کے بعد میں ناظر تجارت (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ) کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں انہوں نے باوجود پہلے سال رپورٹ پیش کرنے کے اس رنگ میں پیش کی ہے

جو دلچسپی رکھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کس کام میں لگا ہوا ہے اور یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ روپیہ کی کس قدر دقت ہے مثلاً ولایت کی تجارت پر روپیہ کم ہونے کی وجہ سے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ لنڈن میں خرچ زیادہ ہوتا ہے اگر روپیہ زیادہ ہوتا تو فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔غرض انہوں نے بہت دلچسپ بیان کیا ہے مگر ان سے ایک غلطی ہوئی ہے انہوں نے اپنی رپورٹ میں ایسی سکیم پیش کر دی ہے جو منظور شدہ نہیں ہے بلکہ صدر انجمن کی رائے کے خلاف ہے اور میری رائے کے بھی خلاف ہے جب انہیں یہ معلوم تھا تو رپورٹ میں اسے نہیں پیش کرنا چاہیے تھا۔وہ سکیم یہ ہے کہ جماعت کا روپیہ لے کر اوروں کو تجارت پر دیا جائے۔ سٹور کے متعلق میں نے صرف یہ لکھا تھا کہ سٹور میں کام کرنے والے میرے نزدیک دیانتدار ہیں۔مگر صرف یہ لکھنے پر ابھی تک میرے نام سٹور میں روپیہ داخل کرنے والوں کی چٹھیاں آ رہی ہیں کہ تم ہمارے روپیہ کے ذمہ وار ہو۔میں اب بھی زید اور بکر کو دیانتدار ہی سمجھتا ہوں مگر اس وجہ سے دنیا کے کسی قانون کے رُو سے روپیہ کی ذمہ واری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔

ہو سکتا ہے زید دیانت دار ہو مگر اسے کام کا تجربہ نہ ہو اور اس وجہ سے فائدہ نہ ہو اور اگر تجربہ بھی ہو تو ایسی مشکلات پیش آ جائیں کہ کام نہ کر سکے مگر باوجود اس کے سارا الزام مجھ پر عائد کیا گیا اور اس وجہ سے بعض لوگ مرتد ہو گئے ہیں جن لوگوں کی تربیت کا یہ حال ہو ان سے روپیہ لے کر کسی تجارتی کام پر لگانا کس قدر خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ جن لوگوں کو روپیہ دیا جائے گا وہ ہمارے مقرر کردہ رجسٹر پر حساب رکھیں گے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ٹیکس کے لیے رجسٹر مقرر ہیں۔مگر خیانت کرنے والے خیانت کر ہی لیتے ہیں پھر دیانتداری ہر جگہ کامیاب نہیں ہوا کرتی۔نقصان بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔ پس ہمارا دوسروں سے روپیہ لے کر تجارت کے لیے دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ اگر نقصان ہوا تو اعتراض کرنے والوں میں اضافہ ہو جائے گا اس وجہ سے ہم اس کام کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔

اس کی بجائے اگر وہ یہ کرتے کہ بجائے روپیہ لے کر تجارت کے لیے دوسروں کو دیں اور بعض خرابیوں کا ہتھیار بن جائیں۔وہ یہ کریں جو مہذب گورنمنٹیں کر رہی ہیں کہ تجارت کے متعلق اطلاعات بہم پہنچائیں۔مثلاً یہ کہ کون کون سی تجارت کو فروغ ہو رہا ہے اور کس کو تنزل۔یہ باتیں مختلف ذرائع سے معلوم ہو سکتی ہیں۔اگر ہمارا محکمہ تجارت اس طرح کرے یعنی تجارتی معلومات بہم پہنچائے اور پھر لوگوں سے کہے اطلاعات ہم بہم پہنچاتے ہیں تم تحقیقات کر کے روپیہ لگاؤ جس کے ذمہ وار تم خود ہو

گے۔تو اس سے بہت فائدہ ہوسکتا ہے مثلاً بنگال میں بٹن اور سیاہی ، دیا سلائی اور صابن کی تجارت بہت ترقی کررہی ہے اور باہر کی ان چیزوں کی تجارت ٹوٹ رہی ہے۔ یہاں سیاہی ایسی بنتی ہے کہ باہر سے کم آتی ہے۔اسی طرح بٹن اتنے سستے بنتے ہیں کہ بیرونجات کی یہ تجارت ٹوٹ رہی ہے۔ صابن کی 60 فیصدی تجارت بیرونی چھین لی گئی ہے۔دیا سلائی کی بیرونی تجارت بھی ٹوٹ رہی ہے۔ اب ان کے متعلق معلومات بہم پہنچائے جائیں۔پھر یہ بتانا چاہیے کہ کوئی کام ناواقفیت کی حالت میں نہیں کرنا چاہیے۔فلاں فلاں کارخانے سے یہ کام سیکھے جاسکتے ہیں ان سے کام سیکھ کر کیا جائے یا خود لوگوں کو بھیج کر کام سکھلائیں۔یہ ایسا کام ہے کہ اس طرح تھوڑے عرصہ میں جماعت میں تجارتی روح پیدا کرسکتے ہیں۔

اسی طرح تجارتی تعلیم اور تجارتی اصول سے جماعت کو واقف کرنے کی کوشش کی جائے۔اسی طرح جو تجارتیں فروغ حاصل کررہی ہیں ان کے کارخانوں میں کام کرنے سے بہت فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جماعت کے اکثر لوگ چونکہ تجارت سے ناواقف ہیں اس لیے وہ نہیں سمجھتے کہ تجارت کس طرح کرنی چاہیے۔وہ کہتے ہیں جو دیانتدار ہے ضرور ہے کہ نفع بھی حاصل کرے مگر ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ فلاں دیانتدار ہے آگے ممکن ہے ہمارے اندازہ میں بھی 60 فیصدی درست ہو اور 40 فیصدی غلط۔

میرے نزدیک محکمہ تجارت کو ان امور کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔تاکہ عزت بھی محفوظ رہے اور جماعت میں تجارت کی طرف توجہ اور ہیجان زیادہ پیدا ہو۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1927ء صفحہ 10، 131 تا 133)

صنعت وتجارت کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت

حضور انور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ خواہ کسی شعبۂ زندگی میں حصہ لے رہے ہیں آپ اسلام کی خدمت اپنے دائرہ میں خوب اچھی طرح کرسکتے ہیں اور اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مندرجہ ذیل امور میں سے سب میں یا بعض یا کسی ایک میں حصہ لے کر آپ اسلام کی خدمت میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(1) اگر آپ مسلمانوں کی تمدنی حالت درست کرنے میں مدد دے سکتے ہیں اور کسی محکمہ میں مسلمانوں کی ملازمت کا انتظام کر سکتے ہیں تو آپ آج سے اقرار کر لیں کہ جہاں تک آپ کے اختیار میں ہوگا آپ جائز طور پر مسلمانوں کی بیکاری کو دُور کرنے میں مدد دیں گے اور اپنے اس ارادہ سے صیغہ ترقی اسلام قادیان ضلع گورداسپور کو اطلاع دیں گے جسے اس کام کے لیے مَیں نے مقرر کیا ہے۔

(2) اس انجمن کے مراکز کام کی زیادتی کے ساتھ انشاءاللہ ہر صوبہ میں قائم کیے جائیں گے۔

(3) چونکہ کئی مسلمان مسلمانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا ارادہ تو رکھتے ہیں لیکن انہیں مناسب آدمیوں کا علم نہیں ہوتا اس لیے آپ کو اگر ایسے مسلمانوں کا علم ہو جو کسی قسم کے روزگار کے متلاشی ہیں تو ان لوگوں کو تحریک کریں کہ وہ اپنے نام سے صیغہ ترقی اسلام کو جسے موجودہ فتنہ کے دُور کرنے کے لیے میں نے قائم کیا ہے اطلاع دیں۔ یہ بھی آپ کی ایک اسلامی خدمت ہوگی۔ یہ صیغہ ہر جگہ تحریک کر کے مسلمانوں کی بیکاری کے دُور کرنے کی کوشش کرے گا۔

(4) اگر آپ پیشہ ور ہیں اور آپ کے نزدیک آپ کے پیشہ کے ذریعہ سے ملک کے مختلف گوشوں میں انسان روزی کما سکتا ہے تو آپ یہ ارادہ کر لیں کہ آپ مسلمان مستحقین کو اپنا پیشہ سکھا کر انہیں کام کے قابل بنانے کی ہر سعی کو استعمال کریں گے اور اس ارادہ سے صیغہ ترقی اسلام کو اطلاع دیں۔

(5) چونکہ بہت سے لوگ اپنے پیشے سکھانا چاہتے ہیں لیکن مستحق آدمیوں کا ان کو علم نہیں ہوتا اس لیے اگر آپ پیشہ سکھا نہیں سکتے مگر آپ کو ایسے نوجوانوں کا حال معلوم ہے جو مناسب پیشہ نہ جاننے کے سبب سے بے کار ہیں تو ایسے نوجوانوں کے نام سے صیغہ ترقی اسلام کو اطلاع دیں۔ یہ بھی آپ کی اسلامی خدمت ہوگی۔

(6) مسلمان ہر جگہ پر ظلم کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر آپ صاحب رسوخ ہیں اور اسلام کی خدمت کا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں تو آپ آج سے ارادہ کر لیں کہ مسلمان مظلوموں کی مدد کے لیے آپ حتی الوسع تیار رہیں گے اور اپنے ارادہ اور پتہ سے مذکورہ بالا صیغہ کو اطلاع دیں تا جو کام آپ کے مناسب حال ہو اس سے آپ کو اطلاع دی جائے۔

(7) اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو یہ بھی آپ کی اسلامی خدمت ہوگی کہ آپ ایسے مظلوموں کے ناموں

اور پتوں سے صیغہ مذکورہ بالا کو اطلاع دیں تا جہاں تک اس کے امکان میں ہو اصلاح کی کوشش کرے۔

(8) اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتصادیات کا علم دیا ہے اور ذہن رسا عطا کیا ہے اور آپ کو بعض ایسے کام اور پیشے معلوم ہیں جن میں مسلمان ترقی کر سکتے ہیں تو اس کے متعلق صیغہ مذکور کو تفصیلی علم دیں تا اگر اس کے نزدیک وہ کام یا پیشہ مسلمانوں کے لیے مفید ہوں تو وہ ان کی طرف انہیں توجہ دلائے۔

(9) اگر آپ کو بعض ایسے محکموں کا حال معلوم ہو جن میں مسلمان کم ہیں اور ان کی طرف توجہ مسلمانوں کے لیے مفید ہے تو ان سے صیغہ مذکورہ کو اطلاع دیتے رہیں۔ یہ بھی ایک اسلامی خدمت ہے۔''

(آپ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟۔انوار العلوم جلد 9 صفحہ 532، 533)

آڑھت کی دکانیں کھولیں

حضور انور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہمیں مسلمانوں کی آڑھت کی دکانیں کھلوانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ جب تک آڑھت کی دکانیں نہیں کھلیں گی کبھی مسلمان زمیندار اور دُکاندار نہیں پنپ سکتے۔ اندھیر ہے کہ جو روپیہ اس وقت ہندو تبلیغ پر خرچ ہو رہا ہے اس کا کافی حصہ مسلمانوں کے گھروں سے خاص اس غرض سے جاتا ہے۔ عام طور پر ہندو آڑھتی ہر مسلمان زمیندار سے ہر سودے کے وقت ایک مقررہ رقم لیتا ہے کہ اتنی گئوشالہ کے لیے ہے، اس قدر دھرم ارتھ کے لیے، اتنی یتیموں کے لیے، اور اس سے مراد مسلمان یتیم خانے اور مسلمانوں کے کام نہیں ہوتے بلکہ خاص ہندوؤں کے کام ہوتے ہیں۔ اب غور کرو کہ پنجاب میں کس قدر رقم مسلمان خالص ہندو کاموں کے لیے دیتے ہیں۔ پس جب تک مسلمان ان رقوم کو بند نہ کریں گے اور اپنی رقوم کو اسلام کی ترقی کے لیے خرچ نہیں کریں گے وہ پروپیگنڈا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف ہو رہا ہے کبھی بند نہ ہوگا۔ لوگ کہتے ہیں مٹھائیاں و برف وغیرہ کہاں سے لیں۔ مَیں کہتا ہوں۔ اے بھائیو! تمہارے بھائی اسلام کی عزت کے لیے برفوں سے نہیں اپنے بیوی بچوں کی صحبتوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ کیا تم برف اور مٹھائی ترک نہیں کر سکتے اور کیا مسلمان کا دماغ اور سب کام کر سکتا ہے مگر یہ کام نہیں کر سکتے۔''

(رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کا تحفظ اور ہمارا فرض۔انوار العلوم جلد 9 صفحہ 569، 570)

محنت سے عار نہ کرو

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 11رستمبر 1927ءکوایک خطاب میں فرمایا:

''اخلاق کی مضبوطی کے لیے دوسری چیز جوضروری ہے وہ یہ ہے کہ محنت سے عار نہ کرو۔ہم محنت سے جی چراتے ہیں اور کام کرنا عار سمجھتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں اس کے لیے قومی حالت ذمہ دار ہے۔سو سال پہلے ہم بادشاہوں کی قوم کے لوگ تھے۔پس قومی طریق نے ایسا ہونے دیا۔ ہندو بادشاہ نہ تھے اس لیے وہ محنت سے عاری نہ تھے۔وہ تنزل میں ترقی کے سامان کررہے تھے ہم ترقی میں تنزل کے سامان بنارہے تھے۔ہماری مثال سمندر میں کودنے والے کے گلے میں پتھر باندھ دینے کی سی ہے۔ مجھے ایک تاجر نے سنایا کہ انہوں نے اعلان کیا کہ گھر بیٹھے روپیہ کما سکتے ہو۔اس اشتہار کے جواب میں اس کے پاس ڈیڑھ سو مسلمانوں کے خطوط پہنچے جو بغیر کام کے روپیہ مل جانے کی درخواست کرتے تھے۔چار پانچ ہندوؤں کی درخواستوں میں سے ایک تو ایسی ہی تھی مگر باقیوں نے لکھا کہ آپ کو ایجنٹ مطلوب ہیں تو ہم ایجنسی لینے کو تیار ہیں۔اس سے عام ذہنیت کا پتہ مل جاتا ہے کہ ہم روز بروز نکمے ہوتے جاتے ہیں۔اس کو چھوڑ دو اپنے اندر اور اپنی اولاد میں کام اور محنت کی عادت ڈالو۔یہ عمل کی چیز ہے لیکچروں سے کچھ نہیں ہوگا اور نہ کمیٹیاں اس کے لیے کام آئیں گی۔خواہ خلافت کمیٹی بناؤ یا مسلم لیگ۔کچھ فائدہ نہیں ہوگا جب تک ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے عملی کام شروع نہ کرے گا۔''

(مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں۔انوارالعلوم جلد 10 صفحہ 18)

کوئی بیکار نہ رہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 11رستمبر 1927ءکوایک خطاب میں فرمایا:

''گیارہویں چیز جس کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی بے کار اور نکما نہ ہو۔قوم کا ایک فرد بھی اگر نکما ہو تو یہ مصیبت ہے اور جہاں قریباً سب ہی بے کار ہوں اس مصیبت کا اندازہ کون کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اگری (ایک قسم کی گھاس) کی جھولی لیے جارہا ہے۔آپ نے اسے چھین لیا اور کہا جاؤ جا کر کام کرو۔مگر آج جو حالت ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔

قوموں میں تمدنی اور اقتصادی جنگ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اگر نکمے ہوں تو وہ اس مقابلہ میں کیا کریں گے۔ اس ملک میں ہندو، سکھ اور اچھوت 24 کروڑ ہیں۔ مسلمان 7 کروڑ۔ اگر نکمے ہوں تو اس سے بڑی مصیبت کیا ہوسکتی ہے۔ یہ چیزیں ہیں جو اخلاق کی مضبوطی کے لیے ضروری ہیں۔ جب تک کسی شخص اور قوم میں یہ نہ پائی جاویں اخلاقی مضبوطی اس میں پیدا نہیں ہوسکتی۔

ہر شعبہ کے ماہر ہمارے پاس ہوں

اب پھر میں انفرادی ذمہ داریوں کے سلسلہ کی طرف آتا ہوں۔ چوتھی انفرادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہر کام کے لیے آدمی ہو۔ یہی نہیں کہ ہر شخص کام کرے بلکہ ہر کام کے اہل موجود ہوں۔ نیوی گیشن کے لیے ملاح بھی ہوں، کمانڈر بھی ہوں، ڈاکٹر بھی ہوں، انجینئر بھی ہوں۔ کوئی شعبہ انسانی زندگی اور اس کی ضروریات کا نہ ہو جس کے لیے قابل اور ماہر آدمی ہمارے پاس نہ ہوں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہر مسلمان اس ضرورت کا احساس کر کے زندگی کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک کو لے کر ماہر بنے۔''

(مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں۔ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 21، 22)

سستی اور کاہلی کو دور کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/دسمبر 1927ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''جماعت میں سے سستی اور کاہلی کو دور کیا جائے۔ سستی سے قوموں کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ ہماری جماعت میں کئی لوگ ایسے ہیں جو کوئی کام نہیں کرتے حالانکہ اسلامی طریق یہ ہے کہ کسی کو بے کار نہیں رہنے دینا چاہیے۔ سیکرٹری صاحبان اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی احمدی بے کار نہ رہے جن کو کوئی کام نہ ملے انہیں مختلف پیشے سکھلا دیے جائیں۔ اگر کوئی شخص مہینہ میں دو روپیہ ہی کما سکتا ہے تو وہ اتنا ہی کمائے کیونکہ بالکل خالی رہنے سے کچھ نہ کچھ کما لینا ہی اچھا ہے۔ دیکھو حضرت علی رضی اللہ عنہ کس شان کے انسان تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت گھاس کاٹ کر لاتے اور اسے فروخت کرتے تھے۔ تو کوئی کام جس سے کسب حلال ہو کرنے میں عار نہیں ہونی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی احمدی بیکار اور سست نہ ہو......

اقتصادی ترقی کی جان

اس سال جو تحریکیں کی گئیں ان میں سے ایک کے متعلق آئندہ کے لیے بھی خاص طور پر خیال رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ تحریک چھوت چھات کی ہے۔اس کے متعلق میں نے عورتوں میں بھی بہت زور دیا ہے اور اب آپ لوگوں کے سامنے بھی اس کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ تحریک مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کی جان ہے۔علاوہ ازیں مذہبی طور پر بھی یہ بڑا اثر رکھتی ہے۔ملکانوں میں ایک بہت بڑا ظلم ہندو پرچارکوں نے یہ بھی کیا کہ وہ انہیں بتاتے تھے کہ دیکھو مسلمان ہم سے ادنیٰ ہیں اور ہم ان سے اعلیٰ ہیں کیونکہ ہم ان کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز نہیں کھاتے مگر وہ ہمارے ہاتھوں سے لے کر کھا لیتے ہیں ۔اس پر ہزاروں ملکانے اس لیے مرتد ہوگئے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر اعلیٰ ہو جائیں گے۔مسلمانوں نے سات سو سال تک ہندوؤں کا لحاظ کیا۔مسلمان جب بادشاہ تھے اُس وقت بھی انہوں نے درگزر کیا اور کہا ہندو اگر ان کے ہاتھ کا نہیں کھاتے تو نہ کھائیں مگر اب مسلمان ہندوؤں کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے قلاش ہوگئے ہیں اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلام کی خدمت کے لیے پچیس لاکھ روپیہ بھی جمع نہیں ہوسکتا۔کیوں؟اس لیے کہ مسلمانوں کے پاس روپیہ ہے نہیں۔مسلمانوں میں کئی لوگ لاکھوں ہزاروں کی جائیدادیں رکھنے والے ہیں مگر باوجود اس کے ہندوؤں کے مقروض ہیں پس جب کہ مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے اور ہندو چھوت چھات کی وجہ سے اپنی برتری جتلا کر ناواقف اور جاہل مسلمانوں کو مرتد کر رہے ہیں تو ضروری ہے کہ مسلمان اس طرف متوجہ ہوں۔پس میں دوستوں سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس تحریک کو خصوصیت سے جاری رکھیں گے اور ہر جگہ ہر مسلمان کے کان میں یہ بات ڈال دیں گے کہ اس تحریک پر عمل کرنے سے تمہارا ہی فائدہ ہے۔ہماری جماعت میں تو تاجر پیشہ لوگ بہت کم ہیں زمیندار اور ملازمت پیشہ زیادہ ہیں اس وجہ سے چھوت چھات کی تحریک کے کامیاب ہونے پر دوسرے مسلمانوں کو ہی فائدہ ہوگا۔ کم از کم تین چار کروڑ روپیہ سالانہ مسلمانوں کا اس تحریک پر عمل کرنے سے بچ سکتا ہے اور مسلمانوں جیسی کنگال قوم کے لیے اتنا روپیہ بچنا بہت بڑی بات ہے۔میں نے عورتوں کو بتایا تھا کہ یہاں قادیان میں مسلمان مٹھائی والا کوئی نہ تھا اس لیے ہم نے مٹھائی خریدنا بند کر دیا اور سات سال تک یہ

بندش رہی۔ یہ بتا کر میں نے ان کو یقین دلایا کہ اتنا عرصہ میں کوئی ایک آدمی بھی مٹھائی نہ خریدنے کی وجہ سے نہ مرا۔ نہ ہمارے بچوں کی صحت کو اور نہ ہماری صحت کو کوئی نقصان پہنچا۔ بلکہ فائدہ ہی ہوا کہ پیسے بچ گئے۔ میں سمجھ نہیں سکتا کھانے پینے کی چیزیں غیر مسلموں سے نہ خریدنے میں کون سی مصیبت آجاتی ہے۔ پوری کچوری نہ کھائی روٹی کھالی۔ کیا ہندوؤں کی بنائی ہوئی کچوری میں اتنا مزا ہے کہ بے شک دین جائے غیرت جائے مگر پوری کچوری نہ جائے۔ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو خصوصیت سے یہ تحریک کرتا ہوں کہ ہندوؤں کی چھوئی ہوئی چیزیں اس وقت تک نہ کھانی چاہییں جب تک ہندو بھی علی الاعلان عام مجلسوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے لے کر وہ چیزیں نہ کھائیں۔ ہم ضدی نہیں، ہم کسی کے دشمن نہیں، ہم بائیکاٹ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنا مال بچانا چاہتے ہیں اپنی قوم کو بچانا چاہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ جس طرح ہندو مسلمانوں سے سات سو سال تک کھانے پینے کی چیزیں نہیں لیتے رہے اس طرح مسلمان بھی سات سو سال تک ان سے نہ لیں اور ہندو مسلمانوں سے لیتے رہیں تب مساوات ہوگی مگر ہم یہ کہتے ہیں جس طرح ہندو مسلمانوں سے نہیں خریدتے اسی طرح مسلمان بھی نہ خریدیں۔ اس طرح ایک لاکھ مسلمانوں کے لیے کاروبار نکل آئے گا اور اتنے خاندان چل سکیں گے۔

ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس تحریک پر عمل کرنا چاہیے اور دوسرے لوگوں سے کرانا چاہیے۔ یہ ہمارے فائدہ کی بات نہیں اگر وہ عمل کریں گے تو ہم پر احسان نہیں کریں گے انہی کو فائدہ پہنچے گا۔

مسلمانوں کے آپس میں تعاون کی ضرورت ہے

ایک اور بات جو اس سال کے پروگرام میں رکھنی چاہیے وہ مسلمانوں کا آپس میں تعاون ہے یعنی جہاں مسلمان سودا بیچنے والے ہوں وہاں ان سے خریدا جائے۔ میں نے دیکھا ہے اس سال کی تحریک کے ماتحت سینکڑوں نہیں ہزاروں دکانیں نکلیں۔ ایک دوست نے بتایا ایک جگہ مسلمانوں کے دکانیں کھولنے کی وجہ سے 35 ہندو دکانوں کا دیوالیہ نکل گیا اور ایک کارخانہ فیل ہو گیا جو ایک مسلمان نے خرید لیا۔ ایک جگہ کے دوست سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایک دکاندار کو جب معلوم ہوا کہ وہ احمدی ہے تو اس نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور کہا کہ آپ کی جماعت کی مہربانی ہے کہ ہماری دکانیں بھی اب چلنے

لگی ہیں پہلے کچھ بکری نہ ہوتی تھی مگر اب خوب ہوتی ہے۔ پس مسلمان دکانداروں کی طرف مسلمانوں کو توجہ کرنی چاہیے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کا بائیکاٹ کیا جائے بائیکاٹ کرنا ناجائز ہے اور بائیکاٹ کے یہ معنی ہیں کہ کسی صورت میں بھی ان سے کچھ نہیں خریدنا۔ مگر جہاں مسلمان دکاندار نہ ہوں وہاں ہندوؤں سے ضرورت کی اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔ یا جو چیزیں مسلمانوں کے پاس نہ ہوں وہ ہندوؤں سے لی جاسکتی ہیں مگر تعجب ہے مسلمانوں کو بائیکاٹ کا لفظ ایسا پسند آیا ہوا ہے کہ بائیکاٹ کرتے تو نہیں مگر کہتے ہیں کہ ہم نے بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔

میں جب اس سال شملہ گیا تو گورنر صاحب پنجاب سے میرا ملنے کا ارادہ نہ تھا مگر چیف سیکرٹری صاحب گورنر پنجاب کی چٹھی آئی کہ واپس جانے سے پہلے گورنر صاحب سے ضرور ملتے جائیں۔ میں جب ان سے ملنے کے لیے گیا تو انہوں نے چھوٹتے ہی تحریک چھوت چھات کے متعلق گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ آپ کی جماعت نے بائیکاٹ کی تحریک شروع کر رکھی ہے میں نے بتایا کہ یہ رپورٹ آپ کو غلط ملی ہے نہ ہم نے بائیکاٹ کرنے کے لیے کہا اور نہ ہماری جماعت نے بائیکاٹ کی تحریک کی۔ ہم نے جو کچھ کہا وہ صرف یہ ہے کہ ہندو جو چیزیں مسلمانوں سے نہیں خریدتے وہ مسلمان بھی ہندوؤں کی بجائے مسلمانوں سے خریدیں اور مسلمان اپنی دکانیں نکالیں تاکہ تجارت کا کام بالکل ان کے ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ آخر ایک لمبی گفتگو کے بعد گورنر صاحب کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ بائیکاٹ نہیں ہے اور اس تحریک میں کوئی حرج نہیں۔ پس یاد رکھو بائیکاٹ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ نہ شرعاً جائز ہے نہ قانوناً نہ عدلاً اور جب کہ مسلمان بائیکاٹ کر ہی نہیں رہے تو اس لفظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جو کچھ کرنا چاہیے وہ اپنے بھائیوں کا تعاون اور امداد ہے اور اس سے کوئی گورنمنٹ روک نہیں سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے کھانے پینے کی اشیاء کی دکانیں نکالیں وہاں ہندوؤں نے شور مچا دیا کہ مسلمان ہندوؤں سے سودا نہیں خریدتے اور گورنمنٹ کو لکھا کہ اس قسم کی تحریک جاری کر کے منافرت پیدا کی جا رہی ہے۔ میرے سامنے یہاں کے لوگوں نے یہ بات پیش کی میں نے انہیں کہا تم بھی کیوں اس قسم کی درخواستیں گورنمنٹ کو نہیں بھیجتے کہ ہندو ہماری دکانوں سے کچھ نہیں خریدتے۔ آخر تمہیں گورنمنٹ اس کا کوئی جواب دے گی اگر وہ یہ جواب دے کہ ہندو

چونکہ مسلمان کے ہاتھ کی اشیاء نہیں کھاتے اس لیے نہیں خریدتے تو تم بھی یہی جواب دے سکتے ہو کہ ہم بھی ہندوؤں کے ہاتھ کی اشیاء نہیں کھاتے اس لیے نہیں خریدتے تو جہاں مسلمانوں کی دکانیں نکلیں وہ اس قسم کی درخواستیں حکام کو ضرور بھیجیں۔اس طرح ہندوؤں کی درخواستوں کا جواب خود بخود ہو جائے گا۔

تجارت میں ترقی کا ایک طریق

تجارت میں ترقی کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت فیصلہ کرے کہ فلاں چیز اپنی جماعت کے لوگوں کی ساختہ ہی لیں گے۔مثلاً جرابیں اپنی جماعت کی بنائی ہوئی یا ان لوگوں کی بنائی ہوئی جو اس تحریک میں ہمارے ساتھ شامل ہوں گے اور ہمارے ساتھ تعاون کریں گے ان سے لیں گے۔تین سال تک اگر یہی طریق جاری رکھا جائے تو اس چیز کے فروخت کرنے والے تاجر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں اور پھر بغیر خاص مدد کے دوسروں کو زِک دے سکتے ہیں۔''

(تقریر دلپذیر۔انوار العلوم جلد 10 صفحہ 97 تا 103)

تجارت کی ترقی باہمی تعاون سے مشروط ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28 ردسمبر 1930ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''دنیوی ترقی کے لیے بہترین چیز تعاون ہے۔یورپ کے لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا اور ترقی حاصل کر لی۔لیکن مسلمان آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔جب سارا یورپ اکٹھا ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تو مسلمان اس وقت بھی آپس میں لڑ رہے تھے۔اس وقت عیسائیوں سے باطنی حکومت نے یہ سازش کی کہ ہم سلطان صلاح الدین کو قتل کر دیتے ہیں تم باہر سے مسلمانوں پر حملہ کر دو۔اس کا جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے۔پس تعاون سے جو نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں وہ کسی اور طرح حاصل نہیں ہو سکتے۔اسی طریق سے ہماری جماعت بھی ترقی کر سکتی ہے اور اس کے لیے بہترین صورت تاجروں کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔بیشک زمیندار بھی مالدار ہو سکتے ہیں لیکن بڑے بڑے مالدار مل کر بھی غیر ملکوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔اس کے مقابلہ میں تجارت سے غیر ممالک کی دولت پر بھی قبضہ کیا جا

سکتا ہے کیونکہ تجارت دور دور تک پھیل سکتی ہے۔اس لیے تاجروں کی امداد نہایت ضروری چیز ہے اس کے لیے سرِ دست میری یہ تجویز ہے کہ کوئی ایک چیز لے لی جائے اور اس کے متعلق یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ ہم نے وہ چیز صرف احمدی تاجروں سے ہی خریدنی ہے کسی اور سے نہیں۔اس طرح ایک سال میں اس چیز کی تجارت میں ترقی ہوسکتی ہے اور دوسرے تاجروں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔مثلاً سیالکوٹ کا سپورٹس کا کام ہے یہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باہر انگلستان، آسٹریا اور جرمنی وغیرہ میں بھی جاتا ہے اور یہ ایسی انڈسٹری ہے جس سے دوسرے ملکوں کا روپیہ کھینچا جا سکتا ہے۔سیالکوٹ میں چار پانچ احمدیوں کی فرمیں ہیں۔اس لیے اس سال کے لیے ہم یہ کام اختیار کر سکتے ہیں کہ تمام وہ احمدی جو صاحبِ رسوخ ہوں،سکولوں میں ہیڈ ماسٹر یا ماسٹر ہوں،کھیلوں کی کلبوں سے تعلق رکھتے ہوں،کھیلوں کے سامان کی تجارت کرتے ہوں یا ایسے لوگوں سے راہ و رسم رکھتے ہوں۔وہ یہ مدنظر رکھیں کہ جتنا کھیلوں کا سامان منگوایا جائے وہ سیالکوٹ کی احمدی فرموں سے منگوایا جائے۔میں ان فرموں کے مالکوں سے بھی کہوں گا کہ وہ سارے مل کر ایک مال فروخت کرنے والی کمیٹی بنا لیں۔جس کے صرف وہی حصہ دار ہوں جو یہ کاروبار کرتے ہیں تا کہ سب کو حصہ رسدی منافع مل سکے۔اس وقت مَیں صرف یہ تحریک کرتا ہوں۔جب تاجر ایسی کمیٹی قائم کر لیں گے،اس وقت اخبار میں مَیں اعلان کر دوں گا کہ اس کمپنی کے مال کو فروخت کرنے کی کوشش کی جائے۔اس طرح ایک دو سال میں پتہ لگ جائے گا کہ کس قدر فائدہ ہوسکتا ہے اور اگر ان لوگوں نے کوئی ترقی کی تو وہ ہماری جماعت ہی کی ترقی ہوگی۔

تعاون باہمی کے اصول پر ایک کمپنی قائم کرنے کی تجویز

اس طرح ایک کمپنی تعاون کرنے والی قائم کرنی چاہیے جس میں تاجر، زمیندار اور دوسرے لوگ بھی شامل ہوں۔میں نے اس کے لیے کچھ قواعد تجویز کیے تھے جنہیں قانونی لحاظ سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے پسند کیا تھا۔اب ان کو شائع کر دیا جائے گا۔یہ اس قسم کی کمپنی ہوگی کہ اس میں شامل ہونے والے ہر ایک ممبر کے لیے ایک رقم مقرر کر دی جائے گی جو ماہوار داخل کراتا رہے۔اس طرح جو روپیہ جمع ہوگا اُس سے رہن با قبضہ جائیداد خریدی جائے گی۔اعلیٰ پیمانہ پر تجارت کرنا چونکہ احمدی نہیں جانتے اس لیے اس میں روپیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ رہن با قبضہ جائیداد خرید لی جائے گی۔جیسا کہ انجمن

کے کارکنان کے پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق کیا جاتا ہے۔اس طرح جو نفع حاصل ہوگا اس کا نصف یا ثُلث اس ممبر کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ جو فوت ہو جائے اور اس کی جمع کردہ رقم بھی اس کے وارثوں کا حق ہوگی۔ میں فی الحال اس سکیم کا مختصر الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں۔ پھر مشورہ کر کے مفصل سکیم اخبار میں شائع کر دی جائے گی۔ دوست اس کے لیے تیاری کر رکھیں۔''

(فضائل قرآن (۳)۔انوار العلوم جلد 11 صفحہ 559 تا 561)

قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 2/جنوری 1931ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہر سال خدا تعالیٰ کا سلوک بندوں سے جداگانہ ہوتا ہے اور اس کی بعض نئی صفات ظاہر ہوتی ہیں گو وہ اپنی شان میں ایسی اعلیٰ وارفع نہ ہوں جتنی انبیاء کے دور میں ہوتی ہیں۔مگر بہر حال تجدید اور زیادتی ضرور ہوتی ہے اور زیادتی چاہے ایک پیسہ کی ہو وہ زیادتی ہی ہے۔ کیونکہ تھوڑا تھوڑا مل کر بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے

قطرہ قطرہ مے شود دریا

معمولی معمولی منافع لینے والے تاجر بڑی دولت پیدا کر لیتے ہیں بلکہ جتنی زیادہ کسی کی تجارت وسیع ہو اتنا ہی وہ کم منافع لیتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے اربوں روپیہ کا مال نکلتا ہے اس لیے وہ نہایت معمولی منافع سے ہی کروڑوں روپیہ کما لیتا ہے۔''

(خطبات محمود جلد 13 صفحہ 4)

ناکارہ لوگ قوم کی ترقی کی راہ میں روک ہوتے ہیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 13/مارچ 1931ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''جماعت میں کوئی نکما نہ رہے اور کوئی آدمی ایسا نہ ہو جو کمائی نہ کرتا ہو۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کچھ کماتا نہیں وہ کھاتا کہاں سے ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کئی لوگ ایسے ہیں جو قطعاً کوئی کمائی نہیں کر رہے اس لیے میں امور عامہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسی مردم شماری کرے

جس میں ہر آدمی کا نام ہو، اس کی قابلیت کہ وہ کیا کام جانتا ہے اور کیا کام کرتا ہے یا بیکار ہے۔ تو تمام تفصیلات درج ہوں۔ خواہ مرد ہو یا بیوہ عورت سب کے متعلق یہ معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ خاوند والی عورت کے اخراجات کا کفیل تو اس کا خاوند ہوتا ہے مگر بیوہ کے گزارہ کی صورت معلوم کرنی ضروری ہے پس ہر بالغ مرد بیوہ عورت یا بن بیاہی جوان لڑکی کے متعلق یہ معلومات امور عامہ حاصل کرے۔ نا کارہ لوگ قوم کی گردن میں پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں اور قوم کی ترقی میں ایک روک ہوتے ہیں۔ اگر انسان تھوڑا بہت بھی کام کرے تو وہ خود بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور قوم کی ترقی میں بھی کسی حد تک مد ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی مردم شماری سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے ہاں کتنے پیشے جاننے والے لوگ ہیں۔ بعض موزوں آدمیوں کو تعاون سے مدد دی جاسکتی ہے۔ اگر کسی تاجر کی تجارت کسی وجہ سے تباہ ہو گئی ہو اور اس کے پاس سرمایہ نہ ہو تو اسے نقد روپیہ دینے سے اس کی عادت کے خراب ہونے کا احتمال ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اگر نقصان ہو گیا تو پھر بھی روپیہ مل سکتا ہے لیکن اگر اسے تعاون کے ذریعہ مدد دی جائے تو وہ سنبھل جاتا ہے۔

بوہروں کی ترقی کا راز

بمبئی کے بوہرے اسی طرح کرتے ہیں اگر ان میں سے کسی کی تجارت کو نقصان پہنچ جائے تو سارے مل کر ایک چیز کی تجارت اس کے حوالے کر دیتے ہیں مثلاً وہ فیصلہ کر دیں گے کہ دیا سلائی کی ڈبیہ سوائے فلاں کے کوئی نہ بیچے اور جب کوئی گاہک ان کے پاس آئے تو اس کی دکان پر بھیج دیتے ہیں اور اس طرح ایک مہینہ کے اندر اندر وہ کافی سرمایہ جمع کر کے پھر ترقی کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ہماری جماعت کے کسی تاجر کا نقصان ہو جائے تو بجائے اس کے کہ سلسلہ کے روپیہ سے اُسے مدد دی جائے ایسا انتظام کر دیا جائے کہ وہ خود بخود اپنے آپ کو سنبھال سکے۔ اسے کہہ دیا جائے جو کچھ تمہارے پاس ہے اس سے فلاں چیز کا کاروبار شروع کر دو۔ یا اگر کچھ بھی نہیں تو تمہیں اُدھار سودا لے دیتے ہیں اور تم مثلاً آٹا فروخت کیا کرو ادھر سب سے کہہ دیا جائے کہ پندرہ روز تک آٹا اسی سے خریدیں اور کوئی دکاندار آٹا فروخت نہ کرے۔ اسی طرح دوسرے دکانداروں کو اگر چہ گاہکوں سے چھٹی مل جائے گی مگر ان کا آٹا پھر بھی فروخت ہوتا رہے گا کیونکہ بیچنے والا انہیں سے لے کر بیچے گا اور آٹا اگر انیس سیر کا

بکتا ہے تو وہ پندرہ دن تک ساڑھے اٹھارہ سیر بیچے اور اس طرح ہر روپیہ، آدھ سیر کی بچت سے پندرہ روز میں اسے کافی سرمایہ مل جائے گا اور یہ عملی قدم اٹھا کر کمزوروں کو بھی آگے بڑھایا جا سکتا ہے اور پھر جو کام نہیں جانتے انہیں کوئی مفید پیشہ سکھایا جا سکتا ہے اور جن کے پاس کوئی کام نہیں ان کے لیے کام کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔......

جتنی امداد طلب کرے اتنا خود بھی کمائے

میرا منشا ہے کہ اب جو صرف سلسلہ کی طرف سے مالی امداد دی جاتی ہے آئندہ اس کا سلسلہ بند کر دیا جائے اور یہ شرط کر دی جائے کہ جو کوئی جتنی امداد طلب کرے اتنا خود بھی کمائے۔ مثلاً ایک مستحق شخص اگر پانچ روپے طلب کرتا ہے تو ہم اسے کہیں ہم پانچ روپے تو دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اتنی ہی کمائی تم خود بھی کرو۔ اس طرح تمہارے پاس دس روپے ہو جائیں گے اور تم خود آرام پاؤ گے۔ غرض یہ کہ کوشش کی جائے کہ کوئی شخص نکما نہ ہو اور اپنے لیے اپنے خاندان کے لیے بلکہ دنیا کے لیے مفید ثابت ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں کام کرنا کوئی عیب نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے مکہ کے رؤسا میں سے تھے اور معزز ترین خاندان کے فرد تھے۔ مگر باوجود اس کے جب آپ پہلے پہل مدینہ میں گئے تو دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ گھاس کاٹ کر بیچا کرتے تھے۔ مگر کیا آج کوئی معمولی زمیندار بھی ہے جو ایسا کرنے کے لیے تیار ہو۔ وہ بھوکا مرنا پسند کرے گا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی مکہ کے رئیس اور اعلیٰ خاندان کے فرد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کام کیا اور اصل اسلامی روح یہی ہے کہ کوئی شخص نکما نہ ہو۔ چاہے علمی کام کرے جیسے مدرس، مبلغ وغیرہ اور چاہے ہاتھ سے کام کرے جیسے لوہار، ترکھان، جولاہا وغیرہ پیشے ہیں۔

کوئی پیشہ ذلیل نہیں

دراصل کوئی پیشہ ذلیل نہیں۔ ہندوستانیوں نے اپنی بیوقوفی سے بعض پیشوں کو ذلیل قرار دے دیا اور پھر خود ذلیل ہو گئے۔ انگریز آج کس وجہ سے ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو فن بافندگی ہی ان کی اس عظمت اور شوکت کا موجب ہے۔ مگر ہم یہ کہہ کر کہ جولاہے کا کام

ذلیل ہے خود محکوم اور ذلیل ہو گئے۔ پس ہاتھ سے کام کرنا ذلیل فعل نہیں ذلیل کام صرف وہ ہیں جو کمینہ ہیں۔ مثلاً کنچنی کا پیشہ یا گانے والی رنڈیاں، ایکٹر، میراثی یا ڈوم وغیرہ۔ باقی اگر کوئی نائی ہے اور محنت کرتا ہے تو وہ ذلیل کیوں ہو گیا۔ وہ اس سے زیادہ شریف ہے جو کسی اعلیٰ قوم سے تعلق رکھنے کے باوجود محنت نہیں کرتا اور نکما ہے۔ اگر کوئی جولاہا ہے تو وہ دوسروں کے ننگ ڈھانکتا ہے وہ خود کس طرح ذلیل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح لوہار، ترکھان کے پیشے بھی ذلیل نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی ہل کو پکڑ کر جانوروں کے پیچھے ٹخ ٹخ کرتا پھرے تو معزز ہو لیکن اگر ہتھوڑا چلائے تو ذلیل ہو جائے یا اگر کوئی دفتر میں کام کرے تو معزز ہو لیکن اگر کپڑا بُنے تو ذلیل ہو جائے۔ یہ عجیب قسم کی ذلت اور عزت ہے۔ جب وہی دماغ وہی جسم ہے تو پیشہ اختیار کر لینے سے ذلیل کیوں ہو گیا۔ ایک شخص اگر نکما بیٹھا رہے لوگوں کا صدقہ کھائے اور مانگتا رہے تو وہ معزز ہو لیکن اگر کوئی کھڈی پر کپڑا بُنے تو وہ ذلیل ہو جائے۔ یہ عجیب قسم کی ذلت اور عزت ہے جسے کوئی بیوقوف ہی سمجھے گا ہماری عقل میں تو یہ آتی نہیں۔ پس ہماری جماعت میں احساس ہونا چاہیے کہ محنت کرنا بُرا نہیں اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنی قوم کے لیے، دین کے لیے اور خدا کے لیے کوئی کام کرنا ذلّت کا موجب نہیں بلکہ اسی میں عزت ہے۔ اس لیے جو لوگ کوئی نہ کوئی کام کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں اور ہر حال میں مفید بننے کی کوشش کریں۔ میری غرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے تمام افراد دین اور دنیا کے لیے مفید بنیں۔''

(خطبات محمود جلد 13 صفحہ 99 تا 101)

زمینداروں کو ترقی کرنے کے لیے ایک نصیحت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 3؍اپریل 1931ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا۔

''ایک اور بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اندازہ لگایا ہے موجودہ حالات میں زمیندار لوگ زمینوں کی آمدنی پر گزارا نہیں کر سکتے۔ عام طور پر ایک زمیندار کے پاس تین چار پانچ گھماؤں زمین ہوتی ہے۔ بڑے زمینداروں کے پاس سو، دوسو، تین سو، چار سو گھماؤں ہوسکتی ہے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور اوسط زیادہ سے زیادہ دس گھماؤں کی ہے۔ اس میں سارا

سال محنت کر کے اگر ہر سال گیہوں ہی بوئی جائے اور فرض کر لیا جائے کہ فی گھماؤں دس من اوسط ہے جو زیادہ سے زیادہ اندازہ ہے تو سو من غلہ حاصل ہوگا اور آجکل کے ریٹ کے مطابق اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت دوسو روپیہ ہوگی۔اس میں زمیندار کے کمین بھی شامل ہوں گے، گورنمنٹ کا ٹیکس بھی ادا کرنا ہوگا، بیلوں کا خرچ بھی برداشت کرنا ہوگا۔یہ سب اخراجات لگا کر زیادہ سے زیادہ سو روپیہ بچے گا۔گویا آٹھ سوا آٹھ روپے ماہوار آمدنی ہوگی۔اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ جس ملک کے لوگوں کی آمدنی کی یہ اوسط ہو وہ کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔ایک زمیندار جو سارا سال خود محنت کرتا ہے۔اس کی بیوی بچے اس کی محنت میں مدد کرتے ہیں اور پھر اسے سوا آٹھ روپے کی آمدنی ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک معمولی مزدور جس کی بیوی بچے آرام سے گھر میں رہتے ہیں جو کوئی سرمایہ خرچ نہیں کرتا۔وہ کم از کم بیس روپے ماہوار کماتا ہے۔مگر ایک زمیندار جو اپنی بڑی شان سمجھتا ہے 22،23 سو روپیہ کا سرمایہ زمین اور اس کے متعلقات کی شکل میں خرچ کرتا ہے، بیوی بچوں کو اپنی محنت مشقت میں شریک رکھتا ہے جو دن رات کام کرتا ہے سوا آٹھ روپے ماہوار کماتا ہے۔

پس زمیندارہ کرنے والے لوگ قطعاً ترقی نہیں کر سکتے اور جب تک مسلمان اسے چھوڑ کر دوسرے کاموں کو اختیار نہ کریں گے ترقی نہیں کر سکیں گے۔پھر آج جس کے پاس آٹھ دس گھماؤں زمین ہے اس کی اولاد میں تقسیم ہو کر وہ اور بھی تھوڑی حصہ میں آتی ہے اس طرح کہاں ترقی ہوسکتی ہے۔ اگر ہماری جماعت کے لوگ بھی اسی حالت میں رہے تو جماعت ترقی نہیں کر سکے گی۔اس لیے ضروری ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں جن سے گزارا چل سکے۔زمین اپنے میں سے کسی ایک کے سپرد کر دی جائے اور باقی کے حصہ دار دوسرے کاموں کی طرف توجہ کریں۔......

مختلف پیشے سیکھے جائیں

ہر جگہ کے لوگوں کو اندازہ لگانا چاہیے کہ ان کے پاس گزارہ کے لیے کافی زمین ہے یا نہیں۔اگر کافی نہ ہو تو اپنی اولاد میں سے کسی ایک دو کے سپرد زمین کر کے باقیوں کو مختلف کام سکھلائیں کسی کو لوہار، کسی کو جولاہا، کسی کو صناع، کسی کو تاجر بنائیں۔اس طرح ترقی کر سکیں گے۔

کوئی پیشہ ذلیل نہیں

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہندوستان میں پیشوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور زمیندارہ کو معزز پیشہ قرار دیا جاتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک لوہار، ایک ترکھان، ایک جولاہا جو کام کرتا ہے اس میں ذلت کیا ہے۔ ان کاموں کو ذلیل قرار دینے والے کبھی غور نہیں کرتے کہ انگریزوں کی ساری ترقی کی بنیاد یہی پیشے ہیں اور وہ انہی کے ذریعہ ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ اہل ہند اس لیے ذلیل ہو گئے کہ انہوں نے پیشوں کو ذلیل سمجھا اور وہ لوگ معزز بن گئے جنہوں نے موچی کا کام کیا، جولاہے کا کام کیا، لوہار کا کام کیا، پس اس خیال میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے کہ کوئی پیشہ ذلیل ہے اور مختلف پیشوں اور تجارت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

کم سرمایہ سے تجارت شروع کرنی چاہیے

تجارت کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے اور سرمایہ ہمارے پاس نہیں اس لیے ہم تجارت نہیں کر سکتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک ہندو نے بتایا تجارت ڈیڑھ پیسہ سے شروع کرنی چاہیے۔ فرماتے ایک شخص کو دیکھا کہ جو لکھ پتی تھا مگر اس کا بیٹا پکوڑوں کی دوکان کرتا تھا۔ پوچھا یہ کیا تو کہنے لگا اگر ابھی اسے سرمایہ دے دیا جائے تو ضائع کر دے گا۔ اب اتنے کام سے ہی اسے تجربہ حاصل کرنا چاہیے یہ اسی سے اپنی روٹی چلاتا ہے۔

غیر ممالک میں جانا مالی اور دماغی ترقی کا ذریعہ ہے

پھر غیر ممالک میں جانا بھی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ عام طور پر اپنے ملک میں ہی پڑے رہنے کے عادی ہیں اس وجہ سے ترقی سے بھی محروم ہیں۔ امریکہ، یورپ، آسٹریلیا وغیرہ کے لوگ دور دراز ملکوں میں جاتے ہیں اور قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ امریکہ آسٹریلیا اور انگلینڈ کے لوگ یہاں آتے ہیں لیکن یہاں کے لوگ کہتے یہ ہیں کہ اپنے ملک سے باہر نہ جائیں خواہ بھوکے ہی مریں۔ قرآن میں بار بار کہا گیا ہے کہ دنیا میں پھرو۔ پس جنہیں اپنے ملک میں ترقی کی صورت نہ نظر

آئے انہیں دیگر ممالک میں جانا چاہیے۔اس طرح بہت سے لوگ ترقی کر سکتے ہیں۔ہمارے ایک جالندھر کے دوست آسٹریلیا میں پھیری کے لیے جاتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ کم از کم پندرہ روپیہ روزانہ کی آمد ہوتی ہے۔وہ وہاں سے کما کر آجاتے اور پھر گھر میں رہتے ہیں۔پس ہماری جماعت کے لوگوں کو باہر بھی نکلنا چاہیے۔یہ مالی اور دماغی ترقی کا ذریعہ ہے۔

باہمی تعاون

پھر ایک نہایت ضروری بات باہمی تعاون ہے۔ہم نے دیکھا ہے کانگرس والوں نے باہمی تعاون سے کس طرح گورنمنٹ کو نقصان پہنچایا۔اسی طرح فائدہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے مگر ہماری جماعت نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی۔ہمارے سامنے کئی سکیمیں آتی ہیں،کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں مگر کوئی کام نہیں ہوتا۔میرے سامنے ایک سکیم ہے جس کا میں نے سالانہ جلسہ پر بھی ذکر کیا تھا اور وہ تاجروں اور صناعوں کے متعلق ہے۔یعنی یہ کہ جو چیز ہماری جماعت کے لوگ بنائیں اس کے متعلق ان احمدی تاجروں کو جو وہ چیز فروخت کرتے ہوں لکھا جائے کہ ان سے خریدو اور اس طرح باہمی تعاون کرو۔اس وقت میرے سامنے ایک عزیز بیٹھا ہے اس کے والد صاحب کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔

چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم یہاں ایک دفعہ آئے اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُنہوں نے یہاں کپڑے بنوائے۔میں نے ان سے پوچھا آپ یہاں کیوں کپڑے بنواتے ہیں؟ کہنے لگے میں ایک سال کے لیے کپڑے یہاں سے ہی بنوایا کرتا ہوں۔تا کہ یہاں کے کپڑا فروخت کرنے والوں اور درزیوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ جائے۔یہ ان کے دل میں آپ ہی آپ تحریک ہوئی اور میرے نزدیک ہر احمدی میں یہی روح ہونی چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔اگر ہماری جماعت کے لوگ اس روح کے ماتحت کام کریں تو ہماری جماعت کے تاجر اور صناع اس قدر مضبوط ہو سکتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچ سکیں۔اگر جماعت کے ایسے لوگوں کی فہرستیں بن جائیں جن سے معلوم ہو کہ کون سی چیز کہاں کے احمدی مہیا کر سکتے ہیں تو پھر جسے اس کی ضرورت ہو ان سے منگا سکتے ہیں اور اس طرح بہت فائدہ ہو سکتا ہے اور بہت سے لوگوں کے لیے کام نکل سکتا ہے اور ان کا گزارہ بہت اچھا چل سکتا ہے۔

مشترکہ کام جاری کیے جائیں

ایک صورت اقتصادی ترقی کی یہ ہے کہ جماعت کی طرف سے اشترا کی کام جاری کیے جائیں۔ہم نے اسی غرض سے ایک سٹور جاری کیا تھا مگر اس سے ایسا دھکا لگا کہ پھر ہوش نہ آئی۔حالانکہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ نئے سرے سے اور کام نہ کرتے اور نقصان سے بے دل ہو کر بیٹھ رہتے۔انگلستان والوں نے جب ہندوستان میں تجارت شروع کی تو کئی سال تک بڑا نقصان اُٹھاتے رہے مگر انہوں نے کام نہ چھوڑا اور آخر ہندوستان لے ہی لیا۔پس کوئی وجہ نہیں کہ ایک دفعہ نقصان ہونے کی وجہ سے ہم کوشش جاری نہ رکھیں۔سٹور کے متعلق یہ غلطی ہوئی کہ بہت سا سرمایہ جمع کر لیا گیا جو استعمال نہ کیا جا سکا یہاں ایسی دوکان چل سکتی ہے جس کا سرمایہ سال میں دو تین دفعہ چکر کھالے۔سٹور میں 80 ہزار کا سرمایہ لگایا گیا جس کے لیے ضروری تھا کہ کم از کم اڑھائی لاکھ کی سالانہ بکری ہوتی مگر یہ ہو نہیں سکتی تھی۔اس غلطی کی وجہ سے ناکامی ہوئی۔دوسرا نقص یہ ہوا کہ جنہوں نے روپیہ دیا انہوں نے اپنا سارے کا سارا روپیہ دے دیا۔بعض لوگوں کی حالت کو دیکھ کر رونا آتا۔انہوں نے اپنا سارا جمع کردہ روپیہ لگا دیا اور پھر انہیں روپیہ ملنا مشکل ہو گیا اور اس طرح ان کی نہایت نازک حالت ہوگئی۔اگر کام ایسی طرز پر شروع کیا جائے کہ تھوڑا سرمایہ ہو جو ساری جماعت پر پھیلا کر جمع کیا جائے۔مثلاً دس دس روپیہ کا حصہ رکھا جائے اور کوئی جس قدر حصے چاہے خرید لے۔مگر یہ بات مدنظر رکھے کہ اگر نقصان ہو تو برداشت کر لیا جائے گا۔تو وہ حالت پیدا نہ ہوگی جو سٹور کے فیل ہونے سے ہوئی۔اول تو امید ہے کہ اب ہم انشاء اللہ نقصان نہ اُٹھائیں گے اور اگر اُٹھائیں گے تو پہلے نقصان سے جو سبق حاصل ہوا ہے اُسے یاد رکھ سکیں گے۔

جُرابوں کا کارخانہ

اس قسم کے کام کے لیے پچھلے مہینہ ایک تجویز پر غور کیا گیا اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ کو اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے لاہور اور لدھانہ بھیجا اور وہ کام یہ ہے کہ جُرابوں وغیرہ کا کارخانہ جاری کیا جائے۔درد صاحب نے بتایا کہ ڈائریکٹر آف انڈسٹریز نے بتایا یہ کامیاب کام ہے۔اس سے 25 فیصدی نفع حاصل ہوا ہے۔ہمارا ارادہ ہے کہ اس کے لیے جو سرمایہ جمع کیا جائے

اسے اس طرز پر جماعت میں پھیلائیں کہ کوئی شخص اتنے حصے نہ لے کہ اگر خدانخواستہ گھاٹا ہو تو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے۔ یہ سکیم امور عامہ والے پیش کریں گے۔ اسے اس طرح پیچھے نہ ڈالا جائے جیسے پہلے ہوتا رہا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ سات ہزار کے سرمایہ سے یہ کارخانہ چل سکتا ہے اور آئندہ اور زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔ صحیح اعداد ناظر صاحب امور عامہ پیش کریں گے۔

بااثر لوگ بطور شغل کوئی پیشہ اختیار کریں

ایک صورت اور بھی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ ہر اچھی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ جہاں اسے پائے لے لے۔ اس کے مطابق ایک سبق ہم گاندھی جی سے بھی لے سکتے ہیں۔ ان کی غرض تو کھدر بنانے سے یہ ہے کہ انگریزوں کو نقصان پہنچائیں۔ لیکن ہم اس قسم کی تحریک اس لیے جاری کر سکتے ہیں کہ جماعت میں پیشوں سے جو نفرت ہے وہ دور ہو جائے۔ اگر ایسی تحریک ہو کہ جماعت کے بااثر لوگ شغل کے طور پر ان پیشوں میں سے کوئی شروع کر دیں جنہیں ذلیل سمجھا جاتا ہے تو اس طرح لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت دور ہو جائے گی۔ مثلاً اگر میں ہتھوڑا لے کر کام کروں، یا کھڈی پر کپڑا بنوں تو جو لوگ میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کے دلوں سے ان پیشوں کی تذلیل کا خیال جاتا رہے گا۔ یورپ میں معزز لوگ اس قسم کا کوئی نہ کوئی شغل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے ورزش بھی ہوتی ہے اور پیشوں سے نفرت بھی دور ہوتی جاتی ہے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1931ء صفحہ 17 تا 22)

اقتصادی ترقی کی ایک سکیم

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/دسمبر 1931ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''ایک اور سکیم اقتصادی ترقی کے لیے بنائی گئی تھی۔ مجلس شوریٰ کے موقع پر میں نے تحریک کی تھی۔ اس پر ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس نے تجویز کی تھی کہ ہوزری فیکٹری بنائی جائے جس کے لیے حصے فروخت کر کے سرمایہ جمع کیا جائے۔ اسے مجلس شوریٰ نے پسند کیا تھا یہ اب بن گئی ہے اور رجسٹری کے لیے کاغذات گئے ہوئے ہیں۔ عنقریب اس کا کام شروع ہو جائے گا۔ اس کے متعلق مجلس شوریٰ میں

شامل ہونے والے دوستوں نے بشمولیت میرے یہ اقرار کیا تھا کہ جو چیزیں یہ فیکٹری بنائے گی اسی سے خریدیں گے اس طرح اس کے گاہکوں کی تعداد مستقل پیدا ہو جائے گی۔ مگر شرط یہ ہو گی کہ مطلوبہ سائز کی اشیاء مہیا ہوں یہ نہیں کہ چھوٹے سائز کی چیزیں ہوں یا چاہے جرابیں تین تین انچ لٹکتی رہیں گی تو بھی اس کی پہنیں گے۔ اس کا جب اعلان ہو تو میں امید کرتا ہوں کہ جو دوست ایک یا زیادہ حصے لے سکتے ہیں وہ ضرور لیں گے۔ اس کے حصہ کی شرح دس روپے فی حصہ ہے اور ایک شخص دس، بیس، سو حصے خرید سکتا ہے۔ اس سکیم کے متعلق مفصل اطلاع بیت المال سے حاصل کی جائے۔ اس سے بھی قادیان کی ترقی ہو سکتی ہے۔''

(بعض ضروری امور۔ انوار العلوم جلد 12 صفحہ 409)

چھوٹے چھوٹے سرمایہ سے کام شروع کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/دسمبر 1932ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان تجارت کرنا نہیں جانتے۔ وہ بڑا سرمایہ چاہتے ہیں نہ انہیں وہ مل سکتا ہے اور نہ کام کر سکتے ہیں لیکن ہندو تھوڑے سے تھوڑے سرمایہ سے تجارت شروع کر دیتے ہیں اور پھر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو اپنے اس طریق عمل کی اصلاح کرنی چاہیے اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ہر حال میں بیکاری سے بچنا چاہیے۔ میرے نزدیک بیکار رہنا خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ ایک سال بھی جو بیکار رہا اسے اگر کوئی عمدہ ملازمت مل جائے تو بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے گا کیونکہ بیکاری کی زندگی انسان کو بالکل نکما کر دیتی ہے اور کوئی کام کرنے کی ہمت باقی نہیں چھوڑتی۔ اس حالت سے بچنے کے لیے چاہیے کہ خواہ کوئی بی اے ہو یا ایم اے، ایل ایل بی ہو یا بیرسٹر ہو یا ولایت کی کوئی اور ڈگری رکھتا ہو اگر اسے کوئی ملازمت نہیں ملتی یا حسب منشا کام نہیں ملتا تو وہ معمولی سے معمولی کام حتیٰ کہ ایک جگہ سے مٹی اُٹھا کر دوسری جگہ پھینکنا ہی شروع کر دے لیکن بیکار اور نکما ہرگز نہ رہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھے گا خواہ وہ کام کتنا ہی معمولی ہو تو اس سے اُمید کی جا سکے گی کہ مفید کام کر سکے گا۔

کسی کو بیکار نہ رہنے دیں

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اپنے علاقہ کے احمدیوں کے متعلق تحقیقات کریں کہ ان میں سے کتنے بیکار ہیں اور پھر انہیں مجبور کریں کہ وہ کوئی نہ کوئی کام کیا کریں۔ لیکن اگر وہ کوئی کام نہ کر سکیں تو انہیں قادیان بھیج دیا جائے تا کہ یہاں آ کر وہ آنریری کام کریں جب تک یہ حالت نہ ہو کہ ہماری جماعت کا کوئی انسان بیکار نہ ہو اس وقت تک جماعت کی اقتصادی حالت درست نہ ہو گی۔

مسلمانوں کے بزرگوں کا طریق عمل

کسی شخص کو کوئی کام کرنے میں کسی قسم کی عار نہیں ہونی چاہیے۔ مسلمانوں میں یہ کتنی خوبی کی بات تھی کہ ان کے بڑے بڑے بزرگوں کے نام کے ساتھ لکھا ہوتا ہے کہ رسی بٹنے والا یا ٹوکریاں بنانے والا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے علماء اور امام عملاً کام کرتے تھے اور کام کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ تجویز کی تھی کہ ایک کلب بنائی جائے جس کا کوئی ممبر راج کا، کوئی معمار کا، کوئی لوہار کا کام کرے تا کہ اس قسم کے کام کرنے میں جو عار سمجھی جاتی ہے وہ لوگوں کے دلوں سے نکل جائے اب بھی میرا خیال ہے کہ اس قسم کی تجویز کی جائے۔

دوسروں کی امداد کرو

پھر جہاں میں یہ کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کا ہر ایک فرد کام کرے جو بیکار ہے وہ اپنے لیے کام تلاش کرے اگر کوئی اعلیٰ درجے کا کام نہیں ملتا تو ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی عار نہ سمجھے۔ اگر دوست ایسا کریں تو دیکھیں گے کہ جماعت میں اتنی قوت اور طاقت پیدا ہو جائے گی کہ کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ وہاں دوسری طرف میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے جو لوگ ملازم ہیں انہیں چاہیے کہ دوسروں کو ملازم کرائیں، جو تاجر ہیں انہیں چاہیے دوسروں کو تجارت کرنا سکھائیں، جو پیشہ ور ہیں انہیں چاہیے دوسروں کو اپنے پیشہ کا کام سکھائیں۔ یہ صرف دنیوی طور پر عمدہ اور مفید کام نہ ہو گا بلکہ دینی خدمت بھی ہو گی اور بہت بڑے ثواب کا موجب ہو گا۔

نقصان سے بچانے کا ایک طریق

ایک طریق کام چلانے کا وہ بھی ہے جو بوہروں میں رائج ہے۔ان میں سے اگر کوئی بیکار ہو جائے۔تجارت نہ چلتی ہو اور اس کے پاس سرمایہ نہ ہو تو بوہرے اس طرح کرتے ہیں کہ پنچائت کر کے فیصلہ کر دیتے ہیں فلاں چیز فلاں کے سوا اور کوئی نہ بیچے۔دوسرے دکاندار وہ مال اسے دے دیں گے۔مثلاً دیا سلائی کی ڈبیاں ہیں۔جب یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ فلاں کے سوا اور کوئی دیا سلائی کی ڈبیاں نہ بیچے تو جتنے بوہروں کے پاس یہ مال ہو گا وہ سب اس کو دے دیں گے۔اس طرح اس کا کام چل جاتا ہے۔مگر اس کے لیے بڑی جماعت کی ضرورت ہے۔جہاں چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہوں وہ اس طرح کر سکتی ہیں کہ ایک دوکان کھلوا دی جائے اور یہ عہد کر لیا جائے کہ تکلیف اٹھا کر بھی سب کے سب اسی سے سودا خریدیں گے۔مسلمانوں میں تجارت کبھی ترقی نہ کر سکے گی جب تک وہ اس قسم کی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کریں گے۔ہماری جماعت اگر اس طریق کو چلائے تو بیسیوں لوگ تاجر بن سکتے ہیں۔

اشیائے ضرورت اپنوں سے خریدیں

پھر قومی نقطۂ نگاہ سے بھی اپنی اقتصادی حالت کا اندازہ کرنا چاہیے اس کے متعلق پہلی نصیحت میں نے یہ کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان اپنی ضروریات کی چیزیں مسلمان دکانداروں سے خریدیں اور کھانے پینے کی چیزیں جو ہندو کسی مسلمان سے نہیں خریدتے وہ تو قطعاً مسلمانوں کو ہندوؤں سے نہ خریدنی چاہییں۔یہ اول درجہ کی بے حیائی ہے کہ وہ چیزیں جو مسلمان کا ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے ہندوؤں کے نزدیک ناپاک ہو جاتی ہیں،وہ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی خرید کر استعمال کریں۔کئی دوست اس تحریک پر عمل کرتے ہیں مگر کئی نہیں بھی کرتے اور دوسرے مسلمان تو بالکل بھی نہیں کرتے۔ہماری جماعت کے جو دوست اس پر عمل نہیں کرتے وہ خود عمل کریں اور دوسرے مسلمانوں کو عمل کرنے کی تحریک کریں اور جہاں جہاں مسلمانوں کی دکانیں نہیں ہیں،وہاں احمدیوں کی دکانیں کھلوا دیں اور ان کی مدد اس طرح کریں کہ ضروریات کی چیزیں انہی سے خریدیں۔

مشترکہ سرمایہ سے تجارت

دوسرا طریق یہ ہے کہ مشترک سرمایہ سے کام کیا جائے وہ کام جو افراد نہیں کر سکتے ،قوم کر سکتی ہے۔اس سلسلہ میں میں نے مجلس شوریٰ میں یہ تجویز منظور کی تھی کہ جرابیں وغیرہ بُننے کے لیے کمپنی بنائی جائے۔اس کے کچھ حصے قادیان اور باہر کے لوگوں نے خریدے ہیں۔لیکن کام شروع کرنے کے لیے کم از کم بائیس ہزار روپیہ ضروری ہے۔افسوس کہ جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔حالانکہ مجلس مشاورت میں شریک ہونے والے دوست یہ عہد کر کے گئے تھے کہ ہم اس کمپنی کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں گے اور میں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر اس کمپنی کی جرابیں پورے سائز کی نہ ہوں گی تو خواہ وہ کتنی ہی خراب ہوں ہم وہی پہنیں گے اور ان پر اعلیٰ درجہ کی جرابوں کو ترجیح نہ دیں گے۔تمام جماعتوں کو چاہیے کہ اس ہوزری فیکٹری کے حصے خریدیں۔اس رنگ میں عمدگی سے تجارتی کام چلایا جا سکتا ہے۔ہوزری کے کام کو اس لیے چُنا گیا ہے کہ یہ تھوڑے سرمایہ سے چلایا جا سکتا ہے۔جب یہ تجویز کی گئی تھی اس وقت بارہ ہزار سرمایہ کی ضرورت تھی لیکن اب بائیس ہزار کی ہے اور اگر اب بھی کام نہ چلایا گیا تو ممکن ہے پھر پچاس ہزار کی ضرورت پیش آئے۔اگر سرمایہ زیادہ ہو جائے تو اس کام کو اور زیادہ بڑھایا جا سکتا ہے یعنی بُنیائیں اور کپڑا بُننے کا کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے لیے درد

اس وقت مسلمانوں میں بیداری کے آثار پائے جاتے ہیں اور وہ اُبھرنا چاہتے ہیں مگر ہندوؤں نے تجارت کا ایک ایسا حلقہ قائم کر رکھا ہے کہ مسلمان اُبھر نہیں سکتے۔ہماری جماعت کو خدا نے موقع دیا ہے کہ ہم اپنی تنظیم کے ذریعہ ابھر سکتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو سہارا دے کر کھڑا کر سکتے ہیں۔میری غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر جو کُچلا جا رہا ہے اس کا انسداد ہو جائے،مسلمان محفوظ ہو جائیں اور ارتداد کے گڑھے میں نہ گریں۔اس کے علاوہ کئی ادنیٰ اقوام مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں مگر وہ کہتی ہیں کہ کام دو۔ہم کام کہاں سے دیں جب تک قومی طور پر کام شروع نہ کیے جائیں۔......

نقصان سے مایوس نہیں ہونا چاہیے

ہمارا فرض ہے کہ جماعت کی چاردیواری کو ہر طرف سے مضبوط کریں۔اس کی ایک طرف کی دیوار اقتصادی حالت ہے اسے اگر مضبوط نہ کیا جائے تو سخت نقصان ہوگا۔فی الحال جو چھوٹا سا کام شروع کرنے کی تجویز ہے اس میں احباب کو شرکت اختیار کرنی چاہیے۔جب ہم اس کام میں روپیہ اس نیت سے لگا رہے ہیں کہ جماعت کی طاقت اور قوت بڑھے، جو بے کار لوگ ہیں وہ کام پر لگ جائیں،مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست ہو سکے،اچھوت اقوام میں تبلیغ کرسکیں تو انشاءاللہ اس کمپنی کو کسی صورت میں بھی نقصان نہیں ہوگا اور اگر خدانخواستہ مالی لحاظ سے نقصان ہو تو خدا تعالیٰ دوسری طرح اسے پورا کر دے گا۔بعض لوگ سٹور کے فیل ہونے سے ڈرے ہوئے ہیں۔مگر وہ منافع کے لیے کام شروع کیا گیا تھا اوراب جو کام شروع کیا جانے والا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو ترقی حاصل ہو اور اقتصادی پہلو سے ان کی حفاظت کرسکیں۔پھر ترقی کرنے والی قوم کو اس طرح کی باتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے کہ فلاں کام میں نقصان ہو گیا تھا اس قسم کا ڈر ترقی کے رستہ میں بہت بڑی روک ہے۔انگریزوں نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی تو پہلے اس میں گھاٹا پڑتا رہا مگر انہوں نے استقلال کے ساتھ کام جاری رکھا آخر ہندوستان کی بادشاہت انہیں مل گئی۔غرض قومی طور پر جو کام شروع کیا جائے وہ گو ابتدا میں معمولی نظر آئے،اس میں مشکلات ہوں،اس میں نقصان اٹھانا پڑے لیکن اگر قوم ہمت اور استقلال سے اسے جاری رکھے تو آخر کار عظیم الشان نتائج رونما ہوتے ہیں۔ہماری جماعت کو ایسی ہی ہمت دکھانی چاہیے۔......

اپنے مال کا ذرا سا نقص بھی بتانا چاہیے

مال میں خواہ ذرا سا بھی نقص ہو،تاجر کو چاہیے کہ خریدار کو بتا دے تا کہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ پیدا ہو۔اس طرح نقصان نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہی رہتا ہے۔جب انسان دھوکہ کی چیز بیچنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تو مال خریدتے وقت خود بھی احتیاط نہیں کرتا لیکن اگر ناقص چیز گاہک اس سے نہ خریدے تو اسے خود بھی احتیاط کرنی پڑے گی۔پھر معاملہ کی صفائی سے ایک قومی کریکٹر بنتا ہے جو ساری قوم کے لیے نہایت مفید ہوتا ہے۔‘‘

(بعض اہم اور ضروری امور۔انوار العلوم جلد 12 صفحہ 583 تا 602)

ہوزری کی سکیم

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 16/اپریل 1933ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا۔

''پھر ایک اور بات کی طرف احباب کو توجہ دلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجلس مشاورت میں ہی ایک سکیم ہوزری کی تجویز ہوئی تھی۔اس وقت تک اس کے حصص فروخت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔پانچ ہزار حصوں کے مہیا ہونے کی ضرورت ہے۔لیکن اس وقت تک 22 سو حصے فروخت ہوئے ہیں۔میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ جا کر اس کام کو دینی کام سمجھ کر سرانجام دیں اور اس کو کامیاب بنانے میں حصہ لیں۔بعض کہتے ہیں مذہبی جماعت کو بزنس سے کیا تعلق؟ وہ بزنس مین نہ سہی زمیندار یا ملازمت پیشہ ہی سہی۔مگر جماعت کی اقتصادی اور مالی حالت کو درست اور مضبوط کرنا ان کا فرض ہے یا نہیں؟ ہر ایک احمدی کا یہ فرض ہے۔پس دوست جا کر اپنی اپنی جماعت میں اس کے حصے فروخت کریں۔دس روپے کا ایک حصہ ہے جو معمولی بات ہے۔اگر کام کو کام سمجھ کر کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں کامیابی نہ ہو۔ایک لاکھ حصہ کا فروخت ہو جانا بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے۔بشرطیکہ اسے دینی کام سمجھ کر کیا جائے اور جماعت کی مالی و اقتصادی ترقی کی بنیاد قرار دیا جائے۔

پس اسے مذہبی،تمدنی اور سیاسی فرض سمجھ کر ہر شخص جو حصہ لے سکتا ہے لے اور اپنی طاقت کے مطابق لے۔میں نے حال ہی میں مکان بنوایا ہے۔اگرچہ کمیٹی میں میرا حصہ نکل آیا مگر اس حصہ کی قسط ادا کرتا ہوں۔مگر باوجود اس کے جب کہ خرچ خوراک میں بھی کمی کرنی پڑی ہے۔پانچ سو روپیہ میں نے اس فنڈ میں دیا ہے اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا ہے کہ اگر خدانخواستہ فیکٹری ٹوٹ بھی جائے تو کیا ہے۔جماعت کی بہتری کے لیے کوشش کی گئی ہے۔

پس احباب کو اس اقتصادی حالت کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ہماری جماعت میں تاجر بہت کم ہیں۔حالانکہ تجارت اقتصادی ترقی کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ہوزری کے کام کو ضرور کامیاب بنانا چاہیے۔جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر ۵۵ ہزار حصے پورے کر دیں تاکہ کام شروع کر دیا جائے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1933ء صفحہ 135، 136)

تجارت میں باہمی تعاون ضروری ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍دسمبر 1933ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''ہمارا یہ عام طریق ہے اور ہر مخلص احمدی کا یہ طریق ہونا چاہیے کہ جماعت کے دوستوں سے تعاون کیا جائے اس لیے تمام وہ دوست جو تاجر ہوں دواؤں کے یا سٹیشنری کے یا اور چیزوں کے یا صنعت وحرفت کا کام کرتے ہوں جن بھائیوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو اور جو چیزیں اپنے بھائیوں سے میسر آ سکیں وہ ان سے خرید کر ان کی مدد کرنی چاہیے۔ پھر جو چیزیں احمدیوں سے میسر نہ آ سکتی ہوں مگر دوسرے مسلمانوں سے مل سکتی ہوں اُن سے حاصل کریں۔ پھر جو چیزیں اُن سے بھی نہ مل سکیں اور غیر مسلموں سے مل سکتی ہوں وہ ایسے غیر مسلموں سے خریدی جائیں جو جماعت کی مخالفت کرنے والے نہ ہوں بلکہ جماعت سے اچھے تعلقات رکھتے ہوں۔ غرض ہمارا عام طریق یہی ہونا چاہیے کہ ہمارا روپیہ اس طرح خرچ ہو کہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اسلام کو پہنچ سکے اور اس کے لیے یہی طریق ہوسکتا ہے کہ ہم جو ضروریات پر روپیہ خرچ کریں وہ ان لوگوں کے پاس جائے جو خدمتِ دین کے لیے چندے دیتے ہوں یا کم از کم ایسے ہاتھوں میں نہ جائے جو اسلام کی مخالفت کرنے والے ہوں یا کم از کم ایسے لوگوں کے پاس نہ جائے جو ہماری سیاسی طور پر مخالفت کرنے والے ہوں۔''

(اہم اور ضروری امور۔ انوار العلوم جلد 13 صفحہ 317، 318)

قرض اور سود کے متعلق اسلام کی تعلیم

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 9؍فروری 1934ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اسلام نے تمدنی معاملات کے متعلق ایک ایسی تعلیم دی ہے جو اپنی ذات میں گو نہایت ہی مکمل ہے لیکن جب تک اسے اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ مدنظر نہ رکھا جائے اور اس پر کامل طور پر عمل نہ کیا جائے وہ مفید نتائج پیدا نہیں کرسکتی۔ مثلاً اسلام نے سود سے روکا ہے۔ سود دنیا میں دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ سود جو مالدار آدمی اپنے مال کو اور بڑھانے کے لیے دوسرے مالداروں سے رقم لے کر اُن کو ادا کرتا ہے جیسے تاجر پیشہ لوگ یا بینک والے کرتے ہیں اور ایک وہ سود ہے جو غریب آدمی اپنی ضرورت

کو پورا کرنے کے لیے کسی صاحب استطاعت سے قرض لے کر اُسے ادا کرتا ہے۔اسلام نے ان دونوں سودوں سے منع کیا ہے۔اس سود سے بھی روکا ہے جو تجارت یا جائیداد کو فروغ دینے کے لیے مالداروں سے روپیہ لے کر انہیں ادا کیا جاتا ہے اور اُس سود سے بھی منع کیا ہے جو غریب آدمی اپنی غربت سے تنگ آ کر کسی صاحب استطاعت سے قرض لینے کے بعد اسے ادا کرتا ہے اور نہ صرف ایسا سود دینے سے روکا بلکہ لینے سے بھی منع کیا ہے اور نہ صرف سود لینے دینے سے منع کیا بلکہ گواہی دینے والوں اور تحریر کرنے والوں، غرض سب کو مجرم قرار دیا ہے۔

سود کی بجائے رہن یا قرض سے ضروریات پوری کریں

تاجر پیشہ لوگوں کے سود کے متعلق تو جب کوئی شخص سوال کرے کہ مثلاً اس کے پاس دس ہزار روپیہ ہے اور وہ اس سے دس لاکھ روپیہ کما سکتا ہے۔اگر وہ بنکوں یا دوسرے افراد سے روپیہ لے کر اسے ترقی نہ دے تو کیا کرے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ صبر کرے۔دس ہزار روپیہ اس کے لیے کافی ہے،اسی پر وہ گزارہ کرتا رہے۔مگر جس وقت یہ سوال پیش کیا جائے کہ ایک غریب آدمی بھوک سے مر رہا ہے،کھیتی اس کی نہیں ہوئی،اناج اس کے گھر میں نہیں آیا،بارشیں وقت پر نہیں برسیں،ایسی صورت میں اگر وہ اپنی زمین کے لیے روپیہ مانگتا ہے تو بغیر سود کے لوگ اُسے دیتے نہیں اب وہ کیا کرے؟اگر وہ بیل نہ خریدے گا تو کھیتی کس طرح کرے گا۔یا عمدہ بیج نہیں لے گا تو وہ اور اس کے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے۔اس کے لیے ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ روپیہ قرض لے مگر جب لوگ اسے بغیر سود کے قرض نہ دیں تو وہ کیا کرے۔جب یہ سوال پیش کیا جاتا ہے تو اس کا جواب دینا ذرا مشکل ہو جاتا ہے اور درحقیقت یہی وہ سود ہے جس کے حالات اور کوائف سننے کے بعد انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ وہ کیا جواب دے۔مالدار آدمی کو تو جھٹ ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ سود پر روپیہ مت دو اگر دس ہزار روپیہ ہے تو اسی پر کفایت کرو سود کے ذریعہ زیادہ بڑھانے کی کیا ضرورت ہے مگر ایک غریب آدمی کو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اسی حالت پر کفایت کرو۔اس کو تو ایک ہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ بھوکے رہو اور مر جاؤ۔مگر یہ کوئی ایسا معقول جواب نہیں جس سے ہمارے نفس کو تسلی ہو یا سائل کے دل کو اطمینان حاصل ہو۔پس ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اسلام نے اس کا کیا حل رکھا ہے۔اگر ہم

اسلامی تعلیم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ غریب آدمی تو ایسا ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ نہیں مگر جائیداد ہوتی ہے اس کے لیے تو یہ صورت ہے کہ جائیداد رہن رکھے اور روپیہ لے لے۔ مگر ایک ایسا غریب ہوتا ہے جس کے پاس جائیداد بھی نہیں ہوتی جسے رہن رکھ سکے یا اگر جائیداد ہوتی ہے تو وہ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اگر وہ اسے رہن رکھ دے تو اس کا کاروبار بند ہو جاتا ہے مثلاً زمیندار ہے اگر وہ زمین رہن رکھ دیتا ہے تو وہ کھیتی باڑی کہاں کرے گا۔ اپنے مکان کی چھت یا صحن میں تو وہ کھیتی نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں اسلام نے یہ رکھا ہے کہ ایک طرف تو امراء پر ٹیکس لگا دیا جس سے غرباء کی امداد کی جا سکتی ہے اور دوسری طرف یہ کہا کہ جب ٹیکس سے بھی کسی غریب کی ضرورت پوری نہ ہو تو جو اس کے دوست واقف کار یا محلے والے ہوں، وہ اسے قرضِ حسنہ دیں۔

یہ ایک ایسا نظام ہے کہ اگر اس کے تمام پہلوؤں کو مدنظر نہ رکھا جائے تو ایک صورت کبھی کام نہیں دے سکتی۔ مگر ہمارے لیے اس میں بھی کئی رکاوٹیں ہیں کیونکہ اسلام نے امراء پر جو کئی قسم کے ٹیکس لگائے ہیں، وہ ہم وصول نہیں کر سکتے کیونکہ گورنمنٹ وصول کر لیتی ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ آتی ہے مگر وہ بہت ہی کم ہوتی ہے۔

قرض داروں کا ناروا رویہ اور اس کے نقصانات

پس جبکہ امراء کے ٹیکسوں سے ہم اپنی جماعت کے غرباء کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہیں تو ہمارے لیے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی جماعت سے کہیں کہ امیر آدمی غرباء کو ضرورت کے وقت قرض حسنہ دیا کریں اور کبھی کبھار میں جماعت کو کہتا بھی رہتا ہوں مگر جس حد تک کہنے سے احساس پیدا ہو سکتا ہے وہ میں نہیں کہتا اور نہیں کہہ سکتا اور آج اسی کے متعلق میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں جماعت کو زیادہ زور کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ امیر غرباء کو قرض حسنہ دیا کریں۔ میرے نہ کہہ سکنے کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس جس قدر مالی جھگڑے آتے ہیں، ان میں سے ننانوے فیصدی ایسے ہوتے ہیں جن میں مجھے نظر آ رہا ہوتا ہے کہ مقروض قرض واپس کرنے سے گریز کر رہا ہوتا ہے اور ایک فیصدی جھگڑا میرے سامنے ایسا آتا ہے جس میں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرضہ دینے والا مطالبہ میں سختی کر رہا ہے مگر ننانوے فیصدی وہ لوگ ہوتے ہیں جو قرضہ لیتے ہیں اور پھر واپس

نہیں کرتے بلکہ گریز کرتے اور قرض دینے والے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جو شخص قرض لے کر واپس نہیں کر سکتا اُس کے متعلق تو ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرة: 281) کشائش تک اُسے مہلت دینی چاہیے اور ایسا انسان جو واقعہ میں تنگی میں ہو اور مالی مشکلات کی وجہ سے روپیہ ادا نہ کر سکتا ہو، میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی معقول پسند انسان یہ کہے کہ مجھے اس سے روپیہ دلوا دیجیے۔ ہم یہی پوچھیں گے کہ ہم کہاں سے دلوائیں۔ وہ تو خود کئی قسم کی مشکلات میں مبتلا ہے۔ لیکن جو میری نظر میں کیس آتے ہیں وہ ننانوے فیصدی ایسے ہوتے ہیں کہ قرض لینے والے کا حق ہی نہیں ہوتا کہ قرض لے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ قرض لینے والے کا حق نہیں ہوتا کہ قرض لے تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ وہ شخص قرض لیتا ہے جسے کہیں سے روپیہ آنے کی اُمید ہی نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک جو شخص اس حالت میں قرض لیتا ہے جبکہ اُسے کہیں سے روپیہ آنے کی اُمید نہیں ہوتی اور وہ دوسرے پر اپنی غربت کا اثر ڈال کر اُس سے روپیہ کھینچ لیتا ہے وہ دھوکے باز اور فریبی ہے۔ جب اُسے معلوم ہے کہ مجھے روپیہ کہیں سے نہیں آنا تو وہ قرض لیتا ہی کیوں ہے اور جب اس نے بعد میں تقاضوں پر دوسرے کو یہ جواب دینا ہے کہ میں کیا کروں تو وہ پہلے سے کیوں اس مصیبت کو دور کرنے کی فکر نہیں کرتا۔

ایسا شخص جب دوسرے سے قرض لے رہا ہوتا ہے تو منہ سے تو قرض دینے والے کو کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں جلدی ادا کر دوں گا مگر دل میں اس کے یہ ہوتا ہے کہ روپیہ میرے قابو میں آجائے۔ پھر کون واپس لے سکتا ہے۔ میں ایسے شخص کو یقینی طور پر ویسا ہی مجرم سمجھتا ہوں جیسا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گھر میں سیندھ لگانے والا بلکہ اس سے زیادہ بُرا۔ کیونکہ جو شخص سیندھ لگاتا ہے وہ تو اپنے آپ کو چور کہتا ہے۔ مگر یہ ایک طرف تو اپنی دیانت داری کا سکہ بٹھاتا ہے، دوسری طرف جماعت کی ہمدردی اور اخوت یاد دلاتا ہے، تیسری طرف قرآن مجید کے احکام سناتا اور کہتا جاتا ہے میری ضرور مدد کرو۔ احمدیت آخر کس چیز کا نام ہے؟ ایک مہینہ یا دو مہینہ تک روپیہ ادا کر دوں گا۔ اس دھوکے اور فریب کے ذریعہ وہ دوسرے کا مال اُڑا لیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ شاید میں دیانتدار ہی مشہور رہوں گا مگر آخر وہ دھوکہ باز مشہور ہو جاتا ہے اور ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ یہ فریبی ہے۔ بہانوں سے روپیہ وصول کر لیتا ہے مگر دینے کا نام نہیں لیتا۔ پھر اسے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ایک شخص سے لیا ہوا روپیہ ہمیشہ تو کام نہیں

آ سکتا۔ کچھ عرصہ کے بعد ضرور ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گا۔ شاید اس کا خیال ہو وہ کسی دوسرے سے لے لے گا اور ممکن ہے اس میں کامیاب بھی ہو جائے مگر پھر کیا کرے گا۔ اس کے بعد اگر وہ تیسرے شخص کو بھی دھوکہ دے لے تو پھر کیا ہو گا۔ آخر چھ مہینے، سال، دو سال، چار سال کے بعد لوگ شور مچائیں گے اور اُسے قرض دینا بند کر دیں گے۔ پھر وہ جماعت کے پاس آئے گا اور کہے گا اب میں کیا کروں میرے لیے کوئی انتظام کرو مگر یہی بات اُس نے پہلے کیوں نہ کی اور قرض لینے سے پہلے ہی وہ کیوں نہیں فکر کرتا کہ اب میں کیا کروں۔ دھوکہ بازیاں کرنے کے بعد اُس نے جو کچھ کہنا ہے وہ پہلے کیوں نہیں کہہ دیتا۔ ہاں بعض دفعہ یقین ہوتا ہے کہ کہیں سے روپیہ آنے والا ہے مثلاً کسی نے اس کا سو دو سو روپیہ دینا ہو اور سال بھر کا وعدہ ہو اس دوران میں اُسے خود روپیہ لینے کی ضرورت پیش آ جائے اور وہ کسی کے پاس جا کر کہے کہ مجھے فلاں سے روپیہ لینا ہے کیا مجھے آپ اس روپیہ کے ملنے تک جس کی مجھے غالب اُمید ہے کچھ روپیہ قرض دے سکتے ہیں اگر دے دیں تو کام چل سکتا ہے۔ یا زمیندار اگر کہہ دے کہ فصل پکنے پر روپیہ ادا کر دوں گا تو یہ اور بات ہے لیکن اگر اسے کہیں سے روپیہ کی وصولی کی اُمید ہی نہ ہو اور پھر بھی وہ روپیہ قرض لیے جاتا ہے تو وہ یقیناً دھوکا باز ہے۔ ایسا شخص سمجھ رہا ہوتا ہے کہ چونکہ میں قرض لے رہا ہوں اس لیے یہ جائز کام ہے حالانکہ قرض وہ ہوتا ہے جس کے ادا کرنے کی ہمت ہو، جب ہمت ہی نہ ہو تو پھر قرض کے نام سے روپیہ لینا قرض نہیں بلکہ ٹھگی ہے۔ مثلاً ایک شخص جس کی پچاس روپیہ بھی آمد نہ ہو، اگر وہ دو لاکھ روپیہ قرض لے لے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے قرض لیا ہے۔ ہر شخص کہے گا یہ قرض نہیں بلکہ دھوکہ اور فریب ہے۔ دو لاکھ چھوڑ اس کی تو دو ہزار کی بھی حیثیت نہیں۔ یہی مثال پچاس، بیس یا دس روپیہ قرض لینے پر بھی عائد ہو سکتی ہے۔ جب ایک شخص میں دس روپیہ قرض ادا کرنے کی بھی ہمت نہیں تو اگر وہ دس روپیہ بھی لیتا ہے تو دھوکہ بازی کرتا ہے۔ چونکہ ہماری جماعت کا قرض لینے والا حصہ خواہ وہ دس، بیس، پچاس، سو یا دو سو روپیہ قرض لیتا ہے بسا اوقات ایسی صورت میں قرض لیتا ہے جبکہ وہ اُسے ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لیے میری تشریح کے مطابق ننانوے فیصدی یقینی طور پر دھوکہ باز ہیں اور جبکہ اس قسم کے لوگ ہماری جماعت میں موجود ہوں میں کس طرح ترغیب دے سکتا ہوں کہ غریبوں کو قرض دو میرا اپنا تجربہ یہی ہے۔ خلافت کے ابتدائی چار پانچ سالوں میں میرے پاس لوگوں کی بہت سی امانتیں رہتی تھیں بعض دفعہ بیس بیس، تیس تیس ہزار روپیہ

امانتوں کا ہو جاتا تھا اور چونکہ میرے پاس یہ روپیہ موجود ہوتا تھا اس لیے جب مجھ سے کوئی شخص قرض مانگتا تو میں اُسے دے دیتا۔ مگر میں دیکھتا کہ قرض لینے والوں کا بیشتر حصہ ایسا ہوتا ہے جو قرض لے کر بھول جاتا اور چونکہ میرے لیے یہ ایک نہایت ہی مشکل تھی اس لیے میں نے امانتیں لینی چھوڑ دیں۔ اب بھی بعض امانتیں اگرچہ لوگ میرے پاس رکھواتے ہیں مگر میں انہیں اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ بنک میں جمع کرا دیتا ہوں اس لیے اب اگر مجھ سے کوئی شخص قرض مانگے تو سچائی سے میرے پاس یہ عُذر ہوتا ہے کہ اپنا کیا دوسروں کا بھی میرے پاس روپیہ نہیں کیونکہ میرے لیے یہ مشکل ہوتی ہے کہ کوئی مصیبت زدہ میرے پاس آئے اور میں اُس کی امداد سے قاصر رہوں۔ انہی مشکلات کی وجہ سے میں اب لوگوں کو جرأت نہیں دلاتا کہ میرے پاس امانتیں رکھوا دیا کرو۔ ورنہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ ہر ہفتہ درس وغیرہ میں فرمادیا کرتے تھے کہ روپیہ اپنے گھروں میں نہ رکھو بلکہ میرے پاس رکھا دیا کرو تا وہ محفوظ رہے۔ ابتدائے خلافت میں مَیں بھی کہہ دیا کرتا تھا اور اس طرح کافی رقم جمع ہو جایا کرتی تھی مگر اب میں اول تو امانتیں لیتا ہی نہیں اور اگر لوں بھی تو انہیں بنک میں جمع کرا دیتا ہوں مگر چونکہ دوسروں کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہے اور ہماری جماعت کا کثیر حصہ بلکہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ننانوے فیصدی حصہ ایسا ہے کہ اسے حق ہی نہیں ہوتا کہ قرض لے یا اگر حق ہوتا ہے تو جب روپیہ اسے ملتا ہے تو وہ اور جگہ خرچ کر دیتا ہے۔ اس لیے مجھے یہ نصیحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

روپیہ آنے کی یقینی امید پر قرض لینا جائز ہے

میں عام طور پر دیکھتا ہوں کہ اول تو قرض ایسی حالت میں لیا جاتا ہے جب قرض ادا کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں ہوتی اور اگر کہیں سے روپیہ آنے کی اُمید میں قرض لیا جاتا ہے تو جب روپیہ آ جاتا ہے تو اور جگہوں پر خرچ کر دیا جاتا ہے اور دل میں خیال کر لیا جاتا ہے کہ جب قرض خواہ مانگنے آئے گا تو ہم کہیں گے کہ ہم کیا کریں ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے اور اگر زیادہ اصرار کرے گا تو کہہ دیں گے ہمارا مکان ہے بیس ہزار اس کی لاگت ہے یہ خرید لو اور اس میں اپنا قرض وضع کر لو۔ چاہے وہ اُس وقت پانچ ہزار روپیہ کا ہی ہو۔ اب کون بیوقوف ہوگا جو دو ہزار روپیہ قرض وصول کرنے کے لیے اٹھارہ ہزار اور خرچ کرے۔ یا بعض دفعہ مکان بناتے وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے مگر بعد میں قیمتیں گر جاتی ہیں

اس صورت میں مکان خریدنے والے کو گھاٹا بھی ہو سکتا ہے مگر مقروض سمجھتا ہے میں نے مکان پیش کر دیا ہے اسی جھگڑے میں ایک دو سال اور گزر جائیں گے حالانکہ یہ قرض دینے والے کا کام نہیں کہ وہ مکان خریدے یا بیچے بلکہ قرض لینے والے کا کام ہے کہ وہ جس طرح ہو قرض ادا کرے۔ مکان بیچنا ہے تو خود بیچے اور جس قیمت پر بکتا ہے فروخت کر کے قرض ادا کرے۔ غرض عدمِ ادائیگی کا نقص ایسا ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے اب مجھے جرأت ہی نہیں ہوتی کہ غریبوں کی مدد کے لیے قرض حسنہ کی تحریک کی جائے میں جانتا ہوں کہ اگر میں تحریک کروں تو کئی مخلص ایسے کھڑے ہو جائیں گے جو قرض دینے کے لیے تیار ہوں گے۔ مگر آخر ساری ذمہ داری مجھ پر آ جائے گی وہ کہیں گے آپ نے وعظ کیا تھا اور ہم نے روپیہ دے دیا۔ اب روپیہ لینے والے دیتے نہیں اب آپ ہی دلوائیے۔ کیونکہ قرض لینے والے ننانوے فیصدی میری تشریح کے مطابق ٹھگ ہوں گے اور گو وہ یہ بھی کہیں کہ ہماری نیت تھی کہ ہم روپیہ ادا کر دیں پھر بھی وہ الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ کیا اگر کوئی شخص عمارت بنانا چاہے اور اُسے بیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہو مگر اس کے پاس صرف دس ہزار ہو باقی دس ہزار کے متعلق ایک شخص اسے کہے کہ آپ عمارت شروع کریں میں دس ہزار روپیہ دے دوں گا لیکن جب عمارت نامکمل صورت میں کھڑی ہو جائے اور وہ آ کر کہے کہ روپیہ دیجیے بارش کا خطرہ ہے، عمارت گر جائے گی تو وہ کہہ دے کہ میری نیت تو ہے کہ آپ کو دس ہزار روپیہ دوں مگر پاس نہیں۔ تو کیا تم کہو گے کہ وہ بڑا مخلص ہے کیونکہ اس کی نیت تو ہے کہ وہ دس ہزار روپیہ دے۔ ہر شخص کہے گا کہ وہ دھوکہ باز ہے اُس نے دھوکہ دے کر اُس کا روپیہ بھی برباد کرایا اور آپ پیچھے ہٹ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر بعض لوگ آپؐ کے پاس آتے اور کہتے کہ یا رسول اللہ! فلاں دشمن کے مقابلہ میں لشکر کشی فرمائیں۔ دس ہزار آدمی ہمارا آ جائے گا اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہو کر باہر نکلتے تو دو چار آدمی بھیج دیتے اور کہتے ہماری نیت تو دس ہزار بھیجنے کی تھی مگر ملے نہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ چونکہ دس ہزار کا انہوں نے وعدہ کیا اس لیے بڑے مخلص سمجھے جاتے۔ نہیں بلکہ جتنی زیادہ انہوں نے اس رنگ میں نیت کی اتنا وہ منافق اور دھوکہ باز ثابت ہوئے۔ نیت وہ ہوتی ہے جس کے پورا کرنے کا یقین ہو۔ مگر قرض لینے والوں میں سے ننانوے فیصدی جانتے ہیں کہ ہم قرض ادا نہیں کر سکتے پھر بھی وہ قرض لیتے ہیں یا نیت ادا کرنے کی کرتے ہیں مگر ایسی جو کبھی پوری نہ ہو۔ پس در حقیقت ان کی نیت بھی شیطانی ہوتی ہے۔

اسی طرح تجارت پیشہ لوگ ہیں۔بیسیوں آدمی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے پاس روپیہ ہے کہیں تجارت پر لگوا دیجیے۔ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر ہی میں نے تقریر کی کہ اس قسم کے لوگ میرے پاس آتے رہتے ہیں۔پندرہ بیس ہزار روپیہ سالانہ جمع ہو جانا کوئی مشکل بات نہیں۔جلسہ کے بعد میرے پاس تین آدمیوں کی دستخطی چٹھی پہنچی کہ بس روپیہ کا ہی سوال تھا،ہمیں روپیہ دیجیے تا کہ ہم تجارت شروع کریں اور وہ تینوں ایسے تھے کہ اگر میں بھی اُنہیں قرض دوں تو وہ ایک دمڑی تک اس میں سے واپس نہ کریں۔ایک تو ان میں سے پچھلے دنوں بددیانتی کی وجہ سے قید بھی ہو گیا ہے۔یہ ایک ایسا نقص ہے جس نے سلسلہ کا نظام بہت حد تک تہہ و بالا کر رکھا ہے۔اگر قرض ادا کرنے کی ہمت ہی نہیں تو کسی سے قرض لینے سے پیشتر ایسے شخص کا فرض ہے کہ لوگوں سے کہہ دے کہ میں کنگال ہوں،میری مدد کرو مگر جب وہ بغیر اپنے حالات پر غور کیے قرض لے لیتا ہے تو وہ فریبی ہے۔مانگنا علیحدہ چیز ہے اگر کوئی شخص سوال کرتا ہے تو اگر اس نے بغیر کسی اور ذریعہ سے کام لینے کے جلدی سے سوال کر دیا تو ہم کہیں گے یہ کم ہمت ہے اور اس میں اخلاق کی کمی ہے۔مصائب آئے مگر وہ جلدی ان سے گھبرا گیا لیکن قرض لینے والے کو جبکہ وہ ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا ہم یہ نہیں کہیں گے کہ کم ہمت ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ دھوکہ باز ہے۔ایسے لوگ مجلس میں بڑے فخر سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم سلسلہ سے تو نہیں مانگتے ہم تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں حالانکہ جو سلسلہ سے مانگنے آتا ہے وہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے جو ادا کرنے کے ذرائع مفقود ہوتے ہوئے قرض لیتا ہے کیونکہ مانگنے والا دھوکہ نہیں دیتا مگر وہ دھوکہ دیتا ہے۔پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ سے اس طریق کو بند کرنا چاہیے۔قادیان میں بھی اور باہر بھی کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو قرض لیتے اور پھر واپس نہیں کرتے۔مگر کثرت سے بھی وہ مراد نہیں جو مخالف بعض دفعہ میرے اس قسم کے الفاظ سے لے لیتے ہیں کہ کم از کم جماعت کے 51 فیصدی لوگ ایسے ہیں۔میرا اس قسم کے فقروں سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جماعت میں بیسیوں کی تعداد میں ایسے لوگ ہیں یہی بات میں اس وقت کہہ رہا ہوں کئی لوگ ایسے ہیں جن کا شغل ہی یہ ہے کہ وہ قرض لیتے ہیں اور پھر ادا کرنے کا نام نہیں لیتے۔اس طریق پر وہ خود بھی بدنام ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی بدنام کرتے ہیں جو جائز طور پر قرض لیتے اور پھر مجبوری کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتے۔اگر مجبوریاں نہ ہوں تو وہ فوراً ادا کر دیں۔میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور خصوصاً اُن لوگوں کو جنہوں نے میری جلسہ سالانہ کی تقریر کے مطابق سالکین میں نام لکھوائے ہیں۔میں اس فکر میں ہوں کہ

سالکین کے لیے ایسے قواعد وضع کیے جائیں کہ نہ تو یہ کام ایسا بوجھل ہو جائے کہ اپنی ذات میں ایک محکمہ بن جائے اور نہ ایسا ہو کہ صرف نام کے ہی سالکین رہیں اور کام کوئی نہ کریں۔

روپیہ آنے کی یقینی امید نہ ہو تو قرض نہ دیا کریں

میں ایسے قواعد سوچ رہا ہوں کہ بغیر کسی محکمہ پر خاص طور پر بوجھ ڈالنے کے دوست اپنی بھی اصلاح کریں اور دوسروں کی بھی اور اُمید کرتا ہوں کہ چند دن تک ان کو شائع کر سکوں گا۔لیکن میں ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے نام پیش کیے ہیں پہلا کام یہ سپرد کرتا ہوں کہ وہ جماعت کی نگرانی کریں اور عام طور پر یہ نصیحت کریں کہ جسے یقینی طور پر روپیہ کی آمد کی اُمید نہ ہو وہ کسی سے قرض نہ لے۔ دوسرے یہ بھی نصیحت کریں کہ جس شخص کو یقینی طور پر آمدنی کی کہیں سے اُمید نہ ہو اسے لوگ قرض دیا بھی نہ کریں۔ یہ بھی ایک نیکی ہے جس کا انہیں ثواب ملے گا۔اب تو یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا مکان دو روپیہ ماہوار آمد کا ہوتا ہے مگر وہ بہت سا روپیہ قرض لے کر بیس روپیہ ماہوار کرایہ میں اسے رہن رکھ دیتا ہے۔روپیہ دینے والا خوش ہوتا ہے کہ اسے بہت سا روپیہ مل جائے گا حالانکہ وہ بیس روپے صرف نام کے ہوتے ہیں،ادا ایک بھی نہیں ہوتا۔ابھی پچھلے دنوں ایک دوست نے مجھے لکھا کہ میرے پاس پانچ چھ ہزار روپیہ ہے اسے میں ایسی جگہ لگانا چاہتا ہوں جہاں سے پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار آمد ہو جائے حالانکہ جائیداد پر اس سے آدھا منافع بھی نہیں مل سکتا مگر انہوں نے لکھا مجھے ایسے لوگ ملتے تو ہیں مگر میں چاہتا ہوں آپ کی معرفت کام کروں۔مگر بات یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگ مل رہے تھے جو پچاس ساٹھ کہنے کو تو کہتے تھے مگر ادا ایک بھی نہ کرتے اور نہ صرف انہیں منافع حاصل نہ ہوتا بلکہ اصل روپیہ بھی کھو بیٹھتے کیونکہ ایسے لوگ جانتے ہیں کہ آخر مقدمہ قضا میں آنا ہے اور قضا والے جھٹ کہہ دیں گے کہ یہ سود ہے اور اگر مکان پر قبضہ دلایا جائے تب بھی پانچ چھ ہزار میں۔اگر آٹھ سو روپیہ کا مکان کسی شخص کو دینا پڑے تو اسے تو فائدہ ہی رہا۔پس ایسے لوگوں کو بھی سمجھائیں کہ بلا سوچے سمجھے دوسروں کو قرض نہ دیا کریں پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق کوئی ایسا معاملہ دیکھیں اور محسوس کریں کہ وہ دھوکہ بازی کر رہا ہے تو جماعت میں اس کی دھوکہ بازی اور فریب کاری کو ظاہر کریں۔پس یہ تین کام ہیں۔اول یہ کہ بجائے اپنے کسی بھائی کو بدنام کرنے کے پہلے عام رنگ میں نصیحت کی جائے کہ وہ لوگ

جنہیں کہیں سے روپیہ آنے کی اُمید نہ ہو وہ قرض نہ لیا کریں۔ دوسرے روپیہ دینے والوں کو نصیحت کریں کہ ایسے لوگوں کو قرض دینے سے اجتناب کیا کریں اور تیسری بات یہ ہے کہ دھوکہ باز کا فریب جماعت میں ظاہر کریں تا لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ پھر ہمیشہ مظلوم کی تائید کرنی چاہیے۔ مگر غلطی سے لوگ مظلوم غریب کو قرار دیتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ امیر ہی ظالم ہے حالانکہ اگر ایک کروڑ پتی کا ایک روپیہ بھی کسی غریب نے دینا ہے اور وہ دینے کی طاقت رکھتا ہوا نہیں دیتا تو کروڑ پتی مظلوم ہے اور غریب ظالم۔ اگر یہ تین کام ہماری جماعت کے لوگ کرنا شروع کر دیں تو میں اُمید کرتا ہوں کہ چھ مہینہ، سال تک اس حد تک اصلاح ہو جائے گی کہ میں دلیری سے لوگوں کو یہ کہہ سکوں گا کہ غریبوں اور حاجت مندوں کو قرض دیا کرو۔

پس وہ لوگ جنہوں نے میرے پاس اپنے نام بھجوائے ہیں ان کے سپرد فی الحال میں یہ کام کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ مہینہ دو مہینہ کے بعد مجھے اپنی رپورٹ بھیجا کریں گے کہ ہم نے اس اس طرح اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ میرے دل میں بھی ان کے لیے دعا کی تحریک ہو اور یہ بھی مجھے معلوم ہوتا رہے کہ وہ سچ مچ کام کر رہے ہیں صرف نام لکھوا کر ہی نہیں بیٹھ گئے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اس طریق پر کام کیا گیا تو غرباء کی مصیبت ایک دن دور ہو سکے گی اور جماعت بھی دلیری سے ان کی مدد پر تیار رہے گی اور اس طرح سود کی لعنت سے بھی جماعت کا ایک حصہ خدا تعالیٰ کے فضل سے محفوظ ہو جائے گا۔‘‘

(خطبات محمود جلد 15 صفحہ 44 تا 53)

چیز میں ملاوٹ نہ ہو اور وزن پورا ہو

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 31؍اگست 1934ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

پھر ایک اور بات جس کی طرف میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہاں کے بعض تاجر دیانت سے کام نہیں لیتے اس لیے ہر محلّہ کے دوستوں کو اپنے اپنے محلّہ کی دُکانوں کے متعلق خیال رکھنا چاہیے کہ ان سے سودا صحیح طور پر ملے۔ چیز خراب نہ ہو اور وزن کم نہ ہو۔ ایک دن مجھے عرقِ گلاب کی ضرورت تھی جو میں نے ایک دُکان سے منگوایا۔ میں نے دیکھا دُکاندار نے پانی میں یوکلپٹس آئل ملایا ہوا تھا جسے وہ عرق گلاب کے طور پر بیچتا تھا اور یہ ایسی خطرناک بات ہے کہ اسلامی حکومت ہو تو اس کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔ دوائیوں میں بے احتیاطی بسا اوقات مُہلک ثابت ہوتی

ہے۔آجکل بہت سے ولائتی ایسنس نکلے ہوئے ہیں اوران کے ذریعہ ہر چیز کا عرق بنایا جاسکتا ہے۔مگر وہ گلاب وغیرہ کا عرق نہیں ہوگا اگر چہ اس کی خوشبو ویسی ہی ہو بعض لوگ انہی سے عروق تیار کر لیتے ہیں۔حالانکہ وہ زہریلے ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ دواؤں سے نہیں بنتے بلکہ ایسنسوں سے بنتے ہیں۔پھر میرا تجربہ ہے کہ جو آٹا فروخت کیا جاتا ہے اس میں سے نوے فیصدی ایسا ہوتا ہے جس میں کِرکِر ہوتی ہے۔اور کِرکِر ایسی خطرناک چیز ہے کہ اس سے دردگردہ، پتھری اور مثانہ وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں لوگ عام طور پر جلدی جلدی روٹی کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔اس لیے اس نقص کو محسوس نہیں کرتے اگر اسلام کے حکم کے مطابق آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر روٹی کھائیں تو انہیں باآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ عام طور پر جو آٹا فروخت ہوتا ہے اس میں کرک ہوتی ہے مگر لوگ وقار کے ساتھ روٹی نہیں کھاتے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے اگر ہماری جماعت کے لوگ کھانے کے متعلق اس ہدایت کی پابندی کرتے تو انہیں اس نقص کا احساس بڑی آسانی سے ہوسکتا تھا۔کرک ایک سخت تکلیف دہ چیز ہے۔گردہ اور مثانہ کے امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں مگر دکاندار جو آٹا فرخت کرتے ہیں اس میں سے نوے فیصدی بلکہ میں کہوں گا ننانوے فیصدی کرک ہوتی ہے اور دکاندار بھاؤ کرتے وقت یہ خیال نہیں رکھتے کہ ایسا آٹا خریدیں جس میں کرک وغیرہ نہ ہو بلکہ صاف ہو وہ صرف یہ خیال کرتے ہیں کہ چار آنہ سستی بوری مل جائے جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ بیوپاری کو اجازت دیتے ہیں کہ اس قدر وہ مٹی ملا سکتا ہے اور یہ بھی ویسی ہی بددیانتی ہے جیسا خود مٹی ڈال کر بیچنا۔پس دوست تاجروں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کریں اور جب انہیں شُبہ ہو کہ کوئی دوائی یا کوئی اور چیز اچھی نہیں تو فوراً مقامی انجمن کے پاس رپورٹ کریں اور اس کا فرض ہے کہ تحقیقات کرے کہ شکایت صحیح ہے یا نہیں۔اگر صحیح ہو تو اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے۔

ایک دفعہ ہمارے گھر میں ایک بوری آئی اور اسے دیکھ کر میں نے کہا کہ اس میں کِرکِر ہے۔چنانچہ جب آدمی واپس کرنے کے لیے گیا تو دکاندار نے وہ رکھ لی اور یہ کہہ کر کہ ہمیں علم نہ تھا حضرت صاحب کے گھر جانی ہے اچھے آٹے کی دوسری بوری دے دی جس کے معنے یہ ہیں کہ جہاں اعتراض کا خیال ہو وہاں وہ ایسا نہیں کرتے ورنہ کر لیتے ہیں اور انہیں علم ہوتا ہے پس آئندہ اس امر کا خیال رکھا جائے کہ کوئی دکاندار ایسا آٹا فروخت نہ کرے جس میں کرک یا مٹی کی ملونی ہو اسی طرح دوسری اشیاء بھی

خراب اور میلی کچیلی نہ ہوں اس سے جسمانی صحت بھی درست ہوگی اور ایمانوں میں بھی چُستی پیدا ہو گی۔ جب قیمت ادا کرنی ہے تو کیوں ناقص چیز لی جائے۔ یہ خیال کرنا کہ چلو تھوڑی سی خرابی ہے اسے جانے دو نہایت ہی معیوب بات ہے اور ایسا کہہ کر بات کو ٹال دینے والا اپنی بددیانتی کا ثبوت دیتا ہے اُس کے اِس قول کے معنے یہ ہیں کہ جب اسے موقع ملے گا وہ اس سے بہت زیادہ بددیانتی کرے گا۔غرض یہ چیزیں اخلاق کو برباد کر دینے والی ہیں قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ یعنی کم تولنے والوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ دراصل چھوٹی چھوٹی باتیں ہی بڑی باتوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اس لیے انہیں کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ایک دفعہ میں مغرب کی نماز پڑھا رہا تھا اور ایک خاص وجہ سے میں اس میں ایک ہی سورۃ پڑھا کرتا ہوں مگر اس دن ایسا معلوم ہوا کہ باقی سب قرآن مجھے بھول چکا ہے اور صرف وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ والی سورۃ یاد ہے۔ میں نے اسے کسی الٰہی حکمت پر محمول کیا اور سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ نماز کے بعد میں نے حکم دیا کہ سب دکانداروں کے بٹے تولے جائیں۔ چنانچہ بٹے تولنے پر معلوم ہوا کہ کئی ایک کے وزن کم تھے۔ پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس خرابی کو دور کریں۔ دکانداروں کی ہر چیز کو دیکھیں اور خیال رکھیں کہ بھاؤ ٹھیک ہوں۔ وزن پورے ہوں اور چیز صاف سُتھری ہو۔ ہر چیز ملونی سے پاک ہو۔ دوائیں درست اور صحیح ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک دفعہ شدید طاعون پڑی تو لوگ کہتے تھے کہ دکاندار ایک ہی بوتل سے سب عرق دے دیتے ہیں۔ اسی سے گلاب اسی سے گاؤزبان اور اسی سے کیوڑہ وغیرہ حالانکہ دوائی میں ادنیٰ سی غلطی سے بھی بعض اوقات جان ضائع ہو جاتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست اس امر کی طرف توجہ کریں گے اور تاجر ہر قسم کی بددیانتی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔''

(خطبات محمود جلد 15 صفحہ 241 تا 243)

بیکار لوگ گھروں سے باہر نکلیں اور کمائیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 30 نومبر 1934ء کے خطبہ جمعہ میں تحریک جدید کے مطالبات میں فرمایا:

''پندرھواں مطالبہ جو جماعت سے بلکہ نوجوانانِ جماعت سے یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے

بہت سے نوجوان بے کار ہیں میں ایک مثال دے چکا ہوں کہ ایک نوجوان اسی قسم کی تحریک پر ولایت چلے گئے اور وہاں سے کام سیکھ کر آ گئے۔ اب وہ انگلش ویئر ہاؤس لاہور میں اچھی تنخواہ پر ملازم ہیں۔ وہ جب گئے تو جہاز پر کوئلہ ڈالنے والوں میں بھرتی ہو گئے۔ ولایت جا کر انہوں نے کٹر کا کام سیکھا اور اب اچھی ملازمت کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان جو گھروں میں بے کار بیٹھے روٹیاں توڑتے ہیں اور ماں باپ کو مقروض بنا رہے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے وطن چھوڑیں اور نکل جائیں۔ جہاں تک دوسرے ممالک کا تعلق ہے اگر وہ اپنے لیے صحیح انتخاب کر لیں تو 99 فیصدی کامیابی کی امید ہے۔ کوئی امریکہ چلا جائے، کوئی جرمنی چلا جائے، کوئی فرانس چلا جائے، کوئی انگلستان چلا جائے، کوئی اٹلی چلا جائے، کوئی افریقہ چلا جائے غرض کہیں نہ کہیں چلا جائے اور جا کر قسمت آزمائی کرے۔ وہ کیوں گھروں میں بیکار پڑے ہیں؟ باہر نکلیں اور کمائیں پھر خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ جو زیادہ دور نہ جانا چاہیں وہ ہندوستان میں ہی اپنی جگہ بدل لیں مگر میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بعض نوجوان ماں باپ کو اطلاع دیے بغیر گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔ جو جانا چاہیں وہ اطلاع دے کر جائیں اور اپنی خیر و عافیت کی اطلاع دیتے رہیں۔ مدراس کے بمبئی کے علاقہ میں چلے جائیں، بمبئی کے بہار میں، پنجاب کے بنگال میں، غرض کسی نہ کسی دوسرے علاقہ میں چلے جائیں۔ رنگون، کلکتہ، بمبئی وغیرہ شہروں میں پھیری سے ہی وہ کچھ نہ کچھ کما سکتے ہیں اور ماں باپ کو مقروض ہونے سے بچا سکتے ہیں لیکن اگر کسی کو ناکامی ہو تو کیا ناکامی اپنے وطن میں رہنے والوں کو نہیں ہوتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ باہر نکل کر جدوجہد نہ کریں اور سلسلہ کے لیے مفید وجود نہ بنیں اور بیکار گھروں میں پڑے رہیں۔

ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں

سولہواں مطالبہ یہ ہے کہ جماعت کے دوست اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ میں نے دیکھا ہے اکثر لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنا ذلت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ذلت نہیں بلکہ عزت کی بات ہے۔ ذلت کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض کام ذلت کا موجب ہیں اگر ایسا ہے تو ہمارا کیا حق ہے کہ اپنے کسی بھائی سے کہیں کہ وہ فلاں کام کرے جسے ہم کرنا ذلت سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے کام کرنا چاہیے۔ امراء تو اپنے گھروں میں کوئی چیز ادھر سے اٹھا کر اُدھر رکھنا بھی عار سمجھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا نمونہ

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے بیسیوں دفعہ برتن مانجتے اور دھوتے دیکھا ہے اور میں نے خود بیسیوں دفعہ برتن مانجے اور دھوئے ہیں اور کئی دفعہ رومال وغیرہ کی قسم کے کپڑے بھی دھوئے ہیں۔ایک دفعہ میں نے ایک ملازم کو پاؤں دبانے کے لیے بلایا وہ مجھے دبا رہا تھا کہ کھانے کا وقت ہو گیا لڑکا کھانے کا پوچھنے آیا تو میں نے کہا کہ دو آدمیوں کا کھانا لے آؤ۔کھانا آنے پر میں نے اس ملازم کو ساتھ بٹھالیا۔لڑکا یہ دیکھ کر دوڑا دوڑا گھر میں گیا اور جا کر قہقہہ مار کر کہنے لگا حضرت صاحب فلاں ملازم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں۔اسلامی طریق یہی ہے اور میں سفر میں یہی طریق رکھتا ہوں کہ ساتھ والے آدمیوں کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیتا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کا نمونہ

میں نے دیکھا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ میں بعض خوبیاں نہایت نمایاں تھیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اسی مسجد میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔مجھے یاد ہے میں چھوٹا سا تھا، سات آٹھ سال کی عمر ہوگی ہم باہر کھیل رہے تھے کہ کوئی ہمارے گھر سے نکل کر کسی کو آواز دے رہا تھا کہ فلانے مینہ آ گیا ہے اوپلے بھیگ جائیں گے جلدی آؤ اور ان کو اندر ڈالو۔حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ درس دے کر ادھر سے جا رہے تھے انہوں نے اس آدمی سے کہا کیا شور مچا رہے ہو؟ اس نے کہا کوئی آدمی نہیں ملتا جو اوپلے اندر ڈالے آپؓ نے فرمایا تم مجھے آدمی نہیں سمجھتے یہ کہہ کر آپ نے ٹوکری لے لی اور اس میں اوپلے ڈال کر اندر لے گئے۔آپؓ کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی شامل ہو گئے اور جھٹ پٹ اوپلے اندر ڈال دیئے گئے۔اسی طرح اس مسجد کا ایک حصہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوایا تھا۔ایک کام میں نے بھی اسی قسم کا کیا تھا مگر اس پر بہت عرصہ گزر گیا ہے۔

ترقی سے محرومی کی ایک وجہ

میں نے اپنی جماعت کے لوگوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لیے کئی بار کہا ہے مگر توجہ نہیں

کرتے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور یہ احساس مٹا دیں کہ فلاں آقا ہے اور فلاں مزدور اگر ہم اس لیے آقا بنتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بنایا ہے تو یہ بھی ظاہر کرنا چاہیے کہ ہمارا حق نہیں کہ ہم آقا بنیں اور جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسے آقا بننے کا حق ہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ کئی لوگ ترقی کرنے سے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں کہ اگر ہم نے فلاں کام کیا اور نہ کر سکے تو لوگ کیا کہیں گے۔ بعض مبلغ خود چوہدری بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور دوسروں کو مباحثہ میں آگے کر دیتے ہیں تا کہ وہ ہار نہ جائیں۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ نے کہا ہمارے پاس اب صرف دو مبلغ مناظرے کرنے والے ہیں۔ مگر اس کی ذمہ داری ناظر صاحب پر ہی عائد ہوتی ہے۔ انہیں دو مبلغ ہوشیار نظر آئے انہی کو انہوں نے مناظرے کے لیے رکھ لیا۔ حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ سب سے یہ کام لیتے اور اس طرح زیادہ مبلغ مباحثات کرنے والے پیدا ہو جاتے۔ چونکہ کام کرنے سے کام کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگ دراصل کام کرنے سے جی چراتے ہیں مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کام کے کرنے میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

میں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے کا جو مطالبہ کر رہا ہوں اس کے لیے پہلے قادیان والوں کو لیتا ہوں۔ یہاں کے احمدی محلوں میں جو اونچے نیچے گڑھے پائے جاتے ہیں، گلیاں صاف نہیں، نالیاں گندی رہتی ہیں بلکہ بعض جگہ نالیاں موجود ہی نہیں ان کا انتظام کریں، وہ جو اوورسیئر ہیں وہ سروے کریں اور جہاں جہاں گندا پانی جمع رہتا ہے اور جو ارد گرد بسنے والے دس بیس کو بیمار کرنے کا موجب بنتا ہے اُسے نکالنے کی کوشش کریں اور ایک ایک دن مقرر کر کے سب مل کر محلوں کو درست کر لیں۔ اسی طرح جب کوئی سلسلہ کا کام ہو مثلاً لنگر خانہ یا مہمان خانہ کی کوئی اصلاح مطلوب ہو تو بجائے مزدور لگانے کے خود لگیں اور اپنے ہاتھ سے کام کر کے ثواب حاصل کریں۔ ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جب قرآن پڑھتے تو حروف پر انگلی بھی پھیرتے جاتے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے قرآن کے حروف آنکھ سے دیکھتا ہوں اور زبان سے پڑھتا ہوں اور انگلی کو بھی ثواب میں شریک کرنے کے لیے پھیرتا جاتا ہوں۔

پس جتنے عضو بھی ثواب کے کام میں شریک ہو سکیں اتنا ہی اچھا ہے اور اس کے علاوہ مشقت کی عادت ہوگی۔ اب اگر کسی کو ہاتھ سے کام کرنے کے لیے کہو اور وہ کام کرنا شروع بھی کر دے تو کھسیانا ہو

کر مسکراتا جائے گا لیکن اگر سب کو اسی طرح کام کرنے کی عادت ہو تو پھر کوئی عار نہ سمجھے گا۔ یہ تحریک میں قادیان سے پہلے شروع کرنا چاہتا ہوں اور باہر گاؤں کی احمدیہ جماعتوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنی مساجد کی صفائی اور لپائی وغیرہ خود کیا کریں اور اس طرح ثابت کریں کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا وہ عار نہیں سمجھتے۔ شغل کے طور پر لوہار، نجار اور معمار کے کام بھی مفید ہیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم کا نمونہ

رسول کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خندق کھودتے ہوئے آپؐ نے پتھر توڑے اور مٹی ڈھوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنھم کے متعلق آتا ہے کہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پسینہ آیا بعض نے برکت کے لیے اسے پونچھ لیا۔ یہ تربیت، ثواب اور رُعب کے لحاظ سے بھی بہت مفید چیز ہے۔ جو لوگ یہ دیکھیں گے کہ ان کے بڑے بڑے بھی مٹی ڈھونا اور مشقت کے کام کرنا عار نہیں سمجھتے ان پر خاص اثر ہوگا۔ بدر کے موقع پر جب کفار نے ایک شخص کو مسلمانوں کی جمیعت دیکھنے کے لیے بھیجا تو اس نے آ کر کہا، آدمی تو تھوڑے سے ہی ہیں لیکن موت نظر آتے ہیں وہ یا تو خود مر جائیں گے یا ہمیں مار ڈالیں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے لڑائی سے باہر رہنے کی کوشش کی جس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو بھی مخالفین جب یہ دیکھیں گے کہ ہر کام کرنے کے لیے تیار ہیں اور کسی کام کے کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو سمجھیں گے کہ ان پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں۔

چھوٹے سے چھوٹا جو کام بھی ملے وہ کر لیں

سترھواں مطالبہ یہ ہے کہ جو لوگ بے کار ہیں وہ بے کار نہ رہیں۔ اگر وہ اپنے وطنوں سے باہر نہیں جاتے تو چھوٹے سے چھوٹا جو کام بھی انہیں مل سکے وہ کر لیں۔ اخباریں اور کتابیں ہی بیچنے لگ جائیں، ریزرو فنڈ کے لیے روپیہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیں۔ غرض کوئی شخص بے کار نہ رہے خواہ اسے مہینہ میں دو روپے کی ہی آمدنی ہو کیونکہ دو بہر حال صفر سے زیادہ ہیں۔ بعض بی اے کہتے ہیں ہم بے کار ہیں ہمیں کوئی کام نہیں ملتا۔ میں انہیں کہتا ہوں دو روپے بھی اگر وہ کما سکیں تو کمائیں۔ میں نے جس قدر حساب پڑھا ہے اس سے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ دو روپے صفر سے زیادہ ہوتے ہی۔ غرض

کوئی احمدی نکمّا نہ رہے اسے ضرور کوئی نہ کوئی کام کرنا چاہیے۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 70 تا 73)

عورتیں بھی ہاتھ سے چیزیں بنائیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍دسمبر 1934ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''زمیندار عورتیں بھی اپنے کام کاج کرنے کے درمیان میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ وقت نکال لیں اور چھکو اور ٹوکریاں ہی بنالیں تو آنہ دو آنہ ضرور کما سکتی ہیں اور بڑی بڑی ہُنر والیاں بیس تیس روپے ماہوار تک کما سکتی ہیں۔لیکن میں نے چونکہ آجکل حکم دیا ہے کہ آرائش نہ کرو اس لیے ایسی سادہ چیزیں بنائیں مثلاً پراندے، اِزار بند۔آئندہ کے لیے میں تجویز کرتا ہوں 1936ء فروری سے نمائش ہوا کرے اور اس میں سب جگہ کی عورتیں چیزیں بھیجا کریں وہاں یہ چیزیں بِک سکتی ہیں اور یہ لاہور میں نمائش ہو۔اس میں ہر جگہ کی عورتیں شامل ہوں۔''

(مستورات سے خطاب۔انوار العلوم جلد 13 صفحہ 500)

ماں باپ سنگدل بن کر بیکار بچوں کو کام پر لگائیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍دسمبر 1934ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں تحریک جدید کے مطالبات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''احباب کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں، سادہ کھانا کھائیں، سادہ کپڑا پہنیں، دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں، کوئی احمدی بیکار نہ رہے۔اگر کسی کو جھاڑو دینے کا کام ملے تو وہ بھی کرلے اس میں بھی فائدہ ہے۔بہرحال کوئی نہ کوئی کام کرنا چاہیے۔اس کے جو فوائد ہیں وہ میں اس وقت نہیں بیان کر سکتا کیونکہ وقت تھوڑا ہے مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بے کار نہ رہے۔ماں باپ سنگدل بن کر اپنے بیکار لڑکوں سے کہہ دیں کہ ہم نے تمہیں پالا پوسا ہے اب تم جوان ہو جاؤ اور خود کما کر کھاؤ۔بے شک یہ سنگدلی ہے مگر اس پیار اور محبت سے ہزار درجہ بہتر ہے جو بے کاری میں مبتلا رکھتی ہے......

اخبارات فروخت کریں

میں نے کئی بار اخبارات کی ایجنسیاں قائم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔اگر احباب کوشش کریں تو اس طرح ہزاروں کی تعداد میں پرچے نکل سکتے ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح مہینہ میں روپیہ ڈیڑھ روپیہ سے زائد آمد نہیں ہو سکتی مگر میں کہتا ہوں کہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ صفر سے بہرحال زیادہ ہوتا ہے اور آج کل تو اس سے ایک شخص ایک مہینہ تک کھانا کھا سکتا ہے۔پس میں تمام جماعتوں کو ہدایت دیتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ کے بے کاروں یا ان کو جنہیں اپنے دوسرے کاموں سے فرصت مل سکتی ہے اخبارات فروخت کرنے کے کام پر لگا دیں۔غرض ہر رنگ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر احیا چاہتے ہو تو دنیا میں پھیل جاؤ

میں تمہیں ایک طرف تو یہ کہتا ہوں کہ جاؤ نکل کر تمام دنیا میں پھیل جاؤ اور دوسری طرف یہ کہتا ہوں کہ جب تمہیں مرکز سلسلہ سے آواز آئے کہ آجاؤ تو لبیک کہتے ہوئے جمع ہو جاؤ یہ آنا جسمانی طور پر بھی ہو سکتا ہے اور روحانی،اخلاقی اور مالی طور پر بھی۔......

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام چونکہ ابراہیم رکھا گیا ہے اس لیے آپ سب لوگ ان کے پرندے ہوئے۔پس اے ابراہیم ثانی کے پرندو!اگر احیاء چاہتے ہو تو دنیا میں پھیل جاؤ مگر اس طرح نہیں کہ اپنے اصل گھر کو بھول جاؤ تمہارا اصل گھر قادیان ہی ہے خواہ تم کہیں رہتے ہو اسے یاد رکھو۔جب تمہیں ابراہیمی آواز آئے،قادیان سے خدا کا نمائندہ،مَیں یا کوئی اور جب کہے کہ اے احمدیو!خدا کے دین کو تمہاری اس وقت ضرورت ہے تم جہاں جہاں ہو مرکز میں حاضر ہو جاؤ۔اگر مال کی ضرورت ہو تو مال حاضر کرو،اگر جان کی ضرورت ہو تو جان پیش کر دو اور چاروں طرف سے وہی نظارہ نظر آئے جو حج کے موقع پر ہر طرف سے ”لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ“ کہنے والوں کا نظر آتا ہے۔خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ تمہاری نسل چاروں طرف پھیل جائے گی اور جب تم ان کو بلاؤ گے تو دوڑیں آئیں گے۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہونا

چاہیے کہ چاروں طرف سے لبیک کہنے والے دوڑے آئیں۔اس نظارہ ہی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں کہ

زمینِ قادیاں اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

پس جاؤ اور دنیا میں پھیل جاؤ کہ کامیابی کا ذریعہ یہی ہے اور جب آواز پہنچے تو یوں جمع ہو جاؤ جس طرح پرندے اُڑ کر جمع ہو جاتے ہیں۔پھر خواہ کتنی بڑی کوئی فرعونی طاقت تمہارے مٹانے کے لیے کھڑی ہو جائے اسے معلوم ہو جائے گا کہ احمدیت کو مٹانا آسان نہیں ہے۔یہ وہ چیز ہے جس کی میں آپ لوگوں سے اُمید کرتا ہوں کیونکہ آپ وہ لوگ ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے حقیقی ایمان پیدا کیا اور جو مقدس گھر کے گرد گھومنے والے پرندے ہیں۔میں نے خدا تعالیٰ کی باتیں آپ کو پہنچا دیں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور جو کچھ بتانا تھا بتا دیا۔اب یہ تمہارا کام ہے کہ ’’ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ‘‘ کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔‘‘

(حالات حاضرہ کے متعلق جماعت احمدیہ کو اہم ہدایات۔انوار العلوم جلد 13 صفحہ 536 تا 539)

بیکاری کام کرنے کی روح کو کچل دیتی ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 26 رمئی 1935ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

’’ایک نصیحت ترک بے کاری کے متعلق تھی۔اس پر بھی بہت کم عمل کیا گیا ہے اور بہت کم ہمت دکھائی گئی ہے۔جھوٹی نام ونمود کی قربانی بہت مشکل ہوتی ہے۔تعلیم یافتہ بے کار یہ ہمت نہیں کرتے کہ ’’الفضل‘‘ کے پرچے بغل میں دبا کر بیچتے پھریں۔میں امید کرتا ہوں کہ نوجوان اس مرض کو دور کریں گے اور والدین بھی اپنی اولاد سے اس مرض کو دور کرانے کی کوشش کریں گے۔یہ مرض قوم کی کام کرنے کی روح کو کچل دیتا ہے۔پھر میں نے ہاتھ سے کام کرنے کی نصیحت کی تھی،اس کی طرف بھی کم توجہ کی گئی ہے۔میں نے کہا تھا کہ اگر قادیان کی جماعت کوئی ایسے کام پیدا کرے تو میں بھی دوستوں کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہوں گا لیکن ابھی تک کوئی ایسا کام پیدا نہیں کیا گیا۔‘‘

(احرار اور منافقین کے مقابلہ میں ہم ہرگز کوئی کمزوری نہیں دکھائیں گے۔انوار العلوم جلد 14 صفحہ 21، 22)

تجارت میں کامیابی کا ایک گُر۔ راز

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 16 راگست 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''تجارت کتنی اعلیٰ چیز ہے اور قوموں کی ترقی کے لیے کس قدر ضروری سمجھی گئی ہے مگر اس میں بھی راز رکھے جاتے ہیں اور اگر وہ راز بتا دیے جائیں تو تجارت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاجر کبھی نہیں بتائے گا کہ وہ سستا سودا کہاں سے خریدتا ہے کیونکہ اگر وہ یہ بتا دے تو اس کا ہمسایہ سوداگر بھی وہاں سے سودا خرید لائے اور اس طرح اس کا مقابلہ کرنے لگے۔ اسی طرح تاجر کبھی دوسرے کو یہ نہیں بتائے گا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی چیز کہاں سے خریدتا ہے کیونکہ اگر وہ بتا دے تو دوسرا تاجر بھی وہاں سے اعلیٰ چیزیں خرید لائے گا اور اس کی تجارت کو نقصان پہنچ جائے گا۔ مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ لاہور گیا حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا زمانہ تھا وہاں ہمارے ایک دوست تاجر ہیں جو بائیسکلوں کی تجارت کرتے ہیں۔ میں کسی کام کے لیے ان کے پاس بیٹھا تھا کہ باتیں کرتے ہوئے ان کے پاس ایک تار پہنچا انہوں نے جونہی اسے کھولا اور پڑھا معاً کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے آپ اجازت دیں تو میں دس منٹ کے لیے باہر جانا چاہتا ہوں یہ کہتے ہی وہ بائیسکل پر سوار ہوئے اور دیوانہ وار اسے دوڑاتے ہوئے چلے گئے۔ میں حیران ہوا کہ یہ کیسا تار آیا ہے جس نے انہیں اس قدر بے تاب کر دیا ہے۔ آخر بیس پچیس منٹ کے بعد وہ آئے اور کہنے لگے میں ایک منٹ لیٹ پہنچا ورنہ آج مجھے سینکڑوں کا نفع ہو جاتا۔ میں نے پوچھا بات کیا ہوئی؟ انہوں نے کہا مجھے تار پہنچا تھا کہ ڈن لوپ کے بائیسکلوں کے ٹائروں کا بھاؤ مہنگا ہو گیا ہے مال روڈ پر ٹائروں کی ایک دکان تھی میں وہاں پہنچا اور اگر میں اُس سے ٹائروں کا سودا کر لیتا تو آج کئی سو کا مجھے نفع ہو جاتا کیونکہ میں نے یہ اندازہ کیا تھا کہ اس کے پاس تار میرے بعد پہنچے گا اور چونکہ تار والے نے راستے میں اور تار دینے تھے اس لیے میں اس خیال میں رہا کہ اس کے پاس تار پہنچتے وقت تک میں اس سے سودا کر چکوں گا اور جب بعد میں اسے تار پہنچ گیا تو میں کہوں گا کہ میرے سودے پر اس بھاؤ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا اور ٹائروں کے متعلق میں نے سودا کیا تو اسی وقت تار بھی پہنچ گیا اور اس طرح میرا سودا رہ گیا یہ کتنا جائز مقابلہ ہے مگر اس میں بھی راز سے پہلے واقف ہو جانے کی وجہ سے ایک شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور دوسرا نقصان اُٹھا سکتا ہے۔''

(خطبات محمود جلد 16 صفحہ 498، 499)

دیانت دار تاجروں کی ضرورت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 15 نومبر 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں نے ایک دفعہ جلسہ میں تقریر کی اور اس میں کہا کہ ہماری جماعت میں مال تو ہے مگر دیانت دار تاجر نہیں ملتے۔ شروع شروع میں میرے پاس بہت سے ایسے لوگ آتے تھے کہ ہمارے پاس روپیہ ہے وہ کسی کام میں لگوا دیں۔ اب بھی آتے ہیں مگر اب چونکہ لوگوں کو پتہ لگ گیا ہے کہ میں ایسے روپیہ کو رد کر دیتا ہوں اور اس کی ذمہ داری نہیں لیتا، اس لیے کم آتے ہیں۔ تو میں نے بیان کیا کہ میرے پاس لوگ روپیہ لاتے ہیں اگر دیانت دار تاجر مل سکیں تو ان کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور روپیہ والوں کو بھی۔ اس تقریر کے بعد پانچ سات رُقعے میرے پاس آئے کہ آپ کا سوال تو یہی تھا نا کہ دیانتدار آدمی نہیں ملتے۔ سو وہ دقّت دور ہوگئی اور ہم اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ آپ ہمیں روپیہ دلوائیں ہم دیانت داری سے کام کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ سب کے سب ایسے تھے جن کے پاس پھوٹی کوڑی کا امانت رکھنا بھی میں جائز نہ سمجھتا تھا اور بعد میں بعض ان میں سے خیانت میں پکڑے بھی گئے تو صرف منہ کا دعویٰ کچھ نہیں بلکہ عمل سے اس کی تائید ہونی چاہیے۔''

(خطبات محمود جلد 16 صفحہ 706)

پیشہ ور لوگ دوسرے ممالک میں جائیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 29 نومبر 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''پیشہ ور لوگ بھی مفید ہو سکتے ہیں اچھے لوہار دنیا کے ہر علاقہ میں خصوصاً آزاد ملکوں میں جہاں ہتھیار وغیرہ بنتے ہوں بہت کامیاب ہو سکتے ہیں چین اور افریقہ کے کئی علاقوں میں ان کی بہت قدر ہو سکتی ہے عرب میں نہیں کیونکہ وہاں کے لوگ تلوار بنانے میں ماہر ہیں۔ اسی طرح ڈرائیوری جاننے والوں کے لیے بھی کافی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کسی ملک میں پہنچ کر کوئی سیکنڈ ہینڈ لاری یا موٹر لے کر فوراً کام شروع کیا جا سکتا ہے۔ بی اے مولوی فاضل اور میٹرک پاس بھی کام دے سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ وہ ہاتھ سے کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ پھیری کے ذریعہ پہلے دن ہی روزی

کمائی جاسکتی ہے۔ہم تو کچھ مدد بھی دیتے ہیں لیکن ہمت کرنے والے نوجوان تو بغیر مدد کے بھی کام چلا سکتے ہیں......

بیکار لوگوں کو مدد دینے کے ساتھ ان کو کام پر بھی لگایا جائے

میرا ارادہ ہے کہ اس سال کی تحریک میں بے کاری کو دور کرنا بھی شامل کر لیا جائے۔اس وقت غریب اور بے کار لوگوں کو مدد دی جاتی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آئندہ ان کو کام پر لگایا جائے۔ہماری آمد کا بہت سا حصہ تو تبلیغ پر صرف ہوتا ہے، کچھ تعلیم پر، کچھ مرکز کے کارکنوں پر اور اسی طرح لنگر خانہ پر بھی۔سالانہ جلسہ کے اخراجات کو ملا کر پچیس چھبیس ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے بعد غرباء کی امداد کے لیے کم رقم بچتی ہے۔مگر پھر بھی تعلیمی وظائف وغیرہ ملا کر تیس پینتیس ہزار روپیہ کی رقم صرف ہوتی ہے مگر اتنی بڑی جماعت کے لحاظ سے یہ پھر بھی کم رہتی ہے اور کمی کی وجہ سے کئی لوگ تکلیف اٹھاتے ہیں۔کئی شکوے بھی کرتے ہیں۔حالانکہ مومن کو شکوہ کبھی نہیں کرنا چاہیے۔اُسے چاہیے کہ بجائے دو روپے نہ مل سکنے کا شکوہ کرنے کے ایک جو ملا ہے اس کا شکر کرے۔بہر حال غرباء کو پوری امداد نہیں دی جاتی اور نہ دی جاسکتی ہے اور اس کی وجہ قلت سرمایہ ہے۔

پس اس تکلیف کا اصل علاج یہی ہے کہ بے کاری کو دور کیا جائے۔میں نے اس کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی تھی مگر اس نے اپنا کام صرف یہی سمجھ رکھا ہے کہ درخواستوں پر امداد دیے جانے کی سفارش کر دے۔حالانکہ یہ کام تو میں خود بھی آسانی کے ساتھ کر سکتا تھا بلکہ غرباء چونکہ مجھ سے زیادہ ملتے اور اپنے حالات بیان کرتے رہتے ہیں اس لیے ان سے بہتر طور پر کر سکتا تھا۔پس امدادی رقم کی تقسیم کے لیے کسی امداد کی تو مجھے ضرورت نہیں۔میری غرض تو یہ تھی کہ بے کاروں کے لیے کام مہیا کیا جائے......

امداد بے کاران کے متعلق میرا ارادہ یہ ہے کہ رأس المال کو خرچ نہ کیا جائے بلکہ بعض نفع مند کاموں پر روپیہ لگا کر جو نفع حاصل ہو وہ اس مد میں خرچ کیا جائے اور بے کاروں کے لیے لوہار، ترکھان، چمڑے کا کام۔مثلاً اٹیچی کیس اور بوٹ وغیرہ بنانا سکھائے جانے کا انتظام کیا جائے۔ہم سالانہ قادیان کے غرباء پر پندرہ ہزار روپیہ کے قریب صرف کرتے ہیں، پانچ ہزار تو زکوٰۃ کا ہوتا ہے

پھر کئی ایک کو لنگر خانہ سے روٹی دی جاتی ہے پھر دارالشیوخ کے طلباء ہیں جن کے لیے جمعہ کے روز آٹا جمع کیا جاتا ہے، عیدین کے موقع پر بھی کچھ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور میں کچھ روپیہ اپنے پاس سے بھی خرچ کرتا ہوں اور یہ سب ملا کر قریباً پندرہ ہزار ہو جاتا ہے، اس کی بجائے اگر ہم فی الحال پانچ ہزار بھی تجارتی کاموں پر لگا دیں تو اس سے بہت زیادہ فوائد ہوں گے۔

بے کاروں کے اندر کام سیکھنے کے بعد قربانی کی روح اور خود اعتمادی پیدا ہو گی اور مانگنے کی وجہ سے جو خِسّت پیدا ہو جاتی ہے وہ دور ہو گی اور پانچ ہزار روپیہ سے ہم سو دو سو آدمی پال سکتے ہیں اور ایسے کام نکالے جائیں گے جن میں عورتیں اور نابینا اشخاص بھی حصہ لے سکیں۔ مثلاً ٹوکریاں بنانا، چقیں بنانا، اِزار بند بنانا وغیرہ یہ ایسے کام ہیں جنہیں عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ اگر شروع میں ہمیں نقصان بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً ہم نے دس ہزار خرچ کیا اور آٹھ ہزار کی آمد ہوئی تو پھر بھی ہم نفع میں رہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی اگر ہم روپیہ سے امداد کرتے تو غالباً پانچ ہزار سے کم خرچ نہ ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں برکت دے تو موجودہ بے کاروں کو کام پر لگانے کے بعد باہر سے بھی بے کاروں کو بلایا جا سکتا ہے اور اس طرح یہ کام قادیان کی ترقی کا موجب بھی ہو سکتا ہے......

چلنے کی بجائے بھاگیں

میں نے لنڈن کی گلیوں میں کسی آدمی کو چلتے نہیں دیکھا سب بھاگے پھرتے ہیں۔ جب میں وہاں تھا تو ایک دن مجھ سے حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے پوچھا کہ کیا آپ نے یہاں کسی آدمی کو چلتے بھی دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی قریبی کے مکان کو آگ لگی ہوئی ہے اور اسے بجھانے جا رہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے وہ لوگ چلتے ہیں۔ پس مجھے ایسے انسانوں کی ضرورت ہے جو خود پاگل ہوں اور دوسروں کو پاگل کر دیں۔ اتنے بڑے ثواب کا کام ہے کہ ایسے شخص کا نام صدیوں تک زندہ رہ سکتا ہے اور اگر روپیہ آ جائے تو ایسے لوگوں کی خدمت کرنے سے بھی سلسلہ کو دریغ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر پندرہ ہزار منافع ہو جائے تو اس میں سے کام کرنے والے کو چار پانچ سو یا ہزار دینے میں بھی کیا عذر ہو سکتا ہے؟

معذوروں کے سوا کوئی بیکار نہ رہے

گویا اس کام میں دنیوی طور پر بھی فائدہ ہونے کا امکان ہے۔ جو دوست ان کاموں سے واقف ہوں وہ یہ بھی مشورہ دیں کہ کیا کیا کام جاری کیے جائیں؟ میرے ذہن میں تو لکڑی کا کام مثلاً میز کرسیاں بنانا، لوہے کا کام جیسے تالے، کیل، کانٹے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جو دساور کے طور پر بھیجی جاسکتی ہیں، چمڑے کا کام یعنی بوٹ، اٹیچی کیس، وغیرہ چیزیں تیار کرانا ہے۔ ہماری جماعت میں ہی ان کی کافی کھپت ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ازار بند، پراندے اور اسی قسم کی کئی دوسری چیزیں ہیں۔ گوٹہ کے استعمال سے میں نے روک دیا ہے لیکن اگر باہر اس کی کھپت ہو سکے تو بھی تیار کرایا جاسکتا ہے۔ میں نے جہاں تک عقل کا کام تھا یہ سکیم تیار کی ہے باقی تجربہ سے جو حصہ تعلق رکھتا ہے اس کے بارہ میں اس خطبہ کی اشاعت کے بعد تجربہ کار دوست اطلاع دیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ عورت، مرد، بچہ، بوڑھا ہر ایک کو کسی کام پر لگا دیا جائے اور سوائے معذوروں کے کوئی بے کار نہ رہے اس طرح ہجرت کا سامان بھی پیدا ہوسکتا ہے اب تو ہم ہجرت سے روکتے ہیں مگر اس صورت میں باہر سے لوگوں کو بلاسکیں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کما کر کھانے کا عادی ہو۔ میرا ارادہ ہے کہ تحریک جدید کے طلبا کو بھی ایسے کام سکھائے جائیں تا ان میں ہاتھ سے کام کرنے کی روح پیدا ہو۔ غریب امیر کا امتیاز مٹ جائے اور نوکری نہ ملے تو کوئی پیشہ ان کے ہاتھ میں ہو۔ پڑھے لکھے لوگ آج کل دس دس روپیہ کی چپڑاسی کی نوکری کے لیے ٹکریں مارتے پھرتے ہیں حالانکہ اس طرح کے کاموں سے وہ سو پچاس روپیہ ماہوار کما سکتے ہیں۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 219 تا 225)

قادیان میں تجارت کا رنگ کس طرح بدلا

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 6/دسمبر 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''قادیان کی تجارت کا وہ رنگ جو آج سے بیس سال پہلے تھا آج نہیں۔ آج سے بیس سال پہلے صرف دو تین احمدی تاجر تھے اور وہ بھی ہمیشہ شکوہ کرتے رہتے تھے کہ ان کا کام نہیں چلتا اور یہ کہ وہ

مقروض رہتے ہیں۔ اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارا ایک موروثی مر گیا۔ قانوناً اس کی زمین ہمیں ملتی تھی ہم نے اُس پر قبضہ کرنا چاہا مگر بعض لوگ جو متوفی کے رشتہ دار نہ تھے جبراً اُس کی زمین پر قبضہ کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے ہمارے آدمیوں کا مقابلہ کیا اور ان پر حملہ آور ہوئے اور پھر انہوں نے اسے ہندو مسلم سوال بنا دیا اور یوں شکل دے دی کہ گویا احمدی ہندوؤں اور سکھوں پر ظلم کرتے ہیں حالانکہ مرنے والا ہمارا موروثی تھا اور لاولد تھا اور اس کی زمین ہمیں ہی ملتی تھی۔ چنانچہ جب عدالت میں یہ معاملہ گیا تو ہمارا حق تسلیم کیا گیا اور اب تک ہم اس پر قابض ہیں لیکن اس زمین کے جھگڑے کو قومی سوال بنا دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں ایک مصنوعی فساد کھڑا کر کے یہ مشہور کر دیا گیا کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں۔ میں اس قصہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کئی دفعہ میں اس واقعہ کو بیان کر چکا ہوں۔ بہرحال اُس وقت ایسے سامان پیدا کر دیے گئے تھے کہ اگر مجھے وقت پر معلوم نہ ہو جاتا تو اُس دن بیسیوں خون ہو جاتے۔ مگر میں اُس وقت اتفاقاً گلی کے اوپر کے کمرہ میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اور جب میں نے لوگوں کے دوڑنے کا شور سنا تو انہیں روک دیا انہی ایام میں ہمارے طالب علم ایک دفعہ بڑے بازار سے گزر رہے تھے تو ایک ہندو مٹھائی کے تاجر نے اپنی چھابڑیاں زمین پر پھینک دیں اور یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے اس کی دکان لوٹ لی ہے یہ حالات ایسے تھے کہ میں نے سمجھ لیا خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں بیداری پیدا کرنا چاہتا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ اس طرح بلاقصور اور خطا جماعت کو بدنام کیا جاتا اور فساد میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی اس خیال پر میں نے اسی مسجد میں تمام دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھو اگر تم فسادات سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ آئندہ ان لوگوں سے تعلق نہ رکھو کہ جو اس طرح تم کو بدنام کرتے ہیں۔ آج اگر انہوں نے مٹھائی کی چھابڑیاں خود زمین پر گرا کر یہ مشہور کر دیا ہے کہ احمدیوں نے انہیں لیا۔ تو کیا پتہ ہے کہ کل کو کوئی اور تاجر کپڑوں کے تھان گلی میں پھینک کر کہہ دے کہ یہ تھان احمدی لُوٹے لیے جا رہے ہیں۔ یا اپنی صندوقچی کے متعلق کہہ دیں کہ یہ احمدیوں نے توڑ ڈالی۔ پس چونکہ ایسے حالات رونما ہو گئے ہیں جن سے فتنوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے اس لیے جماعت کی عزت اور اس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ خاص احتیاط سے کام لیا جائے۔ پس یا تو آپ لوگ جماعتی ذمہ واری سے سلسلہ کو آزاد کر دیں اور جو چاہیں کریں اور یا پھر اپنے پر یہ پابندی کر لیں کہ صرف انہی لوگوں سے لین دین کیا جائے جو ہم سے تعاون اور صلح رکھنے

کے لیے تیار ہوں ۔میں نے کہا میں آپ لوگوں کو کسی خاص طریق پر مجبور نہیں کرتا ہاں چونکہ آپ لوگوں نے خود میرے پاس بیان کیا ہے کہ بعض ہندوؤں نے اپنی چھابڑیاں زمین پر پھینک دیں اور مشہور کر دیا کہ احمدیوں نے انہیں لوٹ لیا حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی ۔اسی طرح آپ لوگ ہی یہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے فتنہ پردازی کے لیے یہ خبر مشہور کر دی کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں اور اس طرح احمدیوں کو اشتعال دلوا کر لڑوانا چاہا۔پس اگر آپ لوگ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو میں اُس جگہ جانے کی اجازت نہیں دے سکتا جہاں اس قسم کے فتنہ کے سامان پیدا کیے جا رہے ہیں ۔آپ لوگوں میں سے کوئی شخص اپنی ذمہ واری پر اُدھر جائے تو میں اُسے روکنا نہیں چاہتا۔لیکن وہ اپنا آپ ذمہ وار ہوگا ۔جماعت اس کے متعلق کسی قسم کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہوگی ۔لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ جماعت بحیثیت جماعت ایسے فتنوں کے وقت میں آپ کی مناسب امداد کرے تو پھر آپ اقرار کریں کہ آپ ان لوگوں سے سودا نہیں خریدیں گے کہ جو اس قسم کے فساد کھڑا کرتے ہیں صرف ان لوگوں سے سودا خریدیں گے جو آپ کے ساتھ شریفانہ طور پر تعاون کرنا چاہیں گے ۔چنانچہ اُسی وقت ایک رجسٹر کھولا گیا اور میں نے کہا جو لوگ یہ عہد کریں کہ وہ آئندہ اپنا سودا صرف احمدی دکانداروں سے یا دوسری اقوام کے ان دکانداروں سے خریدیں گے جو ہم سے تعاون کا اقرار کریں وہ اس میں اپنا نام لکھا دیں اور جو چاہتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کے آپ ذمہ دار بن سکتے ہیں یا سب ہندوؤں سے وہ سودا خریدنا چاہتے ہیں اور ہندوؤں اور سکھوں میں انہیں رسوخ حاصل ہے جس کی وجہ سے انہیں کوئی خطرہ نہیں وہ اپنا نام الگ لکھا دیں ۔اس پر صرف سات احمدیوں نے کہا کہ ہم ہندوؤں سے سودا خریدیں گے لیکن باقی سب نے کہا کہ خطرہ حقیقی ہے اور ہم ان ہندوؤں سے سودا نہیں خریدیں گے جو ہمارے ساتھ معاہدہ میں شامل نہ ہوں ۔اس معاہدہ کے مطابق صرف ایک ہندو دکاندار معاہدہ میں شامل ہوا۔باقی نے انکار کر دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین مہینوں میں ہی احمدیوں کی کئی دکانیں کھل گئیں ۔اس وقت سے ترقی کرتے کرتے آج یہ حالت ہے کہ قادیان کی تجارت کا اسی فیصدی حصہ احمدیوں کے ہاتھ میں ہے اور گو ہماری ظاہری تجارت بھی دوسروں سے نمایاں ہے لیکن بعض اندرونی تجارتیں ہیں جیسے بعض عورتیں تجارت کرتی ہیں پھر بعض عارضی طور پر تجارت کر لیتے اور بعد ازاں چھوڑ دیتے ہیں ان تمام تجارتوں کو اگر ملا لیا جائے تو 80 فیصد تجارت احمدیوں کی بنتی ہے ۔حالانکہ اُس وقت

ایک فیصدی تجارت بھی احمدیوں کے ہاتھ میں نہ تھی۔اس میں شبہ نہیں کہ ابتدا میں اس کام کے شروع کرتے وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بار بار لوگوں کو ہدایتیں دینی پڑتیں اور پھر ان لوگوں کے لیے جرمانے مقرر تھے جو معاہدہ میں شامل نہ ہونے والوں سے سودا خریدتے اور اپنے عہد کو توڑ دیتے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ جماعت کو اس بات کی عادت ہوگئی اب بھی بعض لوگ اس معاہدے کو کبھی کبھی توڑ دیتے ہیں مگر بہت کم اور جو پابندی کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔شروع میں بے شک ہمیں نقصان بھی ہوا چنانچہ جماعت کے لوگوں کو مہنگا سودا خریدنا پڑتا بعض دفعہ بٹالہ اور بعض دفعہ امرتسر سے چیزیں منگوانی پڑتیں لیکن آخر نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کا اکثر حصہ احمدیوں کے ہاتھ میں آ گیا اور قادیان کی ترقی جتنی سُرعت سے اس کے بعد ہوئی اتنی سُرعت سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس معاہدہ کے نتیجہ میں سینکڑوں آدمیوں کو قادیان میں بسنے کا موقع مل گیا۔کسی کو معماروں کی صورت میں کسی کو نجاروں کی صورت میں کسی کو لوہاروں کی صورت میں اور کسی کو دکانداروں کی صورت میں اور میں سمجھتا ہوں اس تحریک کے نتیجہ میں کم از کم تین ہزار آدمی قادیان میں بڑھے ہیں اور اس سے جو مرکزِ سلسلہ کو تقویت پہنچی اور جماعت کی مالی حالت کی درستی پر اس کا اثر پڑا وہ مزید برآں ہے اور میں سمجھتا ہوں اگر ہمارے دوست اب بھی ہمت کریں تو اردگرد کے دیہات کی تجارت کو بھی اپنے قبضہ میں لا سکتے ہیں۔ پس استقلال سے کام لینے کی ایک مثال قادیان کی موجود ہے اور اُس وقت بار بار لوگ کہتے تھے کہ ہندوؤں سے قرض مل جاتا ہے احمدی سرمایہ دار نہیں اور احمدی زمیندار کہتے ہیں کہ ان کی گردنیں ساہوکاروں کے قبضہ میں ہیں۔اگر پہلے طریق کو ترک کر دیا گیا تو وہ نوٹس دے کر ہمیں پکڑوا سکتے ہیں۔ یہ سب مشکلات موجود تھیں صرف ملازمت کا سوال نہیں تھا۔لیکن باقی دو باتیں موجود تھیں یعنی ایسی قوم سے مقابلہ تھا جس کے ہاتھ میں سینکڑوں سال سے تجارت چلی آ رہی ہے پھر مقابلہ تھا اُن ساہوکاروں سے جن کے قبضہ میں زمینداروں کی گردنیں تھیں۔مگر استقلال اور ہمت سے کام لیتے ہی حالت بدل گئی اور اب یہ حال ہے کہ گو یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ہم غیروں پر ظلم کرتے ہیں مگر مخالفوں کو بھی ہماری طاقت اتنی زیادہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ہم دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔اگر ہماری طاقت میں نمایاں فرق نہ ہوتا تو وہ یہ الزام ہم پر کس طرح لگا سکتے تھے۔ان کا یہ الزام لگانا بتاتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں اب احمدیوں کی قادیان میں اتنی طاقت بڑھ چکی ہے کہ اگر ہم ان پر یہ الزام لگائیں کہ یہ غیروں پر ظلم کرتے

ہیں تو لوگ اسے ماننے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

غرض مسلمان اگر استقلال سے کام لیں تو اب بھی حقوق حاصل کر سکتے ہیں اور کوئی جھگڑے کی بات نہیں رہتی۔ہم نے قادیان میں ہندوؤں سے نہ فساد کیا نہ جھگڑا بلکہ انہیں یقین دلایا کہ اگر کوئی ہندو دکاندار ہمیں تسلی دلا دے کہ وہ ان جھگڑوں میں شامل نہیں ہوگا تو ہم اس سے بھی معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہیں چنانچہ جیسا کہ بتا چکا ہوں ایک ہندو دکاندار نے معاہدہ کیا اور ہم اس وقت سے برابر ان سے سودا خریدتے چلے آرہے ہیں وہ صرافے کا کام کرتے ہیں۔اب تو تحریک جدید کے تحت ہم نے زیور بنوانے ترک کر دیئے ہیں لیکن جب تک زیور بنوائے جاتے تھے تو جماعت کے لوگ عموماً انہی سے بنواتے تھے اور چونکہ زیورات کو بیچنا اب بھی منع نہیں اس لیے اگر زیور بیچے جاتے ہیں تو اکثر انہیں کے پاس۔میرے پاس جو چندے میں زیورات آتے ہیں یا تحریک جدید میں حصہ لینے کے لیے بعض عورتیں اپنے زیور بھیج دیتی ہیں یا صدقہ وخیرات کی مد میں بعض دفعہ زیور آجاتا ہے وہ ہمارا دفتر اکثر انہی کے پاس بھجواتا ہے۔پس ہم نے بائیکاٹ نہیں کیا اور نہ ہم بائیکاٹ کو جائز سمجھتے ہیں۔ہم نے صرف فتنہ سے بچنے کے لیے ایک صورت نکالی تھی جو بالآخر کامیاب ہوئی اسی طرح مسلمان بھی کام کر سکتے تھے اور بغیر آپس کے تعلقات کو خراب کرنے کے کام کر سکتے تھے۔مگر کس چیز نے انہیں کام نہیں کرنے دیا صرف عدم استقلال نے۔ورنہ مسلمان آج بھی وہ قربانیاں کر سکتے ہیں جو یورپ کے لوگ بھی نہیں کر سکتے جس وقت ایک مسلمان کے دل میں غیرت پیدا ہوتی ہے حیرت آتی ہے کہ وہ کس طرح انجام سے لاپرواہ ہو کر کام کر جاتا ہے۔''

(خطبات محمود جلد 16 صفحہ 768 تا 771)

بے کاری ایک مہلک وبائی مرض ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 20/دسمبر 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''تحریک جدید کی ہدایتوں میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ ہماری جماعت کے افراد بے کار نہ رہیں۔میں نہیں کہہ سکتا میری اس تحریک پر جماعت نے کس حد تک عمل کیا؟ لیکن اپنے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جماعت نے اس پر کوئی عمل نہیں کیا اور اگر کیا ہو تو میرے پاس اس کی رپورٹ نہیں پہنچی۔یاد رکھو! جس قوم میں بیکاری کا مرض ہو وہ نہ دنیا میں عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ دین میں عزت

حاصل کر سکتی ہے۔ بیکاری ایک وبا کی طرح ہوتی ہے جس طرح ایک طاعون کا مریض سارے گاؤں والوں کو طاعون میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک ہیضہ کا مریض سارے گاؤں والوں کو ہیضہ میں مبتلا کر دیتا ہے اسی طرح تم ایک بے کار کو کسی گاؤں میں چھوڑ دو وہ سارے نوجوانوں کو بے کار بنانا شروع کر دے گا۔

جو شخص بے کار رہتا ہے وہ کئی گندی عادتیں سیکھ جاتا ہے۔ مثلاً تم دیکھو گے کہ بے کار آدمی ضرور اس قسم کی کھیلیں کھیلے گا جیسے تاش یا شطرنج وغیرہ ہیں اور جب وہ یہ کھیلیں کھیلنے بیٹھے گا تو چونکہ وہ اکیلا کھیل نہیں سکتا اس لیے وہ لازماً دو چار لڑکوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہے گا اور پھر اپنے حلقہ کو اور وسیع کرتا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ہمارے ایک اُستاد تھے ان کے دماغ میں کچھ نقص تھا بعد میں وہ اسی نقص کی وجہ سے مدعیِ مأموریت اور نبوت بھی ہو گئے۔ انہیں بھی کسی زمانہ میں تاش کھیلنے کا شوق تھا اور باوجود اس کے کہ وہ ہمارے استاد تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ ہماری تربیت کریں پھر بھی وہ پکڑ کر ہمیں بٹھا لیتے اور کہتے آؤ تاش کھیلیں۔ اس وقت ہم کو بھی اس کھیل میں مزہ آتا کیونکہ بچپن میں جس کام پر بھی لگا دیا جائے اس میں بچے کو لذت آتی ہے لیکن آج یہ بے ہودہ کھیل معلوم ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے بعض اور بچے بھی ان کے ساتھ تاش کھیلتے جب نماز کا وقت آتا تو ہم نماز پر جانے کے لیے گھبراہٹ کا اظہار کرتے لیکن جب انہیں ہماری گھبراہٹ محسوس ہوتی تو کہتے ایک بار اور کھیل لو۔ وہ کھیلتے تو تھوڑی دیر کے بعد کہتے ایک بار اور کھیل لو، ہمارے کان میں چونکہ ہر وقت یہ باتیں پڑتی رہتی تھیں کہ دین کی کیا قیمت ہے اس لیے جب ہم دیکھتے کہ نماز کو دیر ہو رہی ہے تو اٹھ کر نماز کے لیے بھاگ جاتے مگر جن کے کانوں میں یہ آواز نہ پڑے کہ دین کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے ان کے ساتھ اگر ایسی کھیلوں میں دوست مل جائیں یا کوئی استاد ہی مل جائے تو ان کی زندگی کے تباہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ جس وقت فٹ بال کی کھیل میں مقابلہ ہوتا ہے یا کرکٹ میں مقابلہ ہوتا ہے یا تاش میں مقابلہ ہوتا ہے تو بچے لذت محسوس کرتے ہیں کیونکہ انسان کو ترقی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فطرت میں یہ مادہ رکھا ہے کہ وہ مقابلہ میں دلچسپی لیتی اور لذت محسوس کرتی ہے۔ اگر کبھی چوری کے مقابلہ کی عادت ڈال دو تو تھوڑے ہی دنوں میں تم دیکھو گے کہ چوریاں زیادہ ہونے لگی ہیں اور لوگوں نے چوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ یہی مقابلہ کی روح ہے جو تاش وغیرہ کھیلوں کے ذریعہ بچوں کی زندگی برباد کر دیتی ہے۔ غرض تم کسی شہر میں ایک آوارہ کو چھوڑ دو وہ چونکہ بے کار ہو گا اس لیے اپنی

بے کاری کو دور کرنے کے لیے کوئی کام نکالے گا کیونکہ انسان اگر فارغ بیٹھے تو تھوڑے ہی دنوں میں پاگل ہو جائے لیکن چونکہ وہ محنت سے جی چراتا ہے اس لیے بجائے کوئی مفید کام کرنے کے ایسے کام کرتا ہے جن میں اس کا دن بھی گزر جاتا ہے اور جی بھی لگا رہتا ہے۔ کہیں تاش شروع ہو جائیں گے، کہیں شطرنج کھیلی جائے گی، کہیں گانا شروع ہو جائے گا، کہیں بانسریاں بجنی شروع ہو جائیں گی، کہیں سارنگیاں اور پھر طبلے بجنے لگ جائیں گے یہاں تک کہ اسے ان چیزوں کی عادت ہو جائے گی اور ان سے پیچھے ہٹانا اس کے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ وہ بظاہر ایک آوارہ ہو گا مگر درحقیقت وہ مریض ہو گا طاعون کا، وہ مریض ہو گا ہیضے کا جو نہ صرف خود ہلاک ہو گا بلکہ ہزاروں اور قیمتی جانوں کو بھی ہلاک کرے گا۔ پھر اس سے متاثر ہونے والے متعدی امراض کی طرح اور لوگوں کو متاثر کریں گے اور وہ اَور کو۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ملک کا کثیر حصہ اس لعنت میں گرفتار ہو جائے گا۔

پس بے کاری ایسا مرض ہے کہ جس علاقے میں یہ ہو اس کی تباہی کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ پہلا بے کار اس لیے بنا تھا کہ اس کے والدین نے اس کے لیے کام مہیا نہ کیا۔ لیکن دوسرے بے کار اس لیے بنیں گے کہ وہ ایک بے کار سے متاثر ہو کر اس کے رنگ میں رنگین ہو جائیں گے اور اس کی بد عادات کو اپنے اندر پیدا کر کے اپنی زندگی کا مقصد یہی سمجھیں گے کہ کہیں بیٹھے تو گا لیا اور کہیں سر مار لیا، کہیں تاش کھیل لی، کہیں شطرنج کھیل لیا، کہیں جوا کھیلنے لگ گئے۔ غرض بے کاروں کی تمام تر کوشش ایسے ہی کاموں کے لیے ہو گی جو نہ ان کے لیے مفید نہ سلسلے کے لیے اور نہ مذہب کے لیے۔

بے کاری اقتصادی لحاظ سے لعنت ہے

پھر اقتصادی لحاظ سے بھی بے کاری ایک لعنت ہے اور اسے جس قدر جلد ممکن ہو دور کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک کی آمد پہلے ہی 6 پائی فی کس ہے اور یہ ہر شخص کی آمد نہیں بلکہ کروڑ پتیوں کی آمد ڈال کر اوسط نکالی گئی ہے اور ان لوگوں کی آمد ڈال کر نکالی گئی ہے جن کی دو تین لاکھ روپیہ ماہوار آمد ہے۔ ورنہ اگر ان کو نکال دیا جائے تو ہمارے ملک کی آمد فی کس 3 پائی رہ جاتی ہے۔ جس ملک کی آمدنی کا یہ حال ہو اس میں سمجھ لو کتنے بے کار ہوں گے اگر ملک کے تمام افراد کام پر لگے ہوئے ہوتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔ لیکن اب تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی دو آنے کماتا ہے تو اس پر اتنے بے کاروں کا بوجھ ہوتا ہے کہ اپنے لیے

اس کی آمد دمڑی رہ جاتی ہے اور جو زیادہ کماتا ہے اس کی آمد پر بھی اثر پڑتا ہے۔ تو بے کاروں کی وجہ سے ایک تو دوسرے لوگ ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ بے کار ان کے لیے بوجھ بنتے ہیں۔ دوسرے جب ملک میں ایک طبقہ ایسا ہو جو آگے نہ بڑھنے والا ہو تو دوسرے لوگوں کا قدم بھی ترقی کی طرف نہیں بڑھ سکتا کیونکہ بیکار مزدوری کو بہت کم کر دیتے ہیں۔ بے کار شخص ہمیشہ عارضی کام کرنے کا عادی ہوتا ہے اور جب کسی کی بے کاری حد سے بڑھتی اور وہ بھوکوں مرنے لگتا ہے تو مزدوری کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے لیکن چونکہ اسے سخت احتیاج ہوتی ہے اس لیے اگر ایک جگہ مزدور کو چار آنے مل رہے ہوں تو یہ دو آنے لے کر بھی وہ کام کر دے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے مزدروں کی اجرت دو آنے ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ جب ہمیں دو دو آنے پر مزدور مل جاتے ہیں تو ہم چار آنے مزدوری کیوں دیں۔ پس وہ ایک بے کار ساری دنیا کے مزدوروں کی اجرت کو نقصان پہنچاتا اور سب کو دو آنے لینے پر مجبور کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں بے کاری زیادہ ہو ان میں مزدوری نہایت سستی ہوتی ہے کیونکہ بے کار مجبوری کی وجہ سے کام کرتا اور باقی مزدوروں کی اجرتوں کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ لیکن جن قوموں میں بے کاری کم ہو ان میں مزدوری مہنگی ہوتی ہے۔ تو بے کار اقتصادی ترقی کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ بے کار شخص ہمیشہ مانگنے کا عادی ہوگا۔ دوسروں پر بوجھ بنے گا اور اگر کبھی مزدوری کرے گا مزدوروں کی ترقی کو نقصان پہنچائے گا۔ پس اقتصادی لحاظ سے بھی بے کاروں کا وجود سخت خطرناک ہے۔

بے کاروں کا وجود قومی لحاظ سے بھی خطرناک ہے

پھر نہ صرف اقتصادی لحاظ سے بے کاروں کا وجود خطرناک ہے بلکہ قومی لحاظ سے بھی ان کا وجود خطرناک ہے اگر کسی قوم میں دس ہزار میں سے ایک ہزار بے کار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم کے پاس سو میں سے صرف نوے شخص موجود ہیں اور ان پر بھی دس فیصدی کا بوجھ ہے۔ ایسی قوم دنیا کی اور قوموں کے مقابلہ میں جن کا ہر فرد خود کمانے کا عادی ہو کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ نیلامی میں اس قسم کا نظارہ دیکھنے کا موقع مل سکتا ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک سو روپیہ ہوتا ہے اور دوسرے کے پاس ایک سو ایک لیکن یہ سو روپیہ پاس رکھنے والا شخص وہ چیز نہیں لے سکتا جو صرف ایک روپیہ زائد پاس رکھنے والا اس کا مخالف لے جاتا ہے۔ اگر صرف ایک روپیہ زائد پاس رکھنے سے نیلامیوں میں مخالف

کامیاب ہو جاتا ہے تو جہاں سو کے مقابلہ میں کسی کے پاس نوے روپے ہوں وہ کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے ایسے شخص کا شکست کھا جانا یقینی ہے۔

ہندوؤں کو دیکھ لو ان میں چونکہ بے کار کم ہیں اس لیے وہ ہر مرحلہ پر مسلمانوں کو شکست دے دیتے ہیں۔ان کی قوم دولت کمانے کی عادی ہے اور گو وہ دنیا کی خاطر دولت کماتی ہے جسے ہم اچھا نہیں سمجھتے۔مگر اقتصادی اور قومی طور پر اُس کا نتیجہ ان کے لیے نہایت ہی خوش کن نکلتا ہے۔

پس میں نے تحریک کی تھی کہ ہماری جماعت میں جو لوگ بے کار ہیں وہ معمولی سے معمولی مزدوری کر لیں مگر بے کار نہ رہیں۔لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے میری اس نصیحت پر عمل نہیں کیا گیا اور اگر کیا گیا تو بہت کم حالانکہ اگر کوئی شخص بی۔اے ہے یا ایم۔اے اور اسے ملازمت نہیں ملتی اور وہ کوئی ایسا کام شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ دو یا پانچ روپے ماہوار کماتا ہے تو اس کا اسے بھی فائدہ ہوگا اور جب وہ کام میں مشغول رہے گا تو دوسروں کو بھی فائدہ ہوگا اور اس سے عام لوگوں کو نقصان نہیں پہنچے گا جو بے کار شخص سے پہنچتا ہے۔بلکہ محنت سے کام کرنے کی وجہ سے اس کے اخلاق درست ہوں گے۔ محنت سے کام کرنے کی وجہ سے اس کے ماں باپ کا روپیہ جو اس پر صرف کرتے تھے ضائع نہیں ہوگا اور محنت سے کام کرنے کی وجہ سے اس سے قوم کو بھی فائدہ پہنچے گا۔غرضیکہ وہ اپنی اخلاقی حالت کو بھی درست کرے گا اور اقتصادی حالت کو بھی۔

پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں جو لوگ اپنے بے کار بچہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ ہے ہمارے گھر سے روٹی کھاتا ہے کسی اور کو اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے وہ ویسی ہی بات کہتے ہیں جیسے کوئی کہے کہ میرا بچہ طاعون سے بیمار ہے کسی اور کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے یا میرا بچہ ہیضہ سے بیمار ہے کسی اور کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔جس طرح طاعون کے مریض کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے متعلق کسی اور کو کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ سارے شہر کو حق حاصل ہے کہ اس پر گھبراہٹ کا اظہار کرے اور اس بیماری کو روکے۔جس طرح ہیضہ کے مریض کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس معاملہ میں کسی اور کو کہنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ سارا شہر اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کے متعلق گھبراہٹ ظاہر کرے اور اس بیماری کو روکے اسی طرح جو شخص بے کار ہے اس کے متعلق تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے ہم خود روٹی کھلاتے اور کپڑے پہناتے ہیں

کسی اور کو اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اس بے کاری کے مرض کو دور کرنے کی کوشش کرے کیونکہ وہ طاعون اور ہیضہ کے کیڑوں کی طرح دوسرے بچوں کا خون چوستا اور انہیں بدعادات میں مبتلا کرتا ہے۔ تم ہیضہ کے مریض کو اپنے گھر میں رکھ سکتے ہو، تم طاعون کے مریض کو اپنے گھر میں رکھ سکتے ہو، مگر تم ہیضہ اور طاعون کے کیڑوں کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ پھیلیں گے اور دوسروں کو مرض میں مبتلا کریں گے اسی طرح تم یہ کہہ کر کہ ہم اپنے بچہ کو کھلاتے اور پلاتے ہیں اس ذمہ واری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جو تم پر عائد ہوتی ہے بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے اس بیماری کو دور کرو ورنہ قوم اور ملک اس کے خلاف احتجاج کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ پس یہ معمولی بات نہیں کہ اسے نظر انداز کیا جا سکے۔ اگر ایک کروڑ پتی کا بچہ بھی بے کار ہے تو وہ اپنے گھر کو ہی نہیں بلکہ ملک کو بھی تباہ کرتا ہے۔

دنیا کا سب سے خطرناک جرم آوارگی بے کاری کا نتیجہ ہے

یاد رکھو! تمام آوارگیاں بے کاری سے پیدا ہوتی ہیں اور آوارگی سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی جرم نہیں۔ میرے نزدیک چور ایک آوارہ سے بہتر ہے بشرطیکہ ان دونوں جرائم کو الگ الگ کیا جا سکے اور اگر چوری اور آوارگی کو الگ الگ کر کے میرے سامنے رکھا جائے تو یقیناً میں یہی کہوں گا کہ چور ہونا اچھا ہے مگر آوارہ ہونا بُرا۔ قتل نہایت ناجائز اور ناپسندیدہ فعل ہے لیکن اگر میری طرح کسی نے اخلاق کا مطالعہ کیا ہو اور ان دونوں جرائم کو الگ الگ رکھ کر اس سے دریافت کیا جائے کہ ان میں سے کون سا فعل زیادہ برا ہے؟ تو یقیناً یہی کہے گا کہ قتل کرنا اچھا ہے مگر آوارہ ہونا بُرا کیونکہ ممکن ہے قاتل پر ساری عمر میں صرف ایک گھنٹہ ایسا آیا ہو جبکہ اس نے جوش میں آ کر کسی شخص کو قتل کر دیا ہو لیکن آوارہ آدمی ساری عمر ذہنی طور پر قاتل بنا رہتا ہے اور اپنی عمر کے ہر گھنٹہ میں اپنی روح کو ہلاک کرتا ہے۔ تم ایک قاتل کو نیک دیکھ سکتے ہو لیکن تم کسی آوارہ کو نیک نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک شخص نیک ہو لیکن اس کی عمر میں ایک گھنٹہ ایسا آ جائے جبکہ وہ جوش میں آ کر کسی کو قتل کر دے اور قتل کے بعد اپنے کیے پر پشیمان ہو اور دوسرے گھنٹہ میں ہی وہ اپنے رب کے سامنے جھک جائے اور کہے اے میرے رب مجھ سے غلطی ہوئی مجھے معاف فرما۔ پس ہو سکتا ہے وہ معاف کر دیا جائے لیکن آوارہ شخص خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتا

کیونکہ وہ مردہ ہوتا ہےاس میں کوئی روحانی حس باقی نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک دنیا کا ہر خطرناک سے خطرناک جرم آوارگی سے کم ہےاور آوارگی مجموعہ جرائم ہے کیونکہ جرم ایک جزو ہےاور آوارگی تمام جرائم کا مجموعہ۔ایک بادشاہ کے ہاتھ کی قیمت بادشاہ کی قیمت سے کم ہے،ایک جرنیل کے ہاتھ کی قیمت جرنیل سے کم ہے۔اسی طرح ہر جرم کی پاداش آوارگی سے کم ہے کیونکہ جرم ایک جزو ہےاور آوارگی اس کا کُل ہے۔تم دنیا سے آوارگی مٹا ڈالو تمام جرائم خود بخود مٹ جائیں گے۔

تمام جرائم کی ابتدا بچپن کی عمر سے ہوتی ہےاوراس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ آوارگی میں مبتلا ہوتا ہے۔تم بچے کو کھلا چھوڑ دیتے ہواور کہتے ہو کہ بچہ ہےاس پر کیا پابندیاں عائد کریں؟اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خطرناک جرائم کا عادی بن جاتا ہے۔اگر دنیا اپنے تمدن کو ایسا تبدیل کردے کہ بچے فارغ نہ رہ سکیں تو یقیناً دنیا میں جرائم کی تعداد معقول حد تک کم ہو جائے۔لوگ اصلاحِ اخلاق کے لیے کئی تجویزیں سوچتے اور قسم قسم کی تدبیریں اختیار کرتے ہیں مگر وہ سب ناکام رہتی ہیں اس کے مقابلہ میں اگر بچوں کو کام پر لگا دیا جائے اور بچپن کی عمر فارغ عمر نہ قرار دیا جائے تو نہ چوری باقی رہے، نہ جھوٹ، نہ دغا، نہ فریب اور نہ کوئی اور فعل بد۔بالعموم لوگ بچپن کی عمر کو بیکاری کا جائز زمانہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بے کاری بھی ویسی ہی ناجائز ہے جیسے بڑی عمر میں کسی کا بے کار رہنا۔

بچہ کے کان میں اذان دینے میں ایک لطیف حکمت

چنانچہ ہماری شریعت نے اس کو خصوصیت سے مدنظر رکھا ہےاور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق امت محمدیہ کو ہدایت دی ہے، پاگل اور دیوانے کہتے ہیں کہ یہ بے معنی حکم ہے حالانکہ یہ بہترین تعلیم ہے جو بچوں کے اخلاق کی اصلاح کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔آپؐ فرماتے ہیں:جب بچہ پیدا ہوتو اس کے دائیں کان میں اذان کہو اور بائیں میں اقامت۔وہ بچہ جو ابھی بات کو سمجھتا ہی نہیں، وہ بچہ جو آج ہی پیدا ہوا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ تم آج ہی اس سے کام لو اور پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دو۔کیا تم سمجھتے ہو کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی تمہیں اس کے کان میں اذان دینی چاہیے لیکن دوسرے اور تیسرے دن نہیں؟ کیا پہلے دن بچہ اذان کو سمجھ سکتا تھا مگر مہینہ کے بعد کم فہم ہو جاتا ہے کہ تم اس حکم کو نظر انداز کر دیتے ہو؟ یا سمجھتے ہو کہ پہلے دن

تو وہ اس قابل تھا کہ اس سے کام لیا جاتا لیکن سال دو سال گزرنے کے بعد وہ ناقابل ہو گیا ہے؟ جو شخص ہمیں یہ نصیحت کرتا ہے کہ تم بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دو یقیناً وہ اس تعلیم کے ذریعہ ہمیں اس نکتہ سے آگاہ کرتا ہے کہ بچہ کا ہر دن تعلیم کا دن ہے اور ہر روز اس کی تربیت کا تمہیں فکر کرنا چاہیے۔ مگر امت محمدیہ میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا؟ ہمیں خدا تعالیٰ نے ایسا معلم دیا تھا جس کا ہر ہر لفظ اس قابل تھا کہ دنیا کے خزانے اس پر نچھاور کر دیے جائیں۔ اس نے ہمیں معرفت کے موتی دیے، علوم کے خزانے بخشے، اور ایسی کامل تعلیم دی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ مگر افسوس! لوگوں نے اس کی قدر نہ کی۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو پیدا ہوا مگر اس کے کان میں اذان نہ کہی گئی پھر کیوں تم نے اب تک یہ نکتہ نہیں سمجھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیکاری کو سب سے بڑی لعنت قرار دیا ہے؟ اور تمہارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس لعنت سے بچاؤ۔ تم دنیا میں دیکھتے ہو کہ جب کارخانہ والوں کے سپرد کوئی مزدور کیا جاتا ہے تو وہ اس کا نام رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں اور اس سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی دیکھا کہ کارخانہ والوں نے کسی مزدور کا نام رجسٹر میں درج کر لینے کے بعد اسے دو چار سال کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہو؟ اگر نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے منہ سے کسی بزرگ کے ذریعہ تمہارے بچوں کے کانوں میں اذان دلا کر کہا کہ اب اس کا نام میری امت کے رجسٹر میں درج ہو گیا تم نے اس بچے کا نام رجسٹر میں درج تو کرا لیا مگر پھر اسے کارخانہ سے چھٹی دے دی۔ پس اس غفلت اور کوتاہی کا تم پر الزام عائد ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں۔ ہر نبی اپنی امت کا ذمہ دار ہوتا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دے دی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان کہو تو اس کے بعد قیامت کے دن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ پوچھے کہ اے محمدؐ یہ تیری امت کے بیکار جو چور، قاتل، جھوٹے، دغا باز، فریبی اور مکّار بن گئے اور خون چوسنے والی جونکوں کی طرح انہوں نے ظلم سے دوسروں کی اولادوں کو بھی تباہ کیا ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں گے اے خدا! اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں میں نے تو انہیں کہہ دیا تھا کہ جس دن بچہ پیدا ہو اسی دن اس کے کان مین اذان دو جس کا یہ مطلب تھا کہ اسی دن بچوں کو کام پر لگا دو اور ان کی نگرانی کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ جواب دے کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دے دیں گے مگر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہو جائے گی جن کے گھروں میں بے کار بچے

رہے اور انہوں نے ان کی بیکاری کو دور کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا۔

پس یہ غلطی ہے کہ ہمارے ملک میں بچپن کے زمانہ کو بے کاری کا زمانہ سمجھتے ہیں حالانکہ اگر بچپن کا زمانہ بے کاری کا زمانہ ہے تو پھر چوری چوری نہیں اور فریب فریب نہیں، تمام بدکاریاں اور تمام قسم کے فسق و فجور بچپن میں ہی سیکھے جاتے ہیں اور پھر ساری عمر کے لیے لعنت کا طوق بن کر گلے میں پڑ جاتے ہیں۔

پس بے کاری کا ایک دن بھی موت کا دن ہے۔ جب تک ہماری جماعت اس نکتہ کو نہیں سمجھتی حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو سمجھانے والے دیے ہیں، اس وقت تک وہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی مگر لوگوں نے نہ سمجھی۔ اب میں نے بتائی ہے اور یہ میں آج ہی نہیں کہہ رہا بلکہ میں مختلف رنگوں اور مختلف پیرایوں میں کئی دفعہ اس بات کو دہرا چکا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا ملکہ دیا ہے کہ میں اسلام کے کسی حکم کو بھی لوں اسے ہر دفعہ نئے رنگ میں بیان کر سکتا اور نئے پیرایہ میں لوگوں کے ذہن نشین کر سکتا ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مختلف رنگوں میں ایک بات سنو مزے لو اور عمل نہ کرو اس کے نتیجہ میں تمہارا جرم اور بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ تمہیں ایک ایسا شخص ملا جس نے ایک ہی بات مختلف دلکش اور مؤثر پیرایوں میں تمہارے سامنے رکھی مگر پھر بھی تم نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پس تحریک جدید میں مَیں نے ایک یہ نصیحت کی تھی کہ بے کاری کو دور کیا جائے مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 237 تا 244)

ہاتھ سے کام کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 26؍دسمبر 1935ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''میں نے قادیان کے متعلق ایک سکیم بھی بنائی تھی جس کے مطابق تحریک جدید کے چندہ کے ایک حصہ کو بطور رأس المال نفع مند کاموں پر لگا کر جو منافع حاصل ہو اس سے اس قسم کے کام جاری کرنے کی تجویز ہے جن میں عورتیں، نابینا اشخاص اور غرباء بھی حصہ لے سکیں۔ مثلاً ٹوکریاں بنانا، چکیں بنانا، ازار بند اور پراندے وغیرہ بنانا۔ اسی طرح میرے مدِنظر اس قسم کے بھی کام ہیں۔ جیسے میز کرسیاں بنانا، لوہے کا کام اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جو دساور کے طور پر بھیجی جا سکتی ہیں۔

تجارت کے متعلق مشورہ دیں اور تجربہ سے آگاہ کریں

میں نے تحریک کی تھی کی جو دوست ان کاموں سے واقف ہوں وہ مشورہ دیں کہ کیا کیا کام جاری کیے جائیں۔اس پر بعض دوستوں نے نہایت اعلیٰ مشورے دیے ہیں۔گو اس کے مقابلہ میں بعض تجربہ کاروں نے ایسے بھونڈے مشورے دیے ہیں کہ انہیں پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔لیکن بعض اور دوستوں نے واقع میں ایسے لطیف مشورے دیئے ہیں کہ ان کی بنیاد پر نہایت اعلیٰ کام جاری کیے جا سکتے ہیں۔میں پھر اس موقع پر تحریک کرتا ہوں کی اگر کسی نے میرا وہ خطبہ نہ پڑھا ہو تو اب جن جن دوستوں کو ایسے کام معلوم ہوں جنہیں تھوڑے سے روپیہ سے شروع کیا جا سکے اور بے کاری دُور ہو، وہ خطوط کے ذریعہ مجھے اطلاع دے دیں اور جو ان کاموں میں مہارت رکھتے ہیں، وہ بھی اپنے تجربہ سے آگاہ کریں......

پیشہ ور لوگ وقف کریں

پانچویں تحریک یہ ہے کہ پیشہ ور لوگ اپنے آپ کو وقف کریں تا انہیں ہندوستان یا ہندوستان سے باہر ایسی جگہ بھیجا جا سکے جہاں وہ تبلیغ بھی کر سکیں اور مالی فائدہ بھی اٹھا سکیں۔ہمارے ملک کے پیشہ ور عموماً ایسی جگہوں پر کام کرتے ہیں جہاں ان کا کام نہیں چلتا۔اگر وہ اپنے آپ کو پیش کریں تو انہیں ایسی جگہوں پر بھیجا جا سکتا ہے جہاں ان کا کام بھی چل سکے اور تبلیغ بھی ہوتی رہے۔ہمارے ملک میں کوئی نظام نہیں، ہر بات لوگ اندھا دھند کریں گے۔اگر ایک گاؤں میں دو لوہاروں کی گنجائش ہے تو اُس جگہ بیس لوہار کام کر رہے ہوں گے، مگر بعض دوسری جگہوں پر جہاں دس یا بیس لوہاروں کی ضرورت ہو گی وہاں ایک لوہار بھی نہ ملے گا۔یہ ایک غلط طریق ہے جس کے ماتحت کام کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار ہا لوہار، نجار اور دوسرے پیشہ ور بے کار پھرتے ہیں انہیں کوئی کام نہیں ملتا اور جو کام کرتے ہیں وہ بھی تنزل میں گرے ہوئے ہیں۔کیونکہ ان کی آمد سے بمشکل ان کا گزارہ ہوتا ہے۔اگر ان میں تقسیم عمل ہوتی تو یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔مثلاً باقی ملکوں میں یہ قاعدہ ہے کہ زمیندار زمین کے مناسب حال اجناس کی کاشت کرتے ہیں اور اگر کوئی زمین بعض اجناس کی کاشت کے لیے نامناسب ہوتی ہے تو ان چیزوں کی کاشت اس میں نہیں کرتے۔لیکن ہمارے زمیندار کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر چیز اپنی زمین میں بونے کی کوشش

کرے گا۔ دو مرلہ میں موٹھ بودے گا، دو مرلہ میں مسور بودے گا، کچھ حصہ گندم بودے گا اور کچھ حصہ میں گنا بودے گا اور کوشش کرے گا کہ ساری چیزیں اس کے کھیت میں ہو جائیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے ملکوں والے جہاں گنا اچھا ہو گا وہاں گنا بوئیں گے، جہاں گندم اچھی ہو گی وہاں گندم بوئیں گے اور جہاں موٹھ اچھے ہوں گے وہاں موٹھ بوئیں گے اور اس طرح زمین سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کریں گے۔ اس کے برخلاف ہمارے ملک کے زمینداروں کے طریق عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلہ بھی ضائع ہوتا ہے، زمین بھی ضائع ہوتی ہے، وقت بھی ضائع ہوتا ہے مگر پھر بھی زمیندار وہی کرتے جا رہے ہیں جس کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جو تقسیم عمل کے نہ ہونے کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ یہی نقص پیشہ وروں کی تقسیم میں بھی ہے اور اس کی وجہ سے بعض علاقوں میں مثلاً لوہار کو دو آنے بھی روزانہ نہیں ملتے لیکن بعض علاقوں میں وہ دو دو روپیہ تک کما لیتے ہیں۔ پس کیوں ہماری جماعت کے پیشہ ور تحریک جدید سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور کیوں ہمارے سامنے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے۔ ہمیں ایسی جگہیں معلوم ہیں جہاں نجّاری کا کام بہت اچھا ہو سکتا ہے، ایسی جگہیں معلوم ہیں جہاں معماری کا کام بہت اچھا ہو سکتا ہے اور ایسی جگہیں معلوم ہیں جہاں آہن گری کا کام بہت اچھا ہو سکتا ہے۔

بے شک پہلے کام کے چلانے میں کچھ دقتیں واقع ہوں گی اور لوگ احمدی پیشہ وروں سے کام کرانے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں گے لیکن آہستہ آہستہ جب ہم نجّاروں کو ایسی جگہ لگائیں گے جہاں نجّار نہیں، معماروں کو ایسی جگہ لگائیں گے جہاں معمار نہیں، حکیموں کو ایسی جگہ لگائیں گے جہاں حکیم نہیں اور لوہاروں کو ایسی جگہ لگائیں گے جہاں لوہار نہیں تو مجبور ہو کر لوگ احمدی پیشہ وروں سے کام کرانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اسی لیے میں نے مختلف اضلاع کی سروے کرائی ہیں اور میں چاہتا ہوں جن اضلاع کی سروے کرائی گئی ہے، ان میں جو لوہار، ترکھان یا پیشہ ور احمدی بے کار ہیں، انہیں پھیلا دوں۔ تمام گاؤں کے نقشے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہر مقام کی لسٹیں ہمارے پاس ہیں جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ ان گاؤں میں پیشہ وروں اور تاجروں کی کیا حالت ہے۔ اس ذریعہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنی جماعت کے پیشہ ور بے کاروں کو ان علاقوں میں پھیلا دوں۔ جہاں لوہار نہیں وہاں لوہار بھجوا دیے جائیں، جہاں معمار نہیں وہاں معمار بٹھا دیے جائیں۔ جہاں حکیم نہیں وہاں حکیم بھجوا دیے جائیں۔ اس سکیم کے ماتحت اگر ہماری جماعت مختلف علاقوں میں پھیل جائے تو جہاں ہمارے بہت

سے تبلیغی مرکز ان علاقوں میں قائم ہو سکتے ہیں وہاں لوگ بھی مجبور ہوں گے کہ احمدیوں سے کام لیں۔ اس طرح ان کی بے کاری بھی دور ہو گی اور تبلیغی مرکز بھی قائم ہو جائیں گے بلکہ لکھے پڑھے لوگ کئی گاؤں میں مدرسے بھی جاری کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے پاس ایسی بیسیوں لسٹیں موجود ہیں جہاں مدرسوں کی ضرورت ہے یا حکیموں کی ضرورت ہے یا کمپونڈروں کی ضرورت ہے۔ مگر انہیں مدرّس، حکیم اور کمپونڈر نہیں ملتے۔ اسی طرح ہندوستان سے باہر بھی ہم بعض پیشہ وروں کو بھیجنا چاہتے ہیں جہاں بعض کام عمدگی سے کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض قسم کے پیشہ ور چین میں اچھا کام کر سکتے ہیں۔ مثلاً چین کے مغربی حصہ میں پیشہ وروں کی بہت ضرورت ہے۔ اگر وہاں لوہار چلے جائیں تو اعلیٰ درجہ کا کام کر سکتے اور کافی مالی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ذریعہ سے تبلیغ بھی ہوتی رہے گی۔

غرض دنیا کے ایسے حصے جہاں تجارتی کام اعلیٰ پیمانے پر جاری کیے جا سکتے ہیں ہم نے معلوم کیے اور ہر جگہ کے نقشے تیار کیے ہیں۔ ان علاقوں میں تھوڑی سی ہمت کر کے ہم بے کاروں کو کام پر لگا سکتے ہیں اور بہت سے تبلیغی سنٹر قائم کر سکتے ہیں اور یہ کام ایسا اعلیٰ ہوا ہے کہ جس کی اہمیت ابھی جماعت کو معلوم نہیں اور گو یہ معلومات کا تمام ذخیرہ ابھی صرف چند کاپیوں میں ہے لیکن یورپ والوں کے سامنے یہ کاپیاں پیش کی جائیں تو وہ ان کے بدلے لاکھوں روپے دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مگر افسوس ابھی ہماری جماعت نے اس کام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح میں تجارتی طور پر مختلف مقامات کے نقشے بنوا رہا ہوں اور اس امر کا پتہ لے رہا ہوں کہ چین اور جاپان اور دوسرے ممالک کے کس کس حصہ میں کون کون سی صنعت ہوتی ہے تا کہ ہم اپنی جماعت کے تاجروں یا ان لوگوں کو جو تجارت پیشہ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان علاقوں میں پھیلا دیں۔ اس کے متعلق بہت سی لطیف معلومات کا ذخیرہ جمع ہو رہا ہے۔ جو دوست تجارت کے متعلق کوئی مشورہ لینا چاہیں وہ مشورہ کر لیں۔ جب موقع آئے گا انہیں کسی موزوں علاقہ میں تجارت کے لیے بھیج دیا جائے گا اور اگر معلوم ہو گا کہ وہ دیانتداری سے کام کرنے والے ہیں تو شروع میں ایک قلیل رقم بطور امداد بھی دی جا سکے گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ جائیداد ہو جس کی ضمانت پر اسے روپیہ دیا جا سکے۔ تا اگر کوئی روپیہ کھا جائے تو اس کی واپسی کا انتظام ہو سکے اور دوسری شرط یہ ہے کہ سینکڑوں یا ہزاروں کی رقم کا مطالبہ نہ ہو۔‘‘

(تحریک جدید کے مقاصد اور ان کی اہمیت۔ انوار العلوم جلد 14 صفحہ 144 تا 148)

علم الادیان اور علم الابدان

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 2/مارچ 1936ء کو صنعتی سکول کے افتتاح کے موقع پر خطاب میں فرمایا:

''آج آپ لوگوں کو یہاں آنے کی اس لیے تکلیف دی گئی ہے کہ میرا منشا ہے آج ہم دعا کر کے اس صنعتی سکول کا افتتاح کریں جس کا اعلان میں پہلے کر چکا ہوں۔ دنیا میں تعلیم اور صنعت وحرفت علیحدہ علیحدہ تنگ دائروں میں تقسیم ہوسکتی ہے۔ ورنہ بڑے بڑے دائرے تو صرف دو ہی ہیں۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''علم دو ہیں۔ علم الادیان اور علم الابدان'' یعنی ایک علم وہ ہے جو دین کو نفع دیتا ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو جسم کو نفع دیتا ہے۔ لوگوں نے اس علم کے معنی طب کے بھی کیے ہیں۔ بے شک طب بھی اس سے مراد ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ علم جس کا مادیت کے ساتھ تعلق ہو۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درحقیقت علم کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ جو روح یا جسم کو فائدہ دے۔ جو علم روح یا جسم کے لیے فائدہ مند نہیں وہ علم نہیں کھیل ہے اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ علم جو روح کو نفع دے وہ تو اس وقت دین اسلام ہی ہے کیونکہ باقی دین اس قابل نہیں کہ وہ روح کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں۔ روحانی لحاظ سے صحیح طور پر اور ہر ضرورت کے موقع پر نفع دینے والی چیز صرف اسلام ہے۔

آٹھ بنیادی پیشوں میں ہی سارے پیشے محصور ہیں

باقی رہا ''علم الابدان''۔ اس علم کا تعلق مختلف پیشوں سے ہے۔ پیشے تو لاکھوں ہیں لیکن وہ چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اس لیے بڑے بڑے پیشے چند ہی ہیں۔ مثلاً ایک پیشہ وہ ہے جس سے انسان کی زندگی کا بڑا تعلق ہے اور وہ زراعت ہے۔ زراعت کے ذریعہ غلہ وغیرہ اور ایسی چیزیں پیدا کی جاتی ہیں جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جسم کو ڈھانکنے کا سوال ہے اس کے لیے کپڑا بُننے والے کی ضرورت ہے۔ جس کو ہم جولاہا کہتے ہیں۔ پھر پہننے کے لیے مختلف چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کپڑے کے علاوہ جرابیں، سویٹر وغیرہ۔ یہ سب چیزیں اسی

پیشہ کے اندر آجاتی ہیں اور وہ سب اشیاء جن کا کپڑے کے ساتھ تعلق ہوگا سب کی سب اس پیشہ سے متعلق ہوں گی۔ تیسرا پیشہ معماری ہے کیونکہ عناصر میں جو طوفان پیدا ہوتے ہیں ان کے اثرات سے بچنے کے لے ضروری ہے کہ انسان مکان بنائے۔ یا ایک دوسرے کے ضرر سے بچنے کے لیے مثلاً چور یا حملہ آور سے محفوظ رہنے کے لیے مکان ضروری ہے۔ پس تیسری چیز معماری ہے۔ چوتھا پیشہ جو اصولی حیثیت رکھتا ہے وہ لوہاری کا کام ہے۔ بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی انسان کو ضرورت پیش آتی ہے یا خود انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی حاجت ہوتی ہے اس کے لیے مثلاً گاڑیاں، موٹریں، سائیکل یا ریل گاڑیاں کام میں لائی جاتی ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے اور انسانی کاموں میں سہولت پیدا کرنے کے لیے یہ دو پیشے ہیں۔ ایک لوہار کا کام دوسرا ترکھان کا کام۔ یہ زراعت میں مفید ہونے کے علاوہ باقی بہت سے کاموں کے لیے بھی نہایت ضروری ہیں اور انسان کے عام مشاغل کو بھی سہل بناتے ہیں۔ پھر ''علم الابدان'' میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جس کو لوگوں نے مقدم رکھا ہے۔ یعنی علم کیمیا اور علم طب، علم طب بھی انسانی علاج کو سہل کر دینے والی چیز ہے تو گویا زراعت، معماری، لوہاری، نجاری، علم کیمیا، علم طب اور علم طب دراصل ایک لحاظ سے علم کیمیا ہی کی ایک شاخ ہے اور کپڑا بننے کا کام۔ یہ سات پیشے ہوئے۔ باقی تمام پیشے انہی کے اندر آجاتے ہیں۔ مثلاً دوسرے کام پینٹنگ وغیرہ معماری کی بھی ایک شاخ ہے اور علم کیمیا کی بھی۔ چمڑے کا کام اس کے علاوہ ہے۔ تو اسے ملا کر گویا آٹھ پیشے ہوئے۔ ان آٹھ پیشوں کو جو قوم جان لیتی ہے وہ اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کی محتاج نہیں رہتی بشرطیکہ وہ ان پیشوں کو اس رنگ میں جانتی ہو جیسا کہ جاننے کا حق ہے۔ یہ نہیں کہ ایک کام سیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ بس اب کام ختم ہو گیا اور اب اس میں ترقی کرنے کی ضرورت نہیں۔

وٹرنری کا علم یعنی حیوانوں اور جانوروں وغیرہ کا پالنا اور ان کا علاج بھی ''علم الابدان'' ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ علم اور نرسنگ وغیرہ کا علم طب کے نیچے آجائیں گے۔ پس جتنے بھی علوم ہیں وہ سب انہی آٹھ پیشوں کے اندر محصور ہو جاتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض یا تو زراعت سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یا چمڑے کے کام سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یا معماری کے کام سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یا نجاری کے کام سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ ان چیزوں سے باہر اور شاید ہی کوئی چیز ہو۔ اگر یہ چیزیں کوئی قوم مضبوطی سے

حاصل کرے تو وہ دوسری قوموں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ ان کا ممد پیشہ بے شک تجارت ہے مگر وہ تابع پیشہ ہے۔ حقیقی پیشہ نہیں اور اپنی ذات میں وہ کوئی الگ نہیں کیونکہ وہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کو ہی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن دولت کے لحاظ سے وہ پیشہ ان سے کم نہیں ان سے زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے اور وہ اس لیے کہ مالی لحاظ سے اس کو ان پیشوں پر فوقیت حاصل ہے۔ سوائے اس کے کہ پیشہ ور اپنے ساتھ تجارت کو بھی شامل کر لیں۔ جب تجارت ساتھ شامل ہو جائے تو کام بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

ہم میں تجارت کی کمی ہے

میں نے تحریک جدید کے اس پہلو پر غور کرتے ہوئے یہ معلوم کیا ہے کہ ہماری جماعت میں کن پیشوں کی کمی ہے اور کون کون سے پیشے ایسے ہیں جنہیں انفرادی یا جماعتی طور پر ہمیں لوگوں کو سکھانے کی ضرورت ہے۔ زراعت کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ ہماری جماعت میں کافی لوگ ایسے ہیں جو زراعت کا کام کرتے ہیں۔ تجارت کے متعلق میں نے غور کیا اور میں نے دیکھا کہ اگرچہ اس کی ہماری جماعت میں کمی ہے لیکن چونکہ ہم ابھی اس کام میں فوری ہاتھ ڈالنے کے قابل نہیں تھے اس لیے میں نے چند مبلغوں کو تیار کیا کہ وہ بعض ایسی نئی تجارتی چیزیں دریافت کریں جنہیں ہم ہاتھ میں لے کر ان کی تجارت کر سکتے ہیں۔ جو تجارتیں پہلے قائم شدہ ہیں ان میں ہمارا داخل ہونا، کروڑوں روپیہ کے سرمایہ کی تجارتوں کے مقابل ہمارا کھڑا ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے میں نے یہ تجویز کی کہ نئی تجارتی اشیاء دریافت کی جائیں۔

تجارتوں میں سے واسطوں کو اڑانے کی ضرورت ہے

اس ضمن میں میں نے دیکھا کہ تجارتوں میں جو واسطے پائے جاتے ہیں ان کو اُڑانے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے بعض دوست واسطوں کا مطلب نہ سمجھیں اس لیے میں اس کی تشریح کر دیتا ہوں۔ واسطے کا مطلب یہ ہے کہ اصل خریدار تک پہنچنے کے لیے ایک چیز کئی ایک ہاتھوں میں سے گزر کر آتی ہے۔ مثلاً ایک چیز انگلستان میں پیدا ہوتی ہے اور فرض کرو کہ وہ چین میں جا کر بکتی ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسے پہلے ایک ملک نے خریدا، اس سے پھر دوسرے نے اور پھر تیسرے اور چوتھے نے، یہاں تک کہ وہ چیز کئی ملکوں میں سے ہوتی ہوئی چین تک جا پہنچی۔ جنگ کے دنوں میں اس راز کا

انکشاف ہوا تھا کہ وہ دوائیاں جو یہاں آکر بکتی تھیں وہ دراصل جرمنی میں بنائی جاتی تھیں اوران پر صرف انگریزی ٹھپہ لگتا تھا اور ہندوستان میں لوگ انہیں صرف انگریزی دوا تصور کر کے خریدتے تھے۔ ہندوستانیوں کواس بات کاعلم نہ تھا۔انگریز انہیں جرمنی سے خرید کر ہندوستانیوں سے ان کی بڑی بڑی قیمتیں لیتے تھے اور بہت کم لوگ اس راز سے آگاہ تھے باقی سارے لوگ ناواقف تھے۔جب جنگ شروع ہوئی تو دوائیاں نایاب ہوگئیں اورلوگ اس بات سے حیران تھے لیکن پھر یہ راز کھلا کہ جرمنی کی دوائیاں انگلستان میں سے ہوتی ہوئی ہندوستان آتی تھیں۔

پس واسطے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ملک کی اشیاء اورملکوں میں سے گزر کر اصلی حاجت مند کے پاس پہنچتی ہیں۔اس کے متعلق یہ پتہ لگایا جائے کہ کس ملک کی کونسی چیز کس کس ملک سے ہوکر آتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد جو چیز مثلاً جرمنی میں بنتی ہے،اس کے لیے اگر کوئی شخص جرمنی جا کر کہے کہ تم اپنی فلاں چیز براہ راست ہمیں بھیجواوراس طرح کی ایک دکان کھول لی جائے تو براہ راست تعلق قائم ہونے کی وجہ سے بیچ کا نفع جو دوسرے لوگ اٹھا رہے ہوں گے وہ نہیں اٹھائیں گے اوراس طرح وہ چیز سستی مل سکے گی اور نفع اپنے ہاتھوں میں رہے گا۔میں نے دیکھا ہے کہ بعض دفعہ سات سات اور آٹھ آٹھ واسطے درمیان میں پڑ جاتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیوں کوئی چیز سات یا آٹھ ہاتھوں میں سے گزر کر آئے۔ جتنے واسطے اُڑائے جاسکیں اتنی ہی کم قیمت دینی پڑے گی۔

پس اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ وہ چیز براہ راست ہمیں پہنچے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس پر کم خرچ آئے گا اور واسطوں کے اڑ جانے سے ہم تھوڑے سرمایہ سے بڑے بڑے سرمایہ داروں کا مقابلہ کرسکیں گے۔مگر یہ تجارت قادیان میں نہیں ہوگی کیونکہ یہاں کوئی منڈی نہیں ہے۔ یہ کلکتہ، دہلی یا دوسرے بڑے شہروں میں قائم ہوسکتی ہے۔

کپڑا بُننے کا کام

باقی پیشوں میں سے جوانسان کی ضروریات مہیا کرتے ہیں، کپڑا بُننے کا کام بہت بڑے سرمایہ کو چاہتا ہے اور یہ شروع سے ہی لاکھوں روپیہ والے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔اس لیے فوراً اس میں ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔اس کے لیے ہمارے پاس ایک NUCLEUS یعنی بیج ہے اور وہ ہوزری

ہے۔فی الحال جُرابیں وغیرہ بنانے کا کام جاری ہے۔اس کے ساتھ ہم آہستہ آہستہ دوسرے کپڑے بنانے کا کام بھی شروع کر دیں گے۔کپڑے کے لیے کھڈیاں وغیرہ بھی استعمال کی جاتی ہیں لیکن ابھی تک کھڈیاں اتنی مفید ثابت نہیں ہوئیں۔ایک دو دفعہ لدھیانہ سے مشینیں منگا کر دیکھی ہیں لیکن ان کے ذریعہ جو کام کیا گیا وہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا۔اگر آئندہ مفید ثابت ہو تو وہ کام بھی انشاء اللہ شروع کر دیا جائے گا۔

علمِ طب

اب رہ گیا طب کا علم۔طب کے متعلق باقاعدہ طور پر کام شروع نہیں کیا گیا۔لیکن مبلغ جو باہر جاتے ہیں انہیں طب پڑھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ایک الگ طبی سکول جاری کر دیا جائے گا یا مدرسہ احمدیہ کی ایک شاخ کھول دی جائے گی اور یہ کام خصوصاً اس لیے شروع کیا جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس سے تعلق تھا اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ تو ایک بلند پایہ طبیب بھی تھے۔غرض طب سلسلہ احمدیہ سے خاص تعلق رکھتی ہے۔بچپن میں عموماً میری صحت خراب رہتی تھی۔ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم قرآن شریف اور بخاری کا ترجمہ اور طب پڑھ لو۔چنانچہ میں نے طب کی تین چار کتابیں پڑھیں بھی۔تو طب کے متعلق میرا خیال ہے کہ اسے جاری کیا جائے۔فی الحال مبلغین کو طب پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

اب پانچ پیشے رہ جاتے ہیں۔کیمیا، چمڑے کا کام،لکڑی کا کام،لوہاری اور معماری۔معماری کے کام میں فی الحال میں نے دخل دینا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ معماری کے کام کے لیے خاص انتظام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔لوگ اپنے اپنے طور پر اسے سیکھ سکتے ہیں۔لیکن اگر موقع ملا تو ہم اسے بھی نظر انداز نہیں کریں گے۔

دارالصناعت میں سکھائے جانے والے کام

باقی رہ گئے چار کام لوہاری، نجاری، چمڑے کا کام اور علم کیمیا۔یہ سکول جس کے افتتاح کے لیے آج ہم جمع ہوئے ہیں اس میں تین کام شروع کیے جائیں گے۔ابھی صرف دو جماعتیں کھولنے کا

انتظام کیا گیا ہے۔لوہاری اورنجاری، چمڑے کے کام کی سکیم ابھی زیرِغور ہے۔کیمیا کے کام مثلاً ادویہ سازی کے متعلق بھی میں مشورہ کر رہا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ اس کام کو بھی شروع کر دیا جائے۔اس کام کی ایک قسم تو شروع کی ہوئی ہے اور وہ گلاس فیکٹری ہے۔لیکن ایک خاص شکل میں محدود ہے۔کیمیا سازی میں پینٹنگ، پالش وغیرہ سب چیزیں آ جاتی ہیں۔میں اس کے متعلق ماہرفن لوگوں سے مشورہ کر رہا ہوں۔اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس میں بھی ہاتھ ڈالا جائے گا۔باقی تین کام جو ہم شروع کرنے والے ہیں اور ان کے ساتھ کپڑا بُننے کا کام بھی لگا دیا جائے تو چار ہو جاتے ہیں،نہایت ضروری ہیں۔مگر بد قسمتی سے یہ کام ہندوستان میں ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔جب کسی ملک کے زوال کے دن آتے ہیں تو لوگوں کی نیتیں بھی بدل جاتی ہیں۔اگر کسی سے کہہ دیا جائے کہ یہ موچی ہے تو لوگ سمجھیں گے کہ وہ ذلیل کام کرنے والا ہے اور وہ خود بھی اس پیشے کو ذلیل سمجھے گا اور اسے چھوڑ دینے کی خواہش کرے گا۔لوہار اور ترکھان کے پیشے کو بھی ذلیل سمجھا جاتا ہے۔گو وہ موچی کے پیشے کی طرح بدنام نہیں اور گو لوگ انہیں اتنا حقیر نہ سمجھتے ہوں مگر وہ کبھی پسند نہ کریں گے کہ ہمارے بچے لوہار یا ترکھان بنیں یا وہ جولاہے کا کام سیکھیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پیشوں کی آمدنیاں محدود ہو گئی ہیں۔جب کسی پیشہ میں نفع کم ہو جائے تو قدرتی طور پر اس کی قدر بھی کم ہو جاتی ہے۔مثلاً تمہیں ہندوستان میں ایسے طبیب بھی ملیں گے جن کی ماہوار آمدنی پانچ چھ روپیہ سے زیادہ نہیں ہوگی لیکن ایسے طبیب بھی ملیں گے جن کی آمدنی پانچ چھ ہزار روپیہ ماہوار ہوگی۔اگر سارے طبیب پانچ یا چھ ہزار روپیہ آمدنی کے ہوں تو طب کی بھی بہت کم قدر ہو جائے۔چونکہ لوہارے اور ترکھانے کی آمدنی بھی کم اور محدود رہ گئی ہے اس لیے لوگوں نے ان پیشوں کو ذلیل سمجھنا شروع کر دیا ہے۔تجارت میں چونکہ آمد زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس کی قدر زیادہ کی جاتی ہے۔

یورپ کی ترقی کی اصل وجہ

لیکن اگر ہم بھی ان تمام پیشوں کو اسی طریق پر چلاتے جس طریق پر انہیں یورپ میں چلایا جاتا ہے تو یہاں بھی ان کی ویسی ہی قدر کی جاتی جیسی کہ وہاں کی جاتی ہے۔اب دیکھو تمام کپڑا یورپ سے آتا ہے جو یا تو لنکا شائر میں بنتا ہے یا بیلجیئم میں۔بیان کیا جاتا ہے کہ ہر سال ساٹھ کروڑ روپے کا

کپڑا باہر سے ہندوستان میں آتا ہے۔ظاہر ہے یہ سب کام جولاہے کرتے ہیں۔چاہے کسی قسم کا کپڑا بُنا جائے،گرم کپڑا ہو یا چھینٹ ہو یا کھدر، یہ کام جولاہے کا کام ہی کہلائے گا صرف کھدر بُننے کا کام کسی کو جولاہا نہیں بناتا بلکہ کپڑا بُننے کا کام جولاہا بناتا ہے۔پھر لوہارے کے تمام کاموں کی اشیاء یورپ سے آتی ہیں۔مثلاً ریل گاڑی کا سامان، کپڑے سینے کی مشینیں، آٹا پیسنے کی مشینیں، روئی اور بنولے کی مشینیں،موٹر، بائیسکل،مختلف پُرزے سب یورپ سے آرہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ یورپ والوں نے سرمایہ داری کے ذریعہ سارا کام اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور اب تو یہ حالت ہے کہ جب ہمارا کپڑا پھٹ جائے اور اسے سینے کی ضرورت ہو تو ہمیں سوئی کے لیے بھی یورپ کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔بچپن میں مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کی بنی ہوئی سوئیاں جو کچی سوئیاں کہلاتی تھیں استعمال کی جاتی تھیں۔مگر اب وہ کہیں نظر نہیں آتیں۔بات یہ ہے کہ جن چیزوں کے متعلق یورپ والوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں استعمال ہوتی ہیں،انہوں نے وہ چیزیں مشین کے ذریعہ بنانی شروع کر دیں۔اب تو مشینوں نے کھدر بھی بنا دیا ہے اور وہ کھدر کریپ کہلاتا ہے۔یورپ والوں نے کہا اگر ہندوستانی کھدر پہننے کے لیے ہی تیار ہیں تو ہم مشینوں سے کھدر ہی تیار کر دیں گے۔پھر نجاری کا کام ہے اس میں بھی اعلیٰ فن کے کام ولایت سے ہی آتے ہیں۔بڑے بڑے گھروں میں دیکھ لو کرسیاں اور کوچیں یورپ کی بنی ہوئی استعمال کی جاتی ہیں اور بعض کوچوں کی قیمت کئی کئی سو تک ہوتی ہے۔اسی طرح عمارتی کاموں میں بھی بعض ٹکڑے بنے بنائے ولایت سے آتے ہیں مگر یہ پیشہ پھر بھی ایک حد تک محفوظ رہا ہے۔باقی رہا چمڑے کا کام،اس کا بیشتر حصہ ولایت چلا گیا تھا مگر اب واپس لوٹ رہا ہے۔پہلے تمام چیزیں چمڑے کی ولایت سے بن کر آتی تھیں مگر اب ہندوستان کے بعض شہروں مثلاً کانپور وغیرہ میں چمڑے کی بہت اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔تاہم چمڑے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو یورپ سے تیار ہو کر ہندوستان آتی ہیں اور یورپ والے ان کے ذریعہ روپیہ کما رہے ہیں۔یورپ میں جوتیاں بنانے والے ہمارے ہاں موچیوں کی طرح نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کی وہی قدر و منزلت ہوتی ہے جو وہاں بڑے بڑے لارڈوں کی ہوتی ہے بلکہ وہاں تو ایسے لوہار یا بُوٹ میکر ہیں جو لارڈ ہیں اور ان کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ان میں سے جب کوئی ہندوستان آتا ہے تو وائسرائے کا مہمان ہوتا ہے اور راجے،نواب بھی اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی آمدنیوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں غیر

محدود بنالیا ہے اوران کے پیشے اپنی غیر محدود آمدنیوں اور وسیع پیمانے پر ہونے کی وجہ سے معزز تصور ہو رہے ہیں۔مگر ہندوستان میں وہی پیشے قلیل آمدنیوں کی وجہ سے ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔

پیشہ ورکسی پیشہ کواپنی ذاتی جائیداد نہ تصور کریں

یہاں ایک اور عجیب رواج بھی ہے اور دراصل ہندوستانیوں کو اسی کی سزامل رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک پیشہ ورانسان اپنے پیشہ کو ذاتی جائیداد تصور کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ صرف اپنے بیٹے کو وہ پیشہ سکھادے، کسی دوسرے کو وہ سکھانا پسند نہیں کرتا۔اسلام نے اسے قطعاً پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص کسی کام کو اپنی ذاتی جائیداد بنا کر بیٹھ جائے۔یورپ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی خاندان سارے کا سارا بوٹ بنانے والانہیں ہوگا۔اگر باپ بوٹ میکر ہوگا تو بیٹا کیمیا کے علم کا ماہر ہوگا۔پوتے کپڑا بنانے کا کام کرتے ہوں گے اور پڑپوتے کسی فرم میں حصہ دار ہوں گے۔غرض ایک ہی کام نہیں ہوگا جس میں وہ سارے کے سارے لگے ہوئے ہوں گے مگر ہمارے ملک نے سمجھ رکھا ہے کہ پیشے ذاتی جائیداد ہوتے ہیں اور وہ اپنے خاندان تک ہی محدود رہنے چاہییں کسی اور کونہیں سکھانے چاہییں۔اس کے دو بہت بڑے نقصان یہ ہیں۔ایک انفرادی اور دوسرا قومی۔قومی نقصان تو یہ ہے کہ اگر بیٹا جب لائق نہ ہوتو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فن رگر جائے گا اور اس طرح قوم کونقصان پہنچے گا۔دوسرا نقصان یہ ہے کہ باپ سے بیٹے کو بیٹے سے پوتے کو جب وہ کام ورثہ میں ملے گا تو ان کے نام کے ساتھ ایک اور چیز جسے پنجابی میں اَل کہتے ہیں لگ جائے گی اور وہ اس کی قومیت بن جائے گی حالانکہ اگر آزادانہ پیشہ اختیار کرنے کا طریق رائج ہوتو بالکل ممکن تھا کہ ایک درزی کا کام کرنے والے کا بیٹا اچھا لوہار یا اچھا نجار یا اعلیٰ معمار بن سکتا۔پس اس طریق کا انفرادی طور پر بھی نقصان ہوا اور قومی طور پر بھی۔یورپ میں لوگوں نے اپنے آپ کو ان نقصانات سے بچالیا ہے۔نہ ان کے نام کے ساتھ کوئی اَل لگی اور نہ ان کے پیشے ہی محدود رہے کیونکہ انہوں نے ایک ہی کام پر جمے رہنا پسند نہیں کیا بلکہ کام تبدیل کرتے گئے اور انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ تبدیلی چاہتی ہے۔مرد کم تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے مگر عورت زیادہ تبدیلی چاہتی ہے۔گھروں میں دیکھ لو جب کبھی عورتیں صفائی کرتی ہیں تو چیزوں کو اِدھر سے اُدھر رکھ کر نقشہ بدل دیتی ہیں اور بالکل بلا وجہ ایسا کرتی ہیں۔پہلے اگر چارپائی مشرقی دیوار کے ساتھ ہوگی تو پھر مغربی دیوار کے ساتھ کر دی

جائے گی، کبھی جنوبی دیوار کے ساتھ لگا دی جائے گی اور کبھی مشرقی دیوار کے ساتھ رکھ دی جائے گی۔ یہ صرف نظارے کی تبدیلی ہوتی ہے۔ بہرحال تبدیلی ترقی کے لیے ضروری چیز ہے گو تبدیلی میں تنزل کا پہلو بھی ہوتا ہے مگر اس میں ترقی بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ مادہ رکھا ہے کہ وہ ایک حالت میں رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ تغیر چاہتا ہے اور کام کی تبدیلی کے ساتھ بھی بہت سے خاندان بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔

غرض ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس صنعتی سکول کی ابتدا کی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ ہندوستان کے تنزل اور اس کی تباہی کی ایک وجہ ان پیشوں کا ہمارے ہاتھوں سے نکل جانا ہے اور یورپ کی ترقی کی وجہ ان پیشوں کا ان کے ہاتھ میں چلا جانا ہے۔ پھر میرے مدنظر یہ بات بھی ہے کہ اس طرح بے کاری کو دور کرنے کی بھی کوشش کی جائے مگر میں فوری طور پر اس کام کو وسعت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ہمارے پاس سرمایہ کم ہے۔ گو میری خواہش یہی ہے کہ ہر بیکار کو کام پر لگایا جائے۔ مگر عقل چاہتی ہے کہ کام کو اس طریق سے نہ چلایا جائے کہ چند دن جاری رہ سکے اور پھر ختم ہو جائے بلکہ ایسے طریق سے قدم اُٹھایا جائے کہ جس سے ہمارے کام کو دوام نصیب ہو۔

دارالصناعت میں شرائط داخلہ نیز طریق تعلیم

فی الحال مَیں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ ایک استاد کے ساتھ تین شاگرد ہوں۔ اس طرح کام چلانا سہل ہوگا۔ ہر تیسرے ماہ طالب علموں کا انتخاب ہوا کرے گا اور مزید تین تین لڑکوں کو لے کر کام پر لگا دیا جائے گا۔ اس طرح سال میں ہر ایک استاد کے پاس بارہ طالب علم ہو جائیں گے اور پھر سال بھر کے سیکھے ہوئے لڑکے نئے داخل ہونے والے لڑکوں کو کام سکھا بھی سکیں گے۔ اس سلسلہ میں جو مشکلات پیدا ہوں گی وہ تو بعد میں ہی دیکھنے میں آئیں گی مگر اصولی طور پر یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ اس طرح آہستہ آہستہ کام کو بڑھایا جائے۔

میری تجویز یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی اس کام میں حصہ لیں اور وہ اس طرح کہ اس سرمایہ کے جو اس پر لگایا جائے حصص خریدیں چنانچہ اس میں تجارتی طور پر حصہ لینے کے لیے میں نے جماعت کے لیے گنجائش رکھی ہے اس میں سے پچاس فیصدی تک سرمایہ کے حصے خریدے جا سکتے ہیں۔

میں نے اس سکول کے متعلق اصول انتخاب میں یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ یتامیٰ کو مقدم رکھا جائے اوران کی نسبت دوسرے لڑکوں کے انتخاب کی شرائط کڑی ہوں۔مثلاً پہلی شرط ان کے لیے یہ رکھی گئی ہے کہ وہ کم سے کم پرائمری پاس ہوں مگر یتیموں کے لیے پرائمری پاس ہونے کی شرط نہیں گو انہیں بھی اگر وہ اَن پڑھ ہوں تعلیم دی جائے گی پھر بھی یہ شرط ہے کہ ان کو بورڈنگ میں رکھا جائے گا اور پانچ سال انہیں یہاں رہنا ہوگا تین سال تک ان پر ہم خرچ کریں گے باقی دو سال میں اس آمد پر جو اُن کی تیار کی ہوئی اشیاء سے حاصل ہوگی ان کا خرچ چلے گا۔پہلے تین سال تک استادوں کی تنخواہیں بورڈنگ کا خرچ اور کپڑے وغیرہ کا خرچ تحریک جدید کے ذمہ ہوگا۔اس کے علاوہ ہم نے دو سال اس لیے زائد رکھے ہیں تا کہ وہ سلسلہ کا کام کریں اوراس قرض کا کچھ حصہ جو ان پر خرچ ہوا ہوادا کر سکیں۔اگر کوئی لڑکا بیچ میں ہی کام چھوڑ کر چلا جائے گا تو اسے وہ روپیہ واپس دینا ہوگا جو اس پر خرچ ہوا۔سوائے اس کے کہ کوئی اشد معذوری اسے پیش آجائے مثلاً کوئی آنکھوں سے اندھا ہو جائے یا کسی طرح کام کے ناقابل ہو جائے کیونکہ ایسے کاموں میں اس قسم کے حادثات بھی ہو جانے کا اندیشہ ہوا کرتا ہے۔

پس ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جولڑکے داخل ہونا چاہئیں وہی داخل ہو سکتے ہیں۔یتامیٰ کے متعلق میں نے بتایا ہے کہ ان کو بغیر کسی شرط کے لے لیا گیا ہے مگر دوسروں کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ کم از کم پرائمری پاس ہوں۔آئندہ آہستہ آہستہ شرائط کڑی کر دی جائیں گی۔مثلاً پھر یہ شرط رکھ دی جائے گی کہ مڈل پاس طالب علم لیے جائیں اور مڈل تک کی تعلیم تو مجلس مشاورت میں ہماری جماعت کے لیے لازمی تعلیم قرار پا چکی ہے پس جب مڈل تک کی تعلیم ہر احمدی کے لیے لازمی ہے تو بعد میں تعلیم کے اسی معیار کے لحاظ سے طالب علم سکول میں لیے جائیں گے۔علاوہ ازیں سکول کے استادوں کو دوسرے مدرسوں کے لڑکوں کو کام سکھانے پر لگایا جائے گا۔یعنی دوسرے مدرسوں کے طالب علموں کو بھی اسی قسم کے کام سکھائے جائیں گے۔مثلاً ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ کے جولڑکے چاہیں گے ان کے لیے بھی انتظام کر لیا جائے گا مگر ان کے لیے ہفتہ میں صرف دو روز اس کام کے لیے ہوں گے کیونکہ انہیں اپنے کورس کی اور بھی پڑھائی کرنی پڑتی ہے۔بیشک اس طرح وہ بہت دیر میں کام سیکھ سکیں گے اور بعض دفعہ ان کو چھٹیوں میں یہ کام کرنا پڑے گا مثلاً گرمیوں کی رخصتوں میں ان کو اور کہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ انہیں یہ کام سکھایا جائے گا۔

پیشوں کے متعلق حقارت مٹائی جائے

بہر حال جب تک ہم پیشوں کے ساتھ تمام لوگوں کی دلچسپی نہ پیدا کر دیں گے اس وقت تک پیشہ وروں کو ذلیل سمجھنے کی خرابی دور نہ ہوگی۔ جب سارے لوگ مختلف پیشے جانتے ہوں اور ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی آدمی اس قسم کا کام کرتا ہو تو پھر پیشوں کے متعلق حقارت لوگوں کے دلوں سے مٹ جائے گی۔ یورپ میں بڑے سے بڑے لوگ بھی اس قسم کے کاموں کو حقیر نہیں سمجھتے بلکہ وہ خود کسی نہ کسی پیشہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرانس کا ایک پریذیڈنٹ تھا جس کے متعلق لکھا ہے کہ جب کبھی اسے اپنے کام سے فرصت ملتی تو وہ دھونکنی پر جا کر کام شروع کر دیتا۔

پس اگر دوسرے سکولوں کی خواہش ہوئی تو ان کے لیے بھی انتظام کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد میں دوستوں سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ مل کر دعا کریں کہ اس ابتدا کو جو بظاہر چھوٹی اور ہیچ معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ترقی کی منازل تک پہنچائے اور ہمارے کام کرنے والے لوگ اس رنگ میں کام کریں کہ جہاں وہ دنیا کے لیے بہتری کا موجب ہوں وہاں دین کے لیے بھی بہتری کا باعث بنیں۔ میں استادوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ لڑکوں میں یہ روح پیدا کریں کہ دنیا کے ساتھ انہیں دین بھی حاصل کرنا ہے۔ گویا وہ ''دست با کار او دل بایار'' کے مصداق بنیں۔ شروع سے ہی ان کے اندر یہ روح پیدا کی جائے کہ سلسلہ کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنا اپنے نفسوں کو مارنا اور اپنے پیشوں کو صرف ذاتی مفاد تک محدود نہ رکھنا بلکہ ان سے سلسلہ کو بھی فائدہ پہنچانا ان کا مقصد ہے۔ اگر یہ روح ان کے اندر پیدا ہو جائے کہ انہوں نے اپنی اپنی صنعتوں میں غیر ممالک کے صنّاعوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ادھر نیکی اور تقویٰ پر بھی قائم رہنا ہے تب یہ لوگ ہمارے لیے مفید ہو سکتے ہیں ورنہ روٹی کمانے والے تو دنیا میں بہت لوگ ہیں۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ صرف روٹی کمانے والے پیدا کیے جائیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ ایسے ہوں جو دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی حاصل کرنے والے ہوں۔ وہ اسلام کی کھوئی ہوئی شوکت کو واپس لانے میں ممد ہوں اور دوسروں کو اس بات کا سبق دے سکیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ایک شخص حقیقی مومن ہو سکتا ہے اور دنیا کمانے سے اس کا ایمان کم نہیں ہوتا بلکہ ترقی کرتا ہے۔''

(ہر پیشہ سیکھنے کی کوشش کی جائے۔ انوار العلوم جلد 14 صفحہ 205 تا 215)

نوکریوں کی بجائے تجارت اور صنعت وحرفت کو اختیار کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/مارچ 1936ء کے خطبہ جمعہ احرار کی فتنہ انگیزیوں اور اس کے نتیجہ میں اس وقت کی حکومت پنجاب کی طرف سے جماعت احمدیہ کے متعلق منفی رویہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم تو ہمیشہ سے امن پسند ہیں اور چاہتے ہیں کہ تفرقہ وفساد نہ ہو۔ ہمیں نہ مسلمانوں سے دشمنی ہے نہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں سے، ہم ہر ایک کے دوست بن کر رہنا چاہتے ہیں مگر کوئی امن سے رہنے بھی تو دے۔ لیکن باوجود ہماری طرف سے امن پر قائم رہنے کے اگر حکومت رویہ نہ بدلے تو میں اسے کہوں گا کہ فتنہ کو کم سے کم حلقہ میں محدود کرنے کے لیے اسے چاہیے کہ جماعت پر یہ بات کھول دے کہ اقتصادی طور پر اسے حکومت سے کوئی فائدہ اٹھانے کا حق حاصل نہ ہو گا۔ اس سے بھی بہت سی تلخی دور ہو جائے گی کیونکہ امید کے بعد ناامیدی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن جب کوئی سمجھ لے کہ میرا کوئی حق نہیں تو اس کا شکوہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسے چاہیے کہ یہ اعلان کر دے کہ آئندہ سرکاری ملازمتوں میں احمدیوں کو نہیں لیا جائے گا۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو ایسے اعلان سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لاکھوں تدبیریں ہیں جو اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اگر ملازمتوں کے دروازے گورنمنٹ بند کرے تو ہمارے نوجوان تجارت وغیرہ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوں گے۔

اس وقت دو نہایت زبردست حکومتیں ہندوستان میں اپنے تعلقات وسیع کرنے کے لیے کوششیں کر رہی ہیں اور وہ غیر معمولی مدد دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔ مثلاً وہ اس بات پر تیار ہیں کہ تجارتی مال دیں مگر اس کے بدلہ میں روپیہ نہ لیں بلکہ ہندوستانی مال مثلاً گیہوں لے لیں یا کپاس لے لیں اس طرح تجارت میں بہت کچھ سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ بے شک ابتدا میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے تکلیف ہوگی مگر خطرات میں پڑے بغیر انسانی اخلاق میں مضبوطی نہیں پیدا ہوتی۔ عقلمندان تکلیفوں کو بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سمجھا کرتے ہیں اگر اس تجربہ میں ہمارے نوجوان کامیاب ہو گئے تو وہ اپنی روزی کمانے کے ساتھ ساتھ ان افسروں کو بھی سزا دے دیں گے جو ہمیں ناحق دکھ دیتے ہیں

کیونکہ اس طرح لاکھوں کی تجارت انگلستان کے ہاتھ سے نکل کر دوسری قوموں کے ہاتھ میں چلی جائے گی بلکہ میں کہتا ہوں کہ دوسری قوموں سے تجارتی تعلق پیدا کرنے سے بھی زیادہ مفید یہ ہے کہ خود صنعت و حرفت کی طرف ہماری جماعت توجہ کرے تا کہ ہر قسم کے سیاسی اثر سے محفوظ ہو جائے۔ گزشتہ جدوجہد کے زمانہ میں یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زمیندار افسروں سے زیادہ مرعوب ہوتا ہے بہ نسبت تاجروں کے۔

پس تجارت اور صنعت وحرفت کی طرف ہماری جماعت کو زیادہ توجہ چاہیے تا کہ کسی کی محتاجی باقی ہی نہ رہے۔ خود صنعت وحرفت کی طرف توجہ کرے اور تجارت غیر ملکوں سے بڑھانے کی کوشش کرے جو قانوناً جائز فعل ہے۔ کوئی قانون ہمیں اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ ہم ضرور انگریزی مال لیں، بے شک ہم بائیکاٹ کے مخالف ہیں مگر بغیر بائیکاٹ کیے کے کوئی دوسرا طریق اختیار کرنا تو منع نہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو کانگرس بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گی۔ کانگرس میں اس وقت کوئی تنظیم نہیں اگر ہم ایک تنظیم کے ساتھ یہ کام کرنے لگیں تو ہزاروں ہندو اور سکھ ہم سے مل جائیں گے اور قانون شکنی کا خیال لوگ بھلا دیں گے اور اس طرح بالواسطہ طور پر بھی حکومت کی ایک خدمت کر دیں گے اور ساتھ ہی قانون کے اندر رہتے ہوئے خود نفع کماتے ہوئے ہم اپنے حقوق بھی حاصل کر سکیں گے اور یہ صرف ایک ہی طریق نہیں ایسے بیسیوں طریق ہیں جن سے جماعتیں اپنے آپ کو ملازمتوں سے آزاد کر سکتی ہیں۔ جب ملازمتوں کے راستے بند ہوں تو خود بخود ہماری جماعت کے دماغ دوسری راہوں کی دریافت اور ان پر چلنے کی طرف متوجہ ہوں گے مگر ہم صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور خواہ مخواہ حکومت کے لیے مشکلات پیدا نہیں کریں گے کہ اور کوشش کریں گے کہ چند افسروں کی وجہ سے حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا موجب نہ بنیں مگر جو سلوک ہم سے کیا جا رہا ہے نہایت تکلیف دہ ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر کب تک ہم ان باتوں کو برداشت کرتے چلے جائیں گے۔ کب تک ہم اپنے امن کو برباد ہوتا دیکھیں گے۔ یقیناً ایک وقت آئے گا جب مجبور ہو کر ہمیں ان ذرائع کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمیں ان تکالیف سے بچائیں۔ اس لیے میں ایک دفعہ پھر حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اب بھی اپنے رویہ پر غور کریں۔ ہم اس بات پر تیار ہیں کہ اس سے صلح کر لیں مگر اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بڑی بڑی باتوں میں ہماری شکایتوں کو دور کرے۔

آج حکومت اپنے آپ کو ہماری مدد سے مستغنی سمجھتی ہے مگر میں اس نگاہ سے دیکھ رہا ہوں جس نگاہ سے وہ نہیں دیکھ رہی کہ حکومت کو پھر مشکلات پیش آنے والی ہیں اور آسمان سے خدا تعالیٰ یہ ثابت کر دے گا کہ کل کو یہی حکومت پھر ہماری مدد کی محتاج ہوگی پھر کل کے افسر ہمیں کہیں گے کہ آؤ اور ہماری مدد کرو اور پچھلے افسروں کے رویہ کو نظر انداز کر دو مگر میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج انہوں نے ہماری شکایات کو دور کرنے کی کوشش نہ کی تو کل ان کا ہمیں اپنی مدد کے لیے بلانا بیکار ثابت ہوگا اور ہم قانون شکنی سے بچتے ہوئے اپنی جماعت کی معیشت کے لیے دوسرے ذرائع انشاءاللہ نکالیں گے جن کو اختیار کر کے ہم حکومت کی مہربانیوں سے آزاد ہو جائیں گے مگر ہم چھپ کر کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ کھلے بندوں کریں گے، علی الاعلان کریں گے اور حکومت کے قانون کے اندر رہ کر کریں گے یہاں تک کہ انگریزوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان باتوں میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ہم کو ان ذرائع کے اختیار کرنے سے روکیں تو ملک میں بھی شورش برپا ہو جائے گی اور دنیا میں بھی ان کی بدنامی ہوگی۔ انگریزی فطرت کو ہم جانتے ہیں وہ کھلی بے انصافی کو بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ پس ہم اس سے یہ امید نہیں کر سکتے کہ وہ خود ہی قانون بنائے اور ان کے اندر رہ کر کام کرنے والوں کے خلاف کارروائی کر کے بے انصاف بن جائے۔

میں پھر ایک طرف حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انصاف سے کام لے اور ان فتنہ انگیزوں کو روکنے کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ وہ زیادہ تر نوکریوں کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے کاموں کو اختیار کرے، مگر بعض بیوقوف ایسے ہیں جواب تک مجھے لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں افسر کے پاس ہماری سفارش کر دیں۔ نامعلوم وہ لوگ میرے خطبے پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے ہیں تو سمجھتے کیوں نہیں۔ میں متواتر جماعت کو بتا رہا ہوں کہ حکومت کے بعض افسر ہمارے امن کو برباد کر رہے ہیں۔ وہ ہماری کسی بات پر کان نہیں دھرتے بلکہ ہمیں نقصان پہنچانے اور ہماری طاقت کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر وہ احمق مجھے لکھتے ہیں کہ ہماری سفارش کر دیں۔ میں نے تم کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس پر تم اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہو اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور گرو اور اس سے دعائیں کرو، جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اس پیر سے روزے رکھو مگر معلوم نہیں تمہیں کیا عادت ہوگئی ہے تم خدا تعالیٰ کی بجائے بندوں کے پاس جانا پسند کرتے ہو۔

نوکریوں کی نسبت تجارت میں رزق زیادہ ہے

میں تمہیں نوکریوں سے منع نہیں کرتا بے شک تم اچھی سے اچھی ملازمت کے لیے کوشش کرو لیکن یہ سمجھ لو کہ سب لوگوں کو نوکریاں نہیں مل سکتیں اس لیے علاج یہی ہے کہ تم اپنا رزق خدا سے مانگو۔ وہ معمولی معمولی کاموں میں بھی بعض دفعہ اتنی ترقی دے دیتا ہے کہ لوگ رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ پس تم قربانیوں کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس بات پر آمادہ رہو کہ اگر تمہیں بھوکا رہنا پڑے، پیاسا رہنا پڑے، ننگا رہنا پڑے تب بھی تم ان تکالیف کو برداشت کرو گے۔ جب یہ روح پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ غیب سے خود بخود تمہارے لیے کئی راستے کھول دے گا۔

تام چینی کے برتن جس شخص نے بنائے ہیں وہ پہلے نواب تھا، لاکھوں روپیہ کا مالک تھا مگر جب اس نے یہ کام شروع کیا تو اپنا سارا روپیہ اس نے خرچ کر دیا مگر پھر بھی کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے بیوی کے زیور بیچنے شروع کر دیے، وہ روپیہ ختم ہوا تو دوستوں اور رشتہ داروں سے قرض لے کر کام کرنا شروع کر دیا۔ جب بالکل اس کی آخری نوبت پہنچ گئی تو بیس سال کی محنت، تلاش اور جستجو کے بعد وہ تام چینی کے برتن بنانے میں کامیاب ہوا اور اس کے بعد اسی کام سے وہ کروڑ پتی ہو گیا۔

پس صنعت و حرفت کرو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ اس قدر آمد ہوتی ہے کہ نوکریوں میں اتنی آمد نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نوکریاں نہ کرو۔ جب تک حکومت روک نہیں دیتی اس وقت تک بے شک نوکریاں کرو لیکن روک دے تو گھبراؤ نہیں بلکہ کہہ دو،

مُلکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست

خدا تعالیٰ نے دنیا کو نہایت وسیع بنایا ہے۔ ایک جگہ اگر راستہ بند ہو تو وہ دوسری جگہ رزق کا راستہ کھول دیتا ہے اور ہمارا رزق تو خدا تعالیٰ کے عرش پر موجود ہے اور اُسی نے ہمیں دینا ہے پس اسی سے مانگو اور دعائیں کرو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ محبت، پیار، نرمی اور دلائل سے حکومت پر تمام باتیں واضح کر دوں لیکن اگر باوجود اس کے حکومت ہماری شکایتوں کو دور کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو دنیا گواہ رہے کہ ہم نے امن قائم کرنے اور حکومت سے تعاون کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن حکومت نے ہماری طرف محبت کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ میں کوشش کروں گا کہ ہماری طرف سے

حکومت کے ساتھ تعاون ہو لیکن اگر اس حد تک تعاون نہ ہو سکے جس حد تک کہ ہم پہلے تعاون کرتے تھے تو آئندہ آنے والے افسروں کا یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے سوال کریں کہ تم کیوں اب گزشتہ کی طرح تعاون نہیں کرتے کیونکہ آخر پچھلے لوگ پہلوں کے ہی وارث ہوا کرتے ہیں۔''

(خطبات محمود جلد 17 صفحہ 195 تا 198)

صنعت وحرفت کے کام

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 12/اپریل 1936ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا:

''پہلی بات یہ ہے کہ میں نے کل دوستوں کو بتایا تھا کہ جماعت کے لوگوں میں سے بیکاری کو دور کر کے جماعت کی مالی حالت مضبوط کرنے کے لیے نئے کچھ کام یہاں جاری کیے گئے ہیں۔ان کاموں کے جاری کرنے میں یہ بات مدنظر ہے کہ ہم آہستہ آہستہ اس مقام پر پہنچ جائیں کہ اپنی ساری ضرورتیں خود پوری کر سکیں اور دوسری اقوام کی ضرورتیں پوری کرنے میں بھی حصہ لے سکیں۔اس وقت غیر ہندوستانی طاقتیں ہندوستان میں اتنی قوت پکڑ چکی ہیں کہ تجارتی طور پر ہمارا ملک ان کے مقابلہ میں عاجز آرہا ہے اور یہ بات انسانی طاقت سے بالا معلوم ہوتی ہے کہ کوئی جماعت اس کی اصلاح کی کوشش کرے کہ ہندوستانی تجارت وصنعت دوسری قوموں کی تجارت اور صنعت کے مقابلہ میں ٹھہر سکے لیکن ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے دوسری اقوام پر ایک فضیلت حاصل ہے اور وہ یہ کہ یہ منظّم جماعت ہے۔ایک ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہوئی ہے۔ہماری جماعت میں بہت سے مخلص ہیں لیکن سب کے سب نے یہ اقرار کیا ہوا ہے کہ ہر قسم کے احکام کی فرمانبرداری کریں گے مگر سب سے زیادہ مشکلات بھی ہماری جماعت کے لیے ہی ہیں اور جتنی روکیں ہمارے رستے میں حائل ہیں کسی اور کے رستہ میں اتنی نہیں۔کہتے ہیں

''نزلہ بر عضو ضعیف مے ریزد''

ہم چونکہ کمزور ہیں اس لیے دوسری طاقتیں ہمارے خلاف جتھہ کر کے ہمارے خلاف کھڑی ہیں اور ہمیں تجارت میں، ملازمت میں، صنعت وحرفت میں سخت دقتیں پیش آرہی ہیں۔اہل ہند میں سے مسلمان گرے ہوئے ہیں اور ہم مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔دوسری قوموں نے مسلمانوں سے بائیکاٹ کر رکھا ہے اور دوسروں سے مار کھائے ہوئے مسلمان ہم پر

حملہ کر رہے ہیں۔ایسی صورت میں ہمارے لیے زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے لوہے اور لکڑی اور چمڑے اور شیشے کے کام شروع کیے گئے ہیں اور آئندہ کپڑا بُننے کا کام اور دواسازی کا کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔......

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دل کی ایک حسرت

میں نہیں جانتا کہ دوسرے دوستوں کا کیا حال ہے لیکن میں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں میرے دل میں حسرت ہوتی ہے کہ کاش یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں اور جب میں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں۔میں پچھلے دنوں کراچی گیا تو اپنے دوستوں سے کہا کاش کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے اور میری یہ حسرت پوری کردے اور میں اس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے دوستوں سے میں نے یہ بھی کہا کاش کوئی دس گز کا ہی جزیرہ ہو جس میں احمدی ہی احمدی ہوں اور ہم کہہ سکیں کہ یہ احمدیوں کا ملک ہے کہ بڑے کاموں کی ابتدا چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔

یہ ہیں میرے ارادے اور یہ ہیں میری تمنائیں۔ان کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں۔مگر یہ کام ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ان جذبات کی لہریں ہر ایک احمدی کے دل میں پیدا نہ ہوں اور اس کے لیے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ نہ کی جائے۔دنیا چونکہ صنعت و حرفت میں بہت ترقی کر چکی ہے اس لیے احمدی جو اشیا اب بنائیں گے وہ شروع میں مہنگی پڑیں گی مگر باوجود اس کے جماعت کا فرض ہے کہ انہیں خریدے۔

ایک دفعہ دیال باغ آگرہ والے لاہور اپنی اشیاء کی نمائش کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے مجھے بھی دعوت دی۔گورنر پنجاب کو انہوں نے ٹی پارٹی دینے کا انتظام کیا ہوا تھا اور اس موقع پر چیزیں بھی فروخت کرتے تھے اس وقت ان کی چیزیں نسبتاً مہنگی ہیں مگر ان کے خریدنے سے غرباء کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔چنانچہ لوگ ان کا مال شوق سے خریدتے تھے اور خود میں نے بھی ایک اٹیچی کیس ان سے خریدا تھا۔اگر دوسری قومیں اپنی جماعتوں کو بڑھانے کے لیے یہ قربانی کر سکتی ہیں تو کیوں احمدی ایسا نہیں کر

سکتے جبکہ ان کی ضرورت دوسرے لوگوں سے بھی اہم ہے کیونکہ ہمارے کارخانوں کی اشیاء خرید نے سے نہ صرف غرباء کو امداد ملے گی بلکہ سب سے بڑے غریب اسلام کو بھی مدد ملے گی جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

بے کسے شد دین احمدؐ ، ہیچ خویش دیار نیست
ہر کسے در کار خود با دین احمدؐ کار نیست

پس اس وقت اسلام سب سے زیادہ امداد کا محتاج ہے اور اس طرح مدد کرنے سے نہ صرف افراد کی مدد ہوگی بلکہ اس عظیم الشان صداقت کی بھی مدد ہوگی جو بے کس ہے۔ پس یہ نہایت ثواب کا کام ہے دینوی لحاظ سے بھی اور دینی لحاظ سے بھی اور میں سمجھتا ہوں تھوڑے عرصہ میں ایسے ماہر پیدا ہوسکیں گے جو باہر نکل کر اچھے کام کرسکیں گے۔ ہم کارخانوں میں کام سیکھنے والوں کو ساتھ تعلیم بھی دیں گے اور اس طرح انہیں صرف مستری نہیں بلکہ انجینئر بنائیں گے۔

پس ایک بات تو میں جماعت کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ ان کارخانوں کے حصے خریدے اور یہ مدنظر رکھ کر خریدے کہ کوئی چیز دنیا کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ایسی نہ ہو جو احمدیوں کی بنائی ہوئی نہ ہو۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جب ہماری جماعت ترقی کرے گی تو ساتھ اسلام کی بھی ترقی ہوگی۔......

بیکاروں کو کام پر لگائیں

میں اخبار کی ایجنسیاں قائم کرنے کی تحریک اخبارات کی ترقی کے لیے ہی نہیں کرتا بلکہ بیکاروں کو کام پر لگانے کے لیے بھی کرتا ہوں۔ میں نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ اگر کوئی شخص مہینہ میں ایک روپیہ بھی کما سکتا ہے تو بھی وہ ضرور کام کرے۔ جب تک ہم اس طرف توجہ نہ کریں گے۔ اس وقت تک بحیثیت جماعت نہ روحانیت مضبوط ہوگی اور نہ دنیوی حالت۔ یہ خیال کہ اتنی آمد ہو تب کام کروں گا ورنہ نہیں بہت نقصان رساں ہے۔

میں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اپنے ہاں جا کر بیکار لوگوں کو کام پر لگانے کی کوشش کریں، خواہ کسی کام سے کتنی ہی کم آمدنی ہو۔ کتابوں اور اخبارات کی ایجنسیاں قائم کی جائیں اور اپنی

اپنی جماعت کے متعلق اس قسم کے نقشے بھجوائے جائیں کہ کتنے لوگ بیکار ہیں اور کتنے لوگوں کو کسی نہ کسی کام پر لگایا گیا ہے۔ بیکار خواہ کتنے ہی معمولی کام پر اپنے آپ کو لگا دیں اس سے انہیں آگے چل کر بہت فائدہ ہوگا۔ ان کے اندر کام کرنے کی اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ دوسرا اس کا اندازہ نہیں کر سکے گا اور اس کے شاندار نتائج نکلیں گے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1936ء صفحہ 128 تا 135)

اپنی اولادوں کو کام کا عادی بناؤ

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 15 رمئی 1936ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ اپنی اولادوں کو کام کا عادی بناؤ مگر اس تحریک میں مجھے کئی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا کہ جو اس وجہ سے اولاد سے کام نہیں کراتے کہ گرمی زیادہ ہے بھوکے مریں گے مگر جب کہا جائے کہ جو کارخانے کھولے جا رہے ہیں ان میں اولاد کو داخل کر دو تو کہیں گے کہ وہاں گرمی میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ہم تو گرم ملک کے رہنے والے ہیں مگر سرد ملک کے رہنے والے انگریز گرمی میں کام کرنے سے نہیں گھبراتے۔ انگلستان میں چھ ماہ تو برف پڑی رہتی ہے اور گرمیوں میں بھی اتنی سردی ہوتی ہے کہ آدمی ٹھٹھرنے لگتا ہے۔ جب میں وہاں گیا تھا تو سخت گرمی کا موسم تھا۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے گرم پاجامہ پہنا اور کہنے لگے کہ میں نے ہندوستان میں سخت سردیوں کے موسم میں بھی اسے کبھی نہ پہنا تھا مگر ایسے سرد ملک کے رہنے والے لوگ انجنوں پر کام کرتے ہیں اور ہمارے ملک کے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انگریزوں نے نوکریاں سنبھال لی ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ کیوں نہ سنبھالیں وہ نہیں سنبھالیں گے تو کیا وہ نکمے لوگ سنبھالیں گے جو گرمی گرمی پکارتے ہیں اور اولادوں کو گھروں میں بے کار بٹھائے رکھتے ہیں۔

نکما آدمی نجاست کھانے والی بھیڑوں سے بھی بدتر ہے

میں نے الفضل والوں کو کہا تھا کہ وہ شہروں میں ایجنسیاں قائم کر دیں مگر وہ شکایت کرتے ہیں کہ نوجوان یہ کام نہیں کرتے اور کوئی کرتا ہے تو روپیہ نہیں دیتا۔ جس قوم کے نوجوان چند پیسے بھی لے کر ادا نہ کریں اور بے کار پھریں، کام کے لیے تیار نہ ہوں وہ کب امید کر سکتی ہے کہ زندہ رہے گی؟ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے جس سے مخالف مراد ہیں مگر جماعت کو بھی اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔آپؑ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی لمبی نالی ہے اوراس نالی پر ہزار ہا بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اس طرح پر کہ بھیڑوں کا سر نالی کے کنارہ پر ہے اس غرض سے کہ تا ذبح کرنے کے وقت ان کا خون نالی میں پڑے، ہر ایک بھیڑ پر ایک قصاب بیٹھا ہے اور ان تمام قصابوں کے ہاتھ میں ایک ایک چھری ہے جو ہر ایک بھیڑ کی گردن پر رکھی ہوئی ہے اور آسمان کی طرف ان کی نظر ہے۔گویا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے منتظر ہیں۔میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ جو دراصل فرشتے ہیں بھیڑوں کے ذبح کرنے کے لیے مستعد بیٹھے ہیں محض آسمانی اجازت کی انتظار ہے تب میں ان کے نزدیک گیا اور میں نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی ''قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ(الفرقان:78)''

یعنی میرا خدا تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اگر تم اس کی پرستش نہ کرو اور اس کے حکموں کو نہ سنو۔میرا یہ کہنا ہی تھا کہ فرشتوں نے فی الفور اپنی بھیڑوں پر چھریاں پھیر دیں اور کہا تم چیز کیا ہو؟ گوں کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔مطلب یہ ہے کہ وہ نکمے لوگ مٹا دیے جاتے ہیں۔بھیڑیں تو پھر بھی گوں کھا کر نجاست کو دور کرتی ہیں لیکن نکما آدمی تو اس سے بھی بدتر ہے۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 273 تا 274)

کارخانے لگانے کا مقصد

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 10/اپریل 1936ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''دوسری سکیم یہ ہے کہ یہاں کارخانے جاری کیے جائیں۔جراب سازی کا کارخانہ تو اپنے طور پر قائم ہو چکا ہے اور وہ اس سکیم کے ماتحت نہیں گو میری تحریک سے ہی جاری ہوا ہے۔اس سکیم کے ماتحت جو کارخانے جاری کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔(۱) لوہے کا کام کرنے کا کارخانہ (۲) لکڑی کا کام کرنے کا کارخانہ،اب چمڑے کے کام کا بھی اضافہ کیا جا رہا ہے،(اس دوران میں یہ کارخانہ بھی جاری ہو چکا ہے)(۳) دوا سازی کا کام بھی شروع کیا جائے گا جس کی ایک شاخ دہلی میں کھولی جائے گی (۴) گلاس فیکٹری کا کام ہے۔ایک مخلص دوست نے اپنی جائیداد بیچ کر جاری کیا ہے۔چونکہ وہ اکیلے اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تھے اس لیے اس میں بھی تحریک جدید کا حصہ رکھ دیا گیا ہے۔بیرونی

مما لک میں جو مبلغ گئے ہیں ان کے ذریعہ وہاں کئی قسم کا ہندوستان کا سامان فروخت ہوسکتا ہے اس لیے ایک قسم کی دکان جاری کرنے کی تجویز ہے۔اس کے علاوہ اور کارخانے بھی مدنظر ہیں۔اصل بات بیکاروں کو کام پر لگانا ہے اور یہ بھی کہ جماعت کی مالی حالت بھی اچھی ہو اور تحریک جدید کی مالی تحریک جب بند کردی جائے تو اس کا کام ان کارخانوں کی آمدنی سے چلے۔

ان کارخانوں کے متعلق احباب ان طریقوں سے مدد کر سکتے ہیں۔

(۱) جن احباب کو ان کاموں میں سے کسی کا تجربہ ہو وہ مفید تجاویز بتائیں اور سودمند مشورے دیں۔

(۲) ماہرفن احباب کارخانوں میں آکر کام ہوتا دیکھیں اور مشورے دیں کہ کس طرح کام کرنا چاہیے۔

اس طرح بھی اس بارے میں مدد کی جاسکتی ہے کہ جماعت کے لوگ ان کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں۔ہوزری سے خریدنے کے لیے میں نے کہا تھا۔گو مجھے افسوس ہے کہ اس طرف پوری توجہ نہیں کی گئی مگر مجھے ہوزری سے بھی شکایت ہے کہ اس نے کام اس طرح سے شروع نہیں کیا جس طرح اسے کرنا چاہیے تھا۔اسی طرح لکڑی کا سامان ہے جو دوست یہ سامان اور جگہوں سے خریدتے ہیں وہ یہاں سے خریدا کریں۔

ان کارخانوں میں کام سکھانے کے متعلق ہم یتیم لڑکوں کو مقدم رکھیں گے اور جن لڑکوں کو ہم لیتے ہیں ان کا سارا خرچ برداشت کرتے ہیں ساتھ ہی دینی اور دنیوی تعلیم بھی دلاتے ہیں تا کہ گو وہ کہنے کو تو مستری ہوں لیکن اصل میں انجینئر ہوں اور اعلیٰ پیشہ ور ہوں۔یہ بھی ارادہ ہے کہ سرکاری ورکشاپوں سے معلوم کیا جائے کہ انہیں کن کاموں اور پیشوں کے جاننے والوں کی ضرورت ہوتی ہے پھر ان کے مطابق کام سکھایا جائے۔"

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 362، 363)

بچوں کو بے کار رکھنا موت کے مترادف

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 23/اکتوبر 1936ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا:

"میں نے جماعت سے دین کی خدمت کے لیے روپے مانگے اور وہ اس نے دے دیے لیکن جب میں نے کہا کہ میں تمہارے بچوں کو زندگی دیتا ہوں تو اسے قبول نہ کیا گیا اور جہاں دو متضاد چیزیں

جمع ہو جائیں وہاں ترقی کس طرح ہوسکتی ہے؟ ہماری جماعت کے لوگوں نے پہلے سے زیادہ مالی قربانی کر کے گویا اپنے آپ کو ایک رنگ میں مار دیا اور اپنے بچوں کو بیکار رکھ کر موت لے لی اور اس طرح دو موتیں جمع ہو گئیں۔ حالانکہ میں نے ان کو ایک حیات دی تھی اور وہ یہ کہ اپنے بچوں کو بیکار نہ رکھو، اسے انہوں نے چھوڑ دیا اور جو موت دی تھی وہ لے لی اور پھر کہا جاتا ہے کہ بچوں کے لیے کوئی کام نہیں ملتا۔ قادیان میں ہی ایک محکمہ بے کاری کو دور کرنے کے لیے ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

کام سیکھنے والے کو مزدوری کم کیوں دی جاتی ہے

ہم نے یہاں کئی کارخانے جاری کیے ہیں مگر یہی سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور مزدوری تھوڑی ملتی ہے۔ حالانکہ آوارگی اور بیکاری سے تو تھوڑی مزدوری بھی اچھی ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ کام سیکھنے والے سے کام خراب بھی ہو جاتا ہے اور اس طرح کام سکھانے والوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے کام سیکھنے والوں کو کم مزدوری دی جاتی ہے۔ کل ہی کام سکھانے والے آئے تھے جو کہتے تھے کہ کام سیکھنے والے لڑکوں نے کام خراب کر دیا ہے۔

طریق تو یہ ہے کہ کام سکھانے والے سیکھنے والوں سے لیتے ہیں مگر ہم تو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں مگر پھر بھی کام نہیں سیکھتے، حالانکہ اس وقت تک ہمارے پاس کئی ہندوؤں کی چٹھیاں آ چکی ہیں کہ ہمارے بچوں کو اپنے کارخانوں میں داخل کر کے کام سکھایئے۔ ولایت میں بھی کام سکھانے والے سیکھنے والوں سے لیتے ہیں مگر یہاں کہتے ہیں کہ مزدوری کم ملتی ہے اور اس وجہ سے بچوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں جبکہ میرا بتایا ہوا یہ گُر استعمال نہیں کیا گیا تو آگے کیا امید ہوسکتی ہے کہ جو بات بتائی جائے گی اس پر عمل کیا جائے گا مگر میرا کام یہ ہے کہ راہنمائی کرتا جاؤں جب تک جماعت یہ بات محسوس نہیں کرتی کہ نوجوانوں کا بیکار رہنا خطرناک ظلم ہے اتنا خطرناک کہ اس سے بڑھ کر اولاد پر اور پھر قوم پر ظلم نہیں ہوسکتا۔

میں نے کہا تھا کہ چاہے ایک پیسہ کی مزدوری ملے تو بھی کرو خواہ کوئی گریجوایٹ ہو جب تک اسے کوئی اور کام نہیں ملتا۔ اب اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ اگر ایک پیسہ بھی نہ ملے تو بھی محنت مزدوری کرو کیونکہ بیکار رہنے کی نسبت یہ بھی تمہارے لیے، تمہارے خاندان کے لیے اور تمہاری قوم کے لیے بابرکت ہوگا۔

یاد رکھو! جب تک تم اپنی زندگی کے لمحات مفید بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس وقت تک غالب حیثیت سے رہنے کے بھی قابل نہیں بن سکتے۔غلبہ حاصل کرنے کے لیے کام کرنے بلکہ کام میں لذت محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔اگر کسی کو کوئی کام نہیں ملتا تو وہ گھر سے نکل جائے اور وہ سڑکوں پر جھاڑو ہی دیتا پھرے مگر بیکار نہ رہے۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلداول صفحہ 368،369)

قادیان میں کارخانوں کے متعلق اعتراض کا جواب

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 15/جنوری 1937ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں تحریک جدید کے ایک اور پہلو کے متعلق جس پر مولوی محمد علی صاحب نے گزشتہ ایام میں بعض اعتراضات کیے ہیں کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ پہلو تحریک جدید کے کارخانہ جات کا ہے جو بیکاروں اور یتیموں کو کام پر لگانے کے متعلق جاری کیے گئے ہیں۔ان کارخانوں کے اجرا اور یتیموں اور غریبوں کو کام پر لگانے سے مولوی محمد علی صاحب کی رگ حمیت اتنے جوش میں آئی ہے کہ ان کو یتیموں اور غریبوں کو کام سکھانا بے دینی نظر آنے لگ گئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اب قادیان میں دین کون سا باقی رہ گیا ہے؟ ان کے نزدیک جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم یتیموں اور بیکاروں کو کام سکھائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عام دنیاداروں کی طرح لوہار، ترکھان اور موچی بن جائیں گے اس لیے وہ کہتے ہیں جب لوگ لوہار، ترکھان اور موچی بن جائیں گے تو دین کی اشاعت کون کرے گا؟ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھانے اور لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام بنانے والا کون رہے گا؟ میں سمجھتا ہوں اول تو یہ اعتراض اس لحاظ سے غلط ہے کہ ان کے نزدیک ہم اپنی تبلیغ اور جدوجہد سے لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کر رہے ہیں اور اصل اسلام سے لوگوں کو منحرف کر رہے ہیں۔پس اگر وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے لوگوں کو پھیرنے والے ہوں دینوی کاموں میں مشغول ہو جائیں تو اس میں انہی کا فائدہ ہے اور اس پر انہیں تکلیف محسوس ہونے کی بجائے خوشی منانی چاہیے تھی کیونکہ اگر یہ صحیح ہے کہ ہماری تبلیغی کوششیں دین اسلام پر حملہ ہیں۔ختم نبوت کی تشریح جو ہماری طرف سے پیش کی جاتی ہے اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے اور ہمارا لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا انہیں اصل اسلام سے

منحرف کرنا ہے تو پھر تو انہیں خوش ہونا چاہیے کہ اب اسلام کی ترقی کا ان کے لیے راستہ کھل گیا اور ہمارے دنیا میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے اسلام پر جو حملے ہوا کرتے تھے اور ختم نبوت کو مٹانے کی جو کوششیں پہلے کی جاتی تھیں وہ اب نہیں ہوا کریں گی اور اب بجائے تبلیغ کے ہم تر کھانے اور لوہارے کے کام میں مشغول رہا کریں گے۔

کارخانے یتامیٰ اور بیکاروں کو ہنر سکھانے کا ذریعہ ہیں

پس ہمارے ان کارخانوں کے اجرا اور یتیموں اور بیکاروں کے کام پر لگ جانے سے اول تو انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ اب ان کا راستہ صاف ہو گیا۔ لیکن تعجب ہے کہ اس پر انہیں تکلیف ہوئی۔ پس اول تو ہمارے متعلق جو پرانے زمانے میں یہ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے دین اسلام میں رخنہ ڈال دیا اور ان کی کوششوں نے لوگوں کو اسلام سے منحرف کر دیا اس کے مدنظر اب ہمارے کارخانوں کے اجرا اور بقول ان کے دنیا میں مشغول ہو جانے پر ان کا اعتراض کرنا درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ فکر دور ہو گیا اور اب اسلام پر ایک جماعت جو حملہ کر رہی تھی اس میں کمی آنے کی امید ہو گئی لیکن اگر حقیقت یہ نہیں بلکہ دل میں وہ یہی مانتے تھے کہ احمدی تبلیغ اسلام کرتے ہیں، صرف ظاہر میں وہ لوگوں کو دھوکا دینے اور ہماری طرف سے دنیا کو بدظن کرنے کے لیے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ اسلام کے راستہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں تو پھر بھی ان کا یہ اعتراض ان کے قلتِ تدبر پر اور دین اسلام سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ ان کارخانوں کے جاری کرنے کی وجہ سے قادیان کے لوگ بے دین ہو گئے ہیں، اسلام سے غافل ہو گئے ہیں اور اشاعت اسلام کا کام انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔

اس اعتراض پر میں جب بھی غور کرتا ہوں حیران ہوتا ہوں کہ کسی معقول انسان کی زبان پر یہ فقرہ آ کس طرح سکتا ہے؟ کیا کبھی بھی کوئی ایسی جماعت ہوئی ہے جس کے تمام افراد ہر قسم کے دنیوی کاموں سے الگ ہو کر صرف اشاعت اسلام میں لگے ہوئے ہوں یا کوئی ایسا انتظام ہوا ہے جو دنیا کی اصلاح کے تمام کاموں سے جدا ہو کر صرف تبلیغ میں لگا ہوا ہو۔ ہر واقف کار آدمی جانتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنھم بھی اپنی روٹی کمانے کے لیے کام کیا

کرتے تھے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں محنت سے روزی کمانے کی تلقین کرتے رہا کرتے تھے۔ ان میں تاجر بھی تھے، صنّاع بھی تھے، پیشہ ور بھی تھے، اہل حرفہ بھی تھے ہر قسم کے لوگ تھے جو محنت کرتے تھے، مزدوری کرتے تھے اور اپنے پیٹ پالتے تھے اور اپنی آمد سے دین کی خدمت کرتے تھے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ ان کے اس طرح دنیوی کاموں میں مشغول ہونے کو برا نہ مناتے تھے بلکہ اس طرح رزق حلال کمانے کو پسند فرماتے اور اس کی طرف انہیں رغبت دلاتے رہتے تھے۔ پھر اسلامی نظام لوگوں کو صرف کلمہ ہی نہیں پڑھاتا تھا بلکہ دنیوی کام بھی سکھاتا تھا۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے کفار قیدیوں میں سے بعض کے لیے آزادی کا فدیہ ہی یہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ مکہ کے کفار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تو کہا نہیں ہوگا کہ اسلام کے معارف لوگوں کو پڑھاؤ۔ وہ کم بخت جو خود اسلام نہ جانتے تھے مدینہ کے لوگوں کو اسلام کیا سکھاتے۔ ان سے آخر یہی مطالبہ ہوگا کہ دنیوی علوم اور ظاہری لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

پس نظام اسلامی بھی اس قسم کے کاموں سے بے رغبتی نہیں برت سکا۔ ہم لوگ جن کی بے رغبتی کا ماتم کرنے کے لیے مولوی محمد علی صاحب کھڑے ہوئے ہیں اس سے پہلے ہماری جماعت بھی تو ساری کی ساری دن رات اشاعت دین میں مشغول نہ رہتی تھی۔ کیا ہم میں ایسے لوگ موجود نہیں تھے جو اپنی روٹی کمانے کے لیے کالجوں میں پروفیسر یا سکولوں میں اساتذہ تھے؟ یا کیا ہم میں وہ لوگ موجود نہیں تھے جو اپنی روٹی کمانے کے لیے لوہارے کا کام کرتے تھے؟ یا کیا ہم میں وہ لوگ موجود نہیں تھے جو اپنی روٹی کمانے کے لیے درزی کا کام کرتے تھے؟ یا کیا ہم میں وہ لوگ موجود نہیں تھے جو اپنی روٹی کمانے کے لیے ڈاکٹری کا پیشہ کرتے تھے؟ یا کیا ہم میں وہ لوگ موجود نہیں تھے جو اپنی روٹی کمانے کے لیے انجینئر نگ کا کام کرتے تھے؟ یا کیا ہم میں وہ لوگ موجود نہیں تھے جن میں سے کوئی اپنی روٹی کمانے کے لیے پٹواری کی ملازمت اختیار کیے ہوئے تھا، کوئی تحصیل دار تھا، کوئی ای۔اے۔سی تھا، کوئی زمیندارہ پر گزارہ کرتا تھا، پھر کون سا معقول انسان ہے جو یہ کہہ سکے کہ ہم میں لاکھوں آدمی اپنی روٹی کمانے کے لیے مختلف کام کرتے رہے لیکن ہماری دین سے بے رغبتی ثابت نہ ہوئی لیکن جونہی سلسلہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت کے یتیم اور مسکین بچوں کو بھی مختلف پیشے سکھائے

جائیں تا کہ وہ آوارہ نہ پھریں اور بیروزگار رہ کر تکلیف نہ اٹھائیں ہماری جماعت فوراً دین سے بے رغبت ہوگئی اور ہمارے دین کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔

گویا جب تک ہم میں سے بعض اپنے نفس کے لیے روٹی کماتے رہے اس وقت تک تو مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک ہم دیندار تھے لیکن جب ہم نے یہ کوشش شروع کی کہ ہم اپنے ہنر یتیموں اور مسکینوں کو بھی سکھائیں تو فوراً بقول مولوی محمد علی صاحب ہمارے ایمان کا دیوالیہ نکل گیا اور ہم دنیا میں مشغول ہو گئے اور وہ شکایت کرنے لگ گئے کہ اب قادیان میں دین کہاں رہ گیا؟ اب تو بے دینی آ گئی ہے گویا ان کے نزدیک دین اسلام نام ہے یتیموں کو بھوکا مارنے اور بیکاروں کو ہمیشہ بے کار رکھنے کا اور جب کسی قوم میں یتیموں کو کام پر لگانے کا جذبہ پیدا ہو جائے یا جب بیکاری کو دور کرنے اور غریبوں کو ہنر سکھانے کا اسے خیال آئے اسی دن سے وہ بے دین بن جائے گی۔ ایک زمیندار اگر سارا دن اپنا زمیندارہ کے کام میں لگا رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ کسی غریب لڑکے کو زمیندارہ کا کام سکھا دیتا ہے تو بے دین بن جاتا ہے۔ یہ دین کی ایسی اصطلاح ہے کہ غالباً مولوی محمد علی صاحب ہی اس کے موجد ہیں نہ کسی عقلمند آدمی کو اس سے پہلے یہ اصطلاح سوجھی ہے اور نہ شاید اب کسی عقلمند آدمی کی سمجھ میں یہ اصطلاح آئے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب سے تعلق رکھنے والے لائل پور میں بعض کارخانہ دار ہیں جنہیں اپنی قسم کے کارخانہ والوں کا بادشاہ قرار دیا جاتا ہے مولوی محمد علی صاحب ان سے چندے بھی وصول کرتے ہیں ان کی بڑی بڑی رقموں پر انہیں شاباش بھی دیتے ہیں مگر ان کے کارخانوں میں بے دینی کی کوئی علامت انہیں نظر نہیں آتی۔ غالباً اس لیے کہ لائل پور کے لوگ اپنی ذات کے لیے کماتے ہیں۔

اسلام نام ہے زندگی کے تمام شعبوں کو درست رکھنے کا

پھر یاد رکھو! اسلام نام ہے زندگی کے تمام شعبوں کو درست رکھنے کا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص سڑک پر چلتے ہوئے راستہ سے کنکر، پتھر اور کانٹے وغیرہ ہٹا کر ایک طرف کر دیتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ثواب کا مستحق ہے۔ مگر اس حدیث کو دیکھ کر کوئی نہیں کہتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو صفائیوں میں لگا دیا اور اشاعت اسلام کی طرف سے ان کی توجہ کو پھرا لیا۔......

دین کی محبت اور قربانی کے جذبہ سے کوئی بھی کام کرنا دین ہے

اگر وہ کہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر اور بھی بیسیوں کام ہیں وہ تم کیوں نہیں کرتے یا اس سے پہلے کیوں ایسے کام جاری نہیں کیے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر کام کا وقت ہوتا ہے۔ جب تک ہمارے آدمی تھوڑے تھے اور ان کو کام پر لگانے کے لیے ایسے اخراجات اسراف میں داخل تھے ہم نے یہ کام شروع نہیں کیے اور جب ہماری تعداد زیادہ ہوگئی اور بیکاری بڑھ گئی اور سکھانے کا خرچ اسراف نہ رہا ہم نے یہ کام جاری کر دیے۔ اب اگر ہمارے پاس مزید طاقت ہو تو ہم یقیناً اور پیشے بھی سکھانے کے لیے جماعت میں کارخانے جاری کر دیں گے بلکہ اگر ہمارے اندر طاقت ہو تو میں تو اپنی جماعت کے افراد سے یہی کہوں گا کہ ہو سکے تو ہوائی جہاز بنانے سیکھو، جہاز بنانے سیکھو، کشتیاں بنانی سیکھو اور ان کے ذریعہ اگر غریبوں کی امداد کر سکتے ہو تو کرو اور بے کاروں کو کام پر لگاؤ۔ کام کرنا بے دینی نہیں۔ دین چھوڑ کر کام کرنا بے دینی ہوتا ہے یا اپنی آمد کو عیاشی پر خرچ کرنا بے دینی ہوتا ہے ورنہ کام کرنا جبکہ اس کے ساتھ دین کی محبت اور دین کے لیے قربانی شامل ہو خود دین ہے۔

پس ایسے کارخانے جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں جن کے ذریعہ غرباء کی امداد کی جا سکے۔ ہاں اگر ہم کارخانے اس لیے جاری کریں کہ امراء اپنی دولت میں بڑھ جائیں تو یہ بے شک ناجائز کام ہوگا لیکن ہمارا مقصد تو ان کارخانوں کے اجرا سے دولت مندوں کو دولت میں بڑھانا نہیں بلکہ یہ ہے کہ یتیم اور غریب لڑکے ہنر سیکھ جائیں اور وہ اپنی روزی خود کما سکیں یا مثلاً لجنہ اماء اللہ کو ہم نے روپیہ دیا کہ غریب عورتوں کو اس سے سوت وغیرہ لے دیں تا کہ وہ کام کریں اور اس کام کے بدلہ میں انہیں ضروریات کے لیے مناسب معاوضہ دیا جائے تو اس قسم کے کام نہ صرف یہ کہ ناجائز نہیں بلکہ عین دین ہیں اور قومی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ پھر ان کارخانوں کے اجرا سے جن میں یتیم بچوں کو ترکھانے اور لوہارے کا کام سکھایا جاتا ہے یہ بھی غرض ہے کہ ان بچوں کو ساتھ کے ساتھ دین کی تعلیم بھی ملے۔ چنانچہ صنعتی سکولوں میں دینیات کی تعلیم بھی شامل کی گئی ہے۔

پس یہ تو عین خیر خواہی ہے اور اسلام ہے اور اگر ہم نے اب تک اس کام کو شروع نہیں کیا تھا تو اس لیے نہیں کہ ہمیں یہ کام پسند نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ ہم میں طاقت نہیں تھی اور جن کاموں کو ہم اب نہیں کر

رہے وہ بھی اس لیے نہیں چھوڑے ہوئے کہ ہم انہیں پسند نہیں کرتے بلکہ اس لیے چھوڑے ہوئے ہیں کہ ہم میں ان کے کرنے کی طاقت نہیں اور ان کے سکھانے پر جو خرچ ہوگا وہ فائدے سے زیادہ ہو گا۔ ہاں جب کہ میں نے بتایا ہے اگر ہم ایسے کارخانے جاری کریں جن کی غرض یہ ہو کہ امراء کی دولت بڑھتی رہے تو یہ ناجائز ہوگا لیکن یہ کارخانے تو محض غرباء کی ہمدردی اور ان کی آئندہ زندگی سنوارنے کے لیے جاری کیے گئے ہیں اور یہ بہت بڑے ثواب کا موجب اور عین دین اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ سارا قرآن انہی باتوں سے بھرا پڑا ہے کہ غریبوں کی مدد کرو اور ان کی ہمدردی اور خیر خواہی کرو۔ کیا دنیا میں ہزاروں دفعہ ہم ایسا نہیں کرتے کہ ہمارے سامنے کوئی غریب آتا ہے اور ہم اسے پیسہ نکال کر دے دیتے ہیں۔ اب کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک غریب شخص کو پیسہ دے دینا تو دین داری اور نیکی ہو لیکن اگر ہم اسے کوئی پیشہ سکھا دیں جس سے وہ ہمیشہ روٹی کھا سکے تو یہ ناجائز ہو جائے؟ ہمارے گھر میں اگر سال بھر کا غلہ پڑا ہوا ہے اور غریب بھوکا مر رہا ہے تو یہ جائز لیکن اگر ہم غریب کو کوئی ایسا ہنر سکھا دیں جس سے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی روزی آپ پیدا کر سکے تو یہ بے دینی بن جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ اعتراض محض حسد کا نتیجہ ہے اور اس کی وجہ ان کی یہ جلن ہے کہ خود انہوں نے اس کام کو پہلے کیوں شروع نہیں کیا؟ اب چونکہ وہ ان کاموں کو خود ہم سے پہلے شروع نہیں کر سکے اس لیے حسد میں آ کر ہمارے کاموں کو بے دینی پر محمول کرنے لگ گئے ہیں لیکن پانچ دس سال نہیں گزریں گے کہ وہ خود یہ کام کرنے لگ جائیں گے اور اس وقت اس کا نام ایمانداری اور نہایت اعلیٰ درجہ کی اسلامی خدمت رکھیں گے اور اگر انہوں نے پانچ دس سال بعد کوئی ایسا کارخانہ جاری کر دیا جو ہمارے ہاں نہ ہوا تو پھر وہ ہمیشہ ہماری جماعت کے افراد پر طنز کرتے رہیں گے کہ دیکھا ہم کیسے منظّم ہیں۔ ہم نے وہ کارخانے جاری کر رکھے ہیں جو تمہارے ہاں جاری ہی نہیں۔

غفلت کی وجہ سے بیکاری دور نہ کرنا جرم ہے

پس یہ محض تھوکھٹے والی بات ہے۔ چونکہ انہوں نے آپ اس کام کو ابھی تک شروع نہیں کیا اس لیے یہ بات بری ہوگئی مگر مومن اعتراضات سے نہیں ڈرا کرتا مومن کا کام یہ ہے کہ وہ بے کار نہ رہے اور جماعت کا کام یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بیکاری اپنے اندر سے دور کرنے کی کوشش کرے۔ ہم

اپنے اندر سے جتنی بیکاری اس وقت معذوری کی وجہ سے دور نہیں کر سکتے اس کے متعلق ہم خدا تعالیٰ کے حضور بری ہیں لیکن اگر ہم بیکاری کو دور کر سکتے ہوں اور پھر اپنی غفلت کی وجہ سے بیکاری دور نہ کر سکیں تو یقیناً ہم خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ہوں گے۔ کیونکہ مومن کا بیکار رہنا خدا تعالیٰ کبھی پسند نہیں کرتا لیکن چونکہ تمام لوگ صرف ایک ہی کام یعنی دین کی خدمت نہیں کر سکتے اس لیے ضروری ہے کہ ایک حصہ دنیا کے کاموں پر لگا ہوا ہو۔ قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ تم سارے کے سارے دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکو اس لیے ہر جماعت میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہییں جو کلی طور پر دین کی خدمت کے لیے وقف ہوں اور جو باقی رہ جائیں وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ لوگوں کو تبلیغ کرتے جائیں۔ اگر کوئی ترکھان ہو تو ترکھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ بھی کرتا جائے، اگر لوہار ہو تو لوہارے کے کام کے ساتھ تبلیغ بھی کرتا جائے، اگر درزی ہو تو درزی کے کام کے ساتھ ہی تبلیغ بھی کرتا رہے اور اگر موچی ہو تو موچی کے کام کے ساتھ ہی تبلیغ بھی کرتا رہے۔

پس ساری جماعت کبھی بھی تبلیغ کے کام میں نہیں لگ سکتی اور اسلامی تعلیم یہی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہونے چاہییں جو کلی طور پر دین کے لیے وقف ہوں اور جو باقی ہوں وہ روپیہ کمائیں اور زائد وقت تبلیغ اسلام پر صرف کریں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں اس کام میں جو ہم نے شروع کیا ہے کامیاب کر دے تو غریبوں اور یتیموں کی کتنی بڑی مدد ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے نتیجہ میں سو پچاس یتیم اور غریب بھی فاقہ زدگی سے بچ جائیں اور اپنی بچی ہوئی کمائی چندوں کے لیے دے دیں تو کتنی بڑی دین کی خدمت ہو گی۔ اگر ایک یتیم کو روٹی دے دینا بڑی خوبی کی بات ہے، اگر یتیم کو پیسہ دے دینا بڑی خوبی کی بات ہے تو ایک یتیم اور بے کس کو ہنر سکھا دینا جس سے وہ ساری عمر روٹی کما سکے کیوں نیکی کی بات نہیں؟ اور اگر کام سیکھ کر وہ اس قابل بن جائے کہ نہ صرف خود اپنا پیٹ پالے بلکہ چندہ بھی دے تو یہ اور بھی زیادہ اچھی بات ہے اور میں نے تو سکیم ہی ایسی رکھی ہے کہ دین سیکھنے کا کام بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ ان سکولوں میں قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے اور دین کی بعض اور کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں تا کہ جب یہاں سے ترکھان نکلیں تو صرف ترکھان نہ ہوں بلکہ مولوی ترکھان ہوں اور یہاں سے لوہار نکلیں تو صرف لوہار نہ ہوں بلکہ مولوی لوہار ہوں اور موچی نکلیں تو صرف موچی نہ ہوں بلکہ مولوی موچی ہوں۔ پس یہ تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بات ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ ساری عمر کے لیے روٹی کما سکتے ہیں بلکہ وہ

دینی معلومات بھی رکھتے ہوں گے اور مخالفین کو تبلیغ بھی کر سکیں گے۔ ایسے مفت کے مولوی مل جانا اور ایسے مفت کے مولوی تیار کرنا دین کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ بھلا کون سی ایسی جماعت ہے جو ہماری جماعت کی طرح غریب ہو اور پھر وہ ہزاروں مبلغ رکھ سکے؟ زیادہ سے زیادہ پچاس سو کو ملازم رکھا جا سکتا ہے مگر تبلیغ کے لیے تو ہزاروں مبلغ چاہییں اور وہ ہزاروں اس طرح میسر آ سکتے ہیں کہ پیشے سکھانے کے ساتھ ساتھ انہیں دین کی بھی واقفیت کرائی جائے تا جب وہ مسجد میں جائیں تو واعظ بن جائیں؟ جلسوں میں جائیں تو مبلغ بن جائیں اور دکان میں جائیں تو لوہار اور ترکھان بن جائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آج دین کو ضرورت ہے۔ اگر یہ بے دینی ہے تو خدا کرے یہ بے دینی اور بھی ہمیں میسر آئے اور مولوی محمد علی صاحب دعا کریں کہ یہ بے دینی ان کی قوم کو کبھی میسر نہ آئے۔

اپنے اندر سے بیکاری دور کریں

پس میں دوستوں کو مولوی محمد علی صاحب کے اس اعتراض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پھر کہتا ہوں کہ اپنے اندر سے بیکاری دور کرو ہم نے یہاں جو کام شروع کیا ہے وہ محدود پیمانہ پر شروع کیا ہے لیکن اگر مختلف پیشہ ور قربانی کریں اور وہ اپنے اپنے گاؤں کے غریبوں، یتیموں اور ناداروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے انہیں پیشہ سکھا دیں یا کسی نادار بیوہ یا بے کار بوڑھے کے بچے کو لے لیں اور اسے ہنر سکھائیں اور ثواب کی نیت سے کام کے ساتھ ساتھ انہیں دین کی باتیں بھی سکھلاتے رہیں تو اس ذریعہ سے بھی وہ سلسلہ سے بے کاری دور کر کے بہت بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے بچے اس وقت بیکار ہیں اور وہ کوشش کر کے اگر انہیں کسی نہ کسی کام پر لگا دیں تو یقیناً سلسلہ اور اسلام کی وہ بہت بڑی مدد کرنے والے ہوں گے۔ ان کے اس فعل کو جو شخص بے دینی قرار دے وہ آپ اپنے دین کا پردہ چاک کرتا ہے لیکن وہ یقیناً دیندار اور دین کی خدمت کرنے والے ہوں گے۔ پس اگر تمہارے اپنے بچے بیکار نہیں لیکن تمہیں کوئی ہنر اور پیشہ آتا ہے تو تمہارا اس ہنر اور پیشہ کو اپنے اردگرد کے یتیموں اور بیکاروں کو سکھانا بھی دین کی خدمت ہے اور اگر اس کے ساتھ تم انہیں دینی تعلیم بھی دیتے ہو تو یہ زیادہ ثواب کا موجب ہے کیونکہ اس طرح وہ مبلغ بھی بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔“

(تحریک جدید - ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 389 تا 399)

غریب کو زیادہ محنت کی ضرورت ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 22/جنوری 1937ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں نے بارہا کہا ہے کہ بیکار مت رہو اور کام کرو، اس میں امیر و غریب سب مساوی ہیں بلکہ غریب کو جس کا پیٹ خالی ہے اور محنت کرنے کی زیادہ ضرورت ہے مگر میں نے دیکھا ہے ایسے لوگ بھی چھ چھ گھنٹے حقہ پینے میں ہی گزار دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جو لوگ اپنے چھ گھنٹے ضائع کر دیتے ہیں اگر ان کے چھ گھنٹے ان کے مخالف نے ضائع کر دیے تو انہیں شکوہ کا کیا حق ہے؟ وہ یہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم نے مزدوری کی مگر چھ آنے ہی ملے۔ حالانکہ ہمارا گزارہ بارہ آنے میں ہوتا ہے مگر یہ نہیں سوچتے کہ اگر اپنی آدھی عمر وہ رائیگاں گنوا دیتے ہیں تو چوتھائی اگر دوسرے نے گنوا دی تو اس پر کیا الزام! جتنا وقت وہ حقہ پینے اور فضول بکواس میں گزارتے ہیں اتنا اگر کام کرنے اور محنت کرنے میں گزارتے تو تنگدستی نہ ہوتی سیر کو جاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے کہ جہاں کوئی اچھا کھیت ہوتا ہے وہ سکھوں کا ہوتا ہے اور جس کھیت میں فصل ناقص ہو وہ مسلمان کی ہوتی ہے اور اب لمبے تجربے کے بعد میں تو اچھی فصل کو دیکھ کر کہہ دیا کرتا ہوں کہ یہ کسی سکھ کی ہوگی اور خراب فصل دیکھ کر کہہ دیا کرتا ہوں کہ کسی مسلمان کی ہوگی اور بالعموم یہ قیاس درست نکلتا ہے۔ سکھوں کو ایک نمایاں برتری تو یہ حاصل ہے کہ وہ حقہ نہیں پیتے اس لیے ان کا وقت بچ جاتا ہے مگر مسلمان زمیندار تھوڑی دیر کام کرتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ آؤ حقہ پی لیں۔

حقہ کی عادت زمینداروں میں اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک زمیندار یہاں مہمان آیا جب واپس گیا تو دوستوں نے پوچھا سناؤ کیا دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ قادیان سے خدا بچائے، کوئی بھلا مانس وہاں رہ سکتا ہے؟ وہ بھی کوئی آدمیوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ ہمارے دوست ڈر گئے کہ شاید قادیان میں کسی نے اس سے بدسلوکی کی ہے یا مہمان خانہ میں کسی سے لڑائی ہوگئی ہے۔ اس لیے پوچھا کہ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟ وہ سنانے لگا کہ میں یکہ میں دس بجے کے قریب وہاں پہنچا (اس زمانہ میں یہاں ریل گاڑی نہیں تھی) سفر کی تھکان تھی۔ میں نے خیال کیا کہ آرام سے بیٹھ کر حقہ پئیں۔ مگر آگ لینے گیا تو کسی نے کہا کہ حدیث کا درس

ہونے لگا ہے میں نے کہا کہ نیا نیا آیا ہوں چلو چل کر درس سن لوں اور پھر حقہ پیوں گا۔ بارہ بجے وہاں سے واپس آیا تو روٹی کھا کر آگ لینے گیا معلوم ہوا کہ حضرت صاحب نماز کے لیے باہر آنے والے ہیں اور زیارت کا موقع ہے اس لیے چھوڑ کر مسجد کو چلا گیا۔ وہاں سے واپس آیا آگ وغیرہ سلگائی، حقہ تیار کیا مگر ابھی دو چار ہی کش لگائے تھے کہ عصر کی نماز کو لوگ لے گئے۔ میں نے سوچا واپس آ کر آرام سے پیوں گا مگر آتے ہی معلوم ہوا کہ مولوی صاحب بڑی مسجد میں قرآن کریم کا درس دیں گے اس لیے ادھر جانا پڑا۔ واپس آیا تو مغرب کا وقت تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت صاحب بیٹھ گئے اور میں بھی بیٹھا رہا، وہاں سے آیا تو خیال کیا کہ اب آرام سے حقہ پیوں گا مگر آگ ہی سلگا رہا تھا تو لوگوں نے کہا عشاء کی اذان ہوگئی ہے چلو نماز پڑھو۔ غرض سارا دن آرام سے حقہ پینے کا موقع نہیں ملا اس لیے میں تو سویرے اٹھتے ہی وہاں سے بھاگا اور مجھے یقین ہوگیا کہ یہ جگہ آدمیوں کے رہنے کی نہیں۔

اس مثال سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں میں وقت کو ضائع کرنے کا مرض کس حد تک پہنچ گیا ہے اور اس میں غریب اور امیر میں فرق نہیں۔ خواہ ضائع کرنے کے طریقوں میں فرق ہو مگر ضائع سب کرتے ہیں۔ سب ہی محنت سے جی چراتے ہیں اور اس امر میں ہم دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتے دونوں وقت کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے۔

کل ہی ایک نوجوان کو میں نے دیکھا جو مبلغین کلاس میں پڑھتا ہے۔ وہ پرسوں رات باہر سے جہاں اسے کسی کام پر بھیجا گیا تھا واپس آیا اور کل شام کو اس نے رپورٹ کی میں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ اطلاع کل ہی واپسی پر کیوں نہ دی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نو بجے کی گاڑی سے آیا تھا اور خیال کیا کہ اب نو بج چکے ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ جس طرح نو بج جانا اس کے لیے بڑی بات ہے سب کے لیے اسی طرح ہے۔ اس نے چونکہ پہلے میاں بشیر احمد صاحب کو رپورٹ دینی تھی میں نے پوچھا کہ پھر صبح میاں صاحب کو کیوں نہ ملے تو جواب دیا کہ میں آیا تھا مگر منتظمین نے ان سے ملایا نہیں اس لیے واپس چلا گیا اور اس طرح چار مرتبہ آیا مگر ملنے کا موقع نہ ملا۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے چار مرتبہ اپنے آپ کو ملزم بنایا اگر تم پکے مومن ہوتے تو اس وقت تک دہلیز نہ چھوڑتے جب تک مل کر کام نہ کر لیتے۔

جیتنے والے محنت سے نہیں گھبرایا کرتے

آپ لوگوں کو اچھی طرح اس امر کا احساس ہونا چاہیے کہ جو اہم کام ہوتے ہیں ان میں چاہے جان بھی چلی جائے ہلنا نہیں چاہیے۔ اس میں امیر اور غریب کا کوئی سوال نہیں، دونوں کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے مگر میں نے دیکھا ہے نہ امیر اس کے پابند ہیں نہ غریب۔ حالانکہ میں نے بار بار توجہ دلائی ہے اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کامیابیاں انہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو کام کے عادی ہوں۔ جیتنے والے محنتوں سے نہیں گھبرایا کرتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (النازعات: 3،4) یعنی ہمیشہ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو گرہ کشائی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ چھوڑتے نہیں جب تک گرہ کو کھول نہیں لیتے اور کام کو پورا نہیں کر لیتے اور پھر وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی لوگ اس پر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے آٹھ گھنٹے کام کیا ہے، حالانکہ وہ تو تندرست ہوتے ہیں اور میرے جیسے بیمار کو بھی سال میں بہت دفعہ 22,22 گھنٹے روزانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ اپنے معترضین سے کہا ہے کہ میرے ساتھ دس دن اگر کام کرو تو تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کتنا کام کرنا پڑتا ہے۔ کام کا ہر ایک کو پتہ لگ جاتا ہے کیونکہ اس میں عادت کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ ایک امیر شخص یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحى: 12) میں مجھے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ زیادہ کپڑے پہن لوں مگر خدا نے یہ کہاں کہا ہے کہ وقت ضائع کرو؟ وقت ضائع کرنے کے لیے کوئی عذر نہیں پیش کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ کوئی شخص کہے مجھے اس کی عادت پڑ گئی ہے مگر اس طرح تو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ خدا اور رسول کے انکار کی مجھے عادت ہو گئی ہے۔

میں جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ تحریک جدید تمہیں اس وقت تک کامیاب نہیں کر سکتی جب تک رات دن ایک کر کے کام نہ کرو۔ اپنی راتوں اور دنوں پر قبضہ نہ کر لو اور ایسی عادت ڈال لو کہ جس کام کو اختیار کرو ایسی طرح کرو کہ جس طرح ہمارے ملک میں کہتے ہیں تخت یا تختہ۔ جب تک یہ روح نہ پیدا ہو، جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو فنا کرنے کے لیے تیار نہ ہو اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ تم لاکھ ایڑیاں رگڑو مگر اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اس طریق پر کام نہ کرو

جو اللہ تعالیٰ نے کامیاب ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔اس وقت بورڈنگ تحریک جدید کے لڑکے میرے سامنے بیٹھے ہیں میں ان کو بھی اور ان کے استادوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ اس بورڈنگ کے قیام سے میری غرض یہی ہے کہ نوجوانوں میں محنت کی عادت پیدا ہو۔تم بارہ گھنٹے بھی سو سکتے ہو مگر پانچ چھ گھنٹے سو کر بھی گزارہ کر سکتے ہو۔

سالہا سال تک جب میری صحت اچھی تھی باوجودیکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ مجھے سختی سے منع کیا کرتے تھے، میں پانچ، ساڑھے پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں سویا کرتا تھا۔کئی دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ طبی نقطۂ نگاہ سے میرا مشورہ ہے کہ سات گھنٹے سے کم نیند کی صورت میں آپ کی صحت ٹھیک نہیں رہ سکتی مگر میں پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں سویا کرتا تھا۔ اب تو صحت اس قدر برداشت نہیں کر سکتی۔مگر اب بھی سوائے بیماری کے سات گھنٹے میں کبھی نہیں سویا۔بیماری میں تو بعض وقت آدمی دس گھنٹے بھی لیٹا رہتا ہے مگر ایسی حالت تو سال میں دو چار دفعہ ہی ہوتی ہے۔عام حالات میں میں اب بھی چھ پونے چھ گھنٹے سوتا ہوں گو سخت کام کے وقت ابھی بھی بعض دفعہ تین چار گھنٹوں پر اکتفا کرنی پڑتی ہے۔تو دنیا میں کامیابی محنت اور کام کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔محنت کے بغیر نیکی کی مشق بھی نہیں ہو سکتی۔

بورڈنگ تحریک جدید کے قیام کی غرض

بورڈنگ تحریک جدید کے قیام سے میری غرض یہی ہے کہ چند نوجوان ایسے پیدا ہوں جو محنت کے عادی ہوں اور پھر وہ بیج کا کام دیں اور ان کے ذریعہ ساری قوم میں یہ عادت پیدا کی جا سکے اس لیے میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ محنت کی عادت ڈالو، بیکاری کی عادت کو ترک کرو۔فضول مجلسیں بنا کر گپیں ہانکنا اور بکواس کرنا چھوڑ دو۔حقہ اور دیگر ایسی لغو عادتوں میں وقت ضائع نہ کرو اور کوشش کرو کہ زیادہ سے زیادہ کام کر سکو۔یاد رکھو کہ ہمارے لیے بہت نازک وقت آرہا ہے۔اس وقت ہندوستان میں نیا آئین نافذ ہو رہا ہے جس کے نتیجہ میں انگریزی اثر ملک سے کم ہو جائے گا اور تم جانتے ہو کہ دیہات میں اب بھی تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ جن لوگوں پر احمدیوں کے احسان ہوتے ہیں اور جو احمدیوں پر احسان کرتے ہیں اور باہم بہت اچھا سلوک ایک دوسرے سے کرتے ہیں وہاں ایک مولوی

آ کر تقریر کر دیتا ہے اور وہی لوگ بھڑک اٹھتے ہیں۔

پس ان حالات کے آنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لو۔ محنت اور قربانی کی عادت ڈالو ورنہ تمہاری حالت اس بھیڑ کی سی ہوگی جو ہر وقت بھیڑیئے کے رحم پر ہے۔ جب تک تم ہمت، کوشش اور استقلال سے اپنے آپ کو شیروں میں تبدیل نہیں کر لیتے اس وقت تک تم بھیڑیں ہو جن کی جانیں ہر وقت غیر محفوظ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں اختیار دے دیا ہے کہ اگر چاہو تو شیر بن جاؤ جو جنگل میں اکیلا بھی محفوظ ہوتا ہے، لیکن بھیڑیں دس بیس بھی غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ پس اس کے لیے کوشش کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لغو عادتوں کو دور کرنے کی توفیق دے اور توفیق دے کہ تم محنتی اور بہت کام کرنے والے بن جاؤ۔ اپنے اوقات کو خدا تعالیٰ کے دین کے لیے خرچ کرنے والے ہو جاؤ تا تھوڑے ہو کر بہتوں پر غلبہ حاصل کرنے والے بن سکو۔‘‘

(تحریک جدید۔ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 403 تا 407)

صنعت وحرفت کے ذریعہ یتامیٰ اور غرباء کی پرورش

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28 / مارچ 1937ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا:

’’دارالصناعت والوں نے جہاں صنعت وحرفت کا کام ہوتا ہے ایک نمائش کا انتظام کیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے متعلق کچھ سفارش کروں۔ میری تقریر کے بعد غالباً اتنا وقت تو نہیں رہے گا کہ سب دوست نمائش دیکھ سکیں لیکن پھر بھی جو دوست یہاں رہیں انہیں ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ وہاں جائیں اور جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہو وہ خریدیں۔

یہ صنعت وحرفت کا کام دراصل یتامیٰ وغرباء کی پرورش کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ ترکھانے کا کام تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت حد تک کامیاب ہوا ہے۔ لوہارا کا کام بھی ہو رہا ہے اور چمڑے کا کام بھی جاری ہے۔ دوستوں کو چاہیے کہ انہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ یہاں سے خرید لے جائیں اور کوشش کریں کہ ان چیزوں کی باہر ایجنسیاں کھل جائیں۔ اس کا زیادہ تر فائدہ قوم کے یتامیٰ کو ہی پہنچے گا اور جو زائد آمد ہوگی وہ تبلیغ اسلام کے کام آئے گی۔

اسی طرح تحریک جدید کے ماتحت دہلی میں ایک دوا خانہ کھلایا ہے۔ ویدک یونانی دوا خانہ اس کا نام

ہے۔دہلی سے لوگ عام طور پر دوائیں منگواتے رہتے ہیں۔اگر اب دوست اس کارخانہ سے جو تحریک جدید کے ماتحت جاری کیا گیا ہے دوائیں منگوائیں گے تو چونکہ سلسلہ کی طرف سے بھی اس میں ایک حصہ رکھا گیا ہے اس لیے اس کا بہت سا نفع قومی ضروریات پر ہی خرچ ہوگا۔مجھے تحفہ کے طور پر اس دواخانہ والوں کی طرف سے **ماء اللحم** دیا گیا ہے۔میں نے اسے چکھا تو وہ مجھے صحیح معلوم ہوا کیونکہ **ماء اللحم** کا ذائقہ اور خوشبو اس میں موجود تھے۔اسی طرح اور بھی بہت سی ادویہ ہیں اور چونکہ سلسلہ کے اموال کا ایک حصہ اس پر خرچ ہوا ہے اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ اس دواخانہ کے کارکن دیانتداری سے کام کریں گے اور کسی کو نقصان نہ ہونے دیں گے۔اس کے علاوہ بعض اور کارخانے بھی ہمارے مدنظر ہیں۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 508)

حضرت ابراہیم علیہ السلام تاجر تھے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 3رستمبر 1937ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے فلسطین ہجرت کر کے آنا کوئی معمولی بات نہ تھی وہ عراق سے چلے گئے اور راستہ کے تمام بیابان طے کرتے ہوئے کنعان میں پہنچے۔جہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی۔یہ انعام ان کو بے شک ملا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہت نہیں ملی۔آپ تجارت کرتے تھے اور کچھ جانور رکھے ہوئے تھے جن پر آپ کا گزارہ تھا۔کنعان آ کر کچھ زمینیں آپ کو تحفہ کے طور پر آپ کے مریدوں کی طرف سے مل گئیں،جہاں آپ گلے چراتے اور تجارت کرتے۔''

(خطبات محمود جلد نمبر 18 صفحہ 404)

ہنرمند افراد تبلیغ کا ذریعہ بھی ہیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 3ردسمبر 1937ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہمیں پیشہ ور مشنری تیار کرنے ضروری نہیں اور یہ چمڑے کے کام،بوٹ سازی وغیرہ اور لوہار ترکھان کے کام سکھانے کے لیے جو کارخانہ جاری کیا گیا ہے اس کی غرض یہی ہے کہ ہم اچھے بوٹ ساز،اچھے لوہار اور اچھے ترکھان پیدا کریں،جو دین کے بھی عالم ہوں تا وہ جہاں جائیں،خواہ بسلسلہ

ملازمت یا اپنے طور پر کام کرنے کے لیے وہ اچھے عالم اور مبلغ بھی ہوں ۔اس میں شک نہیں کہ ایسے کاموں پر مبلغوں سے زیادہ خرچ آتا ہے کیونکہ ان کو سکھانے کے لیے لکڑی، لوہا اور چمڑا ضائع کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر وہ ضائع نہ کیا جائے تو وہ سیکھ نہیں سکتے اس لیے یہ کام بہت اخراجات چاہتے ہیں اور اس کے لیے بہت توجہ کی ضرورت ہے مگر کچھ تو روپیہ کی کمی کی وجہ سے اور کچھ دوسرے کاموں کی طرف توجہ کی وجہ سے ہم اس کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکے ۔میرا ارادہ ہے کہ اس کام کو بھی مستقل بنیاد پر قائم کیا جائے اور اگر یہ سکیم کامیاب ہو جائے تو سینکڑوں نوجوان کام پر لگ سکتے ہیں، جو ساتھ ہی مبلغ بھی ہوں گے۔ میں نے سوچا ہے کہ ان سب باتوں کے لیے کم سے کم سات سال کی مہلت ہمیں ملنی چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ ایسا فنڈ قائم ہو جائے کہ سب کام آسانی سے چل سکیں اور مزید چندوں کی بھی ضرورت نہ رہے اور ہم بغیر چندوں کے ہی اس قابل ہو سکیں کہ ایک طرف تو بیرونی ممالک میں ایسے مبلغ بھیج سکیں جو واقف دین ہوں اور دوسری طرف سینکڑوں ایسے لوہار، ترکھان اور چمڑے کا کام کرنے والے نوجوان پیدا کر دیں جو دین کے عالم بھی ہوں اور جو ہندوستان کی سب منڈیوں میں پھیل جائیں اور اپنا کام کرنے کے علاوہ وہاں قرآن کریم اور احادیث کا درس بھی دے سکیں اور تبلیغ بھی کریں۔

اسلام کی تبلیغ دراصل اسی طرح ہوئی ہے۔ان بزرگوں کے اگر ناموں کو دیکھا جائے جنہوں نے اسلام پھیلایا ہے تو ان کے ناموں کے ساتھ ایسے القاب ہیں کہ فلاں رسیاں بٹنے والا تھا، فلاں بوٹ بنانے والا تھا، فلاں گھی بیچنے والا تھا۔ دراصل صوفیاء نے تبلیغ اسلام کا یہ ذریعہ نکالا تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو ایسے پیشے سکھاتے کہ اپنا پیٹ پالنے کے قابل ہو سکیں اور پھر انہیں باہر بھیج دیتے تھے کہ جا کر اپنا کام بھی کریں اور ساتھ تبلیغِ اسلام بھی۔

یہی ایک ذریعہ ہے جس میں اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو لاکھوں مبلغ مفت ملک کے کونہ کونہ میں بھیج سکتے ہیں ۔مردم شماری کے اعداد وشمار کی رو سے جو اس سال شائع ہوئے ہیں ہمارے ملک کی آبادی ساڑھے سینتیس کروڑ ہے۔اس میں سے اگر نصف بھی مرد ہوں تو گویا پونے انیس کروڑ مرد ہیں۔ان میں سے اگر آدھے جوان ہوں تو قریباً نو کروڑ جوان مرد ہیں اور اندازہ کیا گیا ہے کہ ہر سو میں سے کم سے کم بیس پیشہ ور ہیں اور باقی جو دس فیصدی ہیں وہ زراعت یا تجارت یا ملازمت کرتے ہیں گویا ہمارے ملک میں کم سے کم ایک کروڑ اسی لاکھ انسان پیشہ ور ہیں، یعنی دھوبی، نائی، درزی، موچی، لوہار ترکھان وغیرہ اور

اگر ہم پوری کوشش کریں اور ان ایک کروڑ اسی لاکھ میں سے سَوا اں حصہ بھی لے لیں تو بھی گویا ہمارے لیے اس میدان میں ایک لاکھ اسی ہزار اپنے آدمی داخل کر دینے کی گنجائش ہے اور اگر اتنے آدمی سارے ملک میں پھیل جائیں تو بیس پچیس سال میں سارا ملک احمدی ہو سکتا ہے اور یہ سکیم ایسی ہے کہ جتنا اسے پھیلایا جائے اتنی ہی کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا سوال بھی میرے سامنے ہے اور یہ بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور اس طرح وہ طبقہ جو عام طور پر نظر انداز ہوتا ہے وہ نمایاں طور پر آگے آ سکتا ہے اور ایسے لوگ دین کے خادم بننے کے علاوہ اپنی روزی بھی کما سکتے ہیں مگر یہ کام ایسے ہیں جن پر مبلغین کی تیاری سے زیادہ خرچ آتا ہے، کیونکہ اول تو پیشہ ور استاد بہت مشکل سے ملتے ہیں اور پھر یہ کام سکھانے کے لیے بہت سامان ضائع کرنا پڑتا ہے اس لیے جب تک اس سکیم کو ایسا مکمل نہ کر لیا جائے کہ یہ اپنا بوجھ خود اٹھالے اس وقت تک کامیابی مشکل ہے۔

شروع میں اس سکول میں نو طالب علم لیے گئے تھے اور میرا خیال تھا کہ ہر سہ ماہی پر ہم مزید نو لڑکے لیتے جائیں گے اور اگر اس میں کامیابی ہوتی تو اس وقت 80 طالب علم ہوتے مگر اس وقت ہیں صرف بیس اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے جو مشورہ دیا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا اور جتنے عرصہ میں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکے اپنی روزی کمانے کے قابل ہو سکیں گے وہ غلط تھا کیونکہ وہ لڑکے ابھی تک بھی اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں ہو سکے۔ دراصل اس قابل ہونے کے لیے تین چار سال درکار ہیں اور یہ طالب علم جوں جوں کام سیکھتے جائیں گے اپنی روزی کمانے کے قابل ہوتے جائیں گے اور اس طرح بیواؤں اور یتیموں کا سوال خود بخود حل ہوتا جائے گا اور مبلغ بھی تیار ہوتے جائیں گے۔ ان سب باتوں پر غور کر کے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سکیم کو کم سے کم سات سال تک ممتد کیا جائے اور اس عرصہ میں ہم کوشش کریں گے کہ یہ کام اپنا بوجھ آپ اٹھا سکیں اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہمارا اتنا بڑا کارنامہ ہوگا کہ جس کی کوئی مثال موجودہ زمانہ میں نہیں مل سکے گی۔ اس میں شک نہیں کہ دیال باغ وغیرہ میں ایسی سکیمیں کامیاب ہو چکی ہیں مگر وہ کوششیں صرف ایک گاؤں کے متعلق ہیں اور ان پر لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے مگر ہم نے ساری دنیا میں مبلغ بھیجنے ہیں ایک گاؤں کی اصلاح کرنا اور بات ہے اور ساری دنیا میں مبلغین کا پھیلانا اور۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کہے کہ دیکھو فلاں عورت تو اپنے گھر میں بڑے اطمینان کے ساتھ روٹیاں پکا لیتی ہے اور تم جلسہ سالانہ پر

روٹیوں کے انتظامات کے لیے اس قدر گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہو۔ آگرہ کے پاس ایک گاؤں ایک خاص سکیم کے تحت نیا بنا لینا اور ساری دنیا میں تبلیغ کے لیے آدمی تیار کرنا اور پھر ان کی علمی اور اخلاقی نگرانی کرنا ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔

اس وقت امریکہ میں کئی ایسے سکول ہیں جو دیال باغ کی طرح کام کر رہے ہیں مگر ہم نے تو دنیا میں مبلغین پھیلانے ہیں اور پھر ایک بہت بڑی دقت یہ ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جو تجارتی اور صنعتی کاموں سے واقف نہیں ہیں۔ میں خود جو اس کام کو چلا رہا ہوں، زراعت پیشہ ہوں اور نامعلوم سینکڑوں ہزاروں سال سے ہمارا خاندان تجارتی کاموں سے بے تعلق چلا آ رہا ہے۔ اس لیے اگر خدا تعالیٰ ہمیں اس میں کامیاب کر دے تو یہ ایک ایسا کام ہوگا جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکے گی مگر یہ ساری کامیابی توجہ، دیانتداری اور تعاون چاہتی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ جماعت میں تعاون کی روح پیدا نہیں ہوئی۔

عورتوں کے لیے کام کی سکیم

عورتوں کے متعلق میں نے ایک سکیم بنائی تھی اور اس کے لیے خود روپیہ دیا تھا اور لجنہ کے ذریعہ کوشش کی تھی کہ غریب عورتیں کام کریں اور میں جانتا ہوں کہ یہاں بہت سی عورتیں ایسی ہیں کہ جن کو وہ کام کرنا چاہیے تھا مگر میں نے دیکھا ہے کہ وہ گزارہ کے لیے مانگتی تو تھیں مگر کام یہ کہہ کر کرنے سے انکار کر دیتی تھیں کہ مزدوری تھوڑی ہے۔ حالانکہ یہاں جو مزدوری ہم دیتے تھے وہ اس سے ڈیوڑھی تھی جو امرتسر میں اسی کام کے لیے ملتی ہے مگر وہ اس اجرت پر کام نہیں کرتی تھیں اور گھر میں بیٹھی درخواستیں لکھوا لکھوا کر بھیجتی رہتی تھیں کہ ہمیں فلاں ضرورت ہے، فلاں حاجت ہے، ہماری مدد کی جائے حالانکہ میں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس کام سے جو آمدنی ہوگی وہ بھی غرباء پر ہی خرچ ہوگی۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ اگر مزدوری کم بھی تھی تو کام کرتیں۔ امرتسر میں اگر ایک ازار بند بنانے کی اجرت ایک پیسہ ہو اور یہاں صرف دھیلہ بلکہ دمڑی ملتی پھر بھی ان کو چاہیے تھا کہ کام کرتیں کیونکہ وہ آمدنی پھر غرباء میں جانی تھی مگر انہوں نے ڈیوڑھی دگنی مزدوری لیکر بھی کام کرنا پسند نہیں کیا اور یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہماری جماعت تاجر نہیں۔ ہمارے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کام وہ کرنا چاہیے جس میں پورا گزارہ ہو سکے، حالانکہ بہتر یہی ہے کہ جو کام بھی ملے وہ کر لیا جائے اور پوری محنت کرنے کے بعد اور

پورا وقت کام کرنے کے باوجود اگر گزارہ نہ ہوتو انسان کا حق ہے کہ امداد کی درخواست کرے۔ایک شخص پورا کام کرتا ہے مگر پھر بھی دو روپیہ ہی کما سکتا ہے تو اس کا حق ہو جاتا ہے کہ اس کی باقی ضرورتیں جماعت پوری کرے کیونکہ جو شخص بتا دیتا ہے کہ روزانہ چھ گھنٹے کام کرنے کے باوجود اسے دو روپے ہی مل سکے ہیں وہ سائل نہیں اوراس کا حق ہے کہ جماعت اس کی امداد کرے لیکن جو اس خیال سے کام ہی نہیں کرتا کہ دو روپے میں اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا اور پھر خواہش رکھتا ہے کہ اس کی ضرورتیں جماعت پوری کرے وہ سائل ہے اور سائل کو روکنے کی اسلام نے حد درجہ کوشش کی ہے......

غرباء کے لیے کام مہیا کرنے کی سکیم کا، اس میں کیا شبہ ہے، پہلا فائدہ قادیان کے لوگوں کو پہنچے گا۔اس لیے انہیں اس میں زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔مثلاً عورتوں کے لیے کام کی سکیم ہے۔اس کا بڑا فائدہ قادیان کے غریب خاندانوں کو پہنچے گا یا کم سے کم جب تک ہم اس سکیم کو باہر نہ پھیلا سکیں یہاں کی غریب عورتوں کو ہی اس وقت تک فائدہ پہنچ سکے گا۔پس انہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کے فائدہ کی جو سکیم ہے اس میں وہ شوق اور قربانی سے حصہ لیں اگر تھوڑی مزدوری ہے تو بھی ان کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ تھوڑی مزدوری سے یہی ہوگا کہ کام میں نفع زیادہ ہوگا اور یہ نفع سب کا سب ان پر ہی خرچ ہوگا کیونکہ میں نے لجنہ اماء اللہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی نفع ہوتو سلسلہ اس میں سے کوئی حصہ نہ لے گا بلکہ یہ نفع بھی غرباء میں تقسیم کیا جائے گا بلکہ نفع کی صورت میں اس مال کو میں انشاء اللہ بڑھاتا جاؤں گا تا یہاں ایک بھی ایسی لاوارث یا بیوہ عورت نہ رہے جو بیکار ہو اور جو اپنا گزارہ اچھی طرح نہ چلا سکے مگر چونکہ میرے ساتھ تعاون نہ کیا گیا اس لیے یہ کام اچھی طرح نہیں چلا۔

پس اس کام کے چلانے کے لیے قادیان والوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔اس طرح دوسرے کاموں میں بھی تعاون کی ضرورت ہے۔کیا ہمارے پیشہ وروں میں سے ایسے لوگ نہیں ہیں جو کچھ وقت خرچ کر کے ہماری مدد کر سکیں۔ہمیں تو یہ پتہ نہیں کہ یہ کام کس طرح جلدی سکھائے جا سکتے ہیں اور کس طرح ان میں بچتیں ہوسکتی ہیں۔ہماری مثال تو ان کاموں میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ہاتھ مارے خواہ اس کا ہاتھ سانپ پر پڑ جائے،خواہ ہیرے پر۔اس لیے ضروری ہے کہ پیشہ ور دوست تعاون کریں اور ان کاموں کو اپنا رقیب نہ سمجھیں کیونکہ یہ ان کے لیے بھی نفع کا موجب ہوں گے۔نقصان کا نہیں۔اگر یہ محکمے ترقی کریں گے تو اس میں ان کی اولادوں کی بہتری ہوگی کیونکہ

پیشہ ورلوگوں کی اولادیں ہی زیادہ تر کام سیکھتی ہیں۔کسی کو کیا پتہ کہ کل ہی اس کی موت ہوجائے اوراس کی اولاد کو اس کی ضرورت پیش آجائے۔یہ محکمے تو اس امر کی ضمانت ہیں کہ کل اگر اس کی اولاد کو ضرورت ہو تو اس کے کام آئیں گے۔پس پیشہ ور دوست اپنے اوقات خرچ کر کے مشورہ دیں اور امداد کریں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کاموں کو ترقی حاصل ہو جائے۔انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب کسی کا جتھہ بن جائے تو اس پیشہ کی ترقی ہوتی ہے،نقصان نہیں۔دیکھو ایک گھر کا ملازم اگر کام چھوڑ دے تو کسی کو پتہ بھی نہیں لگتا۔لیکن اگر کسی کارخانہ کے مزدور کام چھوڑ دیں اور سٹرائیک کر دیں تو گورنر تک ان کو منانے کے لیے آتے ہیں۔ پس یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ اگر ترکھان بڑھ جائیں گے تو مجھے کام کہاں سے ملے گا۔وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ آبادی بھی اس وقت تک بڑھ جائے گی اور اس لیے کام بھی بڑھ جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ہم اس وقت یہاں دس ترکھان ہیں اگر بیس ہو گئے تو ہمارے لیے کام نہیں رہے گا تو یہ بے وقوفی ہے وہ یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ اس وقت تک یہاں کی آٹھ ہزار آبادی بھی تو سولہ ہزار ہو جائے گی۔‘‘

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 486 تا494)

عبادت کے نو حصے رزق حلال کھانا ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28/دسمبر 1937ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

’’(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) رزقِ حلال کے متعلق فرماتے ہیں ’’اَلْعِبَادَۃُ عَشَرَۃُ أَجْزَاءٍ تِسْعَۃٌ مِّنْهَا فِیْ طَلَبِ الْحَلَالِ‘‘ کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے دس حصے ہیں ایک حصہ عبادت کا تو نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ ہے مگر عبادت کے نو حصے رزق حلال کھانا ہے۔گویا اگر تم نمازیں بھی پڑھتے ہو، روزے بھی رکھتے ہو حج بھی کرتے ہو،زکوٰۃ بھی دیتے ہو لیکن اپنی تجارت میں دھوکہ بازی کرتے ہو تو تم ایک دودھ میں نو حصے ناپاکی ملا دیتے ہو اور اپنی تمام عبادت کو ضائع کر لیتے ہو۔یا اگر تم کسی کو ایک پیسہ کی چیز دینے لگتے ہو اور تکڑی کا پلڑا ذرا سا جھکا دیتے ہو تو تم اس ذرا سی بے احتیاطی یا ذرا سی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنے حلال مال میں نو حصے گندگی کے ملا دیتے ہو اور اپنی ساری عمر کی عبادتوں کو ضائع کر لیتے ہو۔کیونکہ نماز،روزہ کے احکام بجالا کر صرف دسواں حصہ حق کا ادا ہوتا ہے باقی نو حصے اللہ تعالیٰ کے حق کے رزق حلال کما کر ادا ہوتے ہیں۔......

کما کر گزارا کرنا بھی اسلام کا جزو ہے

پھر کما کر گزارا کرنا بھی اسلام کا جزو ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ صحابہؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص رات دن عبادت میں لگا ہوا ہے فرمایئے وہ سب سے اچھا ہوا یا نہیں؟ انبیاء کا بھی کیسا لطیف جواب ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا جب وہ رات دن عبادت میں لگا رہتا ہے تو کھاتا کہاں سے ہے؟ انہوں نے عرض کیا لوگ دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر جتنے اُسے کھانے پینے کے لیے دیتے ہیں وہ سب اس سے بہتر ہیں۔

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے کہ پاس سے ایک نوجوان گزرا جو نہایت لمبا، مضبوط اور قوی الجثہ تھا اور بڑی تیزی سے اپنے کسی کام کے لیے دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ بعض صحابہؓ نے اسے دیکھ کر تحقیر کے طور پر کوئی ایسا لفظ کہا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ''جا تیرا برا ہو'' اور کہا کہ اگر اس کی جوانی اللہ کے رستہ میں کام آتی تو کیسا اچھا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا یہ کہنے کا کیا مطلب ہوا کہ تیرا برا ہو۔ جو شخص اس لیے تیزی سے کوئی کام کرتا ہے کہ اس سے اپنی بیوی کو فائدہ پہنچائے تو وہ خدا کی ہی راہ میں کام کر رہا ہے اور جو شخص اس لیے دوڑتا اور پھرتی سے کام کرتا ہے کہ اپنے بچوں کے کھلانے پلانے کا بندوبست کرے تو وہ خدا ہی کی راہ میں کام کر رہا ہے۔ ہاں جو شخص اس لیے دوڑتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی طاقتوں کی داد دیں تو وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے مگر حلال روزی کے لیے کوشش کرنا اور کما کر گزارا کرنا تو سبیل اللہ میں شامل ہے۔''

(انقلاب حقیقی۔ انوار العلوم جلد 15 صفحہ 101 تا 103)

نکمے پن کی عادت قوم کو تباہ کر دیتی ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ یکم اپریل 1938ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ایسے ذرائع کو اختیار کرنا چاہیے جن سے قوم کے دماغ کی تربیت ہو اور خصوصاً نوجوانوں کے دماغ کی تربیت ہو کیونکہ زیادہ تر کاموں کی ذمہ داری آئندہ نوجوانوں پر ہی پڑنے والی ہوتی ہے۔ اگر نوجوانوں میں بری باتیں پیدا ہو جائیں مثلاً نکمے پن کی عادت پیدا ہو جائے یا سستی کی عادت پیدا ہو

جائے یا جھوٹ کی عادت پیدا ہو جائے تو یقیناً آج نہیں تو کل وہ قوم تباہ ہو جائے گی۔ بالخصوص جھوٹ تو ایسا خطرناک مرض ہے کہ یہ انسان کے ایمان کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔ بعض دفعہ پندرہ پندرہ سال تک ہم ایک شخص کے متعلق یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ بڑا بزرگ اور راستباز انسان ہے مگر پھر پتہ لگتا ہے کہ وہ بڑا کذاب ہے، دیکھتا کچھ ہے اور بیان کچھ کرتا ہے مگر یہ باتیں بچپن میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔

کامیابی عورتوں اور بچوں کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی

پس نوجوانوں میں اگر اس قسم کی باتیں پیدا کر دی جائیں اور ان کے اخلاق کو صحیح رنگ میں ڈھالا جائے تو یقیناً قوم کی ترقی میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ مثلاً میں نے تحریک جدید جاری کی، اس میں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو کامیابی عورتوں اور بچوں کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اگر عورتیں اور بچے ہمارے ساتھ تعاون نہ کریں تو یقیناً جماعت کا ایک حصہ اس پر عمل کرنے سے رہ جائے گا لیکن اگر عورتیں اور بچے اس میں شامل ہوں تو ہمارے کام میں بہت سہولت پیدا ہوسکتی ہے۔ مثلاً سادہ کپڑے ہیں یا زیورات کی کمی ہے یا ایک خاص عرصہ تک زیور بالکل نہ بنوانا ہے۔ اب جب تک عورتیں اس میں شریک نہ ہوں ان باتوں پر کس طرح عمل ہوسکتا ہے یا ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے، اس میں اگر بچے اور نوجوان شریک نہ ہوں تو یہ سکیم کس طرح چل سکتی ہے یا مثلاً نکما نہ رہنا ہے۔ اب نکمے پن کی عادت بچوں میں ہی ہوسکتی ہے بڑے تو اپنی اپنی جگہ کام کر رہے ہوتے ہیں اور ان میں سے کئی آسودہ حال ہوتے ہیں لیکن ان کی نئی نسل یہ کہنا شروع کر دیتی ہے کہ ہمارے ابا نواب، ہمارے ابا فلاں ہیں، ہم فلاں کام کیوں کریں؟ اس میں ہماری ہتک ہے اور پھر تمام خرابیاں اسی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، حالانکہ اگر ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی جائے اور ان کے قلوب پر اس کا نقش کر دیا جائے کہ جو شخص کام کرتا ہے وہ عزت کا مستحق ہے اور جو کام نہیں کرتا بلکہ نکما رہتا ہے وہ اپنی قوم اور اپنے خاندان کے لیے عار اور ننگ کا موجب ہے اور یہ کہ معمولی دولت مند یا زمیندار تو الگ رہے، اگر ایک بادشاہ یا شہنشاہ کا بیٹا بھی نکما رہتا ہے تو وہ بھی اپنی قوم اور اپنے خاندان کے لیے عار کا موجب ہے اور اس چمار کے بیٹے سے بدتر ہے جو کام کرتا ہے تو یقیناً اگلی نسل درست ہوسکتی ہے اور پھر وہ نسل اپنے سے اگلی نسل کو درست کر سکتی ہے اور وہ اپنے سے اگلی نسل کو۔ یہاں تک کہ یہ باتیں قومی کریکٹر میں شامل ہو جائیں اور ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے

کہ جو باتیں قوم کی عادت بن جاتی ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عادت ایک لحاظ سے بری ہے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ ایک لحاظ سے وہ اچھی بھی ہوتی ہے۔

جب کوئی قوم بیدار ہو اور اس وقت وہ اپنے اندر اچھی عادتیں پیدا کر لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ قوم سو جاتی ہے تو اس کی عادت اس کے ساتھ رہتی ہے اور اس طرح وہ نیکی ضائع نہیں جاتی بلکہ محفوظ رہتی ہے۔ چاہے وہ خود اس سے فائدہ نہ اُٹھائے بلکہ کوئی اور اس سے فائدہ اُٹھائے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 16، 17)

خدمت دین بے کار بیٹھنے سے کروڑ درجہ بہتر ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 2/دسمبر 1938ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اس زمانہ میں نوکریوں کا ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور اگر کسی کو نوکری ملتی بھی ہے تو معاوضہ اتنا قلیل ملتا ہے کہ گزارہ ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس اگر انسان نے تعلیم سے فارغ ہو کر گھر میں بیٹھ کر ہی روٹی کھانی ہے تو کیوں نہیں وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا اور سمجھ لیتا کہ گھر میں بیکار بیٹھنے سے یہ کروڑ درجے بہتر ہے کہ انسان دین کی خدمت کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرے اور آئندہ آنے والی نسلوں کی دعا حاصل کرتا رہے۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے جو اسے حاصل ہو سکتا ہے۔

مگر کئی آدمی گھر میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہیں گے اور ہر روز اخبارات دیکھتے رہیں گے کہ کہیں اس میں کوئی ملازمت کا اعلان تو نہیں؟ اور جب انہیں کوئی اعلان نظر آئے گا تو فوراً درخواست بھیج دیں گے۔ چند دن کے بعد جب جواب جائے گا کہ جگہ پر ہو گئی ہے یا ہمیں جس لیاقت کا آدمی چاہیے تھا وہ تم میں نہیں یا انٹرویو کے لیے آجاؤ مگر آنے جانے کا خرچ تمہارا ہو گا۔ یہ پندرہ بیس روپے خرچ کر کے وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ وہاں چار پانچ سو امیدوار ہیں جو ان سے لیاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور یہ ان میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اونٹوں میں بلی۔ چنانچہ یہ وہاں سے ناکام و نامراد واپس آئیں گے۔ ماں باپ گالیاں دیں گے کہ بے حیا ہمیں تجھ سے امید تھی کہ تو ہماری مدد کرے گا مگر تو نے الٹا ہم پر دس پندرہ روپے کا مزید قرضہ چڑھا دیا۔ یہ حالات ہیں جو آجکل عام طور پر نوجوانوں کو پیش

آتے رہتے ہیں۔ پھر کیوں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ جب خدا نے ہمیں ایک ایسی جماعت میں پیدا کیا ہے جو دین کی خدمت کے لیے کھڑی ہے تو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا وہ اعزاز حاصل کیا جائے جس سے بڑا اور کوئی اعزاز نہیں۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم ایسے ہی لوگ لیں گے جو ہمارے معیار پر پورے اتریں گے اور جن کے متعلق ہمیں یقین ہوگا کہ وہ ہمارے کام کے اہل ہیں۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد اول صفحہ 644،645)

مانگ کر کھانے کی بجائے کما کر کھانا چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 3 رفروری 1939ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہمارے ملک میں یہ ایک بہت بڑا عیب ہے کہ بھوکا رہنا پسند کریں گے مگر کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کی اصلاح ہونی چاہیے اور یہ اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ہر شخص یہ عہد کر لے کہ وہ مانگ کر نہیں کھائے گا بلکہ کما کر کھائے گا۔ اگر کوئی شخص کام کو عیب سمجھتا اور پھر بھوکا رہتا ہے تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں لیکن اگر ایک شخص کام کے لیے تیار ہو لیکن بوجہ کام نہ ملنے کے وہ بھوکا رہتا ہو تو یہ جماعت اور قوم پر ایک خطرناک الزام اور اس کی بہت بڑی ہتک اور سبکی ہے پس کام مہیا کرنا جماعتوں کے ذمہ ہے لیکن جو لوگ کام نہ کریں اور سستی کر کے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں ان کی ذمہ داری جماعت پر نہیں بلکہ ان کے اپنے نفسوں پر ہے کہ انہوں نے باوجود کام ملنے کے محض نفس کے کسل کی وجہ سے کام کرنا پسند نہ کیا اور بھوکا رہنا گوارا کر لیا۔

میرا پروگرام یہ ہے کہ لجنہ کا کام جب یہاں کامیاب ہو جائے تو باہر بھی اسے جاری کیا جائے یہاں تک کہ کوئی بیوہ اور یتیم عورت ایسی نہ رہے جو خود کام کر کے اپنی روزی نہ کماتی ہو۔ اس جدوجہد میں اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو پھر انہی لوگوں کا بار جماعت پر رہ جائے گا جو بالکل ناکارہ ہیں، جیسے اندھے ہوئے، لولے یا اپاہج ہوئے۔ گو ہر اندھا ناکارہ نہیں ہوتا بلکہ کئی اندھے بھی بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال جس حد تک اندھوں وغیرہ کے لیے بھی کام مہیا ہو سکتا ہو اس حد تک ہمیں ان کے لیے بھی کام مہیا کرنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خود کام کر کے کھائیں۔

انسدادِ بیکاری کے لیے لیکچر کروائے جائیں

مگر اس معاملہ میں محلوں کے پریزیڈنٹوں (presidents) کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر محلوں کے پریذیڈنٹ مختلف مقررین سے اپنے اپنے محلّہ میں وقتاً فوقتاً ایسے لیکچر دلاتے رہا کریں کہ نکما بیٹھ کر کھانا نہایت غلط طریق ہے۔ کام کر کے کھانا چاہیے اور کسی کام کو اپنے لیے عار نہیں سمجھنا چاہیے تو امید ہے کہ لوگوں کی ذہنیت بہت کچھ تبدیل ہو جائے۔ میں نے دیکھا ہے کہ قادیان میں ابھی ایک اچھا خاصا طبقہ ایسے لوگوں کا ہے جنہیں جب کوئی کام دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کام کے کرنے میں ہماری ہتک ہے، حالانکہ ہتک کام کرنے میں نہیں بلکہ نکما بیٹھ کر کھانے میں ہے۔

مانگ کر کھانا ایک لعنت ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ لوگوں سے مانگ کر کھانا ایک لعنت ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا (بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کسی غیر سے تھوڑا مانگتے ہیں، ہم تو سلسلہ سے مانگتے ہیں اس کا جواب اسی واقعہ میں آجاتا ہے جو میں بیان کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ اس نے بھی کسی غیر سے نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگا تھا) آپؐ نے اسے کچھ دے دیا، وہ لے کر کہنے لگا یا رسول اللہ کچھ اور دیجیے۔ آپؐ نے پھر اسے کچھ دے دیا، وہ پھر کہنے لگا یا رسول اللہ کچھ اور دیجیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کیا میں تم کو کوئی ایسی بات نہ بتاؤں جو تمہارے اس مانگنے سے بہت زیادہ بہتر ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ فرمائیے کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا سوال کرنا خدا تعالیٰ کو پسند نہیں تم کوشش کرو کہ تمہیں کوئی کام مل جائے اور کام کر کے کھاؤ۔ یہ دوسروں سے مانگنے اور سوال کرنے کی عادت چھوڑ دو۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ عادت چھوڑ دی۔ چنانچہ واقعہ میں پھر اس نے اس عادت کو بالکل چھوڑ دیا اور یہاں تک اس نے استقلال دکھایا کہ جب اسلامی فتوحات ہوئیں اور مسلمانوں کے پاس بہت سا مال آیا اور سب کے وظائف مقرر کیے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بلوایا اور کہا یہ تمہارا حصہ ہے تم اسے لے لو۔ وہ کہنے لگا میں نہیں لیتا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ اقرار

کیا تھا کہ میں ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاؤں گا۔ سو اس اقرار کی وجہ سے میں یہ مال نہیں لے سکتا کیونکہ یہ میرے ہاتھ کی کمائی نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تمہارا حصہ ہے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ کہنے لگا خواہ کچھ ہو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقرار کیا ہوا ہے کہ میں بغیر محنت کیے کوئی مال نہیں لوں گا۔ میں اب اس اقرار کو مرتے دم تک پورا کرنا چاہتا ہوں اور یہ مال نہیں لے سکتا۔ دوسرے سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر اسے بلایا اور فرمایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے اسے لے لو مگر اس نے پھر کہا کہ میں نہیں لوں گا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقرار کیا ہوا ہے کہ میں محنت کر کے مال کھاؤں گا۔ یونہی مفت میں کسی جگہ سے مال نہیں لوں گا۔ تیسرے سال انہوں نے پھر اس کا حصہ دینا چاہا مگر اس نے پھر انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے بھی ایک دفعہ اسے بلایا اور کہا یہ تمہارا حصہ ہے لے لو۔ وہ کہنے لگا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ میں کبھی سوال نہیں کروں گا اور ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاؤں گا۔ یہ مال میرے ہاتھ کی کمائی نہیں اس لیے میں اسے نہیں لے سکتا اور میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اپنی موت تک اس اقرار کو نبھاتا چلا جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا مگر وہ انکار کرتا چلا گیا۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا اے مسلمانو! میں خدا کے حضور بری الذمہ ہوں میں اس کا حصہ اسے دیتا ہوں مگر یہ خود نہیں لیتا۔

اسی صحابیؓ کے متعلق یہ ذکر آتا ہے کہ ایک جنگ میں یہ گھوڑے پر سوار تھے کہ اچانک ان کا کوڑا ان کے ہاتھ سے گر گیا ایک اور شخص جو پیادہ تھا اس نے جلدی سے کوڑا اٹھا کر انہیں دینا چاہا تو انہوں نے کہا اے شخص میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو اس کوڑے کو ہاتھ نہ لگائیو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ اقرار کیا ہوا ہے کہ میں کسی سے سوال نہیں کروں گا اور خود اپنا کام کروں گا۔ چنانچہ عین جنگ کی حالت میں وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور کوڑے کو اٹھا کر پھر اس پر سوار ہو گئے۔ تو لوگوں کو بتانا چاہیے کہ مانگ کر کھانا ایک بہت بڑا عیب ہے تا کہ اس نقص کی اصلاح ہو۔ ......

جماعت میں عزت نفس کا مادہ پیدا کرنا چاہیے

میری غرض تو اس قسم کے نصائح سے یہ ہے کہ ہماری جماعت کے اخلاق بلند ہو جائیں اور اس میں

عزت نفس کا مادہ پیدا ہو جائے اور لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفس کو بھی کوئی شرف بخشا ہوا ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ اس کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہوئے بلا وجہ اس کی تحقیر نہ کریں یہ روح ہے جو میں جماعت میں پیدا کرنا چاہتا ہوں اور یہی وہ تعلیم ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔

پس یہ روپیہ مجھے تو نہیں ملتا کہ مجھے یہ فکر ہو کہ فلاں کو نہ ملے اور فلاں کو مل جائے اگر یہ روپیہ مجھے ملتا تو کسی کو بدظنی کا موقع مل سکتا تھا اور وہ خیال کر سکتا تھا کہ شاید میں نے اپنے ذاتی فائدہ کے لیے دوسروں کو اس سے محروم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر جب یہ روپیہ میرے پاس نہیں آتا نہ میری ضروریات پر خرچ ہوتا ہے تو مجھے اس میں ذاتی دلچسپی کیا ہو سکتی ہے پس مجھے ذاتی دلچسپی اس میں کوئی نہیں۔ ہاں اتنی دلچسپی ضرور ہے کہ میں چاہتا ہوں جماعت کے اخلاق بہت بلند ہوں اور دوسروں سے مانگنے کی عادت ترک کر دیں۔ پس پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو چاہیے کہ وہ جماعت کے دوستوں کے سامنے یہ مسائل واضح کرتے رہا کریں میں نے دیکھا ہے اسی نقص کی وجہ سے کہ لوگوں کو مسائل بتائے نہیں جاتے قادیان میں مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ سوال کرنے کی عادت ہے اور بجائے کام کرنے کے وہ مانگ کر کھا لینا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

کام کر کے کھانے کی عادت ڈالنی چاہیے

ہمیشہ کام کر کے کھانے کی عادت ڈالنی چاہیے اور یہی عادت ہے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے ہاں جہاں کام نہ ملتا ہو وہاں کام مہیا کرنا پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کا کام ہے لیکن جب کام مل جائے تو پھر اس کے کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔

ذیلی تنظیمیں روزگار مہیا کرنے میں مدد دیں

پس کام مہیا کرنا ہمارا کام ہے۔ گو پھر حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہم پوری طرح اس فرض کو سرانجام نہیں دے سکتے۔ مگر پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ جس حد تک ہم کام مہیا کر سکتے ہوں اس حد تک جماعت کے دوستوں کے لیے کام مہیا کریں۔ میں نے بتایا ہے کہ لجنہ اس سلسلہ میں عورتوں کے متعلق مفید کام کر رہی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آہستہ آہستہ مجلس خدام الاحمدیہ بھی یہ کام اپنے لائحہ عمل میں

شامل کرلےاور بے کار مردوں کے متعلق ان کا یہ فرض ہو کہ وہ ان کے لیے کام مہیا کریں۔ بظاہر یہ کام مشکل ہے لیکن اگر وہ سمجھ سے کام لیں گے اور غور کرنے کی عادت ڈالیں گے تو وہ کئی ایسی سکیمیں بنا سکیں گے جن کے ماتحت بیکاروں کو کام پر لگایا جا سکے گا جب اس قسم کے بیکار لوگ کام پر لگ جائیں گے تو اس سے نہ صرف بیکاروں کو فائدہ پہنچے گا بلکہ سلسلہ کو بھی مالی لحاظ سے فائدہ پہنچے گا کیونکہ وہ چندے دیں گے اور اس طرح سلسلہ کو مضبوطی حاصل ہوگی۔......

خدام الاحمدیہ کو ایک نصیحت

میں مجلس خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ صرف ممبران سے ہی کام نہ لیا کریں بلکہ بعض دنوں میں وہ عام اعلان کر کے باقی جماعت کے دوستوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا کریں بلکہ وہ کام کرنے کے لیے مجھے بھی بلا لیا کریں۔ آخر اگر ہاتھ سے کام کرنا ثواب ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم دوسروں کو تو کہیں کہ اس ثواب میں حصہ لیں مگر خود اس ثواب میں شامل نہ ہوں۔ یہ تو منافقت ہوگی کہ ہم دوسروں کو تو کہیں کہ فلاں کام بڑا اچھا ہے مگر خود گھر میں بیٹھ رہیں۔ ہاں اگر اس کام سے زیادہ بہتر اور زیادہ ضروری کام ہم کوئی کر رہے ہوں تو اس صورت میں بیشک اس کام میں حصہ نہ لینا حرج کی بات نہیں لیکن اگر اور کوئی ایسا ضروری کام نہ ہو تو میرے نزدیک اس وقت ہر چھوٹے بڑے کو اس کام میں حصہ لینا چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کے ممبران اپنے کام میں ہمیں بھی شمولیت کا موقع دیں۔‘‘

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 87 تا 92)

تجارتی دیانت کی وجہ سے بعض اقوام کی ترقی

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 17 ر فروری 1939ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’بددیانتی ایسی چیز ہے جو قوموں اور افراد کو تباہ کر دیتی ہے مگر جس قوم میں دیانت آ جائے اسے ہر جگہ عزت حاصل ہوتی ہے اور کوئی اسے ذلیل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح انفرادی دیانت جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اقتصادی طور پر بڑھتی چلی جاتی ہے مگر یہ انفرادی دیانت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تجارتی دیانت اور ایک اخلاقی دیانت۔ جن قوموں میں اخلاقی دیانت نہ ہو مگر تجارتی دیانت ہو وہ بھی

نہیں گرتیں۔ چنانچہ ہندوؤں کو ہی دیکھ لو۔

بنیے میں اخلاقی دیانت نہیں مگر تجارتی دیانت ہے اور اس وجہ سے وہ تجارت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں میں بھی اخلاقی دیانت نہیں لیکن تجارتی دیانت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تجارت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح جس قوم میں اخلاقی دیانت پیدا ہو جائے اس کا اخلاقی طور پر دوسروں کے قلوب پر سکہ بیٹھ جاتا ہے اور اس قوم کے افراد جہاں جاتے ہیں لوگ ان سے مشورہ لیتے اور ان کی باتوں پر اپنے کاموں کا انحصار رکھتے ہیں۔ لیکن جس قوم میں قومی دیانت بھی ہو، تجارتی دیانت بھی ہو اور اخلاقی دیانت بھی ہو وہ قوم تو ایک پہاڑ ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کو اڑایا جا سکے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس قوم کو برباد کیا جا سکے۔ ایسی قوم نہ صرف خود محفوظ ہوتی ہے بلکہ اور لوگوں کی حفاظت کا بھی موجب ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ اور قومیں حوادث اور مصائب سے بچائی جاتی ہیں اور وہ دنیا کے لیے ایک تعویذ ہو جاتی ہے۔

قومی، تجارتی اور اخلاقی دیانت پیدا کرو

پس میں خدام الاحمدیہ سے کہتا ہوں کہ تینوں قسم کی دیانتیں تم لوگوں کے اندر پیدا کرو جس کا ذریعہ تمہارے پاس موجود ہے کیونکہ نوجوانوں کی باگ تمہارے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ تم نوجوانوں میں قومی دیانت بھی پیدا کرو، تم نوجوانوں میں تجارتی دیانت بھی پیدا کرو اور تم نوجوانوں میں اخلاقی دیانت بھی پیدا کرو۔

تجارتی دیانت کے معنے صرف تجارت اور لین دین کے معاملات میں ہی دیانت دارانہ رویہ اختیار کرنے کے لیے نہیں بلکہ نوکری بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ نوکر اپنا وقت دوسرے کو دیتا ہے۔ پس جس طرح ہر تاجر کا فرض ہے کہ وہ تجارت میں دیانتداری سے کام لے اسی طرح ہر ملازم کا بھی فرض ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام کرے۔ دیانتدار نوکر کی ہر کوئی قدر کرتا اور اُسے بلا بلا کر رکھتا ہے۔ لیکن اگر کسی کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام نہیں کرتا تو اس کی قدر دلوں سے اُٹھ جاتی ہے۔ پس قومی دیانت، تجارتی دیانت اور اخلاقی دیانت اپنے اندر پیدا کرو۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 119، 120)

ہاتھ سے کام کرنے کے فوائد اور اہمیت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 24؍فروری 1939ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''خدام الاحمدیہ کے مقاصد میں سے چار کے متعلق میں اس وقت تک توجہ دلا چکا ہوں اور آج پانچویں امر کے متعلق توجہ دلاتا ہوں اور وہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے۔ یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا اندازہ الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل دنیا کی اقتصادی حالت اور اخلاقی حالت اور اس کے نتیجہ میں مذہبی حالت جو ہے اس پر علاوہ دینی مسائل کے جو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں ان میں سے یہ مسئلہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اقتصادی اور اخلاقی حالت کی تباہی بہت کچھ مبنی ہے ان دو باتوں پر کہ دنیا میں بعض لوگ کام کرنا چاہتے ہیں اور ان کو کام ملتا نہیں اور بعض ایسے لوگ ہیں کہ انہیں کام کرنے کے مواقع میسر ہیں مگر وہ کام کرتے نہیں۔ یہ تمام آج کل کی لڑائیاں، یہ بالشوازم، یہ فیسی ازم کی تحریکیں، سوشلزم اور کیپٹلزم کے دنیا پر حملے۔ یہ سب درحقیقت اسی چھوٹے سے نقطہ کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ کام کریں مگر انہیں کام میسر نہیں آتا اور لاکھوں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو کام کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں مگر انہیں نہیں ملتا اس کی بنیاد بھی درحقیقت اسی مسئلہ پر ہے کہ کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہیں کہ جو کام کر سکتے ہیں، انہیں مواقع میسر ہیں مگر وہ کرتے نہیں۔......

نکمے بیٹھنے والے دنیا میں غلامی کے جراثیم پھیلاتے ہیں

جو لوگ اس طرح دولت جمع کرتے ہیں وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہاتھ سے کام نہیں کرتے۔ ان کے مدنظر ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس روپیہ ہو تو لوگوں سے کام لیں۔ خود چارپائی پر بیٹھے ہیں اور دوسرے کو حکم دیتے ہیں کہ پاخانہ میں لوٹا رکھ آؤ اور اس قدر نکمے ہو جاتے ہیں کہ پاخانہ سے واپس آتے ہوئے لوٹا وہیں چھوڑ آتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ او کمبخت کہاں گیا جا لوٹا اٹھا لا۔ ان کو کوئی کام کرنا نصیب نہیں ہوتا اور چونکہ ان کو دوسروں سے کام لینے کی عادت ہو جاتی ہے اس لیے یہی لوگ ہیں جو دنیا میں غلامی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اُن کا وجود غلامی کا منبع ہوتا

ہےاور دنیامیں ان کے ذریعہ غلامی اس طرح پھیلتی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ دنیا کی حالت ایسی رہے کہ اس میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا رہے جو ان کی خدمت کرتے رہیں۔اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کرتے رہتے ہیں جس طرح حکومت کو گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہےاور اس کے لیے وہ زمینداروں کو مربعے دیتی ہے کہ گھوڑے پالیں۔اسی طرح جولوگ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ ہاتھ سے کام نہ کریں یا بعض کاموں میں اپنی ہتک سمجھیں وہ لازماً کوشش کرتے ہیں کہ دنیا کا کچھ حصہ غریب رہےاور ان کی خدمت کرتا رہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر دنیا کی حالت اچھی ہو جائے تو وہ کام کس سے لیں گے۔ یہ باریک باتیں شاید زمینداروں کی سمجھ میں نہ آسکیں۔اس لیے میں اسے ایک موٹی مثال سے واضح کر دیتا ہوں جس سے ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ایک دفعہ مجھے اطلاع ملی کہ شکرگڑھ کی تحصیل میں بعض ادنیٰ اقوام ہیں جن کو آریہ ہندو بنا رہے ہیں اور مجھے اطلاع ملی کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہم کو اپنے ساتھ ملالیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو ہوکر بھی ہماری حالت اچھی نہ ہوگی۔کئی پیغام مجھے آئے اور میں نے ایک دو مبلغ وہاں بھیج دیے کہ جا کر ان میں تبلیغ کریں اور پھر ہم ان کے لیے انتظام کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلے پہل تو مجھے رپورٹ ملتی رہی کہ وہاں بڑا اچھا کام ہو رہا ہےاور امید ہے کہ سینکڑوں ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے مگر دس بارہ روز کے بعد یہ رپورٹیں آنی شروع ہوئیں کہ سخت مخالفت ہو رہی ہےاور ہمارے مبلغوں کو لوگ اپنے گاؤں میں ٹھہرنے تک نہیں دیتے۔ یہ رپورٹیں سن کر مجھے بہت حیرانی ہوئی کیونکہ وہ سارا علاقہ مسلمانوں کا ہےاور مجھے امید تھی کہ مسلمان ضرور مدد کریں گے۔لیکن مجھے بتایا گیا کہ اس علاقہ کے ذیلدار نے جو مسلمان ہے سب کام چھوڑ چھاڑ کر ہماری مخالفت شروع کر رکھی ہےاور بعض نمبرداروں کو ساتھ لے کر وہ ہمارے آدمیوں کے پیچھے پیچھے پھرتا اور ہر گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہتا ہے کہ ان کو یہاں ٹکنے نہ دواور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ اگر انہوں نے ان لوگوں کو مسلمان بنالیا تو پھر ہمارے جو جانور مر جایا کریں گے انہیں کون اٹھا کر لے جایا کرے گا اور ان کی کھالیں کون اتارا کرے گا۔اگر ان لوگوں میں یہ عادت نہ ہوتی کہ ایک خاص قسم کے کام نہیں کرنے تو ان کو اس مخالفت کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔تو بعض قسم کے کام کرنا امراء اپنی ہتک سمجھتے ہیں ،زمینداروں میں بھی یہ عادت ہے کہ وہ بعض قسم کے کام خود کرنا ہتک سمجھتے ہیں اور ان کو کمیوں کے کام سمجھتے ہیں۔ان کمیوں کی اصلاح کا سوال جب

بھی پیدا ہو گا۔ زمیندار فوراً لڑائی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح ہمارے کام رک جائیں گے۔

جب قادیان میں چوہڑوں کو اسلام میں داخل کرنے کا سوال پیدا ہوا تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ بعض احمدیوں نے مجھ سے کہا کہ اگر یہ مسلمان ہو گئے تو ہمارے گھروں کی صفائی کون کرے گا۔ یہ دقت ان کو صرف اس وجہ سے نظر آئی کہ ان کو ایک خاص قسم کا کام کرنے کی بالکل عادت نہ تھی اور جسے بالکل ہی کام کرنے کی عادت نہ ہو، اسے غصہ آئے گا جب وہ یہ محسوس کرے گا کہ اب اس کی خدمت کرنے والے نہیں رہیں گے۔ اگر زمینداروں کو یہ عادت ہوتی کہ اپنے مردہ جانوروں کو خود ہی باہر پھینک دیں تو شکرگڑھ کی تحصیل کے زمیندار ہماری مخالفت نہ کرتے۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ ایک تو کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے اور دوسرے کسی کام کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ ہاں نوکر رکھ لینا اور بات ہے۔ اگر کسی کا کام زیادہ ہو جسے وہ خود نہ کر سکتا ہو تو کسی کو مددگار کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ بعض بڑے زمیندار بھی اپنے ساتھ ہالی رکھ لیتے ہیں لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ہل نہیں چلاتے وہ خود بھی ہل چلاتے ہیں اس لیے ان کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ اگر ہالی نہ رہے تو وہ کیا کریں گے کیونکہ وہ خود بھی چلانے میں عار نہیں سمجھتے لیکن جن کاموں کو لوگ اپنے لیے عار سمجھتے ہیں ان کے کرنے والوں کی اصلاح کا اگر سوال پیدا ہو تو وہ ضرور ناراض ہوتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد یہ ہتک والا کام ہمیں خود کرنا پڑے گا اور اس لیے جب میں کہتا ہوں کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے تو اس میں دونوں باتیں شامل ہیں یعنی یہ بھی اس میں شامل ہے کہ کسی کام کو اپنے لیے عار نہ سمجھا جائے۔

ہاتھ سے کام کرنے کا مطلب ومفہوم

یوں تو سارے ہی لوگ ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ میں جو لکھتا ہوں یہ بھی ہاتھ سے ہی کام ہے۔ کیا ہاتھ سے نہیں تو زبان سے لکھا جاتا ہے۔ پس ہاتھ سے کام کرنے کو جب میں کہتا ہوں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ عام کام جن کو دنیا میں عام طور پر برا سمجھا جاتا ہے ان کو بھی کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ مثلاً مٹی ڈھونا یا ٹوکری اٹھانا ہے۔ کہی چلانا ہے۔ اوسط طبقہ اور امیر طبقہ کے لوگ یہ کام اگر کبھی

کبھی کریں تو یہ ہاتھ سے کام کرنا ہوگا ورنہ یوں تو سب ہی ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ یہ کام ہمارے جیسے لوگوں کے لیے ہیں کیونکہ ہمیں ان کی عادت نہیں اگر ہم نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری عادتیں ایسی خراب ہو جائیں یا اگر ہماری نہ ہوں ہماری اولادوں کی عادتیں ایسی خراب ہو جائیں کہ وہ ان کو برا سمجھنے لگیں اور پھر کوشش کریں کہ دنیا میں ایسے لوگ باقی رہیں جو ایسے کام کیا کریں اور اسی کا نام غلامی ہے۔

پس جائز کام کرنے کی عادت ہر شخص کو ہونی چاہیے تا کہ کسی کام کے متعلق یہ خیال نہ ہو کہ یہ برا ہے۔ ہمارے ملک کی ذہنیت ایسی بری ہے کہ عام طور پر لوگ لوہار، ترکھان وغیرہ کو کمین سمجھتے ہیں اور جس طرح لوہار، ترکھان اور چوہڑوں کو ذلیل سمجھتے ہیں، اسی طرح دوسرے لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اگر کسی شخص کا لڑکا پولیس یا فوج میں سپاہی ہو جائے اور سترہ روپیہ ماہوار تنخواہ پانے لگے تو اس پر بہت خوشی کی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار کمانے والا ترکھان یا لوہار بن جائے تو تمام قوم روئے گی کہ اس نے ہماری ناک کاٹ ڈالی کیونکہ اسے کمیوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے کاموں کی جماعت میں عادت ڈالی جائے۔ ایک طرف تو کام کرنے کی عادت ہو اور دوسری طرف ایسے کاموں کو عیب نہ سمجھنے کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت کا کوئی طبقہ ایسا نہیں رہے گا کہ جو کسی حالت میں بھی یہ کوشش کرے کہ دنیا میں ضرور کوئی نہ کوئی حصہ غلام رہے اور اگر کبھی اس کی اصلاح کا سوال پیدا ہو تو اس میں روک بنے جیسے جب یہاں چوہڑوں کو داخل اسلام کرنے کا سوال پیدا ہوا تو بعض لوگ گھبرانے لگے تھے۔ جماعت کے کچھ لوگ بڑھئی بنیں، کچھ لوہار بنیں، کچھ ملازمتیں کریں۔ غرضیکہ کوئی خاص کام کسی سے منسوب نہ ہوتا وہ ذلیل نہ سمجھا جائے۔......

کوئی جائز کام اور پیشہ ذلیل نہیں

کام کرنے کی عادت ڈالنا نہایت ہی اہم چیز ہے اور اسے جماعت کے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے تا جو لوگ سست ہیں وہ بھی چست ہو جائیں اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔ جب تک ہم یہ احساس نہ مٹا دیں کہ بعض کام ذلیل ہیں اور ان کو کرنا ہتک ہے یا یہ کہ ہاتھ سے کام کما کر کھانا ذلت ہے اس وقت تک ہم دنیا سے غلامی کو نہیں مٹا سکتے۔ لوہار، بڑھئی، دھوبی، نائی

غرض یہ کہ کسی کا کام ذلیل نہیں۔ یہ سارے کام دراصل لوگ خود کرتے ہیں۔ ہر شخص تزئین کرتا ہے اپنی ڈاڑھی مونچھوں کی صفائی کرتا ہے یہی حجام کا کام ہے۔ بچہ پیشاب کر دے تو امیر غریب ہر ایک اسے دھوتا ہے جو دھوبی کا کام ہے۔ تو یہ سب کام انسان کسی نہ کسی رنگ میں خود کرتا ہے۔ مگر اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ لگے اور خود بھی محسوس نہ کرے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایسے رنگ میں کرے کہ وہ سمجھتا ہو کہ گو یہ کام برا سمجھا جاتا ہے مگر دراصل برا نہیں اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہر انسان اپنی طہارت کرتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہی چوہڑوں والا کام ہے اور جب تک کوئی شخص یہ چوہڑوں والا کام نہ کرے لوگ اسے پاگل سمجھتے ہیں اور اس سے زیادہ غلیظ اور کوئی ہوتا نہیں۔ تو جب تک ایسے تمام کام کرنے کی عادت نہ ہو ان کے کرنے والوں کی اصلاح بری لگتی ہے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 130 تا 137)

کوئی نہ کوئی پیشہ اور فن ضرور سیکھنا چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 21/ اپریل 1939ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میرے خیال میں خالی پڑھنا لکھنا کافی نہیں بلکہ کتابی تعلیم کی نسبت عملی تعلیم کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اسی لیے میں نے تحریک جدید میں یہ بات بھی رکھی تھی کہ کوئی شخص بے ہنر نہ رہے۔ ہر احمدی کو کوئی نہ کوئی پیشہ آنا چاہیے اور اس لیے میں صرف لفظی تعلیم پر بس نہیں کروں گا۔ بلکہ کوشش کروں گا کہ ہر فرد کوئی نہ کوئی پیشہ جانتا ہو کوئی نجاری، کوئی لوہار کا کام، کوئی موچی کا کام، کوئی کپڑا بُننا اور کوئی معماری وغیرہ جانتا ہو۔ غرضیکہ ہر شخص کوئی نہ کوئی پیشہ اور فن جانتا ہو۔

اسی طرح بعض اور باتیں جو عملی زندگی میں کام آنے والی ہیں وہ بھی سیکھنی چاہئیں۔ میں انہیں کھیلیں نہیں بلکہ کام ہی سمجھتا ہوں مثلاً گھوڑے کی سواری، تیرنا، کشتی چلانا اور تیراندازی وغیرہ ہیں ہر احمدی کوشش کرے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی کام سیکھے اور ہو سکے تو سب سیکھے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کئی بار یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور ان سے سُن کر میں نے بھی کئی دفعہ سُنایا ہے کہ حضرت اسماعیل شہید ایک دفعہ دہلی سے اپنے پیر حضرت سید احمد بریلوی صاحب سے جو افغانستان کی سرحد پر سکھوں کے ساتھ لڑنے کی تیاری کر رہے تھے ملنے کے لیے جا رہے تھے جب وہ

اٹک پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک سکھ ایسا اچھا تیراک ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا انہوں نے پوچھا کہ کیا کوئی مسلمان بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اُنہیں بتایا گیا کہ نہیں۔ یہ سُن کر باوجود اس کے کہ وہ ایک نہایت اہم کام پر جارہے تھے وہیں ٹھہر گئے، تیرنے کی مشق کی، اس سکھ سے مقابلہ کیا اور پھر اسے شکست دے کر آگے بڑھے۔ یہ ایمانی غیرت ہے۔ پہلے مسلمان یہ گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی شخص کسی فن میں بھی ان سے آگے بڑھ جائے لیکن اب تو یہ حالت ہے کہ جب مسلمان کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان میں کوئی غیرت پیدا ہو وہ کندھے ہلاتے ہوئے گزر جاتے ہیں کہ ہمیں کیا۔ مومن میں یہ غیرت ہونی چاہیے کہ کسی فن میں بھی کوئی اس سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ پس ہر احمدی کو کوئی نہ کوئی پیشہ اور فن ضرور سیکھنا چاہیے اور اس کے لیے جماعت کے پیشہ ور دوست اپنے نام لکھوائیں کہ وہ کس حد تک اپنا کام دوسروں کو سکھا سکتے ہیں۔ اس سکیم کو عملی صورت دینے کے لیے میں بعد میں کمیٹیاں مقرر کروں گا میرا مطلب یہ ہے کہ یہ پیشے اس حد تک ہر شخص کو آجائیں کہ وہ اپنے گھر میں بطور شغل ان کو کرسکے اور پھر انہیں ترقی دے سکے۔ جب کوئی پیشہ معمولی طور پر آجائے تو پھر رغبت سے اسے بڑی ترقی دی جاسکتی ہے۔

پیشوں کے علاوہ فنون بھی سیکھنے چاہئیں

پیشوں کے علاوہ بعض فنون بھی ایسے ہیں جو سیکھنے چاہییں جنگ عظیم کے زمانہ میں ولایت میں ایک شخص بارکر نامی تھا اس کے متعلق بہت شور پڑا کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑ دیتا ہے۔ وہاں یہ بات خلاف قانون ہے کہ کوئی شخص بغیر سرٹیفکیٹ حاصل کیے سرجری کا پیشہ اختیار کرے۔ اس لیے اس پر مقدمہ چلایا گیا مگر سینکڑوں فوجیوں نے شہادتیں دیں کہ اس شخص نے ہماری ایسی ہڈیاں جوڑ دی ہیں جن کو ڈاکٹر لا علاج قرار دے چکے تھے۔ آخر گورنمنٹ کو اسے سرٹیفکیٹ دینا پڑا۔ یہاں قادیان میں بھی بعض لوگ ایسے فن جانتے ہیں اور باہر بھی ہیں۔ بعض نائی یا اور لوگ ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑ دیتے ہیں یا بڑے بڑے خراب زخم اچھے کر دیتے ہیں مجھے خود یاد ہے بچپن میں میرے پاؤں میں ایک دفعہ سخت چوٹ لگی تھی اور وہاں کبھی کبھی شدید درد ہوتا تھا یہاں ایک دوست کی بیوی کو یہ فن آتا تھا کہ ایسی چوٹوں کا علاج کرسکے۔ ایک دفعہ میاں بیوی میں جھگڑا ہوا اور بیوی میرے پاس شکایت لے کر آئی کہ میرا

خاوند مجھے اس کام سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ غیر مردوں کی چوٹوں پر مالش وغیرہ نہیں کرنے دوں گا یہ ناجائز ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات تو صحیح نہیں احادیث سے تو ثابت ہے کہ صحابہ میں عورتیں ہی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں اس وقت تو مجھے خیال نہ آیا مگر بعد میں جب ایک دفعہ اس درد کا حملہ ہوا تو میں نے پتہ کرایا وہ عورت تو فوت ہو چکی تھی مگر مجھے بتایا گیا کہ اس نے اپنی لڑکی کو وہ فن سکھایا ہوا ہے میں نے اسے بلوا کر پاؤں پر مالش کرائی اس نے کہہ دیا تھا کہ پہلے یہاں ورم ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو تین روز تو بہت ورم رہا پھر آرام آ گیا اور اب دس سال کے قریب ہو چکے ہیں وہاں درد نہیں ہوا حالانکہ پہلے میں ہمیشہ علاج کراتا رہتا تھا۔ کئی مرہمیں لگا چکا تھا اور آیوڈین وغیرہ بھی لگا تا رہتا تھا۔ تو یہ فن جیسے ہڈی ٹھیک کرنا کہتے ہیں کئی لوگ جانتے ہیں۔ یہ مجھے معلوم نہیں کہ طبی اصطلاح میں اسے کیا کہا جاتا ہے مگر بعض اَن پڑھ لوگ اس کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ ڈاکٹروں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ بعض نائیوں کے پاس ایسی مرہمیں ہیں کہ جن سے ڈاکٹروں کے لاعلاج زخم اچھے ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دفعہ ایک شخص نے لکھا کہ میری لات پر ایک زخم ہے اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ لات کٹوانی پڑے گی۔ حضور علیہ السلام نے اسے لکھا کہ بعض جراح بھی اپنے فن میں بڑے ماہر ہوتے ہیں اور خطرناک زخم اچھے کر دیتے ہیں۔ آپ کٹوانے سے پیشتر کسی جراح سے بھی علاج کرا کر دیکھ لیں۔ بعد میں اس دوست نے لکھا کہ میں نے ایک نائی کو دکھایا تھا جو کہ اس علاقہ میں جراحی کے لیے مشہور تھا اس نے علاج کیا اور اب میں اچھا ہوں اور ڈاکٹر بھی اس پر حیران ہیں۔ تو ایسے فنون ابھی زندہ ہیں سید احمد نور صاحب کابلی کے ناک پر زخم تھا انہوں نے کئی علاج کرائے لاہور کے میو ہسپتال میں گئے ایکسرے کروا کر علاج کرایا مگر زخم اور بھی خراب ہوتا گیا آخر وہ پشاور گئے اور وہاں ایک نائی سے علاج کرایا۔ اس نے صرف تین روز دوائی استعمال کرائی اور زخم اچھا ہو گیا۔ تو اب بھی ایسے ماہرین فن موجود ہیں جن کو ایسے ایسے پیشے آتے ہیں کہ اگر انہیں زندہ رکھا جائے تو ان سے آگے کئی نئے پیشے جاری ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کے جاننے والے چونکہ انہیں زندہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتے اس لیے وہ ترقی نہیں کر رہے۔ اگر ان کی طرف لوگوں کو توجہ ہو تو ان سے آگے کئی فنون چل سکتے ہیں۔ مثلاً یہی ہڈیوں کا ٹھیک کرنا ہے، پہلوان اور نائی اسے جانتے ہیں اور اس سے پرانی دردوں اور ٹیڑھی ہڈیوں کو درست کیا جا سکتا ہے۔ اسے سیکھ کر پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پیشوں کے اظہار میں بخل کا نقصان

پرانے زمانے میں لوگ ان پیشوں کے اظہار میں بہت بخل سے کام لیتے تھے اور کوئی کسی کو بتاتا نہ تھا اس لیے وہ مٹ گئے۔ یورپ والے ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے فن کو عام کر دیتے ہیں۔ اس سے وہ روپیہ بھی زیادہ کما سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے کہ ایک نائی تھا جسے ایسی مرہم کا علم تھا جس سے بڑے بڑے خراب زخم اچھے ہو جاتے تھے۔ لوگ دور دور سے اس کے پاس علاج کرانے کے لیے آتے تھے۔ اس کا بیٹا اس کا نسخہ پوچھتا تو وہ جواب دیتا کہ اس کے جاننے والے دنیا میں دو نہیں ہونے چاہییں۔ آخر وہ بوڑھا ہو گیا، سخت بیمار ہوا تو اس کے بیٹے نے کہا کہ اب تو بتا دیں وہ کہنے لگا اچھا اگر تم سمجھتے ہو میں مرنے لگا ہوں تو بتا دیتا ہوں مگر پھر کہنے لگا کہ کیا پتہ میں اچھا ہی ہو جاؤں اور اس لیے پھر بتانے سے رک گیا۔ چند گھنٹوں بعد اس کی جان نکل گئی اور اس کا بیٹا اس فن سے محروم رہ گیا۔ وہ آرام سے بیٹھا تھا اور مطمئن تھا کہ گھر میں فن موجود ہے لیکن وہ اس کے کسی کام نہ آ سکا۔ تو بخل ترقی کا نہیں بلکہ ذلت اور رسوائی کا موجب ہوتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ خاندانوں کی تباہی کا موجب ہو جاتا ہے۔ تو ان پیشوں اور فنون کا سکھانا مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ اس سے علم ترقی کرتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ فنون خصوصاً مردہ فنون کو ترقی دی جائے۔ بچپن میں ہم بعض باتیں بڑی بوڑھیوں سے سنتے تھے اور خود چونکہ انگریزی طرز کی تعلیم حاصل کرتے تھے اس لیے سمجھتے تھے کہ یہ غلط باتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ بنگال میں اتنی باریک ململ تیار ہوتی تھی کہ سارا تھان انگوٹھی میں سے گزر جاتا تھا۔

اسی طرح اور بھی نہایت اعلیٰ کپڑے تیار ہوتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ باتیں ملکی غیرت کی وجہ سے ہیں مگر جب ادھورا علم مکمل ہوا تو پتہ لگا کہ وہ سب باتیں صحیح تھیں بلکہ ان سے بڑھ کر صحیح تھیں۔ میں نے ایک انگریز کی کتاب پڑھی ہے جس میں اس نے گورنروں اور سرکاری افسروں کی رپورٹوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ بنگال میں بہت سی ایسی صنعتیں تھیں جنہیں انگریزوں نے مٹا دیا ہے یہاں کا تیار کردہ سامان ولایت کے تاجر لے جاتے تھے اور انگلستان کے امراء کے تعیش کا سامان یہاں سے جاتا تھا بلکہ جب میں نے زیادہ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ انگریزوں کے کپڑوں کے نام بھی ایشیائی ہیں مثلاً ململ کو انگریزی میں Museline کہتے ہیں۔ یہ لفظ دراصل موصلین ہے۔ اصل بات ہے کہ اس زمانہ میں

ہندوستان کی تمام تجارت عرب کے رستہ ہوتی تھی اور عربوں کے ہاتھ میں تھی جیسے آجکل انگلستان کے ہاتھ میں ہے بعض چیزوں کے متعلق ہم پہلے سمجھتے تھے کہ وہ انگریز بناتے ہیں مگر جب جنگ شروع ہوئی اور وہ آنی بند ہوگئیں تو ہم حیران ہوتے تھے کہ یہ کیوں نہیں آتیں حالانکہ وہ انگلستان میں تیار ہوتی ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دراصل انگلستان میں نہیں بلکہ جرمن اور بیلجیئم میں بنتی تھیں۔ خصوصاً بعض دوائیاں ایسی تھیں جو جرمن میں بنتی تھیں۔ ہندوستان میں چالیس ہزار تھان بڑا مشہور ہے یہ بیلجیئم میں بنتا ہے۔ انگریز تاجر وہاں سے لاکر ہندوستان میں بیچتے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ انگلستان میں ہی بنتے ہیں۔ غرض جنگ کے دنوں میں جب ایسی اشیاء آنی بند ہوئیں یا کم ہوگئیں تو معلوم ہوا کہ یہ دوسرے ملکوں کی تھیں۔

اسی طرح پرانے زمانہ میں تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی وہ ہندوستان سے خرید کر لے جاتے تھے اور پھر مختلف ممالک میں پہنچاتے تھے۔ اسی طرح ایک مشہور کپڑا ڈمکس ہے۔ یہ دراصل دمشق سے جاتا تھا۔ ایک اور کپڑا ٹفٹ ہے یہ دراصل طافتہ ہے۔ گویا تمام مشہور کپڑوں کے نام یا تو عربی شہروں یا عربی الفاظ سے اخذ کردہ ہیں مگر آج ہمیں یہ خیال تک بھی نہیں آتا کہ یہ چیزیں ہماری ہیں اور یہاں سے جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں تمام تجارت عربوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی مگر ایشیائیوں کے بخل کی وجہ سے یہ یورپ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ یورپ میں ایک آدمی کوئی چھوٹی سی چیز لیتا ہے اور اُسے اس طرح پھیلاتا ہے کہ ہر شخص اسے خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بچوں اور بیماروں کے لیے جو غذائیں ولایت سے آتی ہیں جیسے بیلنس فوڈ وغیرہ یہ یہی جو اور جوار کا آٹا وغیرہ ہیں۔ کسی شخص کو علم ہو گیا اس نے خوبصورت ڈبوں میں بند کیا، لیبل لگائے، ساری دنیا میں اشتہار دیا اور اس طرح فائدہ اٹھایا لیکن ہمارے ملک میں اگر کسی کو علم ہوتا تو وہ اگر اس کی ذات تک نہیں تو اسکے خاندان تک محدود رہتا یا زیادہ سے زیادہ اس گاؤں تک محدود رہتا۔ مگر وہ لوگ اپنے علم کو عام کر دیتے ہیں۔ جرمنی میں تو یہ قانون ہے کہ ہر دوائی کے ساتھ اس کا نسخہ بھی لکھ دیا جائے۔ انہوں نے ایسا قانون بنایا ہوتا ہے کہ نئی دوا کا دریافت کرنے والا ہی چند سالوں تک اسے تیار کر سکتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی اور تیار کرے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جس کا جی چاہے تیار کرے اور اس طرح دریافت کرنے والے کو بھی کافی فائدہ پہنچ جاتا ہے اور علم بھی محدود نہیں رہتا۔ وہ لوگ چھپاتے

نہیں بلکہ عام کرتے ہیں اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔یہی مرہمیں ہیں جو یہاں کے نائیوں کے پاس ہیں۔اگران لوگوں کے پاس ہوتیں تو وہ اس سے لاکھوں کروڑوں روپیہ کماتے اوران کی اشاعت بھی کر دیتے۔وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے لاکھوں روپوں کے کارخانے جاری کر لیتے ہیں۔کونین ہی ہے۔یہ جزائر،بحرالہند یا ان کے قریب کے علاقوں میں پیدا ہوتی ہے۔وہاں کے لوگ اس کے درخت سے بیماریوں کا علاج تو کرتے تھے۔مگر کوئی تجارتی فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے۔وہاں کوئی انگریز ڈاکٹر آیا اسے علم ہوا تو اس نے پہلے اس سے ٹنکچر سنکونا تیار کی اور پھر کسی اور نے کونین بنالی اوراس طرح اس صنعت نے اس حد تک ترقی کی کہ اب وہ لوگ جن کے پاس سے یہ جاتی ہے وہ بھی یورپ سے ہی خریدتے ہیں۔اگر وہ خود اس کام کو جاری کرنے اوراسے وسعت دینے کا خیال کرتے تو خود فائدہ اٹھا سکتے تھے۔تو جو قومیں پیشوں کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیتیں وہ غالب ہو جاتی ہیں اوران میں سے ایسے ماہر پیدا ہو جاتے ہیں کہ گو لوگ جانتے ہیں یہ کام کس طرح کیا جاتا ہے مگر وہ ان سے ہی کراتے ہیں۔کیونکہ فائدہ خالی علم سے نہیں ہوتا بلکہ مہارت سے ہوتا ہے۔

حرفہ اور فنون کی تعلیم بھی عام کی جائے

پس میں صرف یہ نہیں کہتا کہ کتابی علم عام کیے جائیں بلکہ حرفہ اور فنون کی تعلیم کو بھی عام کیا جائے۔یہ صرف غرباء کے لیے ہی نہیں بلکہ امراء کے لیے بھی مفید ہیں۔پھر اس لحاظ سے بھی یہ مفید ہوتی ہیں کہ بعض اوقات بڑے بڑے لوگوں کی بھی نوکریاں چھوٹ جاتی ہیں۔چار پانچ سو بلکہ ہزار ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پانے والے Retirement کی وجہ سے بے کار ہو جاتے ہیں یا ان پر کوئی الزام لگتا ہے اور وہ برخاست ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں اگر کوئی فن آتا ہو تو وہ تجارت وغیرہ شروع کر کے گزارہ کر سکتے ہیں۔لیکن کتابی علم والا صرف نوکری ہی کر سکتا ہے اوراس وجہ سے جب وہ چھوٹ جائے تو گھر میں بیٹھ کر تمام اندوختہ کھا لیتا ہے اور پھر بچے بھی خراب ہوتے ہیں اور خود بھی آخری عمر میں تکلیف اٹھاتا ہے۔

پس میری تجویز یہ ہے کہ پہلے تو تین ماہ (چھ ماہ) کے عرصہ میں سب کو کتابی تعلیم دے دی جائے اس کے بعد حرفہ کی طرف توجہ کی جائے اور جن کو خدا تعالیٰ توفیق دے وہ مجھے لکھیں کہ وہ کیا کیا پیشے

جانتے ہیں اور کتنے لوگوں کو کتنے عرصہ میں سکھا سکتے ہیں اور کیا کیا انتظامات ضروری ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ سب لوگ کوئی نہ کوئی پیشہ سیکھ جائیں۔کوئی نجاری،کوئی معماری،کوئی لوہار کا کام اور کوئی موچی کا کام۔ یہ کام اتنے اتنے سیکھ لیے جائیں کہ گھر میں بطور شغل اختیار کیے جاسکیں اور اگر کوئی مہارت پیدا کرے تو وہ اختیار بھی کر سکے اس سے قومی رنگ میں بھی کئی فوائد ہو سکتے ہیں۔مثلاً اگر موچی کا کام آتا ہو تو ایک دن مقرر کر کے غرباء کے لیے جوتے تیار کیے جا سکتے ہیں۔چمڑا جماعت کی طرف سے دے دیا جائے اور سب بیٹھ کر جوتے تیار کر دیں۔یا معمار،نجار اور لوہار وغیرہ مل کر ایک دن کسی غریب کا مکان بنا دیں۔ یہ خدمت ہوگی جس سے ثواب حاصل ہوگا اور غریب کا مکان بھی بغیر خرچ کے تیار ہو جائے گا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان پیشوں کو عام کر دیا جائے۔ ورنہ اگر پیشہ ور ایسا کرنے لگیں تو سارا سال مفت ہی کرتے رہیں گے۔جس طرح سب مل کر مٹی ڈالتے ہیں اس طرح سب مل کر کسی غریب کا مکان بنا دیں۔ ماہر اور کاریگر معمار اور نجار وغیرہ نگرانی کرتے رہیں اور دوسرے کام کریں۔اس طرح قومی عمارتیں بھی تیار ہو سکتی ہیں۔

پس میں کتابی تعلیم سے زیادہ عملی تعلیم کی وسعت چاہتا ہوں۔ بے شک کتابی علم مفید ہے مگر اس سے بڑھ کر فنون اور پیشوں کا علم مفید ہے اور اس سے قوم کا اقتصادی معیار بلند ہوتا ہے۔

خدام الاحمدیہ تعلیم سکھائے اور کوائف جمع کرے

میں امید کرتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ تین دن کے اندر اندر ایسی سکیم پیش کر دیں گے کہ جس سے تین ماہ (چھ ماہ) کے اندر اندر قادیان میں کوئی شخص ان پڑھ نہ رہے اور ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ لوگ جو پیشے اور فنون جانتے ہیں مجھے اطلاع دے دیں گے کہ وہ کیا کیا پیشے جانتے اور کتنے کتنے لوگوں کو سکھا سکتے ہیں۔بعض فن ایسے ہیں جنہیں عام لوگ جانتے بھی نہیں۔ہم تو یہ عام معمار،نجار،لوہار اور موچی وغیرہ کے پیشوں کو ہی جانتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی بہت سے پیشے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔

میں نے ایک دفعہ پتہ کرایا تھا تو معلوم ہوا کہ ایک دوست کلاہ بنانا جانتے ہیں اور جو دوست ایسے پیشے اور فنون جانتے ہوں وہ بھی مجھے اطلاع دیں اگر ان کو جاری کر دیا جائے تو کئی لوگوں کے گزارہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور کئی ایک کی آمد میں ترقی ہو سکتی ہے۔

تعلیم یافتہ پیشہ ور کے لیے ترقی کے زیادہ مواقع ہیں

پس جسے کوئی پیشہ آتا ہو وہ مجھے اطلاع دے تا دوسروں کو سکھانے کا انتظام کیا جا سکے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ مدرسوں میں ایسے فنون سکھانے کا انتظام کیا جائے اور طالب علم جب ہمارے مدرسہ سے انٹرنس پاس کر کے نکلے تو وہ صرف انٹرنس پاس نہ ہو بلکہ موچی، معمار یا لوہار بھی ہو اور اگر یہ سکیم کامیاب ہو جائے تو جماعت کی اقتصادی حالت میں بہت اصلاح ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ ایسے نوجوانوں کے لیے بھی کام کا انتخاب کرتے وقت وسیع میدان ہو سکتا ہے۔ اب تو انٹرنس پاس کرنے والے نوجوان کے لیے دائرہ بہت محدود ہے وہ صرف کلرکی ہی کر سکتا ہے۔ مگر کوئی پیشہ جاننے کی صورت میں یہ دائرہ بہت وسیع ہوگا۔ مثلاً لوہار کا کام جاننے والا انٹرنس پاس ریلوے میں آسانی کے ساتھ فورمین ہو سکتا ہے اور اڑھائی تین سو روپیہ ماہوار تک تنخواہ پا سکتا ہے۔ مگر کلرک پندرہ بیس سال کی ملازمت کے بعد بمشکل پچھتر روپیہ تک پہنچتا ہے۔ تعلیم یافتہ پیشہ ور کے لیے ترقی کا بہت موقع ہوتا ہے۔

محنت کی عادت کے شیریں پھل

سندھ میں مجھے ایک شخص نے جو وہاں اسسٹنٹ انجینئر تھے سنایا کہ میں لوہار ہوں۔ ان میں یہ خوبی تھی کہ وہ اپنی گزشتہ حالت کو چھپاتے نہ تھے۔ بعض لوگ بہت چھپاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں پہلے بیس تیس کا مستری تھا لیکن جس وقت میں انہیں ملا ہوں وہ خان بہادر اور اسسٹنٹ انجینئر تھے اور انہوں نے لوہار کے کام سے ہی ترقی کی تھی۔ محنتی آدمی تھے۔ رات دن محنت کرنے والے اور خطرہ سے نہ ڈرنے والے تھے انہوں نے سنایا کہ ایک دفعہ دریائے سندھ کا پُل ٹوٹنے لگا اس زور سے طغیانی آئی کہ سب لوگ بھاگ گئے اس کے ایک حصہ کی نگرانی میرے سپرد تھی میں نے سمجھا کہ میری ملازمت کا سارا ریکارڈ آج تباہ ہو جائے گا میں نے سوچا کہ اگر میں خود پیچھے رہا تو کوئی آگے نہ بڑھے گا اس لیے میں خود پانی میں کود پڑا اور ساتھیوں سے کہا کہ کم بختو بھاگتے کہاں ہو اور کچھ نہیں تو مٹی کے بورے بھر بھر کے ہی میرے آگے ڈالتے جاؤ چنانچہ وہ ساری رات مٹی ڈالتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ صبح کے

وقت وہ شگاف بند ہو گیا اور اس طرح ملک بھی تباہی سے بچ گیا اور بیراج پر جو کروڑوں روپیہ خرچ ہو چکا تھا وہ بھی ضائع ہونے سے بچ گیا۔ان کی اس خدمت کی گورنمنٹ نے بہت قدر کی ۔وائسرائے نے بھی خوشنودی کی چٹھی بھجوائی ۔ خان بہادر بنا دیا گیا اور عہدہ میں بھی ترقی ہوئی تو محنت کرنے والا انسان ہمیشہ ترقی کر کے بڑھتا جاتا ہے ۔ ولایت میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اسی طرح ترقی کی ہے ۔ایڈیسن جس نے فونوگراف ایجاد کیا ہے وہ پہلے ایک کارخانہ میں چٹھیاں پہنچانے پر ملازم تھا۔مگر اسے محنت کی عادت تھی جب وہ ایک چٹھی پہنچا کر آتا تو دوسرا آرڈر ملنے تک بیٹھا سائنس کے تجربے کرتا رہتا۔نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ جوانی کو پہنچا تو سائنس سے بخوبی واقف ہو چکا تھا اور مرنے تک اس نے ایک ہزار ایک ایجادات کیں اور ہر کارہ سے کروڑ پتی ہو کر مرا۔

تعلیم اور پیشہ دونوں لازم وملزوم ہیں

ایسے واقعات ہزار ہا ہیں کہ لوگ معمولی مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے بڑے آدمی بن گئے ۔جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔لیکن ہمارے ملک میں یہ ذہنیت ہے کہ لوہار،ترکھان وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تعلیم کی کیا ضروت ہے اور تعلیم حاصل کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی پیشہ سیکھنے کی کیا ضرورت ہے ۔حالانکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی مد ہیں اور مفید ہیں ۔لیکن یہاں جو شخص پڑھے وہ کہتا ہے میں لوہار یا بڑھئی کیوں بنوں اور جو لوہار یا بڑھئی ہو وہ کہتا ہے کہ میں پڑھوں کیوں ۔حالانکہ جو پیشہ ور تعلیم یافتہ ہو وہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ روزانہ کمانے کے بجائے چار پانچ روپے کما سکتا ہے اور تعلیم یافتہ آدمی اگر پیشہ جانتا ہو تو وہ بھی زیادہ ترقی کر سکتا ہے ۔پس طالب علموں کے لیے بھی میرا ارادہ ہے کہ ان کو پیشے سکھانے کا انتظام کیا جائے ۔گو اس کے متعلق ابھی کوئی سکیم میرے ذہن میں نہیں کہ جس سے تعلیم کو نقصان پہنچائے بغیر یہ کام سکھائے جا سکیں اور میں سمجھتا ہوں اگر جماعت اس میں کامیاب ہو جائے تو پہلا لڑکا جسے نوکری ملے وہ ہمارے سکول کا طالب علم ہو گا اور ملازم رکھنے والوں کی نظر انتخاب سب سے پہلے اسی سکول سے پڑھ کر نکلنے والوں پر پڑے گی ۔

پس پیشہ ور احباب اپنے اپنے نام اور پیشے مجھے لکھیں کہ جو دوسروں کو سکھا سکتے ہیں اور خدام

الاحمدیہ تین دن کے اندر اندر مجھے اطلاع دیں کہ تعلیم کو عام کرنے کے لیے ان کی کیا سکیم ہے اور اسی طرح لجنہ دو ہفتہ کے اندر ایسی سکیم پیش کرے کہ جس سے قادیان کی ہر عورت کو تعلیم یافتہ بنایا جا سکے۔''

(روزنامہ الفضل 29 اپریل 1939ء)

کام سے دل چرانا مخفی کبر ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 25 دسمبر 1939ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

''جب تک اپنے اندر یہ یقین اور توکل پیدا نہ کیا جائے کہ اگر کام اچھا ہے تو اسے کرنا ہے خواہ کوئی ساتھ شامل ہو یا نہ ہو اس وقت تک کامیابی محال ہے۔ جب یہ فیصلہ کر لو کہ کوئی اچھا ہے اور طاقت سے باہر نہیں ہے تو لوگ خواہ تمسخر کریں خواہ کچھ کہیں اسے شروع کر دو اور اگر تم ایسا کرو تو وہ کام ضرور ہو جائے گا۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ جب درس دے کر واپس آتے تو ان دنوں جلانے کے لیے گڈوں پر اُپلے آیا کرتے تھے۔ مجھے دو تین مواقع ایسے یاد ہیں کہ چھوٹی مسجد کی سیڑھیوں کے پاس چوک میں وہ اُپلے پڑے ہوتے۔ بارش کے آثار ہوتے تو خادم ان سے کہتا کہ دو چار آدمی دے دیں تا ان کو اندر رکھ لیں۔ آپ فرماتے کہ چلو ہم آدمی بن جاتے ہیں اور قرآن شریف کسی کے ہاتھ میں دے کر اُپلے اُٹھانے لگ جاتے اور پھر دوسرے لوگ بھی شامل ہو جاتے۔ پس کام کرنے سے دل چرانا بھی ایک مخفی کبر کا نتیجہ ہوتا ہے اور جب تک یہ خیال دل سے نہ نکالو گے کہ ہم اکیلے کس طرح کام کر سکتے ہیں، کامیابی کی توقع فضول ہے۔''

(تاریخ مجلس خدام الاحمدیہ جلد اول صفحہ 112)

احمدی تجار تجارت کرنے والے طبقہ میں تبلیغ کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 16 جولائی 1940ء کو ایک خطبۂ نکاح میں فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے یہ بھی ایک احسان سمجھتا ہوں کہ تجارت کرنے والے طبقہ میں سے بھی احمدی ہوں جو اپنے طبقہ میں تبلیغ کر سکیں۔

حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں احمدی ہوئے ان میں بڑا اخلاص تھا اور خوب تبلیغ کرنے والے تھے۔ ان کا ایک واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑے درد سے سنایا کرتے تھے اور مجھے بھی جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ان کے لیے دعا کی تحریک ہوتی ہے۔ ابتدا میں ان کی مالی حالت بڑی اچھی تھی اور اس وقت وہ دین کے لیے بڑی قربانی کرتے تھے۔ تین سو، چار سو، پانچ سو روپیہ تک ماہوار چندہ بھیجتے تھے۔ خدا کی قدرت وہ بعض کام غلط کر بیٹھے اور اس وجہ سے ان کی تجارت بالکل تباہ ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو یہ الہام ان ہی کے متعلق ہوا،

قادر ہے وہ بارگاہ جو ٹوٹا کام بناوے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

جب یہ الہام ہوا تو پہلے مصرعہ کی طرف ہی خیال گیا اور ’’قادر ہے وہ بارگاہ جو ٹوٹا کام بناوے‘‘ سے یہ سمجھا کہ سیٹھ صاحب کا کاروبار پھر درست ہو جائے گا اور دوسرے مصرعہ ’’بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے‘‘ کی طرف ذہن نہ گیا کہ پہلے کام بن کر پھر بگڑ جائے گا بلکہ اسے ایک عام اصول سمجھا گیا۔ سیٹھ صاحب کے کاروبار کو دھکا لگنے کے بعد دو تین سال حالت اچھی ہوگئی مگر پھر خراب ہوگئی اور یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ بعض اوقات کھانے پینے کے لیے بھی ان کے پاس کچھ نہ ہوتا۔

ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب محبت کے رنگ میں ان کا ذکر کیا۔ فرمایا سیٹھ عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا صاحب کا اخلاص کتنا بڑھا ہوا تھا پانچ سو روپے کی رقم تھی جو انہوں نے اس موقع پر بھیجی تھی۔ کسی دوست نے ان کی مشکلات کو دیکھ کر دو تین ہزار روپیہ انہیں دیا کہ کوئی تجارتی کام شروع کر دیں یا برتنوں کی دکان کھول لیں۔ اس میں سے پانچ سو روپیہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھجوا دیا اور لکھا مدت سے میں چندہ نہیں بھیج سکا اب میری غیرت نے برداشت نہ کیا کہ جب خدا تعالیٰ نے مجھے ایک رقم بھجوائی ہے تو میں اس میں سے دین کے لیے کچھ نہ دوں۔ غرض خدمت دین کے لیے ان کا اخلاص بہت بڑھا ہوا تھا۔......

مکرم ومحترم سیٹھ عبداللہ صاحب کا ذکرِ خیر

ان کے بعد سلسلہ میں بڑے تاجروں میں سے کوئی نہ رہا تھا اور خیال آیا کرتا تھا کہ تاجروں میں سے کوئی احمدی ہوتا کہ اس طبقہ میں تبلیغ کی جا سکے۔ پنجاب میں تو کوئی بڑا مبائع تاجر نہیں ہے۔ معمولی ہیں ان کی اور بات ہے۔ سیٹھ عبداللہ صاحب کو خدا تعالیٰ نے شروع خلافت میں ہی دے دیا اور انہوں نے اسی وقت سے نہایت سرگرمی کے ساتھ تبلیغ شروع کر دی جس پر آج بائیس تیئس سال کا زمانہ گزر رہا ہے مگر ان کے جوشِ تبلیغ میں فرق نہیں آیا۔ ان پر خدا تعالیٰ کا یہ بھی فضل ہو گیا کہ وہ پہلے بہت اُونچا سنتے تھے کان پر ایک کپی سی لگا کر بیٹھتے تھے اور جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی ہے یہ مرض بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اس وقت کہا کرتے تھے کہ دعا کریں کان درست ہو جائیں تا کہ تقریریں اچھی طرح سُن سکوں۔ اب خدا تعالیٰ نے ان پر ایسا فضل کیا ہے کہ کان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر دور بیٹھے ہوئے بھی سُن لیتے ہیں۔ پہلے تو ان کی یہ حالت تھی کہ میرے سامنے میز پر بیٹھ کر یا میز سے ٹیک لگا کر لاؤڈ سپیکر کا سا آلہ کان سے لگا کر سنا کرتے تھے۔

میں نے ان کے اخلاص اور تبلیغی خدمات کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ ہمارے کام کرنے والے نوجوان ان سے سبق سیکھیں اور دیکھیں کہ کس طرح ایک شخص بڑی عمر میں جب آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے کام کر رہا ہے۔''

(خطباتِ محمود جلد 3 صفحہ 542 تا 545)

ہاتھ سے کام نہ کرنے والا حرام خور ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 6رفروری 1941ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

'' آجکل مصیبت یہ ہے کہ بڑے آدمی خیال کرتے ہیں کہ ہاتھ سے کام کرنا ان کی ہتک کا موجب ہے حالانکہ میرے نزدیک جو شخص ہاتھ سے کام نہیں کرتا وہ حرام خور ہے۔ خدا نے انسان کو ہاتھ اس لیے نہیں دیے کہ وہ ان سے کوئی کام نہ لے بلکہ ہاتھ کام کرنے کے لیے ہی خدا نے دیے ہیں۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے زبان دی ہے اور زبان کا استعمال نہ کرنا گناہ ہے، خدا تعالیٰ نے پاؤں دیے

ہیں اور پاؤں کا استعمال نہ کرنا گناہ ہے۔اسی طرح خدا تعالیٰ نے ہاتھ دیے ہیں اور ہاتھوں کا استعمال نہ کرنا بھی گناہ ہے۔جو شخص قیدی بن کر چار پائی پر لیٹا رہتا ہے اور اپنے ماتحتوں کو حکم دیتا رہتا ہے کہ اس طرح کرو اور اُس طرح کرو وہ حرام خوری کرتا ہے۔پس ہر شخص کو اپنے ہاتھوں سے کام کرنا چاہیے اسی لیے خدام الاحمدیہ روزانہ ہاتھوں سے مشقت کا کام کرتے ہیں اور ایک دن خاص طور پر سب لوگوں کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔اس قسم کے اجتماعی عمل کی غرض یہی ہے کہ ہر انسان ان نعمتوں کا شکر ادا کرے جو خدا تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں۔جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور لوگ بے شک کام کریں مگر میں نہیں کر سکتا وہ شرم وحیا سے عاری انسان ہے۔''

(احمدیت دنیا میں اسلامی تعلیم وتمدن کا صحیح نمونہ پیش کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔انوار العلوم جلد 16 صفحہ نمبر 127،128)

افراد کا محنت نہ کرنا ایک قومی جرم ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28؍فروری 1941ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''محنت کرنا بھی انہی اخلاق میں سے ہے جن کا دوسروں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔بظاہر انسان سمجھتا ہے کہ میں کام کروں یا نہ کروں دوسروں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔حالانکہ وہ مشین کا ایک پرزہ ہوتا ہے اور اس کی خرابی کے ساتھ ساری مشین کی خرابی اور اس کی عمدگی کے ساتھ ساری مشین کی عمدگی وابستہ ہوتی ہے۔اگر یہ پرزہ ناکارہ ہوگا تو مشین پر لازماً اثر پڑے گا۔جیسے دو بیل ایک گاڑی میں جُتے ہوئے ہوں تو کیا ایک کہہ سکتا ہے کہ یہ عمل میری مرضی پر منحصر ہے کہ میں چلوں یا نہ چلوں۔وہ دونوں چلیں گے تو گاڑی چلے گی اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے گا تو گاڑی نہیں چل سکے گی۔اسی طرح تمام بنی نوع انسان مشین کے پرزے ہیں ایک ملک کے رہنے والے اپنی حدود میں مشین کے پرزے ہیں اور ایک شہر کے رہنے والے ان پرزوں سے زیادہ قریب کے پرزے ہیں۔اگر ان میں سے ایک بھی صحیح طور پر اپنے فرائض کو سرانجام نہیں دے گا تو لازماً اس کا دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔

قادیان میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی رہتی ہیں۔ایک شخص محنت نہیں کرتا اور نہ اپنے بیوی بچوں کے گزارہ کی کوئی صورت اختیار کرتا ہے۔لوگ اسے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو مزدوری کرو محنت کرو اور اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا انتظام کرو۔مگر وہ کہتا ہے کہ تم کو کیا میں محنت کروں یا نہ کروں یہ میرا اختیار

ہے۔ تمہیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اب بظاہر یہ جواب صحیح معلوم ہوتا ہے مگر جب نتیجہ دیکھا جائے تو اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کی بیوی بچے کہتے پھرتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے۔ ہمارا کوئی خیال کرے۔ اب ایک تو وہ غریب یتیم ہوتے ہیں جن کو کما کر کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا اور ایک یہ غریب ہوتے ہیں کہ ان کا کمانے والا موجود ہے مگر وہ کماتا نہیں اور محنت سے جی چراتا ہے۔ اگر وہ محنت سے کام کرتا اور خود کما کر بیوی بچوں کو کھلاتا تو صدقہ وخیرات کا ایک حصہ اس کے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی بجائے ان غرباء پر خرچ کیا جاتا جن کو کما کر کھلانے والا کوئی نہیں اور حق بحق دار رسید پر عمل ہوتا۔ لیکن اگر بعض گھروں میں کمانے والے تو موجود ہیں مگر وہ کما کر نہ لائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ صدقہ وخیرات کی رقم بٹ جائے گی اور کچھ تو اُن غرباء کو ملے گی جن کا کمانے والا کوئی نہیں اور کچھ ان کو ملے گی جن کے کمانے والے تو ہیں مگر وہ محنت نہیں کرتے اور اس طرح اصل مستحقین کی روٹی آدھی ہو جائے گی۔ آخر محلے والوں کے پاس کوئی جادو تو نہیں ہوتا کہ وہ جتنا روپیہ چاہیں دوسروں کو دے دیں۔ وہ اپنے اخراجات میں سے تنگی برداشت کر کے کچھ روپیہ بچاتے اور غرباء کو دیتے ہیں مگر یہ نکمے لوگ غرباء کے حصہ کو کھا جاتے اور اپنی قوم اور اپنے محلّہ والوں پر ایک بوجھ بنے رہتے ہیں۔

اگر اس قسم کے لوگوں کے بیوی بچے دوسروں سے مانگیں نہ اور یہ نہ کہیں کہ ہمیں کچھ دو ہم بھوکے مر رہے ہیں تو کم از کم یہ ضرور کہیں گے کہ ہمیں اتنا ادھار دو۔ جو لوگ شریف ہوتے ہیں وہ ان کو دے تو دیتے ہیں مگر دل میں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ نہ ان لوگوں نے روپیہ کمانا ہے اور نہ اس سے ہمیں واپس ملنا ہے۔ اب دیکھ لو محنت کرنے کا اثر قوم پر پڑا یا نہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیوی بچوں کو قادیان میں چھوڑ کر آپ کہیں باہر بھاگ جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بیوی بچے سلسلہ پر بار بن جاتے ہیں اور پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کے پاس چٹھیوں پر چٹھیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے۔ ہمارا کوئی انتظام کیا جائے، اب بظاہر تو ایسا شخص جو بیوی بچوں کو قادیان میں بٹھا کر آپ کہیں غائب ہو جائے کہہ سکتا ہے کہ کسی کو مجھ پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے بیوی بچے چھوڑے ہیں تو میں نے اور اگر مریں گے تو میرے بیوی بچے مریں گے نہ کہ کسی اور کے۔

لیکن اگر یہی اصل قوم اختیار کر لے اور ان کی طرف توجہ نہ کرے تو آیا تمام جماعت ایک ملامت

کے نیچے آ جائے گی یا نہیں کہ فلاں آدمی بھوکے مر گئے اور جماعت نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ لوگوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ان کا تعلق ہے اور ضرور ہے کیونکہ اگر وہ ان کی خبر نہ لیں تو بدنام ہو جائیں گے۔ پس قوم ان کی خبر گیری کرنے پر مجبور ہوتی ہے حالانکہ اگر ایسے لوگ خود محنت کریں اور مشقت کا کام کر کے اپنی روزی کمائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اور ان کے بیوی بچے قوم پر بار ثابت ہوں۔ پس محنت نہ کرنا بھی کسی کا ذاتی فعل نہیں بلکہ ایک قومی جرم ہے۔ اسی طرح گو آجکل یہ بات کسی قدر کم ہوگئی ہے مگر پہلے بالعموم مسلمان تاجر اور کارخانہ دار بھی ہندوؤں کو ملازم رکھتے تھے، مسلمانوں کو نہیں اور جب پوچھا جائے کہ مسلمانوں کو ملازم کیوں نہیں رکھتے تو ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ کوئی مسلمان دیانتدار نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے دیانتدار لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر جانتے ہو اس کی تہہ میں کیا بات ہے۔

بعض افراد کی غلطیوں سے قومیں بدنام ہو جاتی ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک حصہ بددیانت ہو گیا تو اس نے باقیوں کو بھی بددیانت مشہور کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ چند بددیانت اور خائن مسلمانوں کی وجہ سے سب مسلمانوں کو نوکری ملنا مشکل ہوگئی۔ گویا ان بددیانتوں نے نہ صرف اپنا ہی رزق بند کیا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے رزق کو بھی بند کیا۔ لوگوں میں یہ عام رواج ہوتا ہے کہ جب انہیں کسی شخص سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کی تمام قوم کا نام لے کر کہتے ہیں کہ وہ سب قوم ایسی ہی ہے۔

ہم اپنے کاموں میں بھی دیکھتے ہیں کہ جہاں کسی احمدی سے کوئی غفلت ہوتی ہے سب لوگ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ بس جی دیکھ لیا احمدی ایسے ایسے ہوتے ہیں۔ بلکہ خود بعض دفعہ احمدی بھی اس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسے مقامات میں بعض کارخانے اوروں کو ملازم رکھ لیتے ہیں مگر احمدیوں کو نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ احمدی اچھے نہیں ہوتے ہیں۔ اب کوئی احمدی ایسا ہوا ہوگا جس نے اپنا برا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہوگا۔ مگر اس ایک کی وجہ سے بدنام ساری قوم ہوئی۔

لیکن اگر اس میں محنت کی عادت ہوتی۔ اگر وہ دیانت اور امانت کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوتا

تو نہ صرف وہ اپنی روٹی کما سکتا بلکہ دوسرے احمدیوں کی روٹی کا بھی انتظام ہو جاتا۔ کیونکہ وہ لوگ کہتے یہ احمدی تھا جس نے بڑی دیانتداری سے کام کیا۔ اب اور کاموں پر بھی ہم احمدیوں کو ہی مقرر کریں گے تا کہ ہمارے کام خوش اسلوبی سے ہوتے رہیں۔ غرض اگر ایک آدمی اچھا کام کرتا ہے تو دوسرے کی روٹی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اگر ایک آدمی اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتا ہے تو اورلوگوں کی روٹی بند ہو جاتی ہے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 263 تا 266)

بوہروں کی تجارت میں ترقی کا راز

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 31 ؍جولائی 1942ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہمارے بعض دوست ایک دفعہ بمبئی گئے اور وہ تبلیغ کے لیے بعض بوہرہ قوم کے تاجروں سے ملے تو دوران گفتگو میں ہمارے دوستوں نے ان سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کی قوم کے سب لوگوں کی مالی حالت اچھی ہے اور کسی کی تجارت گری ہوئی نظر نہیں آتی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے جب کسی شخص کی تجارت گر جاتی ہے اور اس کی مالی حالت سخت کمزور ہو جاتی ہے تو ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ وہ ہماری پنچایت میں درخواست دیتا ہے کہ میری تجارت گر گئی ہے اور پنچایت والے کوئی ایک چیز فروخت کرنے کے لیے اسے دے دینے کا فیصلہ کر دیتے ہیں مثلاً دیا سلائی بظاہر ایک چھوٹی سی چیز ہے مگر پنچایت فیصلہ کر دے گی کہ تمام دیا سلائیاں اسے دے دی جائیں۔ چنانچہ ہم میں سے جن جن تاجروں کے پاس دیا سلائیاں ہوں گی وہ اسے دے دیں گے اور کہیں گے کہ اتنی قیمت میں ہم نے دیا سلائیاں فروخت کرنی تھیں۔ تم اس سے زیادہ قیمت پر دیا سلائیاں فروخت کر کے اصل قیمت ہمیں دے دینا اور نفع خود رکھ لینا۔ اس فیصلہ کے مطابق تمام قوم اسے دیا سلائیاں دے دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد دکان پر جب گاہک آتا ہے اور کہتا ہے کہ دیا سلائی چاہیے تو دکاندار جواب دے دیتا ہے کہ دیا سلائی تو ختم ہو چکی ہے آپ کو اگر ملے گی تو فلاں سیٹھ کی دکان سے ملے گی، پھر وہ دوسری دکان پر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیا سلائی چاہیے وہ دکاندار بھی جواب دیتا ہے کہ دیا سلائی تو ختم ہو چکی ہے ہاں اگر آپ لینا چاہیں تو آپ کو فلاں سیٹھ کی دکان سے ملے گی۔ آخر اسی طرح دس بیس دکانوں پر وہ جاتا

ہے اور جب کسی دکان سے بھی اسے دیا سلائی نہیں ملتی تو اس پر اس بات کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اب مجھے دیا سلائی جس قیمت پر بھی مل جائے لے لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ اسی دکان پر جاتا ہے جس کا سب نے اسے پتہ بتایا ہوتا ہے اور وہی دیا سلائی جو چار آنے گرس ہوتی ہے وہ دکاندار چھ آنے گرس دیتا ہے اور خریدار اس قیمت پر بھی دیا سلائی کا میسر آنا غنیمت سمجھ کر خرید لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر میں نے یہاں سے بھی دیا سلائی نہ لی تو پھر مجھے کہیں سے نہیں ملے گی۔

یہ فائدہ جو بوہروں کو حاصل ہے درحقیقت انہیں اپنے جتھے کی وجہ سے حاصل ہے، علاوہ ازیں اس میں اس بات کا بھی ایک حد تک دخل ہوتا ہے کہ بالعموم بڑے شہروں میں باہر سے جو تاجر سودا خریدنے کے لیے آتے ہیں وہ شہر کے خاص خاص حلقوں سے ہی سودا خریدنے کے عادی ہوتے ہیں اور اگر ان حلقوں میں انہیں کسی چیز کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی اور دکان سے نہیں بلکہ فلاں دکان سے ہی مل سکتی ہے تو اس اثر کے ماتحت جو اس حلقہ سے انہوں نے قبول کیا ہوا ہے اسی دکان پر چلے جاتے ہیں اور وہ دکاندار زیادہ گراں قیمت پر ہر چیز فروخت کر کے نفع خود رکھ لیتا اور اصل قیمت مالکوں کو واپس کر دیتا ہے اور اس طرح تھوڑے دنوں کے اندر اندر پھر ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بعض دفعہ کسی کو مٹی کے تیل کا ٹھیکہ دے دیتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی اور چیز فروخت کرنے کے لیے دے دیتے ہیں اور باقی تمام قوم کے افراد سختی سے اس بات کی پابندی کرتے ہیں کہ خود اس چیز کو فروخت نہ کریں۔

اب بظاہر یہ ایک قربانی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ ہر ایک کے فائدہ اور ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ کسی کو کیا پتہ کہ کل اس کی کیا حالت ہو جائے اور اگر آج اس کا لاکھوں روپیہ کا کاروبار ہے تو کل اس کی تجارت گر جائے اور اس کی مالی حالت کمزور ہو جائے ایسی حالت میں یہی قانون اس کی ترقی کا بھی موجب بن سکتا ہے۔ پس گو یہ ایک قربانی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت سب کی ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کا فائدہ کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ تمام قوم کو پہنچتا ہے۔ ہمارے قادیان میں صرف چند احمدی تاجر ہیں لیکن اگر یہاں اس طریق کو جاری کیا جائے تو میرا خیال ہے ان میں سے کئی برا منائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا نقصان کر دیا ہے حالانکہ اگر کل ان کی اپنی حالت خراب ہو تو اسی قانون سے وہ خود بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بہرحال انہوں نے بتایا کہ اس دستور کی وجہ سے ہماری قوم گرتی نہیں بلکہ جب بھی کسی کو تجارت

میں خسارہ ہوتا ہے باقی قوم کے افراد کسی ایک چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ ہم فروخت کر کے نفع نہیں اٹھائیں گے بلکہ اصل قیمت پر اپنے بھائی کے پاس فروخت کر دیں گے تا کہ نفع سے وہ اپنی حالت کو بہتر بنا سکے۔اس طرح نہ صرف ان کا بھائی ترقی کر جاتا ہے بلکہ ان کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ اور بیسیوں چیزیں ان کی دکان پر فروخت کرنے کے لیے موجود ہوتی ہیں۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 290، 291)

مرد کا حسن اس کی طاقت اور کام میں ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 18 اکتوبر 1942ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

''مرد کا حسن اس کے بناؤ سنگھار میں نہیں بلکہ اس کی طاقت اور کام میں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو دنیا میں کام کرنے والے ہیں عورتیں ان سے شادی کرنے کے لیے بیتاب رہتی ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ ان کے ساتھ شادی کرنے میں ان کی عزت ہے اور ایسے مرد سے وابستہ ہونا کبھی پسند نہیں کرتیں جو محض ظاہری بناؤ سنگھار کی طرف توجہ رکھتا ہو اور کام کوئی نہ کرتا ہو۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 342)

تجارت میں خاص نفع ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 18 اکتوبر 1942ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''ایک اور بات یاد رکھو آج تجارت میں خاص نفع ہے۔ ہوشیار زمیندار یا غیر زمیندار گاؤں میں دکانیں نکال لیں آجکل تجارت میں گھاٹے کا احتمال بہت کم ہے آجکل نفع ہی نفع ہے، ہر چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے گھٹتی نہیں۔ آج ایک چیز پانچ روپے میں ملتی ہے تو کل اس کی قیمت چھ روپے ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی اپنی بے وقوفی سے نقصان اٹھا لے تو اور بات ہے ورنہ آجکل تجارت میں خسارے کا احتمال بہت ہی کم ہے یہ فائدہ اٹھانے کا وقت ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے فائدہ اٹھانا چاہیے۔''

(خدام الاحمدیہ سے خطاب۔ انوار العلوم جلد 16 صفحہ 445)

خریداری چیز دیکھ کر کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28؍دسمبر 1943ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''ہمارے ملک میں روزانہ تجارتی کاموں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ دس روپے لو اور مجھے اس کے عوض گندم بھجوا دو۔جب گندم والا اسے گندم بھجوا دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے ایسی گندم بھجوانے کے لیے تو نہیں کہا تھا میں نے تو اور قسم کی گندم کا مطالبہ کیا تھا اور جس نمونہ کے مطابق گندم بھجوانے کا میں نے آرڈر کیا تھا اُس کو تم نے ملحوظ نہیں رکھا۔اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب سودا لو تو دیکھ کر لو تا کہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

یورپین قوموں نے انہی جھگڑوں کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کے نمونے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور انہی نمونوں کے مطابق وہ اجناس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔اچھی گندم،اچھی کپاس،اچھی جوار اور اچھے چاولوں وغیرہ کے نمونے انہوں نے شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں بند کر کے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ان مرتبانوں پر وہ تمام کوائف لکھ دیتے ہیں کہ یہ گندم یا کپاس فلاں قسم کی ہے۔فلاں خصوصیات اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔اس طرح اس کی صفائی وغیرہ کے متعلق بھی جو شرائط ضروری ہوں وہ بھی اوپر درج کر دیتے ہیں اور جب وہ اُسی قسم کی جنس کہیں سے خریدنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ نمونہ موجود ہے ہمیں ایسی گندم یا ایسی جوار یا ایسی کپاس چاہیے۔اگر تاجر اس قسم کی گندم یا کپاس مہیا کر دینے کا وعدہ کرے تو گورنمنٹ اپنے ریکارڈ میں اس امر کو محفوظ کر لیتی ہے کہ فلاں فرم کے تاجر سے اس نمونہ کے مطابق گندم یا کپاس لینی ہے۔پھر جب وہ گندم یا کپاس مہیا کرتا ہے تو ماہرین فن نمونہ کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں کہ جنس کہاں تک نمونہ کے مطابق ہے۔اگر وہ نمونہ کے مطابق ہو اور کسی قسم کا نقص اس میں نہ ہو تو گورنمنٹ اس مال کو لے لیتی ہے ورنہ ماہرین فن یہ اندازہ لگا کر کہ نمونہ کے مقابلہ میں کسی قدر کمی ہے حرجانہ ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ نمونہ سے فلاں فلاں بات میں اختلاف رکھتی ہے اس لیے ہم اس قدر حرجانہ تجویز کرتے ہیں۔''

(اسوۂ حسنہ۔انوار العلوم جلد 17 صفحہ 56)

محنت مشقت برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 23؍جون 1944ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’محنت اور مشقت برداشت کرنے کی عادت بھی ہمارے نوجوانوں میں ہونی چاہیے۔ ہمارے ملک میں مشقت برداشت کرنے کی عادت بہت کم ہے۔ جہاں کوئی ایسا کام پیش آیا جس میں محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے تو فوراً دل چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ ہمیں سب سے زیادہ محنت اور مشقت برداشت کرنے کی عادت کی ضرورت ہے۔‘‘

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 364)

نوجوانوں میں محنت کی عادت پیدا کرنا خدام الاحمدیہ کا فرض ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 15؍اکتوبر 1944ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

’’قوم کے نوجوانوں میں محنت سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنا خدام الاحمدیہ کا اہم فرض ہے۔ مرکزی کارکنوں کو چاہیے کہ وہ ایسے طریق ایجاد کریں جن سے انہیں معلوم ہو سکے کہ ہر احمدی جو مجلس خدام الاحمدیہ کا ممبر ہے وہ کیا کام کرتا ہے اور اگر کسی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ کوئی کام نہیں کر رہا تو اسے کسی نہ کسی کام پر مجبور کیا جائے۔‘‘

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 395)

پیشہ ور افراد کی الگ الگ انجمنیں ہوں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍اکتوبر 1944ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’اب ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے تاجروں کی ایک انجمن ہو، صنّاعوں کی ایک انجمن ہو، مزدوروں کی ایک انجمن ہو، محکمہ تعلیم کے کارکنوں کی انجمن ہو، وکیلوں کی انجمن ہو، ڈاکٹروں کی انجمن ہو تا کہ اس طریق سے یہ تمام ادارے وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرۃ:145) کے

اصول کے مطابق اپنے اپنے حلقہ میں اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لا کر تبلیغ کر سکیں۔وکیل وکالت کے ذریعہ اپنے اثر ورسوخ کو وسیع کر کے تبلیغ کا کام کرے۔ڈاکٹر اپنی ڈاکٹری کے ذریعہ نکل جائے اور اسلام کی تعلیم کو پھیلانے کا موجب بنے۔تاجر اپنی تجارت کے ذریعہ اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر تبلیغ کا میدان پیدا کرے۔صنّاع اپنی کاریگری کے ذریعہ اثر ورسوخ پیدا کر کے تبلیغ کا ذریعہ بنے۔مناسب پیشہ وروں کی انجمنیں ہونی چاہییں جو اس کام کو چلائیں جب تک تاجر اپنی تجارت کو اس رنگ میں بدل نہیں لیتے کہ ان کی تجارت سے انہی کو فائدہ نہ ہو بلکہ اسلام اور احمدیت کی ترقی میں بھی وہ ممد ہو، جب تک صنّاع اپنے آپ کو اس رنگ میں نہیں ڈھال لیتے کہ اپنی کاریگری کے ذریعہ تبلیغ کا موجب ہوں، جب تک ڈاکٹر اور وکیل اپنے آپ کو اس رنگ میں منظّم نہیں کر لیتے کہ اپنے اپنے حلقہ میں اپنے کام کے لحاظ سے اس قسم کا اثر ورسوخ پیدا کریں جو نہ صرف ان کے لیے مفید ہو بلکہ احمدیت کی مضبوطی کا بھی موجب ہو۔اس وقت تک غیروں میں ہماری تبلیغ کبھی کامیاب اور وسیع نہیں ہو سکتی۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد دوم صفحہ 413، 414)

تجارتی تنظیم کی ضرورت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍دسمبر 1944ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''یہ بھی ضروری ہے کہ جماعت کی تجارتی تنظیم بھی ہو جائے۔اس کے بارہ میں مَیں نے ایک خطبہ بھی پڑھا تھا مگر عمر بھر میں میرا کوئی اور خطبہ ایسا نہیں جس پر اس قدر بے توجہی سے جماعت نے کام لیا ہو جتنا اس پر لیا ہے۔باہر سے کسی تاجر کا کوئی خط نہیں آیا جس میں کوئی مشورہ دیا گیا ہو یا تعاون پر آمادگی کا اظہار کیا گیا ہو۔میری زندگی کا یہ پہلا تجربہ ہے کہ جو تحریک جماعت کو مخاطب کر کے کی گئی اس پر کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ممکن ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ میں نے کہا تھا کہ اس کے لیے مرکز میں ایک ادارہ قائم کر دیا جائے گا۔مگر وجہ خواہ کچھ ہو عملی طور پر ہوا یہی ہے کہ بعض ایسے تجربہ کار لوگوں نے جن کا تجارت کے پیشہ کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں بعض بڑی بڑی لمبی اور تفصیلی سکیمیں ارسال کی ہیں۔یہ بھی ایک مرض ہے کہ جب بھی کوئی نئی بات پیش ہوتی ہے بعض ایسے لوگ جن کا کوئی واسطہ اُس سے نہیں ہوتا لمبی لمبی تفاصیل اس کے متعلق لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور بڑی تجاویز پیش کرتے ہیں۔اسی طرح اس تحریک کے متعلق ہوا ہے۔

بعض ایسے لوگوں کی طرف سے جن کا اس فن سے کوئی تعلق نہیں بہت سی تجاویز آئی ہیں۔ایسی تجاویز جن پر عمل کرنا ناممکن ہے۔مگر جو ماہرین فن ہیں انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ بہر حال اب میں نے مرکز میں اس کے لیے ایک ادارہ بھی قائم کر دیا ہے اور سیکرٹری مقرر کر دیا ہے کیونکہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ تجارتی تنظیم کا کام بہت ضروری ہے ۔اب بعض چیزیں قریباً تیار ہیں مگر انہیں کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے دوستوں کے تعاون کی ضرورت ہے ۔مثلاً یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں دلچسپی لینے والے تاجر کون ہیں جن کے پاس ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے یا جن کے ساتھ مل کر کام کو چلایا جا سکتا ہے۔اگر دوست اس کام میں دلچسپی لیں تو خود اُن کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور سب سے بڑی چیز جو میرے مدنظر ہے یہ ہے کہ تاجروں کو منظّم کر کے تبلیغ کے کام کو وسیع کیا جائے۔بعض سکیمیں ایسی ہیں کہ جن سے تاجروں کو بھی کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور تبلیغ کے کام میں بھی مدد مل سکتی ہے مگر میں اُن کو پبلک میں بیان نہیں کر سکتا۔اگر ان کو پبلک میں بیان کر دیا جائے تو مخالف بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔یہ سب باتیں میں اسی صورت میں بیان کر سکتا ہوں کہ تجارتی تنظیم مکمل ہو جائے اور احمدی تاجروں کی انجمن قائم ہو جائے۔ جماعتی تعاون تجارت میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔کئی ایسے لوگ ہیں جو تجارتی کاموں میں پڑنا چاہتے ہیں مگر اُن کو واقفیت نہیں ہوتی کہ کیا کام شروع کریں،کس طرح کریں اور کہاں سے کریں۔بعض کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا،بعض کے پاس سرمایہ تو تھوڑا بہت ہوتا ہے مگر انہیں کام کرنے کا ذریعہ معلوم نہیں ہوتا۔اگر جماعت کی تجارتی تنظیم ہو جائے تو ایک دوسرے کو بہت مدد مل سکتی ہے۔پھر کئی ایسے ممالک ہیں کہ اگر احمدی تاجر وہاں جائیں تو بہت جلد ترقی کی اُمید کر سکتے ہیں مگر یہ سب معلومات پبلک میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔اگر پبلک میں یہ باتیں بیان کر دی جائیں تو دوسرے لوگ فائدہ اُٹھالیں گے اور اُن علاقوں کے تاجر بھی سمجھیں گے کہ یہ لوگ بالارادہ اور ایک سکیم کے ماتحت یہاں آئے ہیں اور اس لیے وہ زیادہ مخالفت کریں گے۔پس میں جماعت کے تاجروں کو اپنے اس خطبہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔تبلیغ سلسلہ کے لیے ان کا جلد از جلد منظّم ہونا بہت ضروری ہے۔ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ اس وقت مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان لڑائیاں جاری ہیں لیکن ہم ایسے رنگ میں اس سکیم کو چلانا چاہتے ہیں کہ ایسے جھگڑے پیدا ہی نہ ہوں اور دونوں ترقی کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں اور ہم اس کے لیے بہت سی باتیں بتا سکتے ہیں مگر پبلک میں ان کا بیان کرنا مناسب نہیں۔تاجر احباب جلد سے جلد اپنی انجمن بنا لیں

جس کے سامنے میں یہ باتیں بیان کردوں گا۔احمدی تاجروں کو چاہیے کہ وہ جلد سے جلد اپنے نام تحریک جدید کے دفتر میں بھجوادیں اور جس قسم کا تعاون کر سکیں کریں۔ان کاموں کے چلانے کے لیے واقفین کی بھی ضرورت ہے اور نوجوانوں کو چاہیے کہ ان کاموں کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں۔‘‘

(بعض اہم اور ضروری امور۔انوارالعوم جلد 17 صفحہ 481 تا 483)

قومی ترقیات دیانت اور سچائی کے ساتھ وابستہ ہیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 16 ؍فروری 1945ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’بددیانت آدمی اپنا روپیہ نہیں کھاتا، دوسروں کا کھاتا ہے۔اپنی بدنامی نہیں کرتا بلکہ ساری قوم کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔پس قومی ترقیات تمام کی تمام دیانت اور سچائی کے ساتھ وابستہ ہیں اور جس قوم میں یہ دونوں چیزیں پائی نہیں جاتیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ایک شخص کسی انگریزی فرم کو آرڈر دے کر گھر آجاتا ہے اور اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا اور اگر وہ کسی ہندوستانی فرم کو آرڈر دے کر واپس آتا ہے تو اس کا دل گھٹا رہتا ہے کہ خبر نہیں پتھر یا کیا چیز بھیج دیں۔اسی بددیانتی کی وجہ سے ہندوستان کی ترقی رکی ہوئی ہے۔جو دکاندار دیانتدار ہوگا اس پر لوگ اعتبار کریں گے اور بغیر کسی فکر اور ہچکچاہٹ کے اس کو آرڈر دے آئیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کبھی ناقص چیز نہیں دے گا۔پس قومی ترقی امانت اور دیانت کی شہرت کے ساتھ ہوتی ہے، اگر تمام احمدی دیانتدار ہوں گے تو جہاں بھی کوئی احمدی دکاندار ہوگا لوگ اس کے پاس جائیں گے کہ اس سے سودا اچھا ملتا ہے۔چلو اس کے پاس چلیں اور کہیں گے، ہے تو کافر پر ہے دیانتدار اور سب سودا لوگ اس سے خریدیں گے لیکن اگر قادیان کا احمدی دکاندار بھی ایک من آٹے میں سیر بھر مٹی ملا دیتا ہے تو اس کے اندر وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ احمدیت کی طرف توجہ کریں گے اور جو چیز اس کو دوسرے دکانداروں سے ممتاز کرنے والی ہے۔

خدام الاحمدیہ بددیانتی کے خلاف جہاد کرے

میں نے خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر خدام کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ اس کی نگرانی کریں۔انہوں نے کچھ دن کام بھی کیا تھا مگر انہوں نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔اگر ہر

خادم اس بات کا فیصلہ کر لے کہ میں نے بد دیانتی کو مٹانا ہے۔ اگر اس کا باپ دکاندار ہے تو باپ سے کہہ دے تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کا بھائی دکاندار ہے تو بھائیوں سے کہہ دیں کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کے دوست اور رشتہ دار دکاندار ہیں تو دوستوں اور رشتہ داروں سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کی بیوی دکان کرتی ہے تو بیوی سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا اور اگر تم باز نہ آئے اور اصلاح نہ کی تو میں تمہارے خلاف گواہی دوں گا۔ تو مجھے اُمید ہے کہ اگر ہر خادم یہ فیصلہ کرے تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس عیب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تمہارا بھائی تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتا ہے اور اگر تمہاری ماں تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتی ہے۔ اگر تمہاری بیوی تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتی ہے تو یہ بد دیانتی اس وقت تک ہے جب تک ان کو یقین ہے کہ تم ان کی محبت کی خاطر ان کی رپورٹ نہیں کرو گے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تم ان کی محبت کی پرواہ نہیں کرو گے اور تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر وہ بد دیانتی سے باز نہ آئے تو تم اس کی رپورٹ کرو گے تو کیا ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے منٹ میں بد دیانتی کریں۔ باپ کہے گا بیٹا پچھلا جانے دو، آئندہ میں کبھی بد دیانتی نہیں کروں گا۔ بھائی کہے گا پچھلا معاف کر دو، آج سے میں باز آیا۔ بیوی کہے گی کہ یہ قصور معاف کر دو، آئندہ یہ حرکت نہیں کروں گی۔ پس جب تم یہ تنبیہہ کر دو گے اور ایسے موقع پر ان کی محبت کو قربان کر دو گے تو تم دیکھو گے کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر بد دیانتی مٹ جائے گی۔‘‘

(مشعلِ راہ جلد اول صفحہ 406، 407)

ٹرسٹ سسٹم اور کارٹل سسٹم ناجائز ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 26؍فروری 1945ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

’’مجھے ایک دفعہ جماعت احمدیہ کی تجارتی سکیموں کے سلسلہ میں تحریک ہوئی کہ میں لاکھ کی تجارت کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ لاکھ کی تجارت صرف چند لاکھ روپے کی تجارت ہے اور لاکھ صرف ہندوستان کے چند علاقوں میں تیار ہوتی ہے۔ ریاست پٹیالہ میں بھی تیار کی جاتی ہے۔ مجھے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ایک یورپین فرم اس کی تجارت پر قابض ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو مجھے بتایا گیا کہ اور

تاجروں کی حیثیت تو پندرہ سولہ لاکھ کی ہوتی ہے مگر اس یورپین فرم کا سرمایہ تیس چالیس کروڑ روپیہ کا ہے۔ پھر ان کے پاس صرف یہی تجارت نہیں بلکہ گندم کی تجارت بھی ان کے ہاتھ میں ہے، کپڑے کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے، جیوٹ کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے اسی طرح اور کئی قسم کی تجارتیں اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں جب کوئی تاجر چند لاکھ روپیہ صرف کر کے لاکھ کی تجارت شروع کرتا ہے تو وہ یورپین فرم لاکھ کی قیمت اتنی کم کر دیتی ہے کہ جس نے نئی نئی تجارت شروع کی ہوتی ہے اُن کے مقابلہ میں ایک دن بھی نہیں ٹھہر سکتا اور نقصان اٹھا کر کفِ افسوس ملتا ہوا گھر واپس آجاتا ہے۔ فرض کرو ایک شخص کا اس تجارت پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اسے توقع تھی کہ مجھے نفع حاصل ہوگا۔ پس اس نے یورپین فرم کے مقابلہ کے لیے قیمت گرا کر رکھی مگر اس کو میدان مقابلہ میں دیکھتے ہی وہ یورپین فرم لاکھ کی قیمت اس قدر گرا دے گی کہ اس تاجر کو رأس المال بچانا بھی مشکل ہوجائے گا اور آخر وہ مجبور ہو کر لاگت سے کم داموں پر اسی یورپین فرم کو اپنا لاکھ کا سٹاک دینے پر مجبور ہوجائے گا۔ اس یورپین فرم کو قیمت گرانے سے نقصان نہ ہوگا کیونکہ اپنے حریف کو شکست دے کر وہ پھر قیمت بڑھا دے گی۔ اس رنگ میں وہ یورپین فرم لاکھ کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ غرض جس قدر ٹرسٹ ہیں وہ بنی نوع انسان کو تباہ کرنے والے ہیں اور چونکہ ٹرسٹ سسٹم میں نفع یقینی ہوتا ہے اس لیے اسلام کے مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق ٹرسٹ سسٹم اسلام کے رو سے ناجائز قرار دیا جائے گا۔

یہی حال کارٹل سسٹم کا ہے۔ کارٹل سسٹم بھی ایک ایسی چیز ہے جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے بالکل ناجائز ہے۔ ٹرسٹ سسٹم میں جہاں ایک ملک کے تاجر آپس میں سمجھوتہ کر کے تجارت کرتے ہیں وہاں کارٹل سسٹم میں مختلف ممالک کے تاجر آپس میں اتحاد پیدا کر لیتے ہیں اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں چیز فلاں قیمت پر فروخت کرنی ہے اس سے کم میں نہیں۔ ٹرسٹ سسٹم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی امر کے متعلق سمجھوتہ کر لیں اور کارٹل سسٹم یہ ہے کہ مثلاً امریکہ اور انگلستان کے تاجر یا امریکہ، انگلستان اور جرمنی کے تاجر یا انگلستان اور ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی تجارت کے متعلق سمجھوتہ کر لیں۔ فرض کرو کیمیکلز (Chemicales) یعنی کیمیائی ساخت کی اشیاء کے متعلق سمجھوتہ کر لیں۔ مثلاً اس زمانہ میں امریکہ، انگلستان اور جرمنی یہ تین ممالک ہی کیمیکلز بنانے والے ہیں۔ ان

تینوں ممالک کے تاجر سمجھوتہ کرلیں کہ ہم ایک دوسرے کا مقابلہ نہیں کریں گے بلکہ ایک ہی قیمت پر اپنی دواؤں کو فروخت کریں گے تو اس کے نتیجہ میں دنیا مجبور ہوگی کہ اُن سے اُسی قیمت پر دوائیں خریدے۔ اور جتنا نفع وہ مانگتے ہیں وہ اُن کو دے۔ یہ کارٹل سسٹم اتنا خطرناک ہے کہ اس سے حکومتیں بھی تنگ آ گئی ہیں اور ابھی گزشتہ دنوں اس جرم میں اس کی طرف سے کئی تاجروں پر مقدمات چل چکے ہیں اور انہیں سزائیں بھی دی گئی ہیں مگر چونکہ یقینی نفع کی تمام صورتوں کو اسلام نے ناجائز قرار دے دیا ہے تاکہ دنیا کی دولت پر کوئی ایک طبقہ قابض نہ ہو جائے بلکہ مال تمام لوگوں میں چکر کھاتا رہے اور غرباء بھی اس سے اپنی اقتصادی حالت کو درست کرسکیں۔ اسلامی حکومتوں میں یہ طریق چل نہیں سکتے۔

ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے

اسی طرح اسلام نے ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ تم جو مال بھی تیار کرو یا دوسروں سے خریدو اسے روک کر نہ رکھ لیا کرو کہ جب مال مہنگا ہوگا اور قیمت زیادہ ہوگی اُس وقت ہم اس مال کو فروخت کریں گے۔ اگر ایک تاجر مال کو قیمت بڑھنے کے خیال سے روک لیتا ہے اور اُسے لوگوں کے پاس فروخت نہیں کرتا تو اسلامی نقطۂ نگاہ کے ماتحت وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر ایک تاجر کے پاس گندم ہے اور لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس سے گندم خریدنا چاہتے ہیں اور وہ اس خیال سے کہ جب گندم مہنگی ہوگی اُس وقت میں اسے فروخت کروں گا اُس گندم کو روک لیتا ہے اور خریداروں کو دینے سے انکار کر دیتا ہے تو اسلام کی تعلیم کے رو سے وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ چیزوں پر کنٹرول اس زمانہ میں ہی کیا گیا ہے حالانکہ کنٹرول اسلام میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ انگریزوں نے تو آج اس کو اختیار کیا لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ حکم دیا تھا کہ احتکار منع ہے اور احتکار کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ کسی چیز کو اس لیے روک لیا جائے کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی تب اُسے فروخت کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ احتکار کر رہا ہے اور اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ اُسے مجبور کرے گی کہ وہ اپنا مال فروخت کر دے اور اگر وہ خود فروخت کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو گورنمنٹ اس کے سٹور پر قبضہ کر کے مناسب قیمت پر اُسے فروخت کر دے گی۔ بہر حال کوئی شخص اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ مال کو روک رکھے اس خیال سے کہ

جب مہنگا ہوگا تب میں اسے فروخت کروں گا (اس میں کوئی شک نہیں کہ احتکار کے معنی غلہ کو روکنے کے ہیں لیکن تفقہ کے ماتحت جو اسلام کا ایک جزو ضروری ہے اس حکم کو عام کیا جائے گا اور کسی شے کو جو عوام کے کام آنے والی ہے اس لیے روک رکھنا کہ قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کریں اسلامی تعلیم کی رو سے ناجائز قرار دیا جائے گا۔)''

(اسلام کا اقتصادی نظام۔انوار العلوم جلد 18 صفحہ 50 تا 53)

جماعت کے تاجر منظّم ہو جائیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 5/اکتوبر 1945ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں نے پچھلے سال توجہ دلائی تھی کہ جماعت کے تاجروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ متحد ہو جائیں۔مگر باوجود میرے بار بار توجہ دلانے کہ تاجروں نے سمجھ لیا کہ ہمیں بھلا کیا ضرورت ہے کہ ہم اس قسم کے اعلانات کی طرف توجہ کریں؟ ہم کامیاب تاجر ہیں ہمیں ان کے مشوروں کی کیا ضرورت ہے اور ان محکموں سے کیا غرض؟ حالانکہ تنظیم اس قدر ضروری چیز ہے کہ مجھے ایک دفعہ سر آغا خان کے ایک مرید نے جو بڑی پوزیشن رکھنے والے ہیں، سنایا۔میں نے ایک دفعہ سر آغا خان سے کہا کہ اگر ہماری اولاد سے کسی کا ایمان آپ پر نہ رہے تو کیا کریں؟ سر آغا خان نے جواب میں کہا، بے شک وہ جو عقیدہ چاہے رکھیں مگر ان سے کہو کہ اپنے جتھے کو قائم رکھیں۔صرف مجھ کو تم سے فائدہ نہیں بلکہ تم کو بھی مجھ سے فائدہ ہے۔تم میں سے اگر کسی کو وائسرائے کے پاس کسی غرض کے لیے جانا ہو تو ضروری نہیں کہ ہر ایک وائسرائے کے پاس جا سکے اور نہ ہر ایک جا سکتا ہے۔ہاں میں اس کے پاس جا سکتا ہوں اس لیے سیاسی لحاظ سے جتھے کو قائم رکھو اور ایمان کے لحاظ سے خواہ تمہاری کوئی حالت ہو۔پھر اسی تاجر نے کہا کہ اس وقت دو بیٹے آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ان میں سے ایک احمدی خیال کا ہے اور ایک سنی خیال کا ہے۔میں ان دونوں سے کہتا ہوں کہ بیشک تم احمدی ہو جاؤ یا بیشک تم سنی ہو جاؤ، مگر بظاہر لوگوں سے کہا کرو کہ ہم سر آغا خان کے مرید ہیں کیونکہ سر آغا خان کی مدد بھی ہمیں کام دے جاتی ہے۔

مذہب کے لحاظ سے خواہ یہ بات کس قدر نازیبا ہو مگر اس میں کیا شک ہے کہ جن اقوام کے جتھے ہیں وہ بڑی طاقت پکڑ جاتی ہیں۔اگر دین سے آزاد ہو کر لوگ جماعت بندی سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو

ظاہر ہے کہ دین کے ساتھ جتھہ بندی اور بھی زیادہ مفید ہوگی۔ پس اگر ہماری جماعت کے تاجر بھی منظّم ہو جائیں تو ان کی ترقی کے لیے بہت بڑے بڑے اور نئے نئے راستے کھل جائیں گے۔ اگر منظّم صورت میں نہ رہو گے تو اکیلا انسان کوئی حقیقت نہیں رکھتا چاہے کروڑ پتی کیوں نہ ہو۔، ہندوستان میں بعض کروڑ پتی ایسے ہیں جو امریکہ کے کروڑ پتیوں سے کم نہیں مگر امریکہ کے کروڑ پتیوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے کہ امریکہ کے کروڑ پتی کے ساتھ ہزار ہا لاکھ پتی بھی ہوتے ہیں مگر ہندوستان کے کروڑ پتی کے دائیں بائیں کوئی بڑا آدمی نہیں ہوتا، اس لیے اس کی سنی جاتی ہے اور اس کو کوئی نہیں پوچھتا۔

تو تنظیم بڑی چیز ہے۔ افسوس ہے کہ ایک سال گزر گیا مگر جماعت نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ شاید یہ وجہ ہے کہ ان میں سے جو کامیاب تاجر ہیں انہوں نے یہ سمجھا کہ کیا ہم ان سے سیکھیں گے یا ان کو سکھائیں گے؟ ہم تو خود کامیاب تاجر ہیں۔ محکمہ ہمیں کیا سکھلائے گا، محکمہ کا انچارج تو دس روپے کمانے کے قابل نہیں۔ ان کو اس بات کا علم ہو جانا چاہیے کہ تنظیم کمانے کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ وہ کون سی چیمبر آف کامرس ہے جس نے آپ روپیہ کمایا ہو؟ اور وہ کونسی ٹریڈ ایسوسی ایشن ہے جس نے خود پیسہ کمایا ہو۔ چیمبر آف کامرس اور ٹریڈ ایسوسی ایشن روپیہ نہیں کمایا کرتی۔ وہ تنظیم کر کے تاجروں کو ایک نئی طاقت دیتی ہے۔ اس لیے یہ خیال کر لینا کہ اس کے چلانے والے اپنی ذات میں ماہر نہیں ایسی ہی بات ہے جیسے لیبر پارٹی اپنے افسر مزدور مقرر کر دے۔ اب سر کرپس مزدوری کیا جانے مگر لیبر پارٹی سمجھتی ہے کہ اپنی پارٹی کو مضبوط کرنے کے لیے ایسے لوگوں کے دماغوں کی ضرورت ہے جو تنظیم کرنے کے اہل ہوں، خواہ وہ ہمارے پیشے کے نہ ہوں۔ تو مرکز چاہے تجارت سے ناواقف ہو مگر تنظیم بغیر مرکز کے کوئی نہیں کر سکتا۔ لاہور اور دہلی کے تاجر ہمارے سارے ہندوستان کے تاجروں کی تنظیم کس طرح کر سکتے ہیں، ان کی سنے گا کون لیکن مرکز کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اس کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ہر تاجر کو حکماً اس تنظیم میں شامل ہونے کو کہے اور اس حکم پر کوئی تاجر احمدی رہتے ہوئے اس تنظیم سے باہر نہیں رہ سکتا لیکن ابھی ہم جبر نہیں کرتے، ہم اخلاص سے سب کو اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر جبر کرنا ہو تو کر سکتے ہیں لیکن لاہور، دہلی، کلکتہ یا سکندر آباد کے تاجر جبر نہیں کر سکتے تو جس قدر جبر اور تحکم کا پہلو ہے وہ مرکز ہی کر سکتا ہے۔

تجارت کے ذریعہ تبلیغ میں جلد وسعت پیدا ہو سکتی ہے

پس یہ جو بیکار ہو کر آنے والے آدمی ہیں، میں ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ گھر پر رہ کر فاقہ کریں، وہ تجارت کی کوشش کریں۔ ایسی تجارت جو دین اسلام کے لیے بھی مفید ہو۔ ہندوستان میں پانچ سو ایسے شہر ہیں جہاں تجارت کی منڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ ہر ایک ضلع میں آٹھ، دس یا پندرہ ایسے قصبے ہوتے ہیں جن میں دس پندرہ ہزار سے زیادہ آبادی ہوتی ہے۔ اس طرح پر اگر ان کو بھی ملا لیا جائے تو یہ بجائے پانچ سو کہ دو تین ہزار کے قریب قصبے نکل آئیں گے۔ ان میں سے بعض شہر ایسے ہیں، جیسے کلکتہ ہے، مدراس ہے، کراچی ہے، دہلی ہے، پشاور ہے، الٰہ آباد ہے، حیدر آباد ہے، ٹراونکور ہے، ڈھاکہ ہے، جہاں پر بیک وقت تیس تیس، چالیس چالیس آدمیوں سے ہم تجارت کی ابتدا کر سکتے ہیں۔ بعض ایسی جگہیں ہیں جہاں صرف ایک آدمی کی شروع میں گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اگر ان دو ہزار شہروں کی فی شہر اوسط دس آدمی بھی لگائی جائے تو اس کے مطابق بیس ہزار آدمیوں کی گنجائش ہے اور یہ ابتدا ہے۔ قادیان میں دیکھو اس وقت پانچ سو آدمی تجارت کر رہے ہیں۔ کئی کھلی جگہوں پر اور کئی گھروں پر۔ تو ہمارے لیے یہ ایک بہت کامیاب راستہ ہے۔ جس سے دین و دنیا دونوں کی بہتری کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہم اپنی آواز کو بلند کرنے کے لیے ان دو ہزار جگہوں پر مبلغین نہیں رکھ سکتے۔ ان ساری جگہوں پر یہ بھی نہیں کہ ہمارے احمدی موجود ہوں۔ دو ہزار شہروں میں سے ڈیڑھ دو سو شہر ایسے ملیں گے جہاں ہمارے احمدی ہیں باقی اٹھارہ سو شہر ایسے ہیں جہاں کوئی احمدی نہیں۔ کچھ اس سے چھوٹے چھوٹے قصبے بھی تجارت کے قابل ہیں۔ یہ سات آٹھ ہزار کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ان سات آٹھ ہزار قصبوں میں سے اڑھائی تین سو قصبے ایسے ہیں جہاں احمدی جماعتیں قائم ہیں، باقی پونے سات ہزار یا پونے آٹھ ہزار جگہیں ایسی ہیں جہاں کوئی احمدی نہیں۔ اگر ہم پونے سات یا پونے آٹھ ہزار آدمی تبلیغ کے لیے ان جگہوں پر بھیجیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر پونے سات یا پونے آٹھ لاکھ روپیہ ماہوار خرچ ہوگا اور تقریباً ایک کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ یہ تو ایک صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ہمیں محنت کرنے والے اور قربانی کرنے والے نوجوان مل جاویں جو ان جگہوں پر جا کر سلسلہ کی ہدایت کے مطابق تجارت کریں اور اس کام میں کامیاب ہو

جائیں تو ان کی دس پندرہ لاکھ ماہوار آمدنی ہوگی اور دس پندرہ لاکھ سالانہ کا چندہ ان سے آئے گا۔اب دیکھو کہ ایک صورت میں تو ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور دوسری صورت میں پندرہ لاکھ روپیہ آمد ہوتی ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں ہوگی کہ تبلیغ بھی ہو اور بجائے اس کے کہ خزانہ خالی ہو خزانہ بھرا رہے۔اس کے لیے کئی لائنیں مرکز نے سوچی ہیں اور ان کے ذریعہ سے ایسے تاجروں کی ایک حد تک ہم بھی مدد کر سکتے ہیں۔

جس کا جتھہ مضبوط ہو وہ نقصان سے بچ جاتا ہے

اگر ہمارے پرانے تاجر بھی اس بات کی اہمیت کو سمجھیں کہ جو نئے تاجر ہیں ہم نے ان کو کام سکھلانا ہے تو اس سے ان کا اپنا بھی فائدہ ہوگا۔احمدی تاجروں کے بڑھنے سے منڈی میں ان کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔تجارت کو رقابت ہی تباہ کرتی ہے۔جس کا جتھہ مضبوط ہو بچ جاتا ہے اور جو کمزور ہو وہ اس رقابت میں تباہ ہو جاتا ہے۔جس طرح زمینداروں میں ہوتا ہے۔کہ کوئی تاجر کامیاب تجارت نہیں کر سکتا جب تک اس کا جتھہ مضبوط نہ ہو دوسروں کے بینکوں کو توڑنے کے لیے بنک آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور تاجر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مقابل کے تاجروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر مقابل والے کا جتھہ مضبوط ہو تو وہ بچ جاتا ہے اور اگر وہ جتھے والا نہ ہو تو مقابل کے تاجر اس کا مقابلہ کر کے اسے تباہ کر دیتے ہیں۔آج احمدی تاجر انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ دو چار سو تاجر ہیں۔اسکے مقابلہ پر مسلمانوں کے تاجر پچاس ساٹھ ہزار ہوں گے مگر اس کے باوجود وہ ہندوؤں کے مقابلہ میں نہیں پنپ سکتے۔کیونکہ ہندوؤں کے مقابلہ میں ان کا جتھہ کمزور ہے۔جہاں کہیں منڈی کا سوال آتا ہے یا ایجنسی کا سوال آتا ہے ہندو ہندوؤں کو دے دیتے ہیں اور مسلمان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

کوئی پچیس سال کی بات ہے فوج میں سے ایک احمدی کو احمدیت کی وجہ سے نکالا گیا۔میں نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بھیجا کہ وہ اس بارہ میں افسران بالا سے ملیں۔وہ کمانڈر انچیف سے ملے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے لیکن میں بھی مجبور ہوں ہمیں تین لاکھ فوج کی ضرورت ہے کیا آپ ہمیں تین لاکھ نوجوان دے سکتے ہیں؟ اگر نہیں دے سکتے تو احمدی اگرچہ مظلوم

ہے ہمیں احمدی کو ہی نکالنا پڑے گا کیونکہ کثرت کو ہم ناراض نہیں کر سکتے ۔ چوہدری صاحب خفا ہو کر آ گئے اور مجھے یہ بات بتائی میں نے کہا جو کچھ انہوں نے کہا ہے ٹھیک ہے، حکومت مجبور ہے ۔ میں اس صورت حالات کو تسلیم کرتا ہوں ۔ یہی حالت تجارت میں بھی ہے ۔ اگر کسی بیرونی ملک میں بعض دردمند مسلمان، مسلمان اخباروں میں اشتہار دلانے کی تحریک کرتے ہیں اور وہاں کے تاجروں سے کہتے ہیں کیوں تم مسلمان اخباروں میں اشتہار نہیں دیتے تو وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اخباروں کو پڑھنے والے کوئی تاجر بھی ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں اشتہار دے کر کیا فائدہ؟ ہندو اگرچہ ہمیں گالیاں دیتے ہیں ہمارے مال کے بائیکاٹ کی تلقین کرتے ہیں مگر ہر ہندو اخبار کے پڑھنے والے سو دو سو تاجر ہوتے ہیں ۔ اگر سو بائیکاٹ کے دلدادہ ہوں گے تو سو ایسے بھی ہوں گے جو غیر ملکی مال لینے والے ہوں گے ۔ اس طرح جب کسی جگہ پر ایجنسی لینی ہو تو جو بڑے بڑے کارخانے والے ہیں وہ سوال کرتے ہیں کہ کہاں کہاں پر ہمارا مال پھیلا سکتے ہو؟ اگر وہ کہے کہ جناب اپنی دکان میں تو تاجر کہے گا کہ اس کو مال دینے کی کیا ضرورت ہے جس کی تجارت کا کوئی پھیلاؤ نہیں ۔ یہ جو دوسرا آدمی ایجنسی لینے آیا ہے اس کی دکان کی دو سو شاخیں ہیں یا پچاس یا سو شاخیں ۔ وہ سارے ہندوستان میں اس کام کو پھیلا سکتا ہے ہم اس کو دیں گے تم کو نہیں دیں گے ۔ تو یہ ساری بات معقول ہے ہم ان کو رد نہیں کر سکتے ۔

ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو تجارت بھی کریں اور تبلیغ بھی

اگر ہم آرگنائزیشن کریں گے تو تجارت کے ایسے راستے کھل جائیں گے جن کی وجہ سے ہم بیشتر قسم کی تجارت پر قابو پا سکیں گے اور ہمیں اس کے لیے نوجوانوں کی ضرورت ہے ۔ وہ نوجوان جو فوج سے فارغ ہوں گے اور وہ نوجوان جو نئے جوان ہوئے ہیں اور ابھی کوئی کام شروع نہیں کیا ۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگیاں وقف کریں ۔ ایسے رنگ میں نہیں کہ ہمیں دین کے لیے جہاں چاہیں بھیج دیں ہم چلے جائیں گے بلکہ ایسے رنگ میں کہ ہمیں جہاں چاہے بھجوایا جائے ہم وہاں چلے جائیں گے اور وہاں سلسلے کی ہدایت کے ماتحت تجارت کریں گے ۔ اس رنگ میں ہمارے مبلغ سارے ہندوستان میں پھیل جائیں گے ۔ اور وہ تجارت بھی کریں گے اور تبلیغ بھی ۔ ہمیں بعض باتوں کی وجہ سے امید ہے کہ ایسے کام نکل سکیں گے جن کی وجہ سے ہم نئے کام کرنے والوں کو بہت سی امداد دے سکیں گے ۔

اخلاقی لحاظ سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی۔ تنظیم کی وجہ سے ہم اخلاقی طور پر جو کامیاب تاجر ہیں ان پر زور ڈالیں گے کہ وہ اپنے بھائیوں کو کھڑا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ان کے کھڑے ہونے سے وہ خود کھڑے ہوں گے۔ اس وقت آگے آنے والے نوجوانوں کے لیے ترقی کا بہت سا امکان ہوگا۔ یہ چھ سات ہزار نوجوان تجارت کا کام کریں گے اور ساتھ تبلیغ بھی کریں گے اور اس طرح یہ چھ سات ہزار مبلغ ہمیں مفت میں مل جائیں گے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے ہم اس دن کے امیدوار ہیں کہ ہمیں پانچ ہزار ساری زندگی وقف کرنے والے مبلغ مل جائیں بلکہ لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی مل جائیں مگر جب تک وہ دن نہیں آتے ہمیں اپنی تبلیغ کو وسیع کرنے کے لیے جو ذرائع میسر ہیں ان کو تو استعمال کرنا چاہیے اور تاجروں کو باہر بھیجنا چاہیے۔

تاجر کی زمیندار پر فضیلت

ہم زمینداروں سے تو نہیں کہہ سکتے کہ تم فلاں جگہ پر چلے جاؤ کیونکہ وہ زمین کو ساتھ نہیں لے جا سکتے لیکن تاجر دنیا میں ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ زمیندار کے لیے جب تک دوسری جگہ پر اتفاقاً کوئی زمین کا ٹکڑا نہ بک رہا ہو کسی جگہ کی کوئی گنجائش نہیں مگر کوئی شہر ایسا نہیں جہاں تاجروں کے لیے ایک، دو کی گنجائش نہ ہو۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا قصبہ نہیں ہوسکتا جہاں ایک مزید تاجر کی جگہ نہ ہو۔ ہر ایک گاؤں اور قصبے میں ایک، دو، چار، پانچ، دس تاجروں کے لیے جگہ ہوتی ہے مگر ہر گاؤں میں زمیندار کے لیے مزید گنجائش نہیں بلکہ بعض گاؤں ایسے ہیں جہاں سے بعض زمینداروں کو نکالنا چاہیے کیونکہ وہاں پر دو دو چار چار گھماؤں زمین زمینداروں کے پاس رہ گئی ہے جس پر گزارہ نہیں ہوسکتا مگر تاجروں کے لیے ہر جگہ کھپت کی گنجائش ہے یا صنعت وحرفت کا دروازہ کھلا ہے۔ یہ دونوں ملتی جلتی چیزیں ہیں کوئی سائیکلوں کی مرمت کا کام شروع کر دے، کوئی موٹروں کی مرمت کا کام شروع کر دے یا اسی قسم کا اور کام شروع کر دے اور اس طرح ہمارے نوجوان مختلف شہروں میں پھیل جائیں کیونکہ ہر ایک جگہ ان کاموں کی گنجائش موجود ہے اگر چار پانچ لاکھ بھی آدمی ہوں تا ہم ان کو دنیا میں کہیں نہ کہیں لگا سکتے ہیں لیکن ایک زمیندار کو اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں بھیج سکتے۔ اگر زمیندار کو کہیں باہر بھیج دیں گے تو وہ دو کوڑی کا بھی نہیں رہے گا۔ مگر تاجر دنیا کے ہر گوشہ

میں کام نکال لیتے ہیں۔انگلستان میں ہندوستانی کتنے ذلیل سمجھے جاتے ہیں مگر پندرہ بیس ہزار آبادی وہاں بھی تجارت سے گزارہ کر رہے ہیں۔سارے انگلستان میں تقریباً دو لاکھ کے قریب ایشیائی رہتے ہیں جنہیں انگلستان کے لوگ حقارت سے دیکھتے ہیں مگر وہ اپنے پیشوں کی وجہ سے کامیاب ہو رہے ہیں لیکن انگلستان میں جا کر دیکھو کتنے ہندوستانی زمیندار ہیں؟ تو تم کو ایک بھی زمیندار نہیں ملے گا کیونکہ نئی جگہوں پر زمین کا کام نہیں کیا جا سکتا ہاں نئی جگہ پر تجارت وصنعت کا کام کیا جا سکتا ہے۔یہی ہر ملک کا حال ہے۔جاپان میں چلے جاؤ، جاپان میں پچیس تیس ہزار ہندوستانی کام کر رہے ہیں وہ سارے کے سارے تاجر ہیں ان میں سے کوئی بھی زمیندار نہیں۔اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہل جس قوم میں آجائے وہ ذلیل ہوگئی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ ترقی نہیں کر سکتی۔ذلیل سے مراد یہ ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں اس کی ترقی محدود ہے، کیونکہ زمینداری ایک ملک کے ساتھ تعلق رکھتی ہے دوسرے ملک میں نہیں جا سکتی مگر صنعت وتجارت دوسرے ملکوں میں جا سکتی ہے۔مسلمانوں کا یہودی باوجود تھوڑا ہونے کے مقابلہ کرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یہودیوں کے ہاتھ میں تجارت ہے جس کی وجہ سے ہر قوم پر اپنا اثر ڈال لیتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ہاتھ میں تجارت نہیں اس لیے ان کی کوئی نہیں سنتا۔

تجارت کے ذریعہ جماعت کی مضبوطی اور غیر قوموں کی مدد

پس اس نظام تجارت کے ذریعے سے ہم نہ صرف اپنی جماعت کو مضبوط بنا سکتے ہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں اور غیر قوموں کو بھی مضبوط بنا سکتے ہیں۔ایک دفعہ محکمہ تجارت والوں نے مجھ سے پوچھا کہ بعض غیر احمدی اور ہندو ہم سے مدد چاہتے ہیں کیا ہم ان کی مدد کر دیں؟ میں نے ان سے کہا کہ ہاں خواہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ہمارا کام تو ہے ہی یہی کہ ہم ہر قوم کی مدد کریں۔لیکن پہلے احمدیوں کے لیے کوشش کرنی چاہیے اس کے بعد دوسروں کے لیے خواہ کوئی ہندو ہو، سکھ ہو، مسلمان ہو، عیسائی ہو ہم اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔مدد کرتے ہیں اور کرتے چلیں جائیں گے۔

ہمارے نوجوان اپنے آپ کو تجارت کے لیے وقف کریں

میں سمجھتا ہوں کہ یہ عظیم الشان موقع ہے۔اس قسم کی تجارت کا موقع جو شاید آئندہ بیس سال تک پیدا نہ ہو اس لیے جو سپاہی افسر ڈسچارج ہوتے ہیں ان کو چاہیے کہ اپنی زندگی مذکورہ بالا طریق پر وقف کریں اس رنگ میں نہیں کہ سارے کا سارا وقت دین کے لیے پیش کریں بلکہ اس رنگ میں کہ ہم نے کوئی کام کرنا ہے بجائے اس کے کہ ہم خود کام کریں تحریک جدید کی ہدایت کے ماتحت جس مقام پر ہمیں جا کر کام کرنے کے لیے کہا جائے گا اور جو کام ہمارے لیے تجویز کیا جائے گا ہم اس جگہ جائیں گے اور اس کام کو کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔باقی مال ان کا ہوگا کوشش ان کی ہوگی اخلاقی مدد ان کو سلسلہ دے گا اور مادی بھی،جس حد تک توفیق ہوگی۔اگر اس رنگ میں پانچ،چھ ہزار آدمی مل جائیں اور مل جانے چاہییں تو ایک عظیم الشان تغیر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔اگر ہم اتنے آدمی ایک سال میں کھڑے کر دیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے اپنی تبلیغ کو سو گنا بڑھا دیا۔اس وقت ہمارے پچاس مبلغ ہندوستان میں کام کر رہے ہیں۔اگر پانچ ہزار نوجوان اس طرح کام کرنے لگ گئے جو میں نے بتایا ہے تو گویا ہم اپنی تبلیغ کو سو گنا بڑھا دیں گے۔بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں پہلے ہی جماعتیں ہیں اور وہاں کی سعید روحیں پہلے ہی ایمان لا چکی ہیں ایسی جگہوں میں تبلیغ کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے مگر بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں پر کوئی احمدی نہیں ہے۔ایسی جگہوں کی سعید روحیں جب اس پیغام کو سنیں گی تو فوراً ایمان لے آئیں گی۔پس ان جگہوں میں ان جوانوں کا کام کرنا دُہرے طرز پر فائدہ مند ہوگا اور جماعت ہزار مقامات پر تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہو جائے گی۔کیونکہ ممکن ہے شروع شروع میں ہی کئی جگہوں پر پچیس پچیس،پچاس پچاس،سو سو آدمی احمدی ہو جائیں اور اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں پانچ،چھ لاکھ احمدی ہندوستان میں نئے پیدا ہو جائیں۔بعض جگہوں پر جہاں ہمارے مبلغ نئے نئے جاتے ہیں ایک سال میں پانچ پانچ سو آدمی احمدی ہو جاتے ہیں مگر بعد میں ایک ایک دو دو آدمی احمدی ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک سعید طبیعتیں ایمان لا چکی ہوتی ہیں۔تو نئی جگہوں پر کام کرنا بعض لحاظ سے زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔

پس اب وقت ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے آپ کو تجارت کے لیے وقف کریں اور یہ وقف،

وقف نمبر دو کہلائے گا۔اس طرح نہیں کہ ہم اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں،ہم کو پڑھا کر مبلغ بنا کر بھیجو۔ بلکہ اس طرح کہ ہم اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں،ہم کو جہاں چاہیں بھیج دیں اور جو تجارتی یا صنعتی کام چاہیں، ہمارے لیے تجویز کریں ہم وہ کریں گے اور اس کو بڑھانے کی کوشش کریں گے اور ساتھ ساتھ تبلیغ احمدیت کی بھی کوشش کریں گے۔اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی ترقی کے لیے ایک نیا باب کھل جائے گا اور لاکھوں لاکھ آدمی احمدیت میں شامل ہوں گے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے دلوں کو کھول دے تا ہر ایک نوجوان تبلیغ اسلام کے لیے نکل جائے اور دنیا میں ایسی نادر مثال قربانی اور ایثار کی پیدا کر دے کہ دشمن بھی دیکھ کر اس بات کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے کہ واقعی یہ جماعت قربانی کرنے والی ہے''۔

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک۔جلد دوم صفحہ 605 تا 613)

حج کے ساتھ تجارت بھی ہوسکتی ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 12/اکتوبر 1945ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہم کو جدوجہد کرنی ہے۔اس جدوجہد میں ایک یہ ہے کہ ہماری تبلیغ وسیع ہو لیکن موجودہ حالات ایسے نہیں کہ ہم دنیا میں تبلیغ کو وسیع کر سکیں۔ہاں دنیا میں تبلیغ کو وسیع کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے جس کا قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے۔قرآن شریف میں حج کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حج ایک عبادت ہے لیکن اس کے ساتھ تمہیں یہ بھی اجازت ہے کہ حج کے دنوں میں تم تجارت بھی کر لیا کرو کیونکہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا کام کاج چھوڑ کر حج کے لیے جائیں تو ان کو بہت سی مالی مشکلات پیش آجاتی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حج گو عبادت ہے لیکن اگر اس کے ساتھ تم تجارت بھی کر لو تو ہماری طرف سے کوئی روک نہیں۔بے شک اپنے پاس سامان تجارت رکھو اسے راستے میں بیچتے چلے جاؤ۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہندوستانی کے متعلق بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ حج کے لیے گیا تو اُس کے پاس روپیہ کافی تھا لیکن اس نے بخل کی وجہ سے یا خدا تعالیٰ کا کوئی نشان دیکھنے کی غرض سے ارادہ کیا کہ میں حج کے لیے جاتے ہوئے راستے میں کماتا جاؤں گا اور اس کمائی سے حج کروں گا چنانچہ وہ جہاز میں سوار ہو گیا۔کچھ مدت کے بعد چونکہ جہاز میں کوئی نائی نہیں تھا جب لوگوں کے بال بڑے ہوئے تو

انہیں پریشانی لاحق ہوئی کہ اب کیا کیا جائے۔ایک دن انہوں نے قینچی لی اور ایک آدمی جو انہیں کے پاس بیٹھا سر کھجلا رہا تھا اس کے سر کے بال کاٹنے شروع کر دیے ایسے سفر میں کون دیکھتا ہے کہ حجامت اچھی بنی ہے یا خراب،ان کا قینچی پکڑنا تھا کہ لوگوں نے انہیں نائی سمجھ کر پیسے دینے شروع کر دیے۔اور ساتھ ساتھ حجامت بھی بنواتے چلے گئے۔وہ حجامتیں بناتے گئے اور پیسے جمع کرتے گئے تو حج کے دنوں میں محنت مزدوری کرنا منع نہیں کیونکہ غیر ملکوں میں جانے کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر ہم نے وسیع طور پر تبلیغ کرنی ہے تو ضروری بات یہ ہے کہ ہم ایسے کام کریں جن کے ذریعے بغیر پیسے کے تبلیغ کر سکیں۔میں نے پچھلے خطبہ میں بتلایا تھا کہ ہندوستان کے ہزار ہا شہروں میں صرف دو سو جگہیں ایسی ہیں جہاں احمدیہ جماعت کے ایک ایک یا دو دو تاجر پائے جاتے ہیں۔......

سات آٹھ میل کے دائرے میں ایک احمدی تاجر ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان کا کوئی فرد یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے احمدیت کے متعلق کچھ نہیں سنا۔بہت سے ایسے ہوں گے جنہوں نے احمدیت کے دلائل سنے ہوں گے اور ان میں جو سعید روحیں صداقت کی متلاشی ہوں گی وہ اس کو تسلیم بھی کر لیں گی۔

پس یہ ایک ایسی تحریک ہے جو ہمارے لیے کامیابی کا بہت بڑا راستہ کھولنے والی ہے۔موجودہ حالات میں ہمارے لیے بیس ہزار مبلغ رکھنا بالکل ناممکن ہے۔کیونکہ بیس ہزار مبلغ رکھنے کے لیے کئی کروڑ کی آمدن ہونی چاہیے اور ابھی ہماری آمدن چند لاکھ سے زیادہ نہیں۔ہاں بیس ہزار تاجر بٹھا دینا کوئی مشکل نہیں کیونکہ ہر ایک نے اپنی جدوجہد سے کمائی کرنی ہے۔

کم سرمایہ سے بھی زیادہ کمایا جاسکتا ہے

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے ایک بہت بڑا تاجر میرا واقف تھا اس کا لڑکا مجھے ملنے کے لیے آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے باپ نے تم کو الگ کر دیا ہے وہ تو بڑا مالدار آدمی ہے تمہیں اس نے اپنے ساتھ شریک کیوں نہیں کیا۔کہنے لگا حکیم صاحب جب میں جوان ہوا تو میرے والد نے مجھے کہا دیکھو بیٹا میں غریب کنگال تھا میں نے کمانا شروع کیا اور اب میرے پاس لاکھوں روپیہ ہے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اسی طرح کماؤ تا تمہیں مال کی قدر معلوم ہو ایسا نہ ہو کہ تم میرے مرنے کے بعد روپیہ

برباد کردو اور میری محنت ضائع ہو جائے۔ میں نے چند پیسوں سے تجارت شروع کی تھی مگر اب تمہارا باپ بہت امیر ہے اس لیے میں تجارت کے لیے تمہیں چند روپے دے دیتا ہوں اس سے تم تجارت شروع کرو اور ترقی کرو۔ اب دیکھو وہ نوجوان اس بات پر ناراض نہیں تھا کہ اسے کیوں الگ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مجھے میرے والد نے اس لیے علیحدہ کیا ہے تا میرے اخلاق درست ہو جائیں۔ قادیان میں ایسے تاجر ہیں جنہوں نے ہمیں بعض ضروریات کے مواقع پر سینکڑوں روپیہ چندہ دیا لیکن ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان میں سے کسی نے چار آنے سے کسی نے روپے سے تجارت شروع کی تھی۔ حکیم عبدالرحمٰن صاحب کاغانی کا ایک لطیفہ مجھے یاد ہے اب تو وہ فوت ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس یا پچاس روپے ان کے ہاتھ میں دیے اور کہا یہ لے جاؤ اور کسی کا نام لے کر کہا اس کو دے دو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ پھیلا کر آگے کیے اور روپے لے لیے۔ اس وقت ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے لیکن میں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ تجربہ کار تھے اس کے ہاتھ کو کانپتا دیکھ کر مجھے کہنے لگے میاں اس کا ہاتھ دیکھو کیا اس کے ہاتھ کانپا کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے تو اب کیوں کانپ رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمانے لگے یہ ہمارے مسلمانوں کی بدبختی کی علامت ہے کسی ہندو کے ہاتھ میں دس ہزار روپیہ دے دو تو وہ بڑے آرام سے اپنے نیفے میں ڈال کر چلا جائے گا لیکن یہ ڈر رہا ہے اور اس کے ہاتھ اس لیے کانپ رہے ہیں کہ اگر روپیہ گر کر ضائع ہو گیا تو کہاں سے ادا کروں گا مگر وہ ہمت والے آدمی تھے انہوں نے چند پیسوں سے تجارت شروع کی اور ان کی تجارت اتنی بڑھی کہ ایک تحریک کے موقع پر انہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ چندہ دیا۔ جب انہوں نے یہ چندہ دیا تو مجھے وہ بات یاد آ گئی۔ میں نے کہا دیکھو چالیس روپے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لے کر اس شخص کے ہاتھ کانپ رہے تھے کہ کتنا روپیہ میرے سپرد کیا جا رہا ہے مگر اب خدا تعالیٰ نے انہیں سینکڑوں روپیہ چندہ دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ تو انسان بہت تھوڑے پیسوں سے تجارت شروع کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں قربانی کی عادت ہو۔ قادیان میں بیسیوں آدمی ایسے ہیں جو شاید شرما کر اپنی پہلی حالت بیان نہ کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو وہ اب سات سات آٹھ آٹھ ہزار روپیہ کی جائیدادیں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے چند آنوں سے کام شروع کیا تھا۔ ایک دوست ہیں، جن کی اب بیس، پچیس ہزار کی جائیداد ہو گی، ان کا مکان بھی ہے، زمین بھی۔ انہوں نے چھ آنوں سے میرے

سامنے کام شروع کیا تھا۔

پس یہ کام اس طرح کا ہے کہ اس میں بغیر روپے اور بہت تھوڑی محنت کے ساتھ انسان بڑی کمائی کر سکتا ہے۔ جو آدمی تجارت شروع کرتا ہے، پہلے وہ اپنی مزدوری کا کمایا ہوا کھاتا ہے۔ پھر تجارت کی کمائی کھاتا ہے پھر تجارت کا کمایا ہوا جمع کرتا چلا جاتا ہے اور اسے نفع ہی نفع رہتا ہے۔ غرض بیس ہزار تاجر ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھجوانا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر انگریزوں کی لڑائی میں ہمارے پندرہ سولہ ہزار نوجوان چلے گئے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کی لڑائی میں پانچ ہزار نوجوانوں کا جانا مشکل ہے؟ (کیونکہ ابھی میرا پانچ ہزار کا مطالبہ ہے) اور پھر ایسے رنگ میں جبکہ تم اپنی جماعت کا مستقبل شاندار بنانے کی کوشش کرو گے۔ تم خود کھاؤ گے، دین کے لیے چندہ دو گے اور اپنے رشتہ داروں کو بھی کھلاؤ گے۔

سو سال کا کام دو تین سال میں کیا جا سکتا ہے

پس ہماری جماعت کے لیے موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے پچاس سال تک بھی بیس ہزار مبلغ کا خیال کرنا ناممکن ہے لیکن بیس ہزار تاجر بھیجنا کوئی مشکل کام نہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ ہندوستان سے باہر اگر ہم تبلیغ کو مدنظر رکھیں تو اس کے لیے کم سے کم پانچ سو روپے ماہوار فی مبلغ ہمیں خرچ کرنا پڑے گا۔ بلکہ درحقیقت اگر ہزار روپیہ ہو تو کام اچھی طرح چل سکتا ہے کیونکہ صرف مکان کا کرایہ ہی وہاں تقریباً تین چار سو روپیہ دینا پڑتا ہے۔ اگر پانچ سو روپیہ فی کس ہی رکھیں تو بیس ہزار مبلغوں کے رکھنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک کروڑ روپیہ ماہوار اور بارہ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ یہ کم سے کم اندازہ ہے۔ پھر ان کے آنے جانے کا خرچ بھی ہوگا۔ اس طرح بیس ہزار مبلغوں کے لیے درحقیقت چوبیس کروڑ روپیہ سالانہ یعنی ہماری موجودہ آمدن سے دو سو گنے زیادہ آمدن ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے پچھلے تیس سال میں قریباً پندرہ، بیس گنا اپنی آمدن کو بڑھایا ہے۔ فرض کرو ہم اس کو بہت زیادہ کریں تو پچاس یا سو سال میں جا کر ہم چوبیس کروڑ کی مرکزی آمدن پیدا کر سکیں گے (کیونکہ قریباً نصف کے قریب آمد بلاد وممالک میں خرچ ہو جاتی ہے) اور سو سال تک اتنے مبلغین کے لیے ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر بیس ہزار کنگال بھی اس تحریک پر کھڑے ہو جائیں یا کم سے کم پانچ ہزار آدمی کھڑے ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو کام ہم سو سال میں کر سکتے تھے، اسے انشاء

اللہ دو تین سالوں میں کرلیں گے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے؟ اگر ایسا ہو اور ہم میں سے ہر فرد اس کی اہمیت کو سمجھے تو چند سالوں میں حیرت انگیز تغیر پیدا ہوسکتا ہے۔

پرانے تاجر نئے تاجروں کو کام سکھائیں

جو پہلے سے تجارت کرنے والے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے لیے چندہ دے دینا کافی ہے بلکہ انہیں چاہیے کہ پندرہ، بیس نئے تاجروں کو اپنا پیشہ سکھائیں اور ان کی اخلاقی امداد کریں اور اگر ضرورت ہو اور ہو سکے تو مادی امداد بھی کریں۔ اس طرح صدقہ جاریہ کے طور پر وہ ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ہمارے ہندوستان کے تاجروں میں یہ روح نہیں، حالانکہ بیرونی ممالک میں یہ روح نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ افریقہ میں ایک شامی تاجر کو تحریک کی گئی۔ ہم چاہتے ہیں کہ تجارت کا سلسلہ وہاں شروع کریں۔ مغربی افریقہ میں وہ ایک ہی احمدی تاجر ہیں۔ انہوں نے تار کے ذریعہ اسی وقت جواب دیا کہ آدمی فوراً بھیج دیں۔ میں اپنی جائیداد میں اس کو حصہ دار بنانے کو تیار ہوں اور اس کو اپنا حصہ دار بنانے کے لیے بھی آمادہ ہوں۔ یہی روح ہے جو قوموں کو ترقی کی طرف لے جاتی ہے اور یہی روح ہے جو ہماری جماعت کے تاجروں میں ہونی چاہیے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت ہوئی کہ آپؐ نے فلاں مہاجر کو فلاں انصاری کے سپرد کیا تھا۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو میرا بھائی بنا دیا ہے تو اب تم ہر چیز میں میرے شریک ہو۔ میری دو بیویاں ہیں تم ان میں سے جس کو چاہو پسند کرلو میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔ جائیداد بھی نصف نصف بانٹنے کے لیے تیار ہوں مگر وہ مانتا ہی نہیں۔ کجا یہ اخلاق کا نمونہ کہ صحابہؓ اپنے دین، اپنے تقویٰ اور اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی بیویوں کو بھی طلاق دے کر اپنے بھائیوں کے سپرد کرنے کے لیے تیار تھے اور کجا ہماری حالت ہے کہ ہم کسی بھائی کو تجارت کا ہنر سکھانے یا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ ایک بہت مشکل کام ہے جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ پیشگوئی تھی کہ آپؐ کو آپ کی زندگی میں ہی غلبہ دے دیا جائے گا۔ مگر ہمارے لیے یہ پیشگوئی ہے کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد جا کر یہ چیز ہمیں ملے گی۔

تجارت کرنے والے ہزاروں نوجوانوں کی ضرورت ہے

پس آج اس سے زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے جتنی پہلے زمانہ میں صحابہؓ نے کیں۔ ہمیں اس وقت تجارت کرنے والے ہزاروں نوجوانوں کی ضرورت ہے چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور اپنی زندگیاں وقف کریں۔ جو تجربہ کار لوگ ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کریں۔ باہر کی ایک جماعت نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ایک غیر احمدی ہمارے ہاں آکر احمدی ہو گیا۔ جماعت نے چند سو روپیہ اکٹھا کر کے اسے دیا تا کہ وہ اس سے تجارت کرے۔ پچھلے سال اس نے ایک ہزار روپے سے زیادہ چندہ دیا ہے پس یہ ایسی چیز ہے جس میں کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کم ہمت اور بے وقوف انسان اس میں ناکام بھی ہوتا ہے لیکن باہمت اور عقلمند انسان تجارت آسانی سے چلا لیتا ہے۔ چاہے گزارے والی تجارت ہو، چاہے لاکھوں روپے والی ہو اور چاہے کروڑوں روپے والی ہو۔

بہرحال جہاں احمدی بیٹھ جائے گا وہاں خدا تعالیٰ کے دین کا ایک مبلغ بیٹھ جائے گا۔ تجارت اس کی کامیاب ہو یا نہ ہو مگر تبلیغ اس کی کامیاب ہو جائے گی۔ کیونکہ احمدیت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ مثلاً پہلا سوال نماز کا آئے گا اس کے پاس لوگ آئیں گے اور کہیں گے آپ کے آنے پر ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ مسلمان یہاں بہت کم تھے مگر ہم نے آپ کو مسجد میں کبھی نہیں دیکھا۔ دیکھو یہاں سے تبلیغ شروع ہو جائے گی وہ کہے گا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے والا ہوں اور آپ ان کو نہیں مانتے۔ اس لیے میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ وہ پوچھیں گے مسیح موعود کیا ہوتا ہے؟ اس پر وہ بتائے گا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ تھا وہ اس کا ثبوت پوچھیں گے اور اُس سے کہیں گے ہمارے ساتھ چل کر ہمارے مولوی صاحب سے بات کرو کیونکہ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بس یہیں سے بحث شروع ہو جائے گی پھر جنازے کا سوال آجائے گا اس پر مذہبی بحث شروع ہو جائے گی۔ اگر تاجر نوجوان ہوئے اور ان کے بیوی بچے نہ ہوئے تو ان میں سے کوئی کہے گا آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی ہم میں شادی کر لیں وہ کہے گا احمدیت ہمارا مذہب ہے اور ہم تو شادی احمدیوں میں ہی کریں گے اور پھر بحث شروع ہو جائے گی۔ پس یہ دو تین سوال ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے احمدیت کو چھپایا ہی نہیں جا سکتا۔ جب کبھی نماز کا موقع آئے گا اور

ہم اُن کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے یا اگر جنازہ کا موقع آئے گا اور ہم ان کے جنازے میں شامل نہیں ہوں گے یا شادی بیاہ کا معاملہ ہوگا اور ہم انکار کریں گے تو احمدیت کی بات شروع ہو جائے گی۔......

خدا کی خاطر تجارت کی طرف آنے کی تاکید

میں بتا چکا ہوں یہ تو ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم تاجروں کو تبلیغ کے لیے باہر بھیج دیں لیکن تنخواہ دار مبلغ بھیجنا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔اس تجویز کے سامنے آجانے کے بعد ہم خدا تعالیٰ کو یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ہمارے پاس چونکہ روپیہ نہ تھا اس لیے ہم تبلیغ نہیں کر سکے۔خدا تعالیٰ کہے گا کہ میں نے حج کے متعلق جو مسئلہ بیان کیا تھا تمہیں اس پر عمل کرنا چاہیے تھا۔جیسے پنجابی میں کہتے ہیں ’’نالے حج نالے بیوپار‘‘اس طرح خدا تعالیٰ کہے گا جب یہ صورت تمہیں بتلا دی گئی تھی تو اس صورت پر تم نے باہر اپنے مبلغ کیوں نہ بھیجے؟اب بتاؤ ہم کیا جواب دیں گے کیا یہ کہ ہماری طاقت سے باہر تھا؟ خدا تعالیٰ کہے گا اگر جماعت کے نوجوان 17 روپے لے کر آسام اور عراق میں اپنی جانوں کو قربان کر سکتے تھے تو کیا وہ نجاری کا کام کر کے،موٹر کی مرمت کا کام کر کے،سائیکلوں کی مرمت کا کام کر کے، ڈرائیوری کا کام کر کے، درزی کا کام کر کے یا کسی اور قسم کی تجارت کر کے احمدیت کی تبلیغ کا کام نہیں کر سکتے تھے؟ کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جو شخص سترہ روپے کے لیے جان دے سکتا ہے،وہ خدا تعالیٰ کے لیے تجارت نہیں کر سکتا؟اگر اس میں ایمان کا ایک ذرہ بھی باقی ہے تو خدا تعالیٰ کو وہ کس منہ سے کہے گا کہ میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں؟

غرض اب تم پر حجت قائم ہو چکی ہے جب تک یہ راستہ تمہارے سامنے نہیں آیا تھا تم کہہ سکتے تھے ہمیں اس کا خیال نہیں آیا لیکن اب تمہارا یہ عذر بھی ٹوٹ گیا ہے۔اب خدا تعالیٰ تم سے کہے گا میں نے اپنے ایک بندے کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا اور اس نے تم کو اس سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔غرض اب تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔حقیقت کھل گئی ہے اور باطل کو کچلنے کے راستے خدا تعالیٰ نے ظاہر کر دیے ہیں۔اگر اب بھی کوئی آگے نہیں بڑھے گا تو وہ بزدل اور غدار ہوگا۔چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص آگے آئے اور اپنے اپنے رنگ میں اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے،جس کے اٹھائے بغیر اسلام دوبارہ سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا۔‘‘

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد دوم صفحہ 619 تا 627)

بیکاری جماعتی اور شخصی لحاظ سے مضر ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 21/اکتوبر 1945ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

''تھوڑے دن ہوئے میں نے تجارت کی تحریک کی ہے اور قادیان میں بیسیوں لڑکے ایسے ہیں جو بے کار ہیں اور ان کے ماں باپ گندم کے لیے منظوریاں لیتے پھرتے ہیں۔ عرضی میں لکھتے ہیں کہ بیس سال کا لڑکا ہے مگر بے کار ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جس لڑکے کے والدین کی یہ حالت ہے وہ بے کار کیوں بیٹھا ہے؟ محلّہ کا پریذیڈنٹ سفارش کرتا ہے کہ یہ امداد کے بہت مستحق ہیں۔ میں کہتا ہوں ایسے لڑکے امداد کے مستحق نہیں بلکہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کو بید لگائے جائیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ یہ فلاں کے گھر میں کام کرتے ہیں وہاں سے انہیں آٹھ روپے ملتے ہیں لیکن آٹھ روپے میں گزارہ نہیں ہوتا اس لیے اُن کو گندم دی جائے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اگر یہ لوگ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے تو کیوں پھیری کا کام نہیں کر لیتے۔ پھیری والے ہر روز تین روپے کما لیتے ہیں۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ آپ کا لڑکا کیوں بے کار ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں قسم کا کام ملتا ہے لیکن اُس کی مرضی ہے کہ مجھے اس قسم کا کام ملے تو میں کروں اس لیے بیکار ہے۔ (جلسہ کے دنوں میں ایک دوست ملے کہ میرے لڑکے کو چپڑاسی کروا دیں میں نے کہا کہ گورنمنٹ ورکشاپ میں ملازم کروا دیتا ہوں دو چار سال میں اسی روپے کمانے لگے گا آپ چپڑاسی کیوں بنواتے ہیں؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ لڑکے کی مرضی چپڑاسی ہونے کی ہی ہے) ایسے لڑکوں کی عقلوں کو درست کرنا چاہیے اور انہیں بتانا چاہیے کہ بے کاری ایک ایسی چیز ہے جو جماعتی لحاظ سے اور شخصی لحاظ سے دونوں طرح سخت مضر ہے۔ میرا خیال ہے کہ صرف قادیان میں سے دو تین سو آدمی ایسے نکل آئیں گے جو ایسے وقت میں جب کہ ہر طرف روزگار مل رہے ہیں بے کار بیٹھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ جماعت پر بار بن رہے ہیں، وہ اپنے رشتہ داروں پر بار بن رہے ہیں، وہ اپنے گھر والوں پر بار بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو وقف کریں تو تبلیغ کی تبلیغ اور کام کا کام۔ ہمارے ہاں مثل مشہور ہے ''نالے حج نالے بیوپار'' یہ تبلیغ کی تبلیغ ہوگی اور بیوپار کا بیوپار ہوگا۔

تجارت کے لیے صحت بھی اچھی ہونی چاہیے

بلکہ ایک اور بات جس کی طرف میں خدام الاحمدیہ کو خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی صحتیں نہایت کمزور ہیں اور دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہیں۔ جب میں نوجوانوں کی صحتیں دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم لوگ جو اپنے آپ کو کمزور صحت والے خیال کرتے ہیں ان نوجوانوں سے اچھے ہیں۔ آج کل کے نوجوانوں کے قد بہت چھوٹے ہیں یا بہت پتلے دبلے یا بہت موٹے، موٹاپا بیماری کی ایک قسم ہوتی ہے۔ چہرے زرد ہیں اور چہروں پر جُھریاں پڑی ہوتی ہیں گویا ان پر جوانی آنے سے پہلے ہی بڑھاپے کا زمانہ آجاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی بڈھا بازار میں پاؤں پھسلنے کی وجہ سے گر پڑا تو بولا ہائے جوانی یعنی اب جوانی جو کہ تنومندی اور قوت کے دن تھے جاتے رہے اور میں محض بڑھاپے کی وجہ سے گر گیا ہوں۔ جب اُٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے اردگرد کوئی آدمی نہیں تو اس پر بولا ''پھٹے منہ جوانی ویلےتوں کہیڑا بہادرسی'' یعنی تیرے منہ پر پھٹکار پڑے تو جوانی کے وقت کون سا بہادر تھا۔ ہمارے نوجوانوں کا بھی یہی حال ہے ان پر جوانی آنے سے پہلے ہی بڑھاپے کا زمانہ آجاتا ہے۔ اگر نوجوانوں کی صحتوں کی یہی حالت رہی تو یہ خطرہ سے خالی نہیں۔

پس خدام الاحمدیہ کا یہ فرض ہے کہ نوجوانوں کی صحت کی طرف جلد توجہ کریں اور ان کے لیے ایسے کام تجویز کریں جو محنت کشی کے ہوں اور جن کے کرنے سے ان کی ورزش ہو اور جسم میں طاقت پیدا ہو مثلاً ہر جماعت میں جتنے پیشہ ور ہیں، ان سے کہا جائے کہ وہ خدام کو سائیکل کھولنا اور جوڑنا یا موٹر کی مرمت کا کام یا موٹر ڈرائیونگ سکھادیں۔ یہ کام ایسے ہیں کہ ان میں انسان کی صحت بھی ترقی کرتی ہے اور انسان ان کو بطور ہابی (Hobby) کے سیکھ سکتا ہے اور اگر اسے شوق ہو تو اس میں بہت حد تک ترقی بھی کر سکتا ہے۔

سکھ قوم کے مالدار ہونے کی ایک وجہ

سکھ قوم کے مالدار ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ قوم لاری ڈرائیونگ اور لوہار کے کام میں سب سے آگے ہے اور پنجاب کی تمام لاریاں اور اکثر مستری خانے ان کے قبضہ میں ہیں۔ جس جگہ جاؤ تمہیں لاری ڈرائیور سکھ ہی نظر آئے گا۔ حالانکہ سکھ پنجاب میں کل دس بارہ فیصدی ہیں لیکن سفر کے تمام

ذرائع انہوں نے اپنے قبضہ میں لے رکھے ہیں۔ کسی سڑک پر کھڑے ہو جاؤ، کسی ضلع یا تحصیل میں چلے جاؤ، تم دیکھو گے کہ سائیکلوں پر گزرنے والوں میں سے دو تہائی سکھ ہوں گے اور ایک تہائی ہندو یا مسلمان ہوں گے اور اگر تم گاؤں میں چلے جاؤ تو تم دیکھو گے کہ ایک سکھ سائیکل پر سوار ہے اور اپنی بیوی کو پیچھے بٹھائے لیے جا رہا ہے۔ موٹروں کی درستی کے جتنے کارخانے ہیں ان میں سے اکثر سکھوں کے ہیں۔ بندوق بنانے، کارتوس بنانے، لاریاں بنانے، سائیکل بنانے، مشینری بنانے کے جتنے کارخانے ہیں سب سکھوں کے ہیں کیونکہ جتنی سہولت ان کو ان چیزوں کے بنانے میں ہے دوسرے لوگوں کو نہیں۔ اول تو ہمارے مسلمانوں کے پاس موٹریں ہی نہیں اور اگر کسی کے پاس ہے بھی تو وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ اگر کسی جگہ موٹر یا لاری خراب ہو جائے تو پھر سورن سنگھ کی منتیں کریں گے کہ اسے درست کر دو، حقیقت یہ ہے کہ جتنا روپیہ سکھوں کے پاس ہے اتنا قومی طور پر ہندوؤں کے پاس بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ قوم محنت کی بہت عادی ہے۔ لاہور میں ایک سکھ نوجوان سے جو کہ بی۔ اے پاس تھا اور بانسوں اور رسیوں کی دکان کرتا تھا، میں نے پوچھا کہ آپ ملازمت کیوں نہیں کر لیتے، وہ کہنے لگا کہ میرے دوسرے ساتھیوں میں سے جو ملازم ہیں کوئی چالیس روپے لیتا ہے کوئی پچاس روپے اور میں تین چار سو روپے ماہوار کما لیتا ہوں۔ مجھے نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہماری جماعت ان کاموں میں ترقی کرنے کی کوشش کرے تو وہ دوسری جماعتوں سے پیچھے رہ جائے۔

خدام کو مشینری کی طرف توجہ کرنی چاہیے

اگر ہماری جماعت میں سے پانچ چھ فیصدی لوگ مستری ہو جائیں تو پھر امید کی جا سکتی ہے کہ ہمارے لوگ مشینری میں کامیاب ہو سکیں گے۔ کیونکہ ان لوگوں کو آرگنائز (Organise) کر کے آئندہ ان کے لیے زیادہ اچھا پروگرام بنایا جا سکتا ہے اور کچھ اور لوگوں کو ان کے ساتھ لگا کر کام سکھایا جا سکتا ہے۔ اس وقت میرے نزدیک اگر مرکزی مجلس ایک موٹر خرید سکے تو یہ بہت مفید کام ہوگا۔ اس کے ذریعہ خدام کو موٹر ڈرائیونگ کا کام سکھایا جائے اور یہ بتایا جائے کہ موٹر کی عام مرمت کیا ہوتی ہے۔ جو خادم سیکھیں ان میں سے بعض مختلف جگہوں پر موٹر کی مرمت کی دکان کھول لیں۔ یہ بہت مفید کام ہے۔ اس میں جسمانی صحت بھی ترقی کرے گی اور آمدنی کا ذریعہ بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کو

گھوڑے کی سواری، سائیکل کی سواری سکھائی جائے، سائیکل کی سواری کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہوتی ہے کہ اسے کھولنا اور مرمت کرنا آتا ہو کیونکہ بعض اوقات چھوٹی سی چیز کی خرابی کی وجہ سے انسان بہت بڑی تکلیف اٹھاتا ہے۔

پس ہمارے خدام کو مشینری کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے آج کل مشینوں میں برکت دی ہے۔ جو شخص مشینوں پر کام کرنا جانتا ہو وہ کسی جگہ بھی چلا جائے اپنے لیے عمدہ گزارہ پیدا کر سکتا ہے۔ آج کل تمام قسم کے فوائد مشینوں سے وابستہ ہیں اور جتنا مشینوں سے آجکل کوئی قوم دور ہو گی اتنی ہی وہ ترقیات میں پیچھے رہ جائے گی۔ اسی طرح اگر خدام لوہار، ترکھان، بھٹی اور دھونکنی کا کام سیکھیں تو ان کی ورزش بھی ہوتی رہے گی اور پیشے کا پیشہ بھی ہے۔ چونکہ خدام کے لیے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے اگر خدام ایسے کام کریں تو وہ ایک طرف ہاتھ سے کام کرنے والے ہوں گے اور دوسری طرف اپنا گزارہ پیدا کرنے والے ہوں گے۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا یہ ہمارا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے جیسے بعض قومیں اپنے اندر بعض خصوصیتیں پیدا کر لیتی ہیں۔ وہ قومیں جو سمندر کے کنارے پر رہتی ہیں وہ نیوی میں بڑی خوشی سے بھرتی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر انفنٹری میں بھرتی ہونے کے لیے انہیں کہا جائے تو اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے اور اگر پنجاب کے لوگوں کو نیوی میں بھرتی ہونے کے لیے کہا جائے تو وہ اس سے بھاگتے ہیں لیکن انفنٹری میں خوشی کے ساتھ بھرتی ہوتے ہیں اور یہ صرف عادت کی بات ہے۔ پس ہمارے خدام کو یہ ذہنیت اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے۔ یہ مشینوں کا زمانہ ہے اور آئندہ زندگی میں وہ مشینوں پر کام کریں گے۔ اگر کارخانوں میں کام نہ کر سکو تو ابتدا میں لڑکوں میں ان کھیلوں کا ہی رواج ڈالو جن میں لوہے کے پُرزوں سے مشینیں بنانی سکھائی جاتی ہیں مثلاً لوہے کے ٹکڑے ملا کر چھوٹے چھوٹے پل بناتے ہیں۔ پنگھوڑے، ریلیں اور اسی قسم کی بعض اور چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ ایسی کھیلوں سے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ بچوں کے ذہن انجینئرنگ کی طرف مائل ہوں گے۔

ہر فرد سائنس کے ابتدائی اصولوں سے واقف ہو

یہ سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے اس لیے خدام الاحمدیہ کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد سائنس کے ابتدائی اصولوں سے واقف ہو جائے اور ابتدائی اصول اس کثرت کے ساتھ جماعت

کے سامنے دہرائے جائیں کہ ہمارے نائی، دھوبی بھی یہ جانتے ہوں کہ پانی دوگیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنا ہوا ہے۔ یا روشنی آکسیجن لیتی ہے اور کاربن چھوڑتی ہے اگر اسے آکسیجن نہ ملے تو بجھ جاتی ہے۔ جب ان ابتدائی باتوں سے اکثر لوگ واقف ہو جائیں گے تو بعد میں آنے والے ان سے اوپر کے درجہ پر ترقی پا جائیں گے۔

ایڈیسن جس نے ایک ہزار ایک ایجادیں کی ہیں وہ ایک کارخانے میں چپڑاسی تھا۔ کارخانے میں جو تجربات ہوتے وہ ان کو غور سے دیکھتا رہتا۔ اس کی اس دلچسپی کو دیکھ کر ایک افسر نے اسے ایسی جگہ مقرر کر دیا جہاں وہ کام بھی سیکھ سکتا تھا۔ پھر اسے ایسی درسگاہ میں داخل کرا دیا گیا جہاں وہ ایک حد تک علم سائنس سے واقف ہو سکے۔ آخر وہ ایجادیں کرنے لگ گیا اور آج وہ دنیا کا سب سے بڑا موجد سمجھا جاتا ہے۔ بجلی، فونوگراف، ٹیلیفون اسی طرح کی اور بہت سی چیزیں اس نے ایجاد کیں اور بعض چیزوں میں ایسی شاندار ترمیم کی کہ وہ ایک نئی چیز بن گئیں۔ پس جن لوگوں کے دماغ سائنس سے مانوس ہوں وہ دوسری کتابوں سے امداد لے کر ترقی کر جائیں گے۔

بعض لوگ بظاہر نکمے اور بے عقل سمجھے جاتے ہیں لیکن جب اُن کا دماغ کسی طرف چلتا ہے تو حیران کن نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو بہت زیادہ عقلمند اور ہوشیار نظر آئے وہی سائنس میں ترقی کرے۔ اس وقت قادیان میں سب سے زیادہ کامیاب کارخانہ میاں محمد احمد خان کا ہے۔ کچھ دن ہوئے مجھے ایک سائنس کا پروفیسر ملا تھا اس نے مجھے حیرت کے ساتھ کہا کہ میک ورکس نے بہت ترقی کی ہے اور ان کی بعض چیزیں بہت قابل تعریف ہیں لیکن میاں محمد احمد خان جو اس کارخانہ کے موجد ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی ٹوپی رکھ کر بھول جاتے ہیں کہ کہاں رکھی ہے اور بعض دفعہ ٹوپی اُن کے سر پر ہوتی ہے اور وہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا کہ ان کی ٹوپی ان کے سر پر تھی اور وہ اپنے ماموں میاں بشیر احمد صاحب کی ٹوپی بغل میں دبا کر چل پڑے۔ میاں صاحب نے دیکھا کہ میری ٹوپی لیے جا رہے ہیں تو بلا کر کہا کہ اگر ٹوپی کی ضرورت ہے تو بیشک لے جاؤ ورنہ تمہاری ٹوپی تمہارے سر پر ہے۔ غرض ایک طرف تو ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میری ٹوپی میرے سر پر ہے یا نہیں دوسری طرف سائنس میں اُن کا دماغ خوب چلتا ہے۔ تو بظاہر بعض لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تو کوئی کام بھی نہیں کر سکیں گے لیکن جب اُن کا دماغ کسی طرف چل پڑتا ہے تو وہ دنیا کو حیرت

میں ڈال دیتے ہیں۔ پس میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمارے دوست دینی علوم سے واقف ہوں وہاں کچھ نہ کچھ انہیں سائنس کے ابتدائی اصول سے ضرور واقفیت ہونی چاہیے کیونکہ ان کا جاننا بھی اس زمانہ کے لحاظ سے بہت ضروری ہے۔''

(مجلس خدام الاحمدیہ کا تفصیلی پروگرام۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 205 تا 210)

صحابہؓ کا تجارت میں اعلیٰ کردار

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 31/ اکتوبر 1945ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''صحابہؓ میں نیکی کا اتنا غلبہ تھا کہ ایک صحابیؓ کسی دوسرے صحابیؓ کے پاس اپنا گھوڑا بیچنے آئے۔ انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا ایک ہزار درہم۔ اس نے گھوڑے کو دیکھ کر کہا تم نے اس کا کم مول لگایا ہے اس کی قیمت تو دو ہزار درہم ہے۔ مالک نے کہا اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے میں صدقہ لینا نہیں چاہتا، میں ایک ہزار درہم ہی لوں گا۔ اس نے کہا میں کسی کا مال کھانا نہیں چاہتا اس کی قیمت دو ہزار درہم ہے اور میں دو ہزار درہم ہی دوں گا۔ ہوتے ہوتے یہ بات قاضی کے سامنے پیش ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ یہ گھوڑا دو ہزار کا ہے۔ پھر اس نے وہ رقم لی۔ اب دیکھو لینے والا کم بتاتا ہے اور دینے والا زیادہ بتاتا ہے۔ لیکن لینے والا کہتا ہے یہ صدقہ ہے میں نہیں لینا چاہتا اور دینے والا کہتا ہے کہ میں زیادہ دوں گا میں کسی کا مال نہیں کھانا چاہتا۔

یہی چیز تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت دی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان یروشلم کو (جس پر کہ ان کا قبضہ تھا) کسی وجہ سے چھوڑ کر واپس آنے لگے تو بجائے اس کے کہ اس وقت اہل شہر جو عیسائی تھے خوش ہوتے کہ مسلمان ہمارے ملک سے نکل گئے ہیں اور اب ہماری اپنی حکومت ہوگی۔ وہ روتے ہوئے اُن کے ساتھ شہر سے باہر آئے وہ روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا آپ لوگوں کو پھر ہمارے شہر میں واپس لائے۔ اس نیکی کو پیدا کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے اور آپ نے ایک جماعت قائم کی۔ اب ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ ایسے اخلاق پیدا کرے جو نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوں اور جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن جائے۔......

یورپ کی ایک تجارتی خوبی

پھر تجارت کو دیکھ لو انگلستان میں خصوصاً اور باقی یورپ میں عموماً یہ خوبی ہے کہ وہ جو چیزیں بناتے ہیں معیاری بناتے ہیں۔ یہاں سے بیٹھے بیٹھے ان سے دس لاکھ کا سودا کرلو تو اس کے بعد بہت حد تک اطمینان ہوتا ہے کہ جیسی چیز مانگی ہے ویسی ہی مل جائے گی۔لیکن یہاں پر اگر سامنے بھی سارا مال لیا جائے تو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دھوکا نہ ہو اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں سر پر بیٹھے لوگ دھوکہ کر لیتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ کشمیر گئے اس وقت میری عمر بیس سال کی تھی ہمارے ساتھ مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی تھے۔کشمیر میں عام طور پر گبھے بنائے جاتے ہیں جو پرانے اور پھٹے ہوئے قالینوں سے تیار کیے جاتے ہیں لیکن جب گبھا بن جاتا ہے تو اس پر مختلف رنگ دیئے جاتے ہیں اور پھر اس پر ریشم کے دھاگے سے پھول بنا دیتے ہیں اور وہ اچھا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بھی گبھا بنوایا۔کمرے کے لحاظ سے بنانے والے کو میں نے سائز بتایا کہ اتنا لمبا اور اتنا چوڑا ہو۔چند دنوں کے بعد اس سے دریافت کیا گیا کہ گبھا تیار ہو گیا یا نہیں؟اس نے کہا تیار ہے۔میں نے دیکھا تو وہ لمبائی اور چوڑائی میں ایک ایک فٹ چھوٹا تھا اور اس سے قیمت میں کئی روپے کا فرق پڑ جاتا تھا۔پھر وہ کمرے کے لحاظ سے مناسب بھی نہیں تھا۔میں نے اُسے کہا کہ میں تو اسے لینے کے لیے تیار نہیں یہ تو بہت چھوٹا ہے۔میں نے تو تمہیں کہہ دیا تھا کہ آٹھ فٹ لمبائی اور پانچ فٹ چوڑائی یعنی چالیس مربع فٹ ہو لیکن تم نے تو سات فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا یعنی اٹھائیس مربع فٹ کا گبھا بنایا ہے اور 12 مربع فٹ کا فرق ڈال دیا ہے جو بہت بڑا فرق ہے۔ایک تو تم نے مجھے دھوکا دیا ہے دوسرے اتنا چھوٹا ہو جانے کی وجہ سے اب یہ میرے کام کا بھی نہیں رہا کیونکہ میں نے یہ اپنے ایک دوست کے کمرے کا سائز لے کر اس کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے بنوایا تھا لیکن اب یہ اس کمرے میں بھدا معلوم ہوگا اس لیے میں اسے پیش نہیں کر سکتا اور یہ اب میرے کام کا نہیں رہا۔میری یہ بات سن کر اس نے بچوں کی طرح بڑی اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا کہ مجھ پر رحم کرو میں مسلمان ہوں۔وہ یہ فقرہ بار بار دُہرائے اور مجھے غصہ چڑھے کہ یہ کیوں کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اس لیے مجھ پر رحم کرو کیوں کہ اس کا مطلب یہ بنتا تھا کہ میں مسلمان ہوں اس لیے میں کیوں دھوکا نہ کروں یہ میرا ہی حق ہے کہ میں دھوکا کروں۔اگرچہ اس کا مطلب یہ نہ تھا لیکن اس سے نکلتا یہی تھا۔

اصل میں اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اور تم میرے مسلمان بھائی ہو اس لیے تم مجھے معاف کر دو۔ اس کے شور کو سن کر لوگ اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے بیچارہ غریب ہے غلطی کر بیٹھا ہے آپ اسے معاف کر دیں اور رقم اسے دے دیں۔ میں نے کہا میں تو دینے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ کیوں کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اس لیے مجھے چھوڑ دو گویا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے فریب اور دھوکا کرنا اس کا حق ہے سیدھی طرح کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے درگزر کر دیں آئندہ اس طرح نہیں کروں گا۔ یہ آج کل کے مسلمانوں کی حالت ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فریب کرنا ہمارا حق ہے۔ اگر فریب کرنا ہمارا حق نہیں تو اور کس کا ہے۔

اسی طرح انگریز بند ڈبوں میں دودھ بیچتے ہیں اور اس میں کوئی ملونی نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں جو دودھ بیچتے ہیں اس میں عام طور پر پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا واقعہ ہے کہ میر محمد اسحاق صاحب کو ایک دفعہ یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح ان دھوکے بازوں کو پکڑا جائے۔ انہوں نے ایک آلہ منگوایا جس سے کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دودھ میں ملونی ہے یا نہیں۔ اس آلے میں ایک مقام پر ایک نشان لگا ہوتا ہے جو دودھ کے وزن کے مطابق ہوتا ہے (ہر چیز کا ایک خاص وزن ہوتا ہے اور دودھ کا بھی ایک وزن ہوتا ہے) اگر اس نشان تک آلہ دودھ میں رہے تو دودھ ٹھیک سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ آلہ اس نشان سے اونچا رہے تو سمجھا جاتا ہے کہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہے۔ چونکہ پانی کا وزن کم ہوتا ہے اور دودھ کا زیادہ۔ اس لیے جب پانی دودھ میں ملتا ہے تو دونوں کا وزن مل کر ایک نیا وزن بن جاتا ہے جو کہ دودھ کے وزن سے ہلکا ہوتا ہے اور آلہ اس نشان تک دودھ میں نہیں ڈوبتا جتنا خالص دودھ ہونے کی وجہ سے ڈوبنا چاہیے اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہے۔ وہ آلہ منگوا کر میر صاحب نے شہر میں پھرنا شروع کر دیا اور جس نے بھی دودھ بیچنے کے لیے آنا کہنا کہ دودھ دکھاؤ۔ اگر ٹھیک ہوتا تو اس کو کہہ دینا ٹھیک ہے جاؤ اور بیچو اور اگر آلہ نے دودھ کو ناقص بتانا تو ان کو دودھ بیچنے سے منع کر دینا۔ یہ ان کا مشغلہ ہو گیا تھا کہ سارا دن ادھر ادھر پھرنا اور جس کو دیکھنا بلانا اور آلہ لگانا۔ اُس وقت ہسپتال اس چوک میں جہاں پر کہ بک ڈپو ہے ہوتا تھا اور غالباً ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب وہاں کام کرتے تھے۔ بہر حال جو بھی تھے انہوں نے ایک شخص کے متعلق کہا کہ آلہ کے ذریعہ ہم نے کئی دفعہ اس کا دودھ دیکھا ہے اور یہ دودھ ٹھیک ہے۔ اس لیے دودھ اس سے لیا

جائے۔مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دفعہ وہی شخص برتن میں سے ایک گڑوی دودھ نکال کر کسی کو دینے لگا تو اس میں سے چھوٹی سی مچھلی کود کر باہر آ پڑی، اصل میں وہ ہوشیار آدمی تھا اس نے جب دیکھا کہ یہ آلہ لگاتے ہیں تو اس نے ڈھاب کا پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ڈھاب کے پانی میں مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے اور مٹی بھاری ہوتی ہے اس لیے پانی کا وزن زیادہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آلہ اس مقررہ نشان تک پہنچ جاتا اور دھوکہ بازی کا پتہ نہ لگتا۔لوگ سمجھتے کہ بڑا دیانتدار ہے کیونکہ آلہ دودھ کے مقررہ نشان تک پہنچ جاتا ہے لیکن ایک دن مچھلی کود کر باہر آ پڑی تو پھر اس کی چالاکی کا علم ہوا۔جس قوم میں دھیلے دھیلے اور دمڑی دمڑی کے لیے اتنی دھوکا بازی کی جاتی ہو اور جو قوم دمڑی دمڑی پر اتنی حریص ہو اور جس قوم کے ایسے اخلاق ہوں وہ لوگوں پر کیا رعب قائم رکھ سکتی ہے۔

اسی طرح ہماری جماعت میں اور بھی کئی ایسے اخلاق کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔مثلاً جب میں ڈلہوزی میں تھا ہم ایک گجر سے دودھ لیا کرتے تھے میرے ملازم نے ایک دن مجھے بتایا کہ وہ دودھ میں پانی ڈالتا ہے۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ تم اس کے متعلق کیوں بدظنی کرتے ہو؟ مگر بعد میں لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس کو دودھ میں پانی ڈالتے ہوئے دیکھا گیا ہے تب مجھے معلوم ہوا کہ بات ٹھیک تھی۔ایک دن تو لطیفہ ہو گیا۔ ہمارے مہمان زیادہ ہو گئے اس لیے ہم نے دودھ بجائے سات سیر لینے کے دس لینا شروع کیا۔دوسرے چوتھے دن چند دوست اس کو پکڑ کر میرے پاس لائے اور کہا کہ ہم نے اس کو دودھ میں پانی ڈالتے دیکھا ہے۔میں نے تحقیقات کروائیں تو گوالے نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میری بھینس سات سیر دودھ دیتی ہے زیادہ نہیں دیتی اس لیے میں کہاں سے دس سیر لاؤں لیکن یہ کہتے تھے کہ ہم نے ضرور دس سیر دودھ لینا ہے۔آخر میں کیا کر سکتا تھا میں نے پانی ڈالنا شروع کر دیا تا کہ دس سیر پورا کیا جائے۔معلوم ہوتا ہے کہ سادہ آدمی تھا اس نے یہ کام دھوکہ دینے کے لیے نہیں کیا بلکہ اس نے سمجھا کہ جب وہ خود دس سیر کہتے ہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ پانی ڈال کر دس سیر دودھ پورا کر لو اس لیے میں پانی ڈال کر دیتا ہوں۔ یہ بات تو الگ رہی ڈلہوزی میں تو یہ ہوتا ہے کہ دودھ بیچنے والے کہتے ہیں کہ روپے کا تین سیر والا لینا ہے یا روپے کا پانچ سیر والا یا روپے کا سات سیر والا۔اگر کوئی لالچ میں آ جائے اور سات سیر والا دودھ مانگے تو اس کے سامنے نلکے میں سے ڈیڑھ پاؤ دودھ میں قریباً اڑھائی پاؤ پانی ملا کر اسے دے دیتے ہیں۔

کسی بھی چیز کا مخصوص معیار برقرار رکھنا چاہیے

غرض تجارتی معاملات میں ہندوستانیوں میں عام طور پر دیانت داری نہیں پائی جاتی لیکن یورپین قومیں ان باتوں میں نہایت دیانت دار ہوتی ہیں۔ان کی چیز اگر خراب ہو جائے تو وہ اسے فوراً پھینک دیں گے لیکن ہمارے ملک کے تاجران کو پھینکتے نہیں بلکہ سستے داموں بیچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا ایک سٹینڈرڈ (Standerd) ہونا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس معیار سے چیز نہ گرے اور اگر گرے تو اس کو بیچا نہ جائے۔اگر اس کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کوئی کارخانہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ہمارے قادیان میں ہی کئی کارخانے ہیں اور اچھے چل رہے ہیں۔پچھلی دفعہ جب میں لاہور گیا تو بعض بڑے بڑے ماہروں نے تسلیم کیا کہ قادیان اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ہندوستان کے کسی اور شہر میں اتنی ترقی نہیں ہوئی لیکن وہ اور دوسرے مال لینے والے سب یہی شکوہ کرتے تھے کہ کارخانوں کا ایک سٹینڈرڈ نہیں بلکہ کبھی اعلیٰ چیز تیار ہو جاتی ہے اور کبھی ادنیٰ۔اس کے مقابلہ میں انگلستان کی لاکھوں فرمیں ہیں مگر ان کا سٹینڈرڈ قائم ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے چیکرز رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔جب کارخانے سے باہر مال جانے لگتا ہے تو وہ پہلے مال کو چیک کرتے ہیں اور جو چیز سٹینڈرڈ سے کم ہو اسے ردی قرار دے کر باہر نہیں جانے دیتے بلکہ ضائع کر دیتے ہیں۔ہمارے ہاں چیزوں کا سٹینڈرڈ نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ایک یہ کہ یہاں چیکرز نہیں۔دوسرے کارخانہ والے اپنے مال کو جان بوجھ کر چاہے وہ کتنا ہی ردی ہو باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ردی چیز کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں اور چونکہ مال لینے والے بھی ہندوستانی ہوتے ہیں وہ بھی سستا مال دیکھ کر خرید لیتے ہیں۔اگر ایک چیز کارخانہ سے ایک روپیہ پر نکلتی ہے اور بازار میں ڈیڑھ روپیہ کی بکتی ہے تو ردی مال لینے والے دکاندار بجائے اس کے کہ آٹھ آنے کی چیز ایک روپے میں بیچیں وہ ڈیڑھ روپے میں بیچتے ہیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں کہ یہ اصل سٹینڈرڈ والی چیز ہے اور جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز خراب ہے تو وہ دکاندار کے پاس شکوہ کرتے ہیں اور دکاندار کہتا ہے کہ میں کیا کروں میں نے تو فلاں فرم کو آرڈر دے کر منگوائی تھی۔اس طرح کارخانہ والوں کی بدنامی ہوتی ہے۔انگریزوں میں یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ ہر چیز کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

(مسلمانوں نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔انوار العلوم جلد 18 صفحہ 221 تا 227)

تجارت کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 2 نومبر 1945ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں ایک چھوٹی سی بات تجارت کے حصہ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ وقف تجارت کے متعلق دفتر تحریک جدید میں سو کے قریب درخواستیں آ چکی ہیں اور ان میں سے بعض لوگ گھبرا گئے ہیں کہ ہمیں درخواست دیے ہوئے اتنی دیر ہوگئی ہے لیکن ابھی تک ہمیں بلایا نہیں گیا اور وہ بار بار اس کے متعلق خط لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسے کام کے لیے بہت لمبے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر ان لوگوں کو ایسے علاقوں میں بھجوا دینا جن کے متعلق ہمیں کچھ بھی علم نہیں کہ وہاں کے حالات کیسے ہیں کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ بے شک وقف کرنے والے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں لیکن ہمیں بھی تو عقل سے کام لینا چاہیے۔ جس جگہ کے حالات کے متعلق نہ ہمیں خبر ہو نہ پتہ اور نہ ہم وہاں کے حالات کا اندازہ لگا سکتے ہوں، ایسی جگہ کسی آدمی کو بھیجنا گویا اس کو ایسی مصیبت میں ڈالنا ہے کہ ممکن ہے وہ اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے۔

پس ہمیں جب تک ان علاقوں کے حالات کے متعلق پوری واقفیت نہ ہو جائے، ہم کیوں کسی کو مصیبت میں ڈالیں؟ تجارت کی اس سکیم کے لیے ابتدائی کارروائی شروع کر دی گئی ہے اور یہ تجویز کیا گیا ہے کہ بمبئی میں تحریک جدید کی طرف سے ایک ایجنسی جاری کی جائے اور ہمارے دو تین آدمی کمیشن ایجنسی کا بمبئی میں تجربہ حاصل کریں۔ کیونکہ ایسے آدمیوں کا ملنا مشکل ہے، جو اس کام کے متعلق پہلے ہی تجربہ رکھتے ہوں۔ جب یہ اس کام کو سیکھ لیں گے تو ان کو مدراس، کراچی یا دوسری جگہوں میں پھیلا دیا جائے گا اور ان کے ساتھ کچھ اور آدمی لگا دیے جائیں گے جن کو یہ لوگ کام سکھائیں گے۔ اس طرح تھوڑے تھوڑے آدمی کام سیکھتے چلے جائیں اور کام پر لگتے چلے جائیں گے۔ ابتدا میں ہر علم کو سیکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ بغیر سیکھے کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تجارت کا علم بھی سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ بیرونی ممالک میں سے بعض ملکوں میں ہمارے آدمی پہنچ چکے ہیں اور ان کی طرف سے خط و کتابت جاری ہے اور اُمید ہے کہ جلدی ہی ان بیرونی ممالک اور ہندوستان میں تجارت کا کام شروع ہو جائے گا۔

احمدی صنّاع محکمہ تجارت سے تعاون کریں

مجھے محکمہ تجارت کی طرف سے یہ شکایت پہنچی ہے کہ احمدی صنّاع ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔اس کے برعکس غیر احمدی صنّاع ان سے ہر قسم کا تعاون کر رہے ہیں۔بعض احمدی صنّاعوں سے کہا گیا کہ جو چیزیں وہ تیار کرتے ہیں ان کا نمونہ دیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی نمونہ نہ دیا۔اس کے مقابلہ میں سیالکوٹ کے ایک صنّاع نے ، جو غیر احمدی ہے، محکمہ تجارت والوں کو لکھا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں اور جب محکمہ والوں کی طرف سے اسے جلد جواب نہ پہنچا تو وہ خود قادیان آیا اور کہا کہ میں واپس جاتے ہی اپنے مال کے نمونے بھجوادوں گا۔جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے گزشتہ خطبات میں بیان کیا تھا کہ ہماری غرض تجارت کے ذریعہ تبلیغی سنٹر قائم کرنا ہے۔اگر بڑے بڑے شہروں میں ہمارے تجارتی مرکز قائم ہو جائیں تو ان مرکزوں کے ذریعہ تبلیغ بہت آسانی سے وسیع کی جاسکتی ہے اور جماعت پر کسی قسم کا مالی بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔

دوسری غرض یہ ہے کہ جماعت میں صنعت وحرفت اور تجارت کو ترقی دی جائے اور صنّاعوں اور تاجروں میں ایک نظام قائم کر دیا جائے اور ان کی ایک جماعت اور جتھہ بن جائے اور وہ منظّم طور پر دنیا میں ایسے پھیل جائیں جیسے کیکڑے کے پاؤں چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور احمدی تاجروں کو تجارت میں اتنی طاقت حاصل ہو جائے کہ ہر قوم ان سے مل کر تجارت کرنے پر مجبور ہو جائے۔دنیا میں بعض قومیں بعض خاص قسم کی چیزوں کی تجارت کرتی ہیں اور ان چیزوں پر ان کا قبضہ ہوتا ہے۔گو عام طور پر وہ دوسری چیزوں کی بھی تجارت کر لیتی ہیں لیکن وہ خاص چیز جس کی وہ تجارت کرتی ہیں، ان کی تجارت کا محور اور ستون ہوتا ہے اور کوئی شخص اس کی تجارت میں ان کے مقابل پر آ کر جیت نہیں سکتا۔مثلاً بعض قومیں کپڑے کی تجارت کرتی ہیں۔لوگ عام طور پر ان کے ساتھ مل کر کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔میرے مدنظر یہ دو بڑی بڑی اغراض تھیں۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد میں ابھی اس چیز کی اہمیت کا احساس پیدا نہیں ہوا۔میں نے اعلان کیا تھا کہ صنّاع اور تاجر محکمہ تجارت سے تعلق قائم کریں اور ہر رنگ میں ان سے تعاون کریں۔لیکن میرے اس اعلان کے باوجود جو لوگ تعاون نہیں کرنا چاہتے، محکمہ تجارت کو چاہیے کہ ان کی پرواہ نہ کرے۔

ہماری غرض تجارت سے تبلیغ کو پھیلانا ہے

ہماری غرض تجارت سے تبلیغ کو پھیلانا ہے۔ چاہے تبلیغ احمدیوں کے مال سے ہو یا ہندوؤں اور سکھوں کے مال سے ہو یا عیسائیوں کے مال سے ہو۔ یعنی ہم کمیشن ایجنسیاں قائم کر رہے ہیں۔ خواہ ہمیں کسی احمدی کے مال کی ایجنسی مل جائے یا ہندو یا سکھ یا عیسائی فرم کی ایجنسی مل جائے۔ ہماری پہلی غرض ہر رنگ میں پوری ہو جائے گی۔ یعنی ہم اپنی تبلیغ کو دنیا کے ہر حصہ میں پھیلا سکیں گے۔ اگر ایک شخص کے پاس سکھ فرم کی ایجنسی ہے اور اسے تبلیغ میں ہر قسم کی آسانی ہے اور وہاں اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ خود بھی تبلیغ کر سکتا ہے، دوسروں سے بھی تبلیغ کرا سکتا ہے۔ اگر کوئی مبلغ اس کے پاس جائے تو وہ اس کی تقریر کا انتظام کرا سکتا ہے اور اس کے رستے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تو ہماری پہلی اور اصل غرض پوری ہو گی۔ ہمارا اس میں کیا حرج ہے کہ تبلیغ سکھ کے مال سے ہو یا کسی اور قوم کے مال سے؟ پس اگر جماعت کے صنّاع اور تاجر تعاون نہ کریں تو بھی ہمارا پہلا نقطۂ نگاہ پورا ہو جائے گا اور دوسرے نقطہ نگاہ کے لحاظ سے بھی تحریک جدید کو کوئی نقصان نہیں۔ اگر ہماری تجارتی سکیم کامیاب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت سے تجارت کے کچھ حصہ پر ہم قابض ہو جائیں اور ہماری تجارت ہندوستان اور بیرونی ممالک میں شروع ہو جائے اور فرض کرو کہ ہماری ہزار ایجنسیاں ہندوستان اور بیرونی ممالک میں قائم ہو جائیں تو پھر حسرت انہی لوگوں کو ہو گی، جنہوں نے محکمہ تجارت سے تعاون نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ تعاون کرتے تو ان کی چیزیں ہزار جگہ بکنے لگ جاتیں۔ پس محکمہ کو کسی طرح بھی نقصان نہیں۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ محکمہ کو اس کام میں اس کی نادانی اور ناواقفی کی وجہ سے کامیابی نہ ہو۔ پھر بھی ہمارا فائدہ ہے کہ ایک احمدی تاجر یا صنّاع کے چار پانچ روپے کے نمونے بچ گئے۔ گو عام طور پر کمیشن ایجنسی سے نقصان نہیں ہوا کرتا۔

لوگوں کے عدمِ تعاون سے گھبرانا نہیں چاہیے

پس اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ کوئی تعاون کرتا ہے یا نہیں کرتا بلکہ بار بار تحریک کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک نیا کام ہے اور ہر نئی چیز سے لوگ گھبراتے ہیں اور جب بار بار وہی چیز ان

کے سامنے آتی ہے تو پھر اس سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محکمے کی ناتجربہ کاری ہے کہ وہ اتنی جلدی گھبرا گئے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ایک آواز اُٹھائی جائے تو سب لوگ فوراً اس کی طرف بھاگ پڑیں۔ بلکہ دنیا کا ایک قاعدہ ہے کہ جب ایک کام کے متعلق کہا جائے کہ یہ مفید ہے تو وہ لوگ جو اصل حالات سے واقف نہیں ہوتے، وہ اپنے علم اور کہنے والے کے علم کا مقابلہ کرتے ہیں اور چونکہ ہر ایک کا علم الگ الگ ہوتا ہے اس لیے وہ لوگ اس کام کے کرنے میں تاخیر کرتے ہیں اور جب ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کام واقعی مفید ہے تو خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

صنعت وحرفت کرنا اور چیز ہے اور صنعت وحرفت کو منظّم کرنا اور چیز ہے۔ تجارت کرنا اور چیز ہے اور تجارت کو منظّم طور پر چلانا اور چیز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص تجارت کی تنظیم کر سکتا ہو، وہ تجارت بھی اعلیٰ درجے کی کر سکتا ہے۔ یا جو شخص صنعت وحرفت میں کامیاب ہو۔ وہ اس کی تنظیم میں کامیاب ہو یا جو شخص تجارت میں کامیاب ہو وہ اس کی تنظیم میں بھی کامیاب ہو یا جو شخص صنعت وحرفت کی تنظیم میں کامیاب ہو، وہ صنعت وحرفت بھی اعلیٰ درجے کی جانتا ہو۔ یہ دونوں الگ الگ راستے ہیں اس لیے ضروری نہیں کہ تمام صنّاع یا تاجر سیکرٹری تجارت کی بات فوراً مان لیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے سیکرٹری تجارت کسی کو کہے کہ دو روپے جوہڑ میں ڈال دو تو وہ کبھی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر سیکرٹری تجارت کسی کو کہے کہ دو روپے کا نمونہ جوہڑ میں پھینک دو تو وہ کبھی بھی پھینکنے کے لیے تیار نہیں ہو گا اور وہ نہ پھینکنے میں حق بجانب ہوگا۔ اسی طرح اس وقت عام لوگوں کے نزدیک سیکرٹری تجارت کو نمونہ دینا گویا جوہڑ میں ڈالنے کے مترادف ہے، اس لیے وہ تعاون نہیں کرتے۔ پس گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ بار بار مختلف رنگوں میں تحریک کرتے رہنا چاہیے۔

ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جماعت کے لوگوں کو چندہ ضرور دینا چاہیے خواہ تین مہینے میں ایک دھیلہ ہی دیں۔ لیکن آہستہ آہستہ تین ماہ میں ایک دھیلہ سے بڑھتے بڑھتے ہر ماہ ایک آنہ فی روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ اگر دوسری تحریکوں کے چندوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ دس فیصدی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ جو نکمے اور بے اثر ہیں وہ ایک آنہ فی روپیہ بھی چندہ نہیں دیتے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اکثر ایسے ہیں جو بہت زیادہ چندہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ابتدا تین ماہ میں ایک دھیلہ سے ہوئی تھی۔ پھر جن لوگوں کی وصیت ہے

اُن میں سے بعض پندرہ فیصدی تک دیتے ہیں۔بعض ایسے ہیں جو تینتیس فیصدی تک دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پچاس فیصدی تک بلکہ اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں اور ابھی ہم خوش نہیں، بلکہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اس سے بھی زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین ماہ میں ایک دھیلے سے کام شروع کیا تھا تو سیکرٹری صاحب تجارت کون ہیں کہ ان کا کام پہلے دن ہی روپیہ سے شروع ہو۔ پس لوگوں کو بار بار تحریک کرتے رہنا چاہیے جو آج قائل نہیں وہ کل ہو جائیں گے، جو کل قائل نہ ہوں گے وہ پرسوں قائل ہو جائیں گے۔ جو پرسوں قائل نہ ہوں گے وہ ترسوں قائل ہو جائیں گے۔

احمدی صنّاعوں کو ایک نصیحت

اس کے بالمقابل میں احمدی صنّاعوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ وقت کی ضرورت کو پہچانیں اور جو بھی ان کی صنعت ہو مثلاً کوئی بٹن بنا رہا ہے، کوئی سیاہی بنا رہا ہے، کوئی پالش بنا رہا ہے وہ اپنے اپنے نمونے محکمہ تجارت کو بھجوا دیں۔ کیونکہ جہاں جہاں محکمہ کی ایجنسیاں قائم ہوگئی ہیں وہاں کے لوگ نمونے مانگتے ہیں اور محکمہ کے پاس نمونے نہ ہوں تو اسے بہت دقت پیش آتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تاجروں اور صنّاعوں کا عجیب قسم کا مطالبہ ہے کہ سلسلہ ان کی چیزوں کی ایڈورٹائزمنٹ بھی کرے اور جب باہر سے ان چیزوں کے نمونے مانگے جائیں تو قیمتاً خرید کر بھیجے۔ جو لوگ نمونے مفت دیں اُن کا مطالبہ تو کسی قدر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن جن لوگوں نے نمونے مفت نہیں دیے، ان کا یہ مطالبہ کسی طرح درست نہیں کہ ہماری چیزوں کے اشتہار بھی تم دو اور اگر باہر سے ان چیزوں کے نمونے مانگے جائیں تو خرید کر بھیج دو۔

تجارت کو اشتہارات کے ذریعہ سے بھی شہرت دی جائے

آج کل تجارت میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی سمجھا جاتا ہے کہ اشتہار سے کام لیا جائے اور اپنی چیز کو ملک میں زیادہ سے زیادہ شہرت دی جائے۔ انگلستان میں اس بات کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ ویمبلے ایگزیبیشن (Exhibition) میں ایک تین آنے کی نب کے لیے اس کے مالک نے

بائیس ہزار روپے دے کر ایک میز کی جگہ لی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تین آنے کی نب کے لیے آپ نے بائیس ہزار روپیہ خرچ کیا ہے۔ اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ اُس نے کہا کہ یہ رقم تو کچھ بھی نہیں ہمارا ''ڈیلی میل'' میں روزانہ اشتہار چھپتا ہے اس کے لیے ہم پندرہ ہزار پونڈ سالانہ ''ڈیلی میل'' والوں کو دیتے ہیں۔ گویا سوا دو لاکھ روپے وہ اشتہار کے لیے ''ڈیلی میل'' والوں کو دیتے تھے۔ حالانکہ ان کو کوئی خاص کامیابی بھی نہ ہوئی۔ کیونکہ بعد میں، میں نے وہ نب کسی کے پاس نہیں دیکھا۔ لیکن باوجود اس کے وہ لوگ اشتہارات پر بہت سا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ تا کہ ان کے نام کی شہرت ہو جائے اور دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جس فرم یا جس کمپنی کا نام لوگوں نے سنا ہوا ہو، اس کی چیز خرید لیں گے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ چیز کسی کام کی ہے یا نہیں؟

پس اپنی چیز کو شہرت دینا، اس زمانے میں تجارت کا ایک ایسا حصہ ہے، جس کے بغیر تجارت میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو ایک شخص جس چیز کی شہرت نہیں، وہ بازار میں اپنی چیز لے کر آیا اور سارے بازار میں پھر گیا۔ لیکن اس سے کسی نے نہ خریدی تو اس کا بازار میں پھرنا بے فائدہ اور بے کار نہیں ہوگا۔ بلکہ دوسری دفعہ جب وہ آئے تو اس کو نئی واقفیت پیدا کرنے یا واقفیت کرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ بازار کے لوگ اس کے متعلق جانتے ہوں گے کہ ان کا فلاں چیز کا کارخانہ ہے اور جس کو ضرورت ہوگی، وہ اُسے آرڈر دے کر اس سے لے لے گا اور اس کا پہلی دفعہ آنا اسے نئی تحقیقات سے بچا لے گا اور ایک دفعہ جب واقفیت ہو جائے تو پھر لوگ ہمیشہ تحقیقات نہیں کیا کرتے۔ میں حیران ہوں کہ تاجر لوگ ان باتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن پھر بھی انہیں اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بہر حال ہمارے محکمہ تجارت کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے صنّاعوں سے تحریک کرتے رہنا چاہیے اور بار بار لوگوں کو کہنا چاہیے کہ جو لوگ انہیں نمونے بھیجیں ان کو وہ بنیاد کے طور پر استعمال کریں اور اپنی عمارت کی اس پر بنیاد رکھیں اور میں جماعت کے تاجروں اور صنّاعوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ محکمہ تجارت سے تعاون کریں اور اپنی چیزوں کے نمونے اسے بھیج دیں۔ جن لوگوں کے نمونے آئیں گے ہم اُن کے لیے کوشش کریں گے کہ ہندوستانی اور بیرونی ممالک میں جہاں جہاں ہمارے آدمی موجود ہیں وہاں ان کے نمونے بھجوا دیں پھر جس جس ملک سے مانگ آئے گی اس کو مہیا کرتے چلے جائیں گے۔

پس جن لوگوں نے تجارت کے لیے زندگیاں وقف کی ہیں ان کو گھبرانا نہیں چاہیے اور جلدی نہیں کرنی چاہیے جوں جوں ان کے لیے کام نکلتا آئے گا ہم ان کو بلاتے جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تینوں کی گھبراہٹ فضول ہے۔یعنی زندگیاں وقف کرنے والوں کی جلدی کرنا اور گھبرانا فضول ہے۔ہم ان کو بلانے کے لیے آہستہ آہستہ انتظام کر رہے ہیں اور تاجروں اور صنّاعوں کا بخل بھی غلط ہے انہیں اپنے نمونے بھیجنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے اور محکمہ تجارت والوں کو بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں ،اگر احمدی تاجر اور صنّاع ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تو کوئی حرج نہیں ۔ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے پاس بہت کام ہے اور تمام تجارت انہیں کے ہاتھوں میں ہے،ان سے مل کر اپنے لیے تجارت کا میدان تیار کرنا چاہیے۔احمدیوں کے پاس تجارت کا ایک فیصدی بھی نہیں بلکہ ایک فیصدی تو کیا،احمدیوں کے پاس تو تجارت کا کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کروڑویں حصے کا دسواں حصہ بھی احمدیوں کے پاس نہیں۔پس ان کے تعاون نہ کرنے سے گھبرانا خلاف عقل ہے۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد دوم صفحہ 637 تا 643)

سلسلہ کے تبلیغی اخراجات تجارت سے پورے کرنے کی ہدایت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28 ردسمبر 1945ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''پانچواں مبلغ ایسا ہوگا جس کا تجارت سے تعلق ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ وہ سلسلہ کے تبلیغی اخراجات کو زیادہ سے زیادہ تجارت کی آمد سے پورا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ کام اپنی ذات میں نہایت اہم ہے اور اس کو وسیع طور پر پھیلا کر نہ صرف سلسلہ کے اخراجات کو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے بلکہ اس سلسلہ کے اخراجات کو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے بلکہ سلسلہ کے لیے نئی آمد بھی پیدا کی جاسکتی ہے اس کام پر جو مبلغ مقرر ہوگا اس کا صرف یہی کام نہیں ہوگا کہ وہ اپنے علاقہ میں تجارت کرے بلکہ اس کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات قائم کرے۔مثلاً انگلستان کا مبلغ کوشش کرے کہ وہ ایران میں اشیاء بھجوائے یا عرب میں ان کی کھپت کا انتظام کرے اور ایران والا کوشش کرے کہ وہ انگلستان میں چیزیں پہنچائے۔اس طرح تجارت کو وسیع کرنا، ایک ملک کے دوسرے ملک سے تجارتی تعلقات قائم کرنا اور سلسلہ کے اخراجات کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے کی کوشش کرنا اس کا کام ہوگا۔

تجارت کے ذریعہ دنیا میں اثر ورسوخ پیدا کیا جاسکتا ہے

تیسری تحریک جو کچھ عرصہ سے میں جماعت کو کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کو اب تجارت کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔ میں نے بارہا بتایا ہے کہ تجارت ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں بہت بڑا اثر ورسوخ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے دو نوجوان افریقہ گئے ایک کو ہم نے کہا کہ تمہیں خرچ کے لیے ہم 25 روپے ماہوار دیں گے مگر دوسرے سے ہم نے کہا کہ تمہارے اخراجات برداشت کرنے کی ہمیں توفیق نہیں۔ اس نے کہا کہ توفیق کا کیا سوال ہے میں خود محنت مزدوری کر کے اپنے لیے روپیہ پیدا کروں گا سلسلہ پر کوئی بارڈالنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم نے کہا یہ تو بہت مبارک خیال ہے اگر ایسے نوجوان ہمیں میسر آجائیں تو اور کیا چاہیے چنانچہ وہ دونوں گئے اور انہوں نے پندرہ روپیہ چندہ ڈال کر تجارت شروع کی اب ایک تازہ خط سے معلوم ہوا ہے کہ وہی نوجوان جنہوں نے پندرہ روپے سے تجارت شروع کی تھی اب تک ایک ہزار روپیہ تبلیغی اخراجات کے لیے چندہ دے چکے ہیں اور اپنا گزارہ بھی اتنی مدت سے عمدگی کے ساتھ کرتے آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی مشن کے ذمہ ان کا چالیس پونڈ کے قریب قرض بھی ہے جو انہوں نے اپنی تجارت کے نفع سے دیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہم اس سے بھی زیادہ روپیہ کما لیتے مگر چونکہ گورنمنٹ نے مال کی درآمد و برآمد پر کئی قسم کی پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں اس لیے ہم زیادہ روپیہ کما نہیں سکے ورنہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ اس ملک میں بعض نوجوان ہزار ہزار دو ہزار روپیہ کے ساتھ آئے اور اب وہ لاکھ لاکھ کما رہے ہیں وہاں میں دوسرے حصہ کی تعریف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے نوجوانوں میں ایسے واقفین زندگی بھی ہیں جنہیں ہر قسم کے خطرات میں ہم نے ڈالا مگر انہوں نے ذرہ بھی پرواہ نہیں کی۔ وہ پوری مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے اور انہوں نے دین کی خدمت کے لیے کسی قسم کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ چونکہ ہمیں اسلام کی تبلیغ وسیع کرنے کے لیے ابھی مبلغین کے ایک لمبے سلسلہ کی ضرورت ہے اس لیے میں جماعت کے نوجوانوں کو پھر وقف زندگی کی تحریک کرتا ہوں اور ماں باپ کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ جب تک ہر باپ یہ اقرار نہیں کرتا کہ میں اپنی اولاد اسلام کے لیے قربان کرنے کو تیار ہوں، جب تک ہر ماں یہ اقرار نہیں کرتی کہ وہ دین کے لیے اپنی اولاد کو قربان

کرنا اپنے لیے سعادت کا موجب سمجھے گی اُس وقت تک ہم دین کی ترقی کے لیے کوئی مضبوط اور پائیدار بنیاد قائم نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے ہر مرد اور ہر عورت کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ اگر دین کے لیے اس کی اولاد قربان ہو جائے گی تو اس کی موت انتہائی سکھ کی موت ہوگی اور اگر سلسلہ کے لیے اس کی اولاد ہر قسم کی قربانی سے کام نہیں لے گی تو اس کی موت کی گھڑیاں انتہائی دکھ اور تکلیف میں گزریں گی۔ یہ ایمان ہے جو ہمارے اندر پیدا ہونا چاہیے۔ جب تک ہم سے ہر مرد اور عورت میں فدائیت اور جان نثاری کا یہ جذبہ پیدا نہ ہو اس وقت تک ہم ایک مضبوط اور ترقی کرنے والی قوم کی بنیاد نہیں رکھ سکتے۔

تجارت کے لیے وقف کی تحریک

ایک اعلان میں نے یہ کیا تھا کہ جماعت کے نوجوان اپنے آپ کو اس رنگ میں سلسلہ کی خدمت کے لیے وقف کریں کہ مرکز کی طرف سے انہیں جہاں بھی تجارت کرنے کے لیے کہا جائے وہاں وہ جائیں گے اور اپنے ذاتی کاروبار کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ بھی کرتے رہیں گے۔ تجارت ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان بغیر کسی خاص سرمایہ کے بہت تھوڑی سی محنت کے ساتھ کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس طرف توجہ کریں گے وہ نہ صرف اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لیے روزی کا سامان پیدا کریں گے بلکہ دین کی خدمت کے لیے چندہ بھی دے سکیں گے اور سلسلہ کی اشاعت کو بھی وسیع کرنے کا موجب بنیں گے۔ ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اس تحریک کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے آپ کو تجارت کے لیے وقف کریں۔ اگر انہیں کام سیکھنے کی ضرورت ہوئی تو ہم انہیں کام سکھائیں گے، انہیں تجارت کے لیے موزوں مقام بتائیں گے، انہیں کارخانوں سے مال دلوا دیں گے اور اگر کوئی مشکل پیش آئے گی تو اُس کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ افریقہ میں ایسا ہی ہوا کہ بعض لوگ وہاں تجارت کے لیے گئے تو ہم نے اپنی ضمانت پر انہیں کارخانوں سے مال دلوا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے۔ اگر ہماری جماعت کے نوجوان اس طرف توجہ کریں تو ہم قلیل ترین عرصہ میں ہی سارے ملک میں اپنے تاجر اور صنّاع پھیلا سکتے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ جس جس علاقہ میں ہمارا تاجر اور صنّاع ہوگا ان علاقوں میں صرف ان کی تجارت اور صنعت ہی کامیاب نہیں ہوگی بلکہ جماعت بھی پھیلے گی۔

ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے تحت کارخانوں کے قیام کا پروگرام

ایک اور امر جس کی طرف میں اس موقع پر جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ ہے۔اس انسٹیٹیوٹ کے ماتحت ہم ملک کے مختلف حصوں میں بعض کارخانے کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کے لیے ہمیں روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ جماعت کو چاہیے کہ وہ تیار رہے اور جب مرکز کی طرف سے تحریک ہو تو اس میں پورے جوش کے ساتھ حصہ لے۔خصوصیت کے ساتھ میں کارخانہ داروں اور تاجروں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد اپنے آپ کو منظّم کرنے کی کوشش کریں اور سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے ماتحت جو کارخانے کھولے جائیں گے ان میں حصہ لیں تا کہ ہماری جماعت صنعت وحرفت کے میدان میں بھی ترقی کر سکے اور مزدوروں اور ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ترقی کا سامان پیدا ہو۔

اصلاح اور ترقی کے لیے صنعت وحرفت کو مضبوط کریں

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ادنیٰ اور پسماندہ اقوام کو اسلام میں داخل کرنا چاہیں تو ہمارے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ یا تو ہمارے پاس بہت بڑی زمینیں اور جائیدادیں ہوں اور یا پھر صنعت و حرفت کے لحاظ سے ہمارے پاس کافی طاقت ہو۔ مجھے ایک دفعہ کانگڑہ کے ضلع سے ایک شخص جو اپنی قوم کا لیڈر تھا ملنے کے لیے آیا اور اس نے کہا ہمارے سات ہزار آدمی اسلام لانے کے لیے تیار ہیں۔میں نے کہا یہ تو بڑی اچھی بات ہے لیکن آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کہنے لگا کوئی بات نہیں ہم کاشتکاری کرتے ہیں اور روپیہ ہمارے پاس کافی ہے۔اپنے متعلق بتایا کہ میں ٹھیکیدار ہوں اور مجھے مالی رنگ میں کسی قسم کی احتیاج نہیں۔میں نے کہا پھر بھی کوئی بات تو ہوگی جو اور لوگوں کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہیں۔کہنے لگا صرف اتنی بات ہے کہ ہماری قوم جس جگہ بسی ہوئی ہے وہ زمین ایک ہندو ٹھا کر کی ہے جس دن ہم مسلمان ہوئے ہندو ٹھا کر نے ہمیں نوٹس دے دینا ہے کہ اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ اگر آپ ہمارے لیے زمین کا انتظام کر دیں تو ہم مسلمان ہونے کے لیے بالکل تیار ہیں۔مکان وغیرہ ہم خود بنالیں گے۔ہمیں اس کے لیے کسی مدد کی ضرورت

نہیں ہوگی۔ میں نے کہا میں تو تم سے بھی زیادہ مجبور ہوں سات ہزار آدمیوں کو بسانے کے لیے میں کہاں سے زمین لاؤں۔ اس نے کہا یوں تو علماء بھی کہتے ہیں کہ ہم کلمہ پڑھانے کے لیے تیار ہیں مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ ان سات ہزار آدمیوں کا پھر بنے گا کیا اور جب یہ نکال دیے جائیں گے تو ان کو مکانوں کے لیے زمین کہاں سے ملے گی۔ اب دیکھو کس طرح سات ہزار آدمی مفت اسلام میں داخل ہو رہا تھا مگر ایک منٹ کے اندر اندر ہاتھ سے نکل گیا۔ اسی طرح اور بہت سے مقامات ہیں جہاں سات سات دس دس ہزار آدمی منٹوں میں اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں وہ بیزار ہیں اپنے مذاہب سے اور بیزار ہیں اپنے مذاہب کے علمبرداروں سے، نہ ان کے مذہب میں نور ہے، نہ ہدایت ہے، نہ علم ہے، نہ دین اور دنیوی ترقی کا کوئی سامان ہے اور نہ کوئی اور خوبی ہے۔ اگر ان کی اصلاح اور ترقی کے لیے تجارت اور صنعت وحرفت کے میدان میں ہماری جماعت مضبوط ہو جائے اور مختلف مقامات پر کارخانے کھل جائیں تو ان کے کام کے لیے بھی بہت کچھ گنجائش نکل سکتی ہے۔ کانگرس نے دیہات سدھار کے نام سے جو سکیم جاری کی تھی اس کی غرض بھی درحقیقت ہندو مذہب کی مضبوطی تھی کیونکہ اس ذریعہ سے جب مزدور طبقہ کو کام مل جاتا ہے تو ہندو مذہب پر وہ اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اگر مختلف مقامات پر کارخانے جاری ہو جائیں اور جماعتیں ان میں حصہ لیں تو یہ تبلیغ اسلام کا ایک ایسا کامیاب ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہزاروں ہزار مزدوروں کے لیے کام کرنے کا موقع پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب ہم ان کو اسلام کی دعوت دیں گے تو ان کے لیے اسلام قبول کرنا موجودہ حالات کی نسبت زیادہ آسان ہوگا۔''

(تحریک جدید کی اہمیت اور اس کے اغراض و مقاصد۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 281 تا 292)

وقف تجارت سے تبلیغی راستے بھی کھلیں گے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 25/جنوری 1946ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''دوسری سکیم میں نے وقف تجارت کی جماعت کے سامنے پیش کی تھی۔ ابھی تک اس تحریک میں ساٹھ، ستر نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ میرے نزدیک اس میں کمی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان ابھی تک فوجوں سے فارغ نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ تعداد کم ہے اگر

یہاں کے لوگ جو فارغ ہیں وہی اپنے آپ کو پیش کرتے تو یہ تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔انہیں دینی فائدہ بھی ہوتا اور وہ دنیوی فائدہ بھی اُٹھاتے۔تجارت ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں۔جس جگہ پر لاکھوں لاکھ روپیہ ہمارا سالانہ خرچ ہونا تھا اس کی بجائے ہمیں کئی لاکھ روپیہ اس طرح سے مل جائے گا اور تبلیغ بھی ہوتی رہے گی۔تجارت کے لیے رستے کھل رہے ہیں اور دوسرے ممالک کے لوگ ہمیں لکھ رہے ہیں کہ آپ آدمی بھیجیں ہم ان کی ہر قسم کی امداد کریں گے۔اسی طرح ہندوستان کے متعلق بھی ارادہ ہے کہ تجارت کے ذریعے تبلیغ کے دائرہ کو وسیع کیا جائے۔اگر ہماری یہ سکیم کامیاب ہو جائے اور انشاءاللہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہوگی تو ہمیں مفت میں پانچ ہزار مبلغ مل جائیں گے بجائے اس کے کہ ہم پانچ ہزار مبلغین پر لاکھوں لاکھ روپیہ خرچ کریں۔ان کے ذریعہ ہمیں لاکھوں روپیہ کی آمد شروع ہو جائے گی۔فرض کرو فی مبلغ ہمیں سو روپیہ دینا پڑے تو ایک سال کے لیے ہمیں ساٹھ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے حالانکہ بعض شہر ایسے ہیں جہاں ایک سو میں گزارہ نہیں ہو سکتا۔جیسے بمبئی اور کلکتہ ہے۔ایسے شہروں میں تین یا چار سو روپیہ ماہوار خرچ دینا پڑے گا لیکن اگر یہی فرض کریں کہ فی مبلغ ایک سو روپیہ ماہوار دیں تو ایک مہینہ کا خرچ پانچ لاکھ روپیہ بنتا ہے اور ایک سال کا خرچ ساٹھ لاکھ روپیہ بنتا ہے لیکن اگر ہمارے پانچ ہزار نوجوان تجارتی اصول پر اپنی زندگیاں وقف کریں تو ہمیں یہ ساٹھ لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی بجائے پندرہ یا بیس لاکھ روپیہ سالانہ وہ نوجوان بھجوائیں گے۔گویا ایک صورت میں ہمیں پندرہ بیس لاکھ روپیہ کی سالانہ آمد ہوتی ہے اور دوسری صورت میں ہمیں ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے کتنی مفید اور جماعت کی مالی حالت کو درست کرنے والی یہ سکیم ہے۔لیکن اس سکیم کی طرف جماعت نے ابھی تک پوری توجہ نہیں کی۔''

(تحریک جدید-ایک الٰہی تحریک جلد دوم صفحہ 658)

تجارت کے نتیجہ میں جماعت کی مالی حالت اچھی ہوگی

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 22/مارچ 1946ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اگر ہماری جماعت تجارت کی طرف متوجہ ہو جائے اور تجارت کے ایک حصہ پر ہماری جماعت قابض ہو جائے تو اس کی مالی حالت بھی اچھی ہو جائے اور غیر ممالک میں تبلیغ کا کام جو اسے مشکل نظر

آتا ہے وہ بھی بہت آسان ہو جائے۔ میں دیکھتا ہوں کہ دوسری اقوام کے لوگ تجارت سے کمایا ہوا روپیہ اپنی عیاشیوں، کنچنیوں کے ناچ گانے میں خرچ کر رہے ہیں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ ان کی جیبوں سے ان کاموں کے لیے نکل آتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے ان کی جیبیں خالی ہیں اور ان سے ایک پیسہ بھی نہیں مل سکتا۔ پس ضروری ہے کہ کچھ روپیہ تجارت سے بھی آئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس میدان پر صرف شیطان کا قبضہ ہو؟ ہم نے تجارت اور صنعت کو فروغ دینے کے لیے قادیان میں بعض کارخانے بھی جاری کیے ہیں اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی کھولی ہے۔''

(تحریک جدید - ایک الٰہی تحریک جلد دوم صفحہ 704)

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 29 مئی 1946ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''اگر ہمارے نوجوان اچھی طرح محنت کریں اور کوشش کر کے اعلیٰ قابلیتیں پیدا کریں تو ہم تھوڑے ہو کر بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ پس ہماری کامیابی ہمارے طالب علموں کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے نوجوان اگر اعلیٰ قابلیتیں پیدا کر لیں تو دنیا کے اعداد و شمار ہمارے راستے میں روک نہیں بن سکتے کیونکہ لوگ جب یہ دیکھیں گے کہ دنیا کا سب سے بڑا سائنسدان بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا محقق بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا مولوی بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا انجینئر بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا ڈاکٹر بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا بیرسٹر بھی احمدی ہے، دنیا کا سب سے بڑا صنّاع بھی احمدی ہے تو وہ احمدیت کی طرف توجہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر احمدی کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ چوٹی کا آدمی بنے۔

فارسی کا ایک مقولہ ہے ''کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی''۔ اگر ہمارے نوجوان ہر فن میں کمال پیدا کر لیں تو ترقی کرنا بہت آسان ہو جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہمارا مبلغ جہاں بھی تبلیغ کر رہا ہو گا وہاں یہ بات اس کی مدد کر رہی ہو گی کہ یہ اس قوم کا مبلغ ہے جس میں ایسے ایسے اعلیٰ پایہ کے انسان پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی قوم قابلیت اور لیاقت میں بڑھ جاتی ہے تو اس کے ہر فرد کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور اس کی بات توجہ سے سنی جاتی ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو زندگیاں سدھارنے کی کوشش کرنی

چاہیے اور اپنی نگاہوں کو اونچا کرنا چاہیے اور یہ عزم کر لینا چاہیے کہ میں نے فلاں فن میں چوٹی کا آدمی بننا ہے یا اسی کوشش میں فنا ہو جانا ہے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 464)

انگلستان نے تجارت کے ذریعہ دنیا پر حکومت کی

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 13/اکتوبر 1946ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''ہماری جماعت کو تھوڑے ہو کر بھی اپنے آپ کو زیادہ سمجھنا چاہیے۔ اس وقت ہندوستان میں انگریز اتنے نہیں جتنی ہماری جماعت ہے مگر انگریز صرف تنظیم کر کے اپنے آپ کو بڑا بنا لیتے ہیں۔ اس وقت انگلستان تمام دنیا پر حکومت کر رہا ہے اور تجارت اس کے ہاتھ میں ہے، دولت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے شروع میں تنظیم کے ماتحت قربانیاں کیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں آئی اس وقت انگلستان کے لوگوں کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوا کرتی تھیں۔ پانچ یا چھ شلنگ ماہوار تنخواہ کارکنوں کو ملتی تھی جو چار چار یا تین تین روپے کے برابر ہوتی تھی کیونکہ ایک شلنگ کی قیمت کا اندازہ اگر دس آنے کیا جائے تو چھ شلنگ کی قیمت پونے چار روپے بنتی ہے اور پانچ شلنگ کی قیمت تین روپے سے تھوڑی زیادہ بنتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے ابتدائی حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انگلستان کے لوگوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان میں سے اکثر کے پاس پورے کپڑے تک نہ ہوتے تھے مگر ان لوگوں نے باہر نکل کر دنیا سے تجارت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ہر شخص نے اپنا پیٹ کاٹ کر ایسٹ انڈیا کمپنی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ لوگ ان پر طرح طرح کے آوازے کستے تھے مگر وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ جس طرح کھیت میں بیج ڈالنے والے کو اس کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا اس طرح اگر کسی شخص کے پاس دس پندرہ روپے ہوں اور وہ انہیں تجارت میں نہیں لگاتا اور اسے محفوظ کر کے کہیں رکھ دیتا ہے یا زمین میں دبا دیتا ہے تو یقیناً اس کا یہ سرمایہ ضائع تو نہ ہوگا مگر اس سرمایہ سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکے گا اگر وہ اس روپے کو تجارت یا کسی اور کام میں لگا دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے اپنے اخراجات بھی اس سرمایہ سے چلتے رہیں گے اور وہ روپیہ بھی اپنی اصلی

حالت میں موجود رہے گا اور اگر اس نے وہ روپے تجارت میں نہیں لگائے ہوں گے تو ان کے ضائع ہو جانے یا چوری ہو جانے کا بھی اندیشہ رہے گا یا اگر وہ شخص مسلمان ہے اور اسلام کے احکام کی پابندی کرتا ہے تو اگر وہ اس روپیہ میں سے صدقہ وخیرات یا زکوٰۃ دیتا رہے گا تو وہ روپیہ خرچ ہو جائے گا اور اگر وہ پکا مسلمان نہیں اور زکوٰۃ وصدقات وغیرہ نہیں دیتا تو وہ روپیہ اس کو دوزخ میں لے جائے گا۔ اگر شریعت پر عمل کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے تو بھی اور اگر شریعت پر عمل نہ کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا تو بھی وہ روپیہ خرچ ضرور ہو جائے گا اس کے محفوظ رکھنے اور اس سے منافع اٹھانے کا صرف یہی ایک طریق ہو گا کہ اسے تجارت میں لگا دیا جائے۔ یہی احساسات ایسٹ انڈیا کمپنی والوں کے دلوں میں تھے اور کمپنی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ دو دفعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دیوالہ نکلا تیسری دفعہ جا کر بڑی مشکل سے انہوں نے کامیابی کا منہ دیکھا اور آہستہ آہستہ اپنی تجارت کو فروغ دیا اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ وقت آیا کہ وہی لوگ ہندوستان کے حاکم بن بیٹھے تو یہ صرف تجارت، تنظیم اور استقلال کے نتیجہ میں تھا۔ اب لوگ حیران ہو کر کہا کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہندوستان پر حکومت کا حق صرف انگریزوں کو ہی حاصل ہے۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے یہاں تسلط جما کر بیٹھے ہیں اور جانے کا نام نہیں لیتے گویا انہیں کسی کی کچھ پرواہ ہی نہیں مگر یہ سب کچھ اسی قربانی کا نتیجہ ہے جو پُرانے زمانہ میں انگریزوں نے کی۔ انہوں نے تکلیفیں دیکھیں مگر قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ انہوں نے قلیل سے قلیل تنخواہوں پر گزر اوقات کی اور ننگے سر اور ننگے پاؤں کام میں برابر لگے رہے یہی وہ قربانی تھی جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو کامیاب بنا دیا۔ یہی وہ قربانی تھی جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا ورنہ یہ وہی کنگال تھے جو ننگے سر اور ننگے پاؤں سڑکوں پر اور بازاروں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔

صنعتی ترقی قومی ترقی میں مددگار ہوتی ہے

اس کے علاوہ جماعت کو چاہیے کہ وہ تجارتی اور صنعتی اور فنی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے کیونکہ یہ چیزیں بھی قومی یا جماعتی ترقیات میں مدد ہوا کرتی ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ یہاں دہلی کے ہر محلّہ میں ایک احمدی کی دکان ہونی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑی دکان ہو۔ کام چلانے کے

لیے معمولی سرمایہ سے بھی دکان کھولی جا سکتی ہے۔اس کے علاوہ کچھ لوگوں کو مل کر تھوڑے سے تھوڑے روپیہ سے کمپنیاں کھولنی چاہییں۔ان کا یہ فائدہ ہوگا کہ مضافات کے مزدور پیشہ لوگ تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔میرا خیال ہے بلکہ یقین ہے کہ اگر ان دونوں تجاویز پر عمل ہو جائے کہ ہر محلّہ میں ایک احمدی دکان کھول لے اور کچھ لوگ تھوڑے تھوڑے روپیہ سے کمپنیاں کھول لیں تو تبلیغ کا میدان نہایت وسیع ہو جائے گا کیونکہ دکان بھی ایک ایسی چیز ہے جہاں ہر قسم کے گاہک آتے ہیں اور اُن کو کسی نہ کسی رنگ میں تبلیغ کی جا سکتی ہے۔اسی طرح کمپنیاں اس سے بھی زیادہ مفید ہیں کیونکہ وہاں مزدور بھی آئیں گے اور رئیس بھی آئیں گے، ان پڑھ بھی آئیں گے اور پڑھے ہوئے بھی آئیں گے۔غرباء کام کرنے کے لیے آئیں گے اور امراء سامان خریدنے کے لیے۔اسی طرح ہر طبقہ کے لوگوں سے تعلقات بڑھ جائیں گے اور اس طرح تم گھر بیٹھے فریضۂ تبلیغ کو سرانجام دے سکو گے۔''

(ہمارے ذمہ تمام دنیا کو فتح کرنے کا کام ہے۔انوار العلوم جلد 18 صفحہ 449 تا 451)

نکمی قوم کی کوئی عزت نہیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 20/ اکتوبر 1946ء کو ایک خطاب میں فرمایا:

''میں نے دیکھا ہے کہ آج کل کے نوجوانوں سے بڑھے زیادہ کام کر لیتے ہیں۔ڈلہوزی جاتے ہوئے مجھے ہمیشہ اس کا تجربہ ہوتا ہے۔میرے ساتھ چونکہ دفتر کے علاوہ انجمن کے کلرکوں میں سے بھی ایک کلرک کا جانا ضروری ہوتا ہے اور میں کام کسی قدر سختی سے لیتا ہوں اس لیے ایک دو مہینہ کام کرنے کے بعد ہی ان کی طرف سے انجمن میں درخواستیں جانی شروع ہو جاتی ہیں کہ ہمیں اس دفتر سے بدلا جائے۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ سو رہیں اور مہینہ کے بعد تنخواہ لے لیں۔

میرے نزدیک اس صورت حالات کی وجہ سے ناظروں پر بھی حرف آتا ہے۔اگر ناظر اپنے کارکنوں سے صحیح طور پر کام لیتے تو ان میں یہ احساس ہی کیوں پیدا ہوتا کہ ہمیں اس دفتر سے فلاں دفتر میں بدل دیا جائے یہاں کام زیادہ ہے اور وہاں کام تھوڑا ہے پھر تو وہ سمجھتے کہ بلا ہر جگہ مسلط ہے اور ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم محنت سے کام کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ کام سے بھاگنا اور گریز کرنا یہ ایک عام عادت ہمیں نوجوانوں میں نظر آتی

ہے۔ جب تک اس عادت کو دور نہیں کیا جائے گا جب تک اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جائے گا۔ جب تک اپنے مقام کے احساس کا مادہ اپنے اندر پیدا نہیں کیا جائے گا تب تک ہماری جدوجہد کبھی اعلیٰ نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ لیکن جب یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو دینی تغیر تو پیدا ہوگا ہی، دنیوی حالتیں بھی خود بخود بدلنی شروع ہو جائیں گی۔

یہ امر یاد رکھو کہ نکمی قوم دنیا کے پردہ پر بھی کوئی عزت حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ چیز جس کی عام طور پر لوگ خواہش رکھتے ہیں یعنی دنیوی شان وشوکت۔ ان کا چاہنا عیب ہے لیکن یہ امر قطعی طور پر ناممکن ہے کہ اگر اسلام کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو وہ چیز تمہیں میسر نہ آئے۔ بے شک اس کا چاہنا عیب ہے مگر اس کا ملنا لازمی ہے۔ آج تک کسی نبی کی قوم نے بھی یہ نہیں چاہا کہ اسے دنیوی شان وشوکت مل جائے۔ لیکن اگر وہ قوم صحیح طور پر نبی کی قوم بن جائے تو اسے یہ چیز بھی ضرور مل جاتی ہے۔''

(عمل کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 479)

احمدی تاجروں وصنعتکاروں کی تنظیم

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27؍دسمبر 1946ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''جماعت میں تجارت کی روح پیدا کرنے کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ایجنسیاں قائم کی گئی ہیں اور اس محکمہ کے ذریعہ سے احمدی تاجروں کی تنظیم کا کام کیا جا رہا ہے تا کہ جماعت کی تجارت بہت بلند معیار پر پہنچ جائے۔ جماعت کو اس کے ساتھ تعاون کر کے خود بھی فائدہ اٹھانا چاہیے اور سلسلہ کو بھی فائدہ پہنچانا چاہیے غیر ممالک میں بھی ایسی ایجنسیاں قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

صنعت وحرفت

اسی طرح صنعت وحرفت کو ترقی دینے کا بھی سوال پیش نظر ہے اور جماعت کے صنعتی معیار کو بلند کرنے کی بہت ضرورت ہے اس کے لیے دوستوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے اور ہمیشہ اپنی مصنوعات کو خریدنا اور ان کو فروغ دینا چاہیے۔ اس محکمہ کی طرف سے ایک ڈائریکٹری شائع کی گئی ہے

جو نہایت ہی مفید عنوانات پر مشتمل ہے اور اس میں تجارت کے متعلق بہت سی قیمتی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جن کی تاجروں کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ دوستوں کو فوراً خرید لینی چاہیے۔

ریسرچ انسٹیٹیوٹ

صنعت کو بڑھانے اور جماعت کو علمی ترقی دینے کے لیے یہ ریسرچ قائم کی گئی ہے اس میں چھ آدمی کام کر رہے ہیں اور باقی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ سردست اس کے لیے 25 آدمیوں کی ضرورت ہے اور فی الحال ان سے کام چلانے کی کوشش کی جائے گی وگرنہ میرا خیال ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ دینی میدان میں ہمیں کامیابی بخش رہا ہے اسی طرح اس میدان میں بھی فوقیت بخشے اور سائنس کی رو سے بھی ان کو شکست دینے کی توفیق بخشے۔''

(متفرق امور۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 527، 528)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق تجارت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 17 رجون 1947ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

''پھر آپؐ بڑے ہوئے اُس وقت یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپؐ کونسا کاروبار کریں۔ آپؐ کے پاس کوئی جائیداد نہ تھی جس سے کوئی کاروبار شروع کرتے، نہ ہی آپؐ جس چچا کی کفالت میں تھے ان کے پاس کوئی مال و دولت تھا کہ وہ آپؐ کو کاروبار کے لیے کچھ رقم دے دیتے۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ باہر سے آنے والے لوگ کچھ خدمت کر جاتے تھے اور ان کا گزارا ہو جاتا تھا اس لیے وہ آپؐ کی کچھ مدد نہ کر سکتے تھے۔ غرض باوجود اس کے کہ آپؐ کے پاس کاروبار کے لیے کوئی سامان نہ تھا اور آپؐ کو کوئی فن بھی نہ آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدد فرمائی اور وہ اس طرح کہ ایک قافلہ تجارت کے لیے شام کی طرف جا رہا تھا ایک دولت مند عورت نے آپؐ کو دیانتدار سمجھتے ہوئے (کیونکہ آپؐ امین کے نام سے مشہور تھے) آپؐ کو بلایا اور کہا میں آپؐ کے سپرد اپنے اموال کرتی ہوں آپؐ قافلہ کے ساتھ شام کو جائیں اور تجارت کر کے واپس آئیں۔ میں آپؐ کو اس اس قدر حصہ دوں گی۔ لوگ تو دوڑتے پھرتے ہیں اور

کبھی کسی کے پاس جاتے ہیں اور کبھی کسی کے دروازے پر پہنچتے ہیں کہ نوکری مل جائے لیکن اس دولت مند عورت نے خود بُلا کر آپؐ کو نوکری دی۔ اب دیکھو جب آپؐ کی کمائی کا زمانہ آیا تو کُجا یہ حالت کہ لوگ نوکریوں کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور کُجا یہ حالت کہ وہ دولت مند عورت آپؐ کو بُلا کر خود اپنی بہت سی دولت آپؐ کے سپرد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ آپؐ قافلہ کے ساتھ تجارت کے لیے جائیں۔ چنانچہ آپؐ قافلہ کے ساتھ شام کو گئے اور آپؐ نے ایسی دیانتداری اور محنت سے کام کیا اور اتنا نفع ہوا کہ پہلے اس عورت کو تجارت میں کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے وہ اپنے نوکروں کے سپرد سارا کاروبار کرتی تھی اور وہ لوگ دیانتداری سے کام نہ کرتے تھے مگر آپؐ نے ایسا انتظام کیا کہ کسی کو نفع کی رقم سے چھونے تک نہ دیا۔ غرض آپؐ بہت زیادہ نفع کے ساتھ تجارت کر کے واپس آئے۔‘‘

(رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام اہم واقعات۔ انوار العلوم جلد 19 صفحہ 119)

ایک عظیم الشان تجارتی سکیم

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 28 دسمبر 1947ء کو جلسہ سالانہ کے خطاب میں فرمایا:

’’میں جماعت کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت پاکستان بھی اور ہمارے آدمی بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ وہ تجارتی اور صنعتی ترقی میں حصہ لیں اور چونکہ ہماری جماعت تجارت کی طرف پوری توجہ نہیں کر رہی اس لیے جس طرح جماعت کے افراد پر چندہ عام فرض ہے اسی طرح ان کے ذمہ ایک تجارتی چندہ بھی لگایا جائے گا۔ یہ تجارت مشترکہ کے لیے ایک جبری امانت کی سکیم ہوگی اور اس سے سارے ملک میں تجارتی دکانیں جاری کی جائیں گی اور پھر ترقی کرتے ہوئے بعض کارخانے بھی کھولے جائیں گے۔ اس غرض کے لیے جو رقم جمع ہوگی وہ ساری کی ساری جماعت کی ہوگی اور نفع بھی جماعت کا ہی ہوگا۔ صرف اُن کو تجارت کی اہمیت اور اس کی ضرورت سمجھانے کے لیے یہ جبری طریق جاری کیا جائے گا۔ ماں باپ کا فرض ہوتا ہے اگر ان کے بچے محبت اور پیار سے کوئی بات نہ سمجھیں تو جبر سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ آپ لوگ میرے اور سلسلہ کے بچے ہیں اگر آپ لوگوں میں بیداری پیدا نہ ہوئی تو محض آپ کے فائدہ کے لیے ہر شخص کی حیثیت کے مطابق کچھ جبری چندہ عائد کیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں آجکل کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہر کمانے والے

فرد سے کم از کم ایک روپیہ چندہ لیا جائے اور جو لوگ زیادہ دے سکتے ہوں وہ زیادہ دیں تو مالی لحاظ سے یہ کوئی خاص بوجھ نہیں ہوگا بلکہ اگر پچاس ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ تک اس میں حصہ لینے والے نکل آئے تو ممکن ہے یہ چندہ ایک روپیہ سے بھی کم کر دیا جائے مثلاً آٹھ آنے کر دیا جائے یا چار آنے کر دیا جائے۔ اس روپیہ سے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ دکانیں کھولی جائیں گی اور کچھ کارخانے جاری کیے جائیں گے اور آہستہ آہستہ ان کو ترقی دینے کی کوشش کی جائے گی۔ ہماری جماعت زیادہ تر ملازموں اور زمینداروں کی جماعت ہے۔ تجارت کی طرف اس کی بہت کم توجہ ہے اور یہ توجہ نہیں ہو سکتی جب تک ایک رنگ کا جبران پر نہ کیا جائے۔

پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ ہر شخص یا ہر جماعت پر کچھ نہ کچھ رقم اس کی حیثیت کے مطابق بطور چندہ عائد کر دی جائے گی اور اس سے تجارتی دکانیں اور کارخانے قائم کیے جائیں گے۔ مالک وہی ہوں گے ہم صرف مربی کے طور پر کام کریں گے۔ تجارتی لحاظ سے میں جماعت کو پھر اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آڑھت کا کام کرنے کی کوشش کریں مجھ سے کئی ڈپٹی کمشنروں نے ذکر کیا ہے کہ ہم تلاش کرتے ہیں مگر مسلمان آڑھتی نہیں ملتا۔ آڑھت کا کام چھوٹے قصبات میں ایک ہزار روپیہ سے اور درمیانی قصبات میں پانچ ہزار روپیہ سے اور اچھی منڈیوں مثلاً اوکاڑہ وغیرہ میں بیس پچیس ہزار روپیہ سے چلایا جا سکتا ہے۔ پس دوستوں کو آڑھت کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور ایک ایک دو دو ایکڑ زمین لینے کا خیال اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیے۔ تاجر مصیبت کے اوقات میں بھی فائدہ میں رہتا ہے جہاں مصیبت آئی وہاں سے کام چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے اور پھر جن قوموں نے دنیا کو ہلانا ہو ان کے لیے تو بہت ہی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی حرکت کو آزاد رکھیں۔ اُنہیں اپنے وجود کو اس طرح باندھنا نہیں چاہیے کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت نہ کر سکیں۔ یہ چیز ایسی ہے جس کے متعلق دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اور لوگوں کو بھی جو ان کے واقف ہوں سمجھائیں کہ زمین پر بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ۔ اگر کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو تجارت میں حصہ لو۔

میں نے بتایا ہے کہ میری کوشش یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ اس صلح کے نتیجہ میں لازماً ہندوؤں کو ہمیں یہاں آباد کرنا پڑے گا اور مسلمانوں کو اُدھر آباد ہونا پڑے گا۔ اگر ہندوؤں کے آنے سے پہلے پہلے مسلمانوں نے اپنی تجارت کو مضبوط نہ کیا تو وہ سخت گھاٹے میں رہیں گے۔ اس

لیے پیشتر اس کے کہ یہ تبدیلی واقعہ ہو میں چاہتا ہوں کہ ہماری تجارت اتنی مضبوط ہو جائے کہ کوئی شخص اس کو تباہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

میں نے کل یہ بھی بتایا تھا کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ فوجی فنون سیکھنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آج پھر میں اس امر کی طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں زیادہ سے زیادہ فوج میں بھرتی ہونے اور زیادہ سے زیادہ فوجی فنون سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو لوگ ہوم گارڈز میں شامل ہو سکتے ہوں وہ ہوم گارڈز میں شامل ہو جائیں۔ جو نیشنل گارڈز میں شامل ہو سکیں وہ نیشنل گارڈز میں شامل ہو جائیں اور جو فوج میں شامل ہو سکتے ہیں وہ بَری، بحری اور فضائی فوج میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔''

(تقریر جلسہ سالانہ 28 دسمبر 1947ء۔ انوار العلوم جلد 19 صفحہ 397، 398)

ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 23/ اکتوبر 1950ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

''ایک اور بات جس کی طرف میں نے پہلے بھی کئی دفعہ توجہ دلائی ہے مگر اب تک توجہ نہیں کی گئی یہ ہے کہ ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہیے۔ پڑھنا لکھنا غیر طبعی چیز ہے اور ہنر ایک طبعی چیز ہے جو ہر جگہ کام آسکتی ہے۔ مثلاً معماری ہے، لوہاری ہے، نجاری ہے، یا اسی قسم کے اور پیشے ہیں۔ پیشہ ور ہر جگہ اپنے گزارے کی صورت پیدا کر لیتا ہے اور لوگ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کو اگر اچھی عربی آتی ہے اور آپ افغانستان چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں لیکن اگر آپ لوہار کا یا نجار کا کام جانتے ہیں یا آپ درزی ہیں یا آپ جوتا بنانا جانتے ہیں تو آپ کی بڑی قیمت ہے۔ اسی طرح آپ کو اچھی انگریزی آتی ہے اور آپ آزاد علاقے میں چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں لیکن آپ لوہار کا کام جانتے ہیں یا اچھے بڑھئی ہیں تو وہ آپ کو سر پر اٹھا لیں گے۔ یہی حال جرمنی اور فرانس وغیرہ کا ہے۔ وہاں بھی محض علم کی کوئی قیمت نہیں لیکن اگر آپ کو کوئی پیشہ آتا ہے تو آپ کی بڑی قیمت ہے۔ اسی طرح آپ وحشی قبائل میں چلے جائیں تو وہاں بھی پیشے کی بڑی قدر ہوتی ہے لیکن فلسفہ کسی کام نہیں آسکتا۔ میں نے کہا تھا کہ ایسی

جماعتیں جن کو ہر وقت خطرات درپیش ہوں ان کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مختلف قسم کے پیشے اور ہنر سیکھیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خدام نے اس طرف بھی توجہ نہیں کی۔ سب سے زیادہ ملزم اس بارہ میں مرکزی عہدیدار ہیں۔ میں نے تو ایک صنعتی سکول بھی کھولا تھا اور چاہا تھا کہ جماعت کے نوجوان مختلف قسم کے پیشے اور ہنر سیکھ کر باعزت طور پر اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں مگر اس کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی اور وہ مدرسہ بند کرنا پڑا۔ بہرحال جماعت کے نوجوانوں کو کسی نہ کسی پیشہ کے سیکھنے کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے۔ مختلف قسم کے پیشے اور ہنر جاننا غیر ملکوں میں جانے کے لیے بڑی سہولت پیدا کرنے والی چیز ہے اور ان کے ذریعہ وہاں آسانی سے روزی کمائی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری جماعت کی ترقی میں بھی ان پیشوں کا بہت حد تک دخل ہے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 595)

مسلمانوں کی تباہی کا موجب محنت کی عادت کا نہ رہنا ہے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 12رفروری 1951ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے ایک اجلاس سے خطاب میں فرمایا:

''دوسری چیز محنت ہے۔ یہ خُلق بھی ہمارے ملک میں کم پایا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کی تباہی کا زیادہ تر موجب یہی تھا کہ ان میں محنت کی عادت جاتی رہی تھی۔ جتنے وقت میں ہمارے نوجوان ایک چھوٹا اور ادنیٰ علم سیکھ سکتے ہیں وہ درحقیقت دنیا میں چوٹی پر پہنچنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ ہمارے نوجوان پچیس چھبیس سال کی عمر میں کالج سے فارغ ہوتے ہیں لیکن دنیا کے دوسرے ممالک کے لوگ اس عمر میں چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں جس وقت ہمارے نوجوان کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں دوسرے ممالک کے لوگ اس وقت تک ملک میں کافی شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے کام کا زمانہ پندرہ سولہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے لیکن ہمارے نوجوان پچیس پچیس سال کی عمر تک ماں باپ کی کمائی پر پلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے اندر محنت کی عادت نہیں پائی جاتی انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ ہمیں کھلائیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا بھی کوئی فرض ہے۔''

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 613)

عاجل فائدہ کی بجائے آجل فائدہ پر نظر رکھیں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 11/اپریل 1952ء کو مجلس مشاورت میں فرمایا۔

''اس میں تحریک نے کوشش تو کی ہے مگر سخت شکست کھائی ہے۔ہم اب تک تجارت میں ترقی کرنا تو الگ رہا اس میں ادنیٰ کامیاب بھی نہیں ہو سکے اور میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ احمدی تاجروں کی ذہنیت ہے جن میں تعاون کا مادہ نہیں ہے۔ایک عام احمدی سمجھتا ہے کہ اگر میں چندہ دوں گا تو میرے بھائیوں کی امداد ہوگی۔ملازم بھی ایک حد تک دیانتدار ہوتا ہے اور اسے موقع ملے تو وہ اپنے بھائیوں کی مدد کرنے سے دریغ نہیں کرتا لیکن ایک تاجر کی ذہنیت سخت پست ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری تجارت میرے ہاتھ میں ہی رہنی چاہیے ورنہ میری اولاد تباہ ہو جائے گی۔حالانکہ یہ اول درجہ کی حماقت اور پاگل پن والی بات ہے۔ ہر تاجر صرف اپنے فائدہ کو دیکھتا ہے،قوم کے فائدہ کا خیال اس کے دماغ میں نہیں آتا۔اس سلسلہ میں اگر کسی نے کچھ تعاون سے کام لیا ہے تو ملک عبدالرحمٰن صاحب قصوری ہیں۔وہ بے شک تجارتی طور پر کام کرتے ہیں مگر کرتے تو ہیں۔دوسرے تاجر تو اس فکر میں رہتے ہیں کہ سو فیصدی خود فائدہ اٹھائیں اور اگر کوئی سکیم لاتے ہیں تو وہی جو خود ان کے فائدہ کی ہو۔اس وقت سلسلہ کی طرف سے ایک تیل کا کارخانہ جاری ہے۔میں نے کئی احمدی تاجروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ سلسلہ کے اس کارخانہ کو دیکھیں اور پھر مشورہ دیں کہ ہم اسے کس طرح ترقی دے سکتے ہیں۔مگر وہ ہاں جی یا بہت اچھا کہہ کر چلے گئے اور پھر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔میں حیران ہوں کہ تاجروں کی ذہنیت اس قدر گندی کیوں ہے۔ جتنے تاجر ہیں ان میں عدمِ تعاون اور عدمِ ذمہ داری کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ صرف عاجل فائدہ کو دیکھتے ہیں آجل کو نہیں۔اس وقت تو وہ اپنے آپ کو فائدہ میں محسوس کر رہے ہیں لیکن میں انہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے اصلاح نہ کی تو کسی دن وہ اس کا بری طرح خمیازہ بھگتیں گے۔ ہمارے خلاف سیاسی جوش بڑھتا جا رہا ہے اور گو آج تاجر محفوظ ہیں مگر کل یہی لوگ سلسلہ کے سامنے اپنا ناک رگڑنے پر مجبور ہوں گے اور سلسلہ کو ہی اپنی مدد کے لیے بلائیں گے۔پس جب کل انہوں نے اس سلسلہ کو اپنی مدد کے لیے بلانا ہے تو کیوں آج ہی وہ سلسلہ سے تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔یاد رکھو کہ ہر وہ تجارت یا صنعت یا ملازمت جو قوم کے اکثر افراد کے ہاتھوں

میں آجاتی ہے اسے کوئی دشمن تباہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فرد کے ہاتھ سے نکل کر قوم کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہوتی ہے۔ مثلاً تعلیم کا محکمہ ہے۔ اگر اس میں ہمارے صرف آٹھ دس استاد ہوں تو وہ کسی شورش کے وقت آسانی سے ان کو نکال سکتے ہیں۔ لیکن اگر دو چار سو استاد ہوں تو وہ ان کو نکال ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے نکالنے سے خود ان کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ میں اس کی ایک موٹی مثال دیتا ہوں۔ میں ایک دفعہ دلی گیا۔ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اس وقت ہندوستان میں آئے ہوئے تھے۔ چوہدری ظفر اللہ خان بھی اس وقت میرے ساتھ تھے اور گو وہ اس وقت صرف وکیل تھے مگر اچھے ذہین اور ہوشیار تھے اور قربانی کا مادہ بھی ان میں پایا جاتا تھا۔ انہی دنوں مجھے ایک احمدی دوست کا جو فوج میں ملازم تھے خط آیا کہ مجھے فوج سے نکال دیا گیا ہے اور مجھے کہا گیا ہے کہ تم بڑا اچھا کام کرنے والے ہو مگر چونکہ تم احمدی ہو اس لیے تمہیں فارغ کیا جاتا ہے۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ آپ کمانڈر انچیف سے ملیں اور اسے کہیں کہ ایک شخص اگر اپنے کام میں اچھا بھی ہو، گورنمنٹ کا وفادار بھی ہو اور پھر بھی اسے نکال دیا جائے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وفاداری کی آپ کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں اور آپ ان لوگوں کو منہ لگا رہے ہیں جو شورش پسند ہیں۔ اس کا نقصان آپ کو ہی پہنچے گا۔ کیونکہ وفاداری کی آپ کوئی قیمت نہیں لگا رہے۔ چوہدری صاحب واپس آئے تو ان کے چہرہ سے غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں مل تو آیا ہوں مگر اس کے ڈھب ٹھیک نہیں۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا اس نے جواب یہ دیا کہ چوہدری صاحب! ہمیں فوج میں امن کی ضرورت ہے۔ اگر ایک احمدی کے رکھ لینے سے باقی ننانوے فوجیوں میں بددلی پیدا ہو اور وہ وفادار نہ رہیں تو ہم کیا کریں۔ ہمارے پاس یہی علاج ہے کہ ہم اس ایک احمدی کو نکال دیں تا کہ باقی فوج میں بددلی پیدا نہ ہو۔ میں نے کہا چوہدری صاحب! اس نے ٹھیک کہا ہے۔ انگریز کو اپنے لیے تین لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ ہماری تو ساری جماعت ایک لاکھ بھی نہیں بنتی اور جب ہماری جماعت اس کی فوجی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی تو لازماً وہ مجبور ہے کہ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھے۔ یا تو یہ ہونا چاہیے کہ اگر انگریز انہیں کہے کہ جاؤ میں تمہاری پرواہ نہیں کرتا اور وہ سب کے سب فوج سے نکل جائیں تو ہم اتنی ہی فوج انہیں بھرتی کر کے دے سکیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یقیناً ننانوے کی سنی جائے گی اور ایک کی نہیں سنی جائے گی۔ خواہ وہ کتنا ہی وفادار ہو۔

تو حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک محکمہ میں اگر ہمارے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو تین تین ہزار احمدی موجود ہوں تو

وہ ان کو نکال ہی نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ان کے اپنے کام معطل ہو جائیں گے۔ اتنی خالی جگہوں کو کوئی حکومت بھی چند دنوں میں پُر نہیں کرسکتی۔ مثلاً ایک صوبہ میں پانچ سات سو مدرس ہوں، پچاس ساٹھ انجنیئر ہوں تو وہ ان کو نکالیں گے کس طرح؟ ان کو نکالنے کے معنے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے ہوں گے۔ پس لوگ خواہ ہمارے دشمن ہوں۔ اگر ہمارے آدمی مختلف فن سیکھ کر کافی تعداد میں ایک ایک پیشہ میں کام کر رہے ہوں تو دشمن ہمیں نکال نہیں سکتے۔ وہ اسی وقت نکال سکتے ہیں جب ہمارے افراد خال خال ہوں۔ یہی حال تاجروں کا ہے۔ اگر وہ بھی مختلف مقامات پر چھائے ہوئے ہوں اور اپنی تجارت کو فروغ دے کر اردگرد پھیلتے چلے جائیں تو ان کا بائیکاٹ کبھی کامیاب ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر وہ ان کا بائیکاٹ کریں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ اپنے فوائد کو آپ قربان کر دیں اور دنیا میں کون ایسا احمق ہے جو اسی شاخ کو کاٹنا شروع کر دے جس پر خود بیٹھا ہوا ہو۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے اصول یقیناً اختیار کیے جاسکتے تھے جن سے کام کو وسیع طور پر پھیلایا جاسکتا اور اگر تاجر ہمارے ساتھ تعاون کرتے تو بعض تجارتوں میں ہم خاصے ماہر ہو جاتے۔ صرف اس لیے کہ ہمارے تاجر کمپنیاں بنا کر کام کرنے کے عادی نہیں ان کی تجارت وسیع نہیں ہوتی۔ دنیا کی کوئی قوم صرف انفرادی تجارت کے زور سے باقی اقوام پر غالب نہیں آسکتی۔ جب مسلمانوں کی تجارت اپنے عروج پر تھی تو اس وقت بھی دوسرے لوگوں کا ان کی تجارت میں حصہ شامل ہوتا تھا۔ یورپ اور امریکہ میں بھی یہی طریق رائج ہے اور اسی وجہ سے وہ ایک لمبے عرصہ سے تجارت پر چھائے ہوئے ہیں۔ فرد کبھی لمبی تجارت کر ہی نہیں سکتا آخر ایک نہ ایک دن وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لیے کمپنیاں بنا کر تجارت کرنا ہی تجارت کا کامیاب طریق ہے۔ مگر ہمارا تاجر ہمیشہ عاجل فائدہ کو دیکھتا ہے آجل کو نہیں۔ وہ یہ تو چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو تجارت پر لگا دوں یا اپنے بھائی کو تجارت میں شامل کرلوں مگر وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے ہمسایہ کو بھی اپنی تجارت میں شریک کرلوں۔

جتھہ بندی کی روح

میں نے ایک دفعہ بمبئی میں ایک تبلیغی وفد بھیجا۔ میر محمد اسحاق صاحب بھی اس میں شامل تھے۔ وہ بڑے ذہین آدمی تھے۔ واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس سفر میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جس سے میں بڑا متاثر ہوا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ میں بمبئی میں بڑے بڑے بوہرہ تاجروں سے ملا

ہوں۔ وہ مذہبا شیعہ ہیں مگر تجارت میں ان کو بڑا غلبہ حاصل ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو جو طاقت حاصل ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سا گُر ہے جو تمہاری اس ترقی کا باعث ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنی جتھہ بندی اس رنگ میں کی ہوئی ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا مثلاً ہم میں سے ایک شخص کا دیوالیہ نکل جائے تو جب ہمیں اس کا علم ہوتا ہے تو ہم اسے بلا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں روپیہ تو دے نہیں سکتے لیکن ہم تمہاری مدد بھی کرنا چاہتے ہیں اس لیے آج سے ہم اپنی تمام دیا سلائیاں تمہیں دے دیتے ہیں یا مٹی کا تیل تمہیں دے دیتے ہیں یا صابن تمہیں دے دیتے ہیں۔ تم یہ چیز لو اور اس کی تجارت کرو۔ جب ہمارے پاس کوئی گاہک آئے گا تو ہم اسے تمہارے پاس بھجوا دیا کریں گے۔ چنانچہ کمیٹی بیٹھتی ہے اور فیصلہ کر دیتی ہے کہ آج سے کسی بوہرے نے دیا سلائی یا صابن یا تیل فروخت نہیں کرنا۔ وہ ہول سیل تاجر ہیں جب ان کے پاس کوئی شخص مال لینے کے لیے آتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہمارے پاس تو مال ختم ہے لیکن ہم نے سنا ہے کہ فلاں تاجر کے پاس مال موجود ہے۔ آپ اس سے لے لیجئے۔ چنانچہ وہ شخص زیادہ گراں قیمت پر مال اس سے خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور چونکہ بڑے بڑے شہروں میں لاکھوں کا مال خریدا جاتا ہے۔ کسی نے پندرہ ہزار کا مال خریدنا ہوتا ہے، کسی نے پچیس ہزار کا اور کسی نے پچاس ہزار کا۔ اس لیے جب دکانداروں سے پوچھتے ہیں کہ مال ہے؟ تو جواب ملتا ہے مال تو ختم ہے لیکن فلاں تاجر کے پاس مال سنا جاتا ہے۔ آپ اس کے پاس چلے جایئے وہ ممکن ہے کچھ مہنگا ہی دے کیونکہ مال کسی اور جگہ سے مل نہیں رہا۔ اس پر وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آتے ہیں اور سودا خرید لیتے ہیں۔ اس طرح چند دن یا چند ہفتوں میں ہی لاکھ دو لاکھ روپیہ وہ کما لیتا ہے اور اس کے بعد وہ ان کے مال کی قیمت ان کو واپس کر کے باقی روپیہ سے اپنی تجارت شروع کر دیتا ہے۔ غرض چھوٹی چھوٹی چیزیں جیسے سگریٹ ہوئے یا دیا سلائی کی ڈبیاں ہوئیں یا جرابیں ہوئیں یا بنیانیں ہوئیں۔ ان کے ذریعہ سے وہ تھوڑے دنوں میں ہی اس کے اندر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ جتھہ بندی کی روح جب بھی کسی قوم میں ہو گی سارے لوگ اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوں گے۔ لیکن جب نفس پرستی ہو گی اور دل میں احساس ہو گا کہ ہم نے دوسروں کو اپنے قریب نہیں آنے دینا تو ایسے لوگ ہمیشہ قوم کو گرایا کرتے ہیں اسے ترقی نہیں دیا کرتے۔ پس مال بڑھانے کا وہ ذریعہ اختیار کرو جس سے قومی رنگ میں تم کو اعزاز حاصل ہو۔ تجارت اور صنعت میں ترقی کرنے

کے لیے احمدی صناؤں اور تاجروں کی انجمنیں بنا کر ان کے اندر قومی خدمت کا مادہ پیدا کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ ورنہ ذاتی اور خاندانی ترقی صرف ایک حد تک جاسکتی ہے اس سے آگے نہیں۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1952 صفحہ 36 تا 41)

ہمارے نوجوانوں کو محنت کی عادت پیدا کرنی چاہیے

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 21 ر نومبر 1952ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہمارے نوجوانوں کو محنت کی عادت پیدا کرنی چاہیے، مثلاً زمیندار ہیں آجکل قحط کی وجہ سے وہ کتنا شور مچا رہے ہیں۔ مجھے بھی لوگ کہتے ہیں کہ کوئی ایسی تدبیر کیجیے یا ہمیں کوئی تجویز بتائیے جس پر عمل کر کے ہم اس قحط کا مقابلہ کر سکیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس قحط میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں۔ کیا ہمارا زمیندار زمین میں اس طرح دانے ڈالتا ہے جس طرح دانے ڈالنے کی ضرورت ہے۔ کیا وہ اسی طرح نلائی کرتا ہے جس طرح نلائی کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا وہ اسی طرح ہل چلاتا اور کھیت کو پانی دیتا ہے جس طرح ہل چلانے اور پانی دینے کی ضرورت ہے۔ کیا وہ دانے بے اصول نہیں ڈال دیتا۔ کیا جب وہ کھیت کو پانی دیتا ہے تو پانی ادھر ادھر تو نہیں نکل جاتا۔ کیا اس کے کھیت میں اس قدر گھاس پیدا تو نہیں ہو جاتا کہ اصل فصل نظر ہی نہ آئے۔ کیا جب وہ ہل چلاتا ہے تو اس طرح نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھ میں حقہ پکڑے ہوئے ہوتا ہے، بیل ٹھوکر کھاتا ہے اور ہل زمین سے اوپر اٹھ جاتا ہے اور بیچ میں کچھ جگہ خالی چھوٹ جاتی ہے۔ جہاں ہل نہیں چلا ہوتا یا ناقص ہل چلتا ہے۔ اگر وہ یہ ساری احتیاطیں کرتا تو آج ہمارے ملک میں دوگنی پیداوار ہوتی اور اگر ہماری گندم کی پیداوار ڈبل ہوتی تو آج قحط کیوں پڑتا۔......

مومن کی نظر آنیوالے خطرات پر بھی ہوتی ہے

تم محنت کی عادت ڈالو۔ سؤر کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سیدھا چلتا جاتا ہے وہ سامنے کے خطرات کو نہیں دیکھتا۔ سؤر کا شکار کرنے والے نیزہ پکڑ کر رستہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ سؤر سیدھا آتا ہے اور نیزہ اس پر گر جاتا ہے۔ لیکن چیتا اور شیر دوسرے جنگلی جانور خطرہ دیکھ کر راستہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح مومن بھی خطرات کا خیال رکھتا ہے اور وہ سؤر کی طرح سیدھا نہیں چلتا جاتا۔ یہ عادت گندے

جانور کی ہے کہ وہ سیدھا چلا جاتا ہے۔

پس سمجھدار نوجوانوں کا کام ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور ماحول پر غور کریں اور دیکھیں کہ ملک اور قوم کی ترقی کے کون سے ذرائع ہیں۔ان ذرائع کو استعمال کریں تا ملک ترقی کرے۔ملک میں جو صنعتیں اور تجارتیں پہلے نہیں ان کی طرف توجہ دی جائے۔اگر نوجوان اس طرف توجہ کریں تو بے شک ابتدا میں وہ تکلیف بھی اُٹھائیں گے لیکن آخر میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے جو ان کے خاندان اور ملک کے لیے مفید ہوں گے۔جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ انگریزوں اور امریکنوں میں ہزاروں ایسے آدمی ہوں گے جنہوں نے اپنی جائیدادوں کو تباہ کیا تا ملک کے لیے وہ کوئی مفید چیز ایجاد کریں لیکن ہماری جماعت میں ایسا کوئی آدمی نہیں جس نے کسی ایسی ایجاد کی طرف توجہ کی ہو۔

ان پڑھ آدمی بھی ایجادات کر سکتا ہے

اس کے مقابلہ میں بعض ان پڑھ آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے اس بات کی طرف توجہ کی اور وہ کئی ایجادات لانے میں کامیاب ہو گئے۔ایک صاحب محمد حسین تھے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔پہلے وہ کانگرسی تھے اور گاندھی جی کے ساتھ ان کے تعلقات تھے انہوں نے 240 کے قریب ایجادیں کی تھیں لیکن بدقسمتی کی وجہ سے ملک کے لوگوں کی اس طرف توجہ نہیں تھی اس لیے وہ ترقی نہ کر سکے۔وہ ایجادیں کرتے تھے اور باوجود غریب ہونے کے ایجادیں کرتے تھے لیکن وہ جو ایجاد کرتے تھے تاجر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔انہوں نے جو ایجادات کیں ان میں سے ایک ایجاد چرخہ کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور ان کا دعویٰ تھا کہ اگر ہماری جماعت مدد کرے تو وہ عظیم الشان کام کر سکتے ہیں۔ وہ گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کے خطوط بھی دکھاتے تھے جو ان ایجادات کی تعریف میں انہوں نے لکھے تھے۔وہ میرے پاس بھی آئے اور درخواست کی کہ میں جماعت میں تحریک کروں کہ ان کی مدد کی جائے لیکن میں نے کہا ہمارے نوجوان سخت ناواقف ہیں، انہوں نے صنعتی تجربات حاصل نہیں کیے کہ وہ آپ کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔میں چھ سات سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام ایک دفعہ سیر کے لیے نکلے۔آپ مسجد مبارک کے سامنے جو چوک

ہے اس میں پہنچے تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دوست حضور کی تصویر لینے کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ یہ 1894یا1895 کی بات ہے، اس زمانہ میں ابھی کیمرے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ اس شخص نے ایک سٹینڈ کھڑا کیا اور اس کے اُوپر گتے کی ایک چیز رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی فوٹو لی۔ جب آپ سیر کے لیے آگے تشریف لے گئے تو اس شخص کے متعلق بات شروع ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ وہ شخص مڈل تک تعلیم رکھتا ہے اور اس نے بڑی محنت کے ساتھ کیمرہ کی ایجاد کی ہے اور یہ کیمرہ جس سے آپ کی فوٹو لی گئی ہے اس کا اپنا ایجاد کردہ ہے۔ اس شخص نے ایجادات کے شوق میں روس تک کا سفر بھی کیا ہے اور متعدد ایجادیں کی ہیں۔ وہ دوست جلد ہی فوت ہو گئے کیونکہ اس کے بعد وہ دکھائی نہیں دیے۔

صنعتی طور پر دست نگر ملک پورا آزاد نہیں کہلا سکتا

پس محنت اور کوشش کے ساتھ ہی انسان انسان بنتا ہے یا تو تم موجودہ حالتوں پر قائم رہ کر اپنی غلامی کے دور کو اور لمبا کرو گے اور یا غلامی کے طوق کو اُتار کے سرداری کے تخت کو جیتو گے۔ یہ دونوں حالتیں تمھارے سامنے ہیں یا تو تم کوشش نہیں کرو گے اور یہ خیال کرو گے کہ موجودہ حالت کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔ اس حالت میں بھی روٹی مل جائے گی لیکن اس طرح تم غلامی کی حالت میں رہو گے۔ پاکستان کے آزاد ہو جانے سے تم آزاد نہیں ہو جاتے کیونکہ جو ملک صنعتی طور پر دست نگر ہو وہ پورا آزاد نہیں کہلا سکتا۔ اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لیے اپنے ملک کو آزاد بنانے کے لیے قربانی کی ضرورت ہے۔ اگر صنعتی اشیاء کے لیے ہم دوسرے ممالک کے محتاج رہے تو ہمیشہ یہ شکوہ رہے گا کہ فلاں ملک ہماری روئی نہیں لیتا۔ ہمارا زمیندار مر رہا ہے۔ وہ ہمیں فوجی سامان نہیں دیتا کیونکہ جس کی وجہ سے ہماری فوج غیر مسلح ہے۔ یہ آزادی محدود آزادی ہے۔

صنعتی آزادی ہی حقیقی آزادی ہے

آزادی اس چیز کا نام ہے کہ ہمارا ملک دوسرے ممالک کو چیلنج کر سکے کہ تم ہمارا مقاطعہ کرتے ہو تو کرو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ توپیں یہاں بن رہی ہوں، ہوائی جہاز یہاں بن رہے ہوں، ریلوں

کے انجن یہاں بن رہے ہوں، ٹریکٹر، لاریاں، موٹر اور دوسری چیزیں یہاں تیار کی جا رہی ہوں۔ یہ خیال کر لینا کہ روٹی تو ہر حالت میں ملتی ہے زیادہ کوشش کی کیا ضرورت ہے ہماری غلامی کو لمبا کرتا ہے لیکن اگر ہم روٹی کو لات ماریں اور تجارتوں ایجادوں اور صنعتوں میں لگ جائیں تو شاید کچھ عرصہ تک ہمیں تکلیف بھی ہو یا ہماری نسل بھی کچھ عرصہ تک تکلیف اُٹھائے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب ہم اپنے خاندان اور ملک کے لیے ایک مفید وجود بن سکیں گے اور ہماری ساری تکالیف رفع ہو جائیں گی۔

زیادہ پیشے اختیار کریں

پس میں اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تعلیم محض اس لیے حاصل نہ کریں کہ اس کے نتیجہ میں انہیں نوکریاں مل جائیں گی۔ نوکریاں قوم کو کھلانے کا موجب نہیں ہوتیں بلکہ نوکر ملک کی دولت کو کھاتے ہیں۔ اگر تم تجارتیں کرتے ہو، صنعتوں میں حصہ لیتے ہو، ایجادوں میں لگ جاتے ہو تو تم ملک کو کھلاتے ہو اور یہ صاف بات ہے کہ کھلانے والا کھانے والے سے بہترین ہوتا ہے۔ نوکریاں بیشک ضروری ہیں لیکن یہ نہیں کہ ہم سب نوکریوں کی طرف متوجہ ہو جائیں، ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پیشے اختیار کریں تا کہ ملک کو ترقی حاصل ہو اور کم سے کم ملازمتیں کریں، صرف اتنی جن کی ملک کو اشد ضرورت ہو۔''

(روزنامہ الفضل 14 /دسمبر 1952ء)

محنت، دیانتداری اور ٹھوس خدمتِ خلق کریں

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 24 /اکتوبر 1953ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب میں فرمایا:

''دنیا میں تمام ترقیات محنت سے ملتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احمدیوں کو رعایتاً عہدے مل جاتے ہیں۔ اگر تم کام میں سست ہو گئے تو سننے والوں کو اس بات کا یقین ہو جائے گا اور وہ سمجھیں گے کہ انہیں عہدے محض رعایت کی وجہ سے ملتے ہیں ورنہ ان میں کام کرنے کی قابلیت موجود نہیں لیکن اگر وہ

دیکھیں کہ احمدی جان مار کر کام کرتے ہیں اور حکومت اور ملک کو اتنا فائدہ پہنچاتے ہیں جتنا فائدہ دوسرے لوگ نہیں پہنچاتے تو ہر ایک شخص کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کہنا کہ احمدیوں کو یہ عہدے رعایتاً دے دیے جاتے ہیں غلط ہے۔

ہم اس اعتراض کا یہی جواب دیتے ہیں کہ تم وہ آدمی لاؤ جس کو بطور رعایت کوئی عہدہ ملا ہو۔فرض کرو کوئی احمدی دیانت سے کام کر رہا ہے وہ ملک اور قوم کی خیر خواہی کر رہا ہے اور اس کا طریق عمل اور اس کی مسل اور اس کے کاغذات اس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم جلیسوں ، ہم عمروں اور ہم عہدوں میں سب سے بہتر کام کرنے والا ہے اور مخالف اس کا نام لے کر کہے کہ فلاں کو عہدہ بطور رعایت ملا ہے تو اس کا ریکارڈ اس اعتراض کو دور کر دے گا لیکن اگر تمہارے کام کا ریکارڈ اچھا نہیں اور معترض تمہارا نام لے تو ہمارے لیے اس اعتراض کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔

پس تم اپنے اندر محنت اور دیانتداری پیدا کرو تا کہ تم پر کوئی اعتراض ہی نہ کر سکے کہ تمہیں رعایتی ترقی دی گئی ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر تم میں سے کسی کو یہ نظر آتا ہو کہ اسے رعایت سے ترقی دی گئی ہے تو وہ اس عہدے سے استعفیٰ دے دے کیونکہ اس سے زیادہ شرمناک بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ انسان کسی اور شخص کی سفارش سے ترقی حاصل کرے۔......

تم وہ کام کرو جو ٹھوس اور نتیجہ خیز ہو اور اس کے لیے خدام الاحمدیہ کراچی کی رپورٹ بہترین رپورٹ ہے جو تمام مجالس میں پھیلانی چاہیے تا انہیں معلوم ہو کہ انہوں نے کس طرح خدمت خلق کا فریضہ سرانجام دیا۔ میں تمہیں اس کا چھوٹا سا طریق بتاتا ہوں۔اگر تم میں جوش پایا جاتا ہے کہ تم ملک اور قوم کے مفید وجود بنو تو تم اس پر عمل کرو۔

اس وقت جو خدام حاضر ہیں ان میں سے جو لوگ تجارت کا کام کرتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں (حضور کے اس ارشاد پر چالیس خدام کھڑے ہوئے۔پھر فرمایا) جو خدام صنعت و حرفت کا کام کرتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں (حضور کے اس ارشاد پر اُنچاس خدام کھڑے ہوئے۔اس کے بعد حضور نے فرمایا) وہ ذریعہ جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ تم ارادہ اور عزم کر لو کہ تم میں سے ہر ایک نے اس سال کسی ایک شخص کو تجارت پر لگانا ہے، چاہے وہ تمہارے رشتہ داروں میں سے ہو یا کوئی غیر ہو۔اسی

طرح ہر صنّاع یہ عہد کرے کہ اس نے اس سال کسی نہ کسی شخص کو اپنا کام سکھانا ہے۔ایک سال میں وہ شخص ماہر کاریگر تو نہیں بن سکتا۔اگر وہ کام میں لگ جائے گا تو اگلے سال مہارت حاصل کر لے گا۔لوہار کسی ایک شخص کو لوہار کا کام سکھا دے،معمار کسی ایک شخص کو معماری کا کام سکھلا دے،ترکھان کسی ایک شخص کو ترکھانے کا کام سکھا دے،موچی کسی ایک شخص کو موچی کا کام سکھا دے۔اسی طرح دوسرے لوگ اپنے اپنے فن ایک ایک شخص کو سکھا دیں۔مرکزی ادارہ کو چاہیے کہ وہ ان خدام کے نام لے۔اگلے سال ان سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اس ہدایت پر کس حد تک عمل کیا ہے۔اگر تم اس کام کو شروع کر دو تو دو چار (سال) میں تم دیکھو گے کہ اس طریق پر عمل کر کے تم مذہب، ملک اور قوم کے لیے نہایت مفید ثابت ہو سکو گے۔مگر یاد رکھو تم یہ سوچنے میں نہ لگ جانا کہ جس کو کام پر لگایا جائے وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔چاہے وہ غیر ہی ہو تم نے بہرحال اسے کام سکھانا ہے۔دوسرے یہ بھی یاد رکھو کہ بعد میں کسی صلہ کی امید نہ رکھنا۔احسان کرنے کے بعد اس کے صلہ کی امید رکھنا قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔قرآن کریم کہتا ہے کہ تم احسان کر کے بدلہ کی امید نہ رکھو۔تمہارا ایسی امید کرنا تمہارے اس کام کو باطل کر دے گا۔تم یہ نیت کر کے کام سکھاؤ کہ تم اس کے بدلہ کی کسی انسان سے خواہش نہیں رکھتے۔‘‘

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 657 تا 660)

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

حضور انور رضی اللہ عنہ نے مؤرخہ 27/دسمبر 1953ء کو جلسہ سالانہ سے خطاب میں فرمایا:

’’ہمارے تاجروں میں عام طور پر یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال کو اس خیال سے روک رکھتے ہیں کہ قیمت بڑھنے پر اسے فروخت کریں گے حالانکہ مال کو اس خیال سے روک رکھنا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ جو مال آئے اسے آگے بیچتے چلے جاؤ۔تجارت میں ترقی کے لاکھوں راستے موجود ہیں۔لہٰذا ہمارے تاجروں کو چاہیے کہ وہ بجائے اپنے مال کو روکنے کے دیگر ذرائع کے ذریعہ تجارت کو ترقی دیں۔‘‘

(تحریک جدید۔ایک الٰہی تحریک جلد سوم صفحہ 351، 352)

اسلام کی رو سے تجارت وصنعت کے بعض ضروری قواعد

حضور انور رضی اللہ عنہ نے سورۃ النور کی اس آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:38) کی تفسیر کرتے ہوئے تجارت کے بعض ایسے قواعد بیان فرمائے ہیں جن پر عمل کر کے ایک مومن کے دین کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا اور دنیا کی مشکلات سے بھی وہ محفوظ رہتا ہے۔آپؓ فرماتے ہیں:

''اسلام نے اسی نظریہ کے ماتحت بعض قواعد تجویز کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا کمانے سے منع نہیں کرتے۔وہ بے شک تجارت کریں وہ بے شک صنعت وحرفت اختیار کریں مگر اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعض قواعد کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلیں تا کہ دین کو بھی کوئی نقصان نہ ہو اور دنیا کی مشکلات میں بھی کوئی اضافہ نہ ہو۔وہ ہدایتیں جو اسلام دنیا کمانے کے متعلق دیتا ہے یا مال و دولت اپنے پاس رکھنے والوں کے متعلق دیتا ہے اُن میں سے بعض تجارت اور صنعت کے ساتھ خاص طور پر تعلق رکھتی ہیں،اور بعض ایسی ہیں جو ہر ایسے شخص کے متعلق ہیں جس کے پاس کسی قسم کا بھی مال ہو خواہ اُس نے کسی اور ذریعہ سے ہی کیوں نہ کمایا ہو۔

تجارت دین کے کاموں میں روک نہ بنے

چنانچہ اس بارہ میں پہلا قاعدہ قرآن کریم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان رہتے ہوئے لوگ مال کمانا چاہیں تو اُن کی حالت لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کی مصداق ہونی چاہیے۔یعنی وہ بیشک تجارت کریں وہ بیشک بیع کریں مگر یہ چیزیں دین کے راستہ میں روک نہیں ہونی چاہئیں۔اگر ایک شخص صنعت وحرفت کے ذریعہ مال کمانا چاہتا ہے تو اسلام کہتا ہے بیشک تم مال کماؤ اور بیشک تم صنعت وحرفت اختیار کرو۔مگر دیکھو اس کے ساتھ ہی تمہیں پانچوں وقت نماز کے لیے مسجد میں آنا پڑے گا یا اگر ایک شخص تجارت کرنا چاہے تو اسلام کہے گا بیشک تجارت کرو مگر تمہیں پانچ وقت روزانہ اپنی دوکان بند کر کے مسجد میں آنا پڑے گا۔اسی طرح اگر تجارت اور صنعت وحرفت کرتے ہوئے روزوں کے ایام آجاتے ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ تم روزے رکھو یہ نہ کہو کہ تجارت یا صنعت وحرفت میں

مشغول رہنے کی وجہ سے روزے رکھنے ہمارے لیے مشکل ہیں۔اگر یہ چیزیں نماز کے راستہ میں روک بنتی ہیں اگر یہ چیزیں روزوں کے راستہ میں روک بنتی ہیں اگر یہ چیزیں دوسرے دین کے کاموں میں روک بنتی ہیں تو اُس وقت تمہارا فرض ہے کہ ان کاموں کو چھوڑ دو۔اور اپنے دین کو خراب ہونے سے محفوظ رکھو۔لیکن اگر یہ چیزیں دین کے راستہ میں روک نہیں تو پھر بیشک دنیا کماؤ۔اسلام تمہیں اس سے منع نہیں کرتا۔

اسی طرح ذکر الٰہی ہے۔اسلام کہتا ہے کہ پانچ نمازوں کے علاوہ اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر علیحدگی میں خدا تعالیٰ کو یاد کیا کرو۔اُس کی حمد کرو اُس کی تسبیح کرو۔اُس کی بڑائی بیان کرو۔اس کی صفات پر غور کرو۔اپنے نفس کو احکام الٰہی کے تابع کرنے کی کوشش کرو اور اپنے قلب کو ہر قسم کی کدورتوں اور میل کچیل سے صاف کر کے ایک ایسا مصفیٰ اور روشن آئینہ بناؤ جس میں خدا تعالیٰ کا چہرہ منعکس ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور تمہارے ذریعہ سے ہونے لگے اور اگر تم ایسا کرتے ہو تو بیشک تم اچھے لوہار بنو، تاجر بنو اچھے صناع بنو اچھے کارخانہ دار بنو اور خوب مال کماؤ ہماری طرف سے اس میں کسی قسم کی روک نہیں کیونکہ تمہارے یہ کام ہمارے دین اور ہمارے ذکر میں حائل نہیں ہیں۔پس پہلی شرط جس کو اسلام پیش کرتا ہے وہ وہی ہے جس کا اس آیت میں ذکر آتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ مومن بے شک تجارت بھی کرتے ہیں، خرید فروخت بھی کرتے ہیں، صنعت وحرفت بھی کرتے ہیں مگر اصل کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کے دین کی مدد میں روک بن کر حائل نہ ہو جائیں۔پس ایک مومن اور غیر مومن میں یہ فرق ہے کہ مومن بھی تجارت کرتا ہے اور غیر مومن بھی تجارت کرتا ہے مومن بھی صنعت وحرفت اختیار کرتا ہے اور غیر مومن بھی صنعت وحرفت اختیار کرتا ہے مگر غیر مومن جب ان کاموں میں مشغول ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی توجہ بالکل ہٹ جاتی ہے لیکن جب ایک مومن یہ کام اختیار کرتا ہے تو یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ذکر میں روک نہیں بنتیں ان مشاغل کے باوجود اس کی ذکر الٰہی کی عادت پھر بھی قائم رہتی ہے۔نمازیں پھر بھی باقاعدگی سے ادا کرتا ہے زکوٰۃ پھر بھی بالشرح ادا کرتا ہے، روزے پھر بھی پوری احتیاط سے رکھتا ہے، حج پھر بھی استطاعت پر کرتا ہے گویا اس کے دنیوی مشاغل دین کی خدمت کے راستہ میں روک نہیں بنتے اور چونکہ دین کا پہلو مضبوط رہتا ہے اس لیے اسلام کہتا ہے کہ ہمیں تمہارے

دنیا کمانے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر مثلاً تبلیغ کا وقت آجائے اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ جماعت کا ہر فرد تبلیغ کے لیے وقت دے اور اُس وقت کوئی شخص کہے کہ میں تبلیغ کے لیے کس طرح وقت دے سکتا ہوں میں اگر وقت دوں تو میری دکان کا نقصان ہوتا ہے تو اسلام کہے گا یہ تجارت تمہارے لیے جائز نہیں۔ یا اگر کوئی کارخانہ دار کہے کہ میں کس طرح تبلیغ کے لیے باہر جا سکتا ہوں میں اگر باہر جاؤں تو کارخانے کا تمام کام درہم برہم ہو جائے گا۔ تو اسلام کہے گا ایسا کارخانہ تمہارے لیے جائز نہیں۔ پس مومن وہی ہے جو لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کے مصداق ہوتے ہیں یعنی تجارت اور بیع اُن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی بلکہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز بلند ہوتی ہے ایک مومن تاجر، ایک مومن کارخانہ دار، ایک مومن صناع اپنی تجارت اور اپنے کارخانہ اور اپنی صنعت کو چھوڑ کر اس آواز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

بیکار روپیہ جمع کرنا ناجائز ہے

دوسری شرط اسلام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبة: 34) یعنی وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُسے خرچ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دے دے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو شخص روپیہ کماتا ہے اُسے غلق میں بند کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اسلامی نقطہ نگاہ سے مومن نہیں کہلا سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومن بھی اپنی تجارتوں کو بڑھاتا ہے اور اگر وہ اپنی تجارت کو ترقی نہیں دے گا تو اس کے پاس روپیہ کہاں سے آئے گا۔ روپیہ کمانے کے لیے ضروری ہے کہ تجارت اور صنعت کو فروغ دیا جائے لیکن اگر کسی تجارت یا صنعت کا یہ نتیجہ نکلے کہ انسان روپیہ جمع کرنا شروع کر دے اور بخل کا مرض اس میں اس قدر ترقی کر جائے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اُس پر گراں گذرنے لگے تو اسلامی تعلیم کے لحاظ سے وہ تجارت اور صنعت بالکل ناجائز ہوگی۔ وہی تجارت اور وہی صنعت جائز ہے جس کے نتیجہ میں بے کار روپیہ جمع نہ کیا جائے۔ ہاں وہ روپیہ جس کا رکھنا کسی خاص غرض کے لیے ضروری ہو مثلاً کام کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے یا مکان وغیرہ بنانے کے لیے یا روزانہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یا بچوں

کی شادی بیاہ کے لیے ایسا روپیہ ہر شخص اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا مثلاً ایک شخص جس نے کارخانہ کھولا ہوا ہواُسے کارخانہ کے لیے کبھی لوہا خریدنا پڑتا ہے کبھی کوئلہ خریدنا پڑتا ہے کبھی مٹی کا تیل خریدنا پڑتا ہے کبھی آٹے یا سوجی کے لیے گیہوں خریدنا پڑتا ہے یا اگر بوٹ کا کارخانہ اس نے جاری کیا ہوا ہے تو اُسے مشینیں خریدنی پڑتی ہیں کیل خریدنے پڑتے ہیں، چمڑا خریدنا پڑتا ہے اور پھر بعض دفعہ کارخانوں میں کام کرتے کرتے مشینوں کے پُرزے ٹوٹ جاتے ہیں بعض دفعہ کوئی مشین ہی ناکارہ ہو جاتی ہے اور اُس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ اور مشین یا مشین کے اور پُرزے خریدے جائیں ان تمام کاموں کے لیے جب تک روپیہ پاس نہ ہو کوئی کارخانہ دار اپنے کارخانے کو چلا نہیں سکتا۔ اسلام کے نزدیک اس قسم کے کاموں کو چلانے کے لیے جتنے روپے کی ضرورت ہو وہ انسان اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص مکان بنانے کے لیے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے لیے اُس کی روزانہ آمدنی کافی نہیں ہو سکتی تو یہ اسلام کے خلاف نہیں ہوگا اور نہ یہ اس رنگ میں روپیہ کا جمع کرنا کہلائے گا جس رنگ میں روپیہ کا جمع کرنا اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ یہ صرف بعد میں آنے والے ضروری اخراجات کو مہیا کرنے کی ایک جائز صورت ہوگی یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لو کہ بعد میں اُس نے جو کچھ خرچ کرنا ہے اس کے لیے یہ اس کی تیاری ہوگی۔ پس چونکہ یہ روپیہ محض جمع رکھنے کے لیے نہیں بلکہ کسی دوسرے وقت خرچ کرنے کے لیے ہے اس لیے اس قسم کی ضروریات کے لیے روپیہ پس انداز کرنا اسلام کی رو سے بالکل جائز ہے۔ ہاں جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد روپیہ ہوتا ہے اور وہ اس روپیہ کو بند کر کے رکھ دیتے ہیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک اگر ایک شخص دس لاکھ روپیہ سے ایک کارخانہ جاری کر دیتا ہے تو یہ بالکل جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ غلق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص دس لاکھ روپیہ کسی کارخانے پر لگاتا ہے تو اسے کئی ہزار روپیہ مشینوں کے خریدنے پر صرف کرنا پڑتا ہے پھر ان مشینوں سے کام لینے والے مستریوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ فٹروں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے، مزدوروں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح سینکڑوں لوگوں کے لیے روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی کارخانہ جاری کیا جاتا ہے تو اُس میں کچھ لوگوں کو افسر مقرر کرنا پڑتا ہے کچھ ماتحت ہوتے ہیں کچھ قلی ہوتے ہیں کچھ نگران ہوتے ہیں اس طرح دو دو سو چار چار سو پانچ پانچ سو بلکہ ہزار ہزار آدمیوں کے لیے

روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے کارخانوں میں تو بعض دفعہ بیس بیس ہزار آدمی ایک وقت میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کا روپیہ بند نہیں رہتا بلکہ بنی نوع انسان کے کام آتا رہتا ہے یا اگر کوئی شخص اپنے روپیہ سے تجارت کرتا ہے تب بھی وہ لوگوں کے کام آتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ بند کر کے رکھ دیتا ہے تو چونکہ لوگ اس روپیہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اس لیے اسلام کے نزدیک اس قسم کا روپیہ جمع رکھنا ناجائز ہے۔

جو کچھ کماؤ اس پر زکوٰۃ ادا کرو

تیسری چیز جس پر خصوصیت سے اسلام نے زور دیا ہے اور جس کی طرف قرآن کریم میں بارہا توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ بیشک کماؤ مگر جو کچھ کماؤ اُس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ اسلام نے بیشک روپیہ کو بند رکھنا ناجائز قرار دیا ہے مگر روپیہ کمانا منع نہیں کیا پس فرماتا ہے اگر تم روپیہ کماتے ہو اور کچھ روپیہ اپنی ضروریات کے لیے عارضی طور پر جمع کر لیتے ہو جس پر ایک سال گزر جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ اگر کوئی شخص باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو دین کی خاطر کماتا ہے لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا محض دنیا کی خاطر کما رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا شوق اس کے دل میں نہیں۔ اگر واقعہ میں اس کے دل میں خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت کو جذب کرنے کا احساس ہوتا اگر دنیا کو وہ دین کی خاطر کما رہا ہوتا تو اس کا فرض تھا کہ وہ اپنے مال میں سے خدا تعالیٰ کا حق ادا کرتا اور پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرتا لیکن جب وہ زکوٰۃ نہیں ادا کرتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا تابع ہے خدا تعالیٰ کے احکامات کا تابع نہیں۔ زکوٰۃ کے معاملہ میں میں دیکھتا ہوں کہ تاجروں میں بہت بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے پرانے زمانہ میں تو غیر احمدی تاجروں نے بالکل اندھیر مچا رکھا تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سنایا کرتے تھے کہ بھیرہ میں ایک بہت بڑا مسلمان تاجر تھا جو ہر سال باقاعدگی سے زکوٰۃ دیا کرتا تھا مگر اُس کے زکوٰۃ دینے کا طریق یہ تھا کہ زکوٰۃ کا تمام روپیہ ایک گھڑے میں بند کر دیتا فرض کرو اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا جس میں سے اڑھائی ہزار روپیہ دینا اُس پر فرض ہوتا تو وہ اڑھائی ہزار روپیہ ایک گھڑے میں ڈال دیتا اور اُن روپوؤں کے اوپر دو چار سیر گیہوں ڈال کر کسی ملاں کو بلاتا اور اس کی

خوب پرتکلف دعوت کرتا جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتا تو اُسے کہتا مولوی صاحب اس گھڑے میں جو کچھ ہے وہ میں آپ کی ملکیت کرتا ہوں لوگوں کو بھی اُس کے اس طریق کار کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ گھڑے میں اُس نے زکوٰۃ کا روپیہ رکھا ہوا ہے جو اڑھائی تین ہزار روپیہ ہے مگر اُسے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی کہتا کہ آپ اس گھڑے کو اٹھا کر کہاں لے جائیں گے اسے میرے پاس ہی بیچ ڈالیے۔ بتائیے آپ اس گھڑے کی کیا قیمت لیں گے ملاں ڈرتے ڈرتے کہ نامعلوم کس حد تک سودا ہو پانچ دس یا پندرہ روپے بتا دیتا اور وہ جھٹ اتنے روپے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتا اور کہتا کہ مولوی صاحب جو کچھ اس میں ہے وہ آپ نے پندرہ روپے میں مجھے دے دیا ہے یہ کہہ کر وہ گھڑا اٹھا کر اندر رکھ لیتا اور سمجھ لیتا کہ اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے۔ تو دنیا میں اس قسم کی دھوکہ بازی کرنے والے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے احکام سے تمسخر کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو انہوں نے ادا کر دیا ہے۔

ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس قسم کے لوگ تو نہیں مگر ابھی ہماری جماعت میں لوگ پوری احتیاط سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بالخصوص تاجروں میں زکوٰۃ کے معاملہ میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کے متعلق اسلامی شریعت میں اتنے شدید احکام پائے جاتے ہیں کہ صحابہؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں رہتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ تم جو کچھ مال کماتے ہو اُس میں دوسرے لوگوں کا بھی حصہ ہے کیونکہ مال جن چیزوں سے کمایا جاتا ہے وہ ساری کی ساری ایسی ہیں جو کسی خاص شخص کی مِلک نہیں بلکہ ساری دنیا اُن پر حق رکھتی ہے۔ مثلاً تجارت کو لے لو تجارت لوہے کی ہوتی ہے یا لکڑی کی ہوتی ہے یا اور بعض چیزوں کی ہوتی ہے مگر کیا لوہا اور لکڑی تاجر آپ بناتا ہے اللہ تعالیٰ نے لکڑی بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئلہ بنایا ہے سارے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مٹی کا تیل بنایا ہے سارے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کپاس بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے گندم بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے مگر جب ایک شخص ان چیزوں سے خاص طور پر نفع کماتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اس کا ٹیکس ادا کرو کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ساری دنیا مالک ہے پس جس طرح مزارع اپنے مالک کو ٹیکس ادا کرتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو حکم

دیتا ہے کہ وہ بھی ٹیکس ادا کرے۔ وہ فرماتا ہے چونکہ تم کسان بنے اور تم نے اس زمین میں زراعت کی جو ساری دنیا کی ہے اس لیے اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اس کا حق دو چنانچہ اڑھائی فیصدی ٹیکس اُس سے وصول کیا جاتا ہے اور پھر جو نظام مقرر ہوتا ہے وہ اس ٹیکس کو غربا کی مدد کے لیے خرچ کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ٹیکس ادا نہیں کرتا یا ادا تو کرتا ہے مگر پورے طور پر ادا نہیں کرتا کسی قدر حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ ایک چور کی حیثیت رکھتا ہے بظاہر ایک شخص کپڑے کا تاجر ہوگا لیکن درحقیقت وہ چور ہوگا کیونکہ کپڑا آخر کن چیزوں سے تیار ہوتا ہے کپڑا تیار ہوتا ہے روئی سے اور روئی تیار ہوتی ہے زمین سے اور زمین کسی خاص شخص کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لیے بنائی ہے۔

پس جب زمین ساری دنیا کے لیے بنائی ہے اور اُسی زمین سے روئی کی فصل تیار کر کے ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ اس ٹیکس کو ادا کرے جو اس پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اس نے اس چیز سے فائدہ اٹھایا جس میں ساری دنیا کا حصہ تھا اسی طرح زمینوں پر زکوٰۃ کا حکم ہے کیونکہ زمین کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی ہے اگر بعض وجوہ سے کوئی ٹکڑا کسی شخص کے قبضہ میں چلا گیا ہے تو بہر حال اُسے غریبوں کو اُن کا حق دینا پڑے گا اور وہ یہ کہہ کر اس ٹیکس سے نہیں بچ سکتا کہ جب میں نے اپنی ذاتی کوشش سے یہ روپیہ کمایا ہے تو میں غریبوں کو اپنے مال کا ایک حصہ کیوں دوں۔ اس لیے کہ اُس نے ذاتی محنت سے روپیہ کمایا مگر بہر حال اُس نے روپیہ ایک ایسی چیز سے کمایا ہے جو ساری دنیا کے لیے مشترک تھی اور جس میں غرباء کا حق بھی رکھا گیا تھا۔

پس اسلام کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے زکوٰۃ لی جائے گی اور غرباء پر خرچ کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ یقیناً چور ہے خواہ وہ یہ کہے کہ میں نے رات اور دن محنت کر کے کپڑے کی تجارت سے روپیہ کمایا ہے، خواہ وہ یہ کہے کہ میں نے رات اور دن محنت کر کے لوہے کے کارخانے سے روپیہ کمایا ہے۔ خواہ وہ یہ کہے کہ میں نے رات اور دن محنت کر کے مٹی کے تیل کی تجارت سے یہ روپیہ کمایا ہے۔ خواہ کسی چیز کی تجارت سے اُس نے روپیہ کمایا ہو اس میں ساری دنیا کا حصہ ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اُس حصہ کو ادا کرے اور اگر وہ بغیر اس ٹیکس کو ادا کرنے کے روپیہ اپنے گھر میں لے جاتا ہے تو اسلام اُسے قطعاً مومن کہنے کے لیے تیار نہیں۔

گورنمنٹ کا ٹیکس اور زکوٰۃ

ہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ ٹیکس دوہرا ہو گیا ہے یعنی گورنمنٹ بھی ٹیکس لیتی ہے اور اسلام بھی ایک ٹیکس لیتا ہے اس لیے جس چیز پر گورنمنٹ کی طرف سے ٹیکس عائد ہوتا ہے اگر اس کے ٹیکس کی رقم زکوٰۃ کے برابر یا زکوٰۃ سے زیادہ ہو تو پھر زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گورنمنٹ جمع شدہ مال پر ٹیکس نہیں لیتی بلکہ آمد پر ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن اسلام اُس مال سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے جو انسان کے پاس جمع ہو اور جس پر ایک سال گزر گیا ہو فرض کرو ایک شخص دس ہزار روپے سالانہ کماتا ہے اور گورنمنٹ اُس سے ٹیکس لے لیتی ہے وہ ٹیکس زکوٰۃ سے زیادہ ہے تو ہم کہیں گے کہ اب ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسے زمیندار سے بھی گورنمنٹ عالیہ وصول کر لیتی ہے تو اس کے بعد اگر وہ مالیہ زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی لیکن اگر کوئی زمیندار معاملہ ادا کرنے کے بعد اپنے اخراجات میں کفایت سے کام لینا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ کچھ روپیہ پس انداز کر لیتا ہے جس پر ایک سال گزر جاتا ہے تو اس روپیہ پر زکوٰۃ کا حکم عائد ہو جائے گا۔ فرض کرو اُس نے کفایت کرتے کرتے پانچ ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے اور اُس پانچ ہزار روپیہ پر ایک سال گزر گیا ہے تو اسلام کی طرف سے اس پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگ جائے گا پس جمع شدہ مال پر جب سال گزر جائے اور وہ مال زکوٰۃ کے نصاب کے اندر ہو تو شریعت کی طرف سے زکوٰۃ کا حکم انسان پر عائد ہو جاتا ہے خواہ وہ زمیندار کا مال ہو یا تاجر کا ہو یا کسی اور کا ہو۔ ہاں اس مال پر جس میں سے گورنمنٹ نے زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زائد ٹیکس لے لیا ہو زکوٰۃ واجب نہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ رقم ثواب میں شمولیت کے لیے اسے طوعی طور پر پھر بھی دینی چاہیے ہاں اگر انکم ٹیکس یا مالیہ کم ہو اور زکوٰۃ یا عُشر اس پر زیادہ عائد ہوتا ہو تو پھر جتنی کمی رہ جائے گی اُس کو پورا کرنا اُس کا فرض ہوگا۔ فرض کرو زکوٰۃ کے بیس روپے کسی شخص کے ذمے تھے گورنمنٹ نے ٹیکس کے ذریعے پندرہ روپے وصول کر لیے تو باقی پانچ روپے اسلام کا قائم کردہ نظام اُس سے ضرور وصول کرے گا۔ لیکن اگر گورنمنٹ نے اس سے ٹیکس اکیس روپے لے لیے ہیں تو پھر زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ کا حکم ایسے شخص پر اُس صورت میں عائد ہوگا جب وہ اپنی آمد کو جمع رکھے اور پھر اس جمع شدہ مال پر بشرطیکہ وہ نصاب کے مطابق ہو ایک سال گزر جائے۔

کشائش اور تنگی دونوں حالتوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

چوتھے زکوٰۃ کے علاوہ اسلام یہ بھی حکم دیتا ہے کہ سراء اور ضراء دونوں حالتوں میں انفاق فی سبیل اللہ سے کام لیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (آل عمران: 135) مومن کشائش کی حالت میں بھی غرباء اور مساکین کی امداد کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اور تنگی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اس جگہ اُس خرچ کا ذکر ہے جو زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ مومن تنگی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں حالانکہ تنگدست پر زکوٰۃ فرض نہیں پس اس جگہ طوعی صدقہ مراد ہے زکوٰۃ مراد نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر انسان پر خواہ وہ کس قدر مالدار ہو بعض تنگی کی حالتیں آتی ہیں اور بعض کشائش کی حالتیں آتی ہیں اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ ان دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال خرچ کرتا رہے۔ مگر ضراء کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے پاس کچھ نہ ہو تب بھی وہ خرچ کرے بلکہ ضراء کے لفظ کا استعمال اس غرض کے لیے کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے تاجروں پر بھی بعض دفعہ تنگی کے اوقات آجاتے ہیں۔ دس بیس لاکھ کا کارخانہ ہوتا ہے مگر کسی وجہ سے مال کا فروخت ہونا رُک جاتا ہے۔ اُس وقت لوگ کہتے ہیں ہم پر بڑی مصیبت آگئی ہے اب ہم کیا کریں پہلی سی حالت ہماری نہیں رہی۔ ہم بڑی تنگی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ایسی حالتیں آئیں اس وقت بھی تمہارا فرض ہے کہ تم اپنا مال خرچ کرو کیونکہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دس لاکھ روپیہ کے مالک کارخانہ دار کا کام خراب ہو گیا ہے تب بھی چار پانچ لاکھ روپیہ اس کے گھر میں ضرور موجود ہوگا پس اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اگر دین کے لیے وہ شخص قربانی کر رہا ہے جس کی آمد پانچ دس یا پندرہ بیس روپے ہے تو اس کے لیے دین کی خاطر قربانی کرنے میں کون سی مشکل درپیش ہے جبکہ اس کے قبضہ میں دیوالیہ ہونے کے باوجود چار پانچ لاکھ روپیہ کا مال ہے پس اس آیت کے صرف یہ معنی نہیں کہ مومن غربت اور امارت دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب بھی ہے کہ امیر پر بھی بعض دفعہ تنگی کی گھڑیاں آجاتی ہیں پس ان تنگی کی گھڑیوں کے متعلق اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تم اُس حالت میں بھی غرباء و مساکین پر اپنا روپیہ

خرچ کیا کرو، اور یہ نہ کہا کرو کہ ہم کس طرح خرچ کریں ہماری آج کل بکری کم ہے۔ جب وہ شخص جس کے پاس تمہارے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں دین کی خاطر قربانی کرتا رہتا ہے تو تمہارے پاس تو پھر بھی لاکھ دو لاکھ یا چار لاکھ روپے موجود ہیں تمہارے لیے ہچکچاہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی توجہ دلائی ہے فرماتا ہے۔ **وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** (الذاریات: 20) یعنی مومنوں کے اموال میں ان کا بھی حق ہے جو سوال کرتے ہیں اور ان کا بھی حق ہے جو سوال نہیں کرتے۔ سوال نہ کرنا کئی طرح سے ہوتا ہے مثلاً ایک شخص گونگا ہوتا ہے اور وہ بول ہی نہیں سکتا۔ یا جانور ہیں کہ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو دوسرے سے کوئی سوال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی جانور بوڑھا ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو لوگ اسے مار کر اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں اور کوئی اس کا پُرسان حال نہیں رہتا ایسے جانوروں کو پالنا ملک کا کام ہوتا ہے یا پھر حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مالک کو مجبور کرے کہ وہ اس جانور کو اپنے گھر میں رکھے یہ کوئی انصاف نہیں کہ جب تک کسی جانور سے کمائی کی جاسکتی ہو اس وقت تک تو اسے کھلایا پلایا جائے اور جب وہ بوڑھا ہو کر کام کے قابل نہ رہے تو اسے مار کر اپنے گھر سے نکال دیا جائے۔ گائے اور بیل تو ایسے جانور ہیں جن کے بوڑھا یا ناکارہ ہونے پر لوگ ان کو ذبح کر لیتے ہیں مگر گھوڑا اور گدھا وغیرہ ایسے جانور ہیں جن کو ذبح نہیں کیا جاسکتا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** لوگوں کے اموال میں ان کا بھی حق ہے جو مانگ سکتے ہیں اور ان کا بھی حق ہے جو محروم ہیں اور بولنے کی طاقت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اس حکم کے ماتحت بے زبان جانوروں کی غذا کا خیال رکھنا ان کی طاقت کے مطابق ان سے کام لینا اور جن جانوروں سے کوئی کام نہ لیا جائے ان کو بھی کھانا دینا پرندوں وغیرہ کو دانہ ڈالنا بے زبان جانوروں کی سردی گرمی اور ان کے شہوانی جذبات اور ان کے بچوں کا خیال رکھنا بھی مومن کے فرائض میں شامل ہے۔

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنا

پانچویں ہدایت جو اسلام نے اس سلسلہ میں دی ہے اور تمام لوگوں سے تعلق رکھتی ہے اُن لوگوں سے بھی جو تجارت اور صنعت و حرفت کرنے والے ہیں اور ان سے بھی جن کے پاس کسی اور ذریعہ سے

مال آتا ہے وہ یہ ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ:3) یعنی جو شخص بھی کوئی کام کرتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرے پس وہی تجارت اور وہی صنعت اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح ہو سکتی ہے جو بر اور تقویٰ پر دوسروں سے تعاون کرتی ہو تاجر اور صناع یہ دو گروہ ایسے ہیں کہ اُن کا تعاون بہت وسیع ہو سکتا ہے مثلاً صناع اگر ایسی صورت میں اپنی صنعت و حرفت کو فروغ دیں کہ ان کی صنعت سے مذہب کو شوکت حاصل ہونے لگ جائے دین کی شہرت پھیلنے لگ جائے اور سلسلہ کی مضبوطی پہلے سے بڑھ جائے تو یقیناً ان کی صنعت دین کا ایک حصہ سمجھی جائے گی۔ یا اگر کوئی شخص دو کام کر سکتا ہو اور ان دونوں میں سے ایک کام ایسا ہو جس سے دین کی مدد ہوتی ہو اور دوسرا کام ایسا ہو جس سے دین کی مدد نہ ہوتی ہو تو اسے بہر حال وہ کام کرنا چاہیے جس سے دین کی مدد ہوتی ہو خواہ اس میں تھوڑے بہت نفع کا فرق ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا شخص وہ کام اختیار کرتا ہے جس سے دین کی مدد ہوتی ہو تو وہ یقیناً ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کا دنیا کمانا محض دنیا نہیں بلکہ دین کا ایک حصہ ہوگا۔ اسی طرح تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ:3) میں جہاں یہ بات داخل ہے کہ ایسی تجارتیں اور ایسی صنعتیں اختیار کی جائیں جو دین کی تقویت کا موجب ہوں وہاں آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا بھی اس آیت میں حکم پایا جاتا ہے۔ آخر ایک شخص کی تجارت کیوں چل نکلتی ہے اور دوسرے شخص کی تجارت کیوں رہ جاتی ہے۔ اسی لیے کہ ایک شخص کو تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کے گُر معلوم ہوتے ہیں اور دوسرا شخص تجارت کے اصول سے ناواقف ہوتا ہے ایک شخص جانتا ہے کہ سودا کہاں سے سستا ملتا ہے سودا کس طرح فروخت کرنا چاہیے کس منڈی میں بیچنے سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور کس منڈی میں بیچنے سے کم نفع حاصل ہوتا ہے مگر دوسرا شخص ان باتوں کو نہیں جانتا پس اگر تاجر اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ کسی اور آدمی کو بھی تجارت کا کام سکھا دیں اور اُسے بھی تجارت کے رازوں سے واقف کر دیں تو یہ بھی ایک قومی تعاون ہوگا اور اس کے نتیجہ میں بھی وہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کوئی پیشہ یا ہنر آتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس پیشہ یا ہنر کو اپنے پاس ہی نہ رکھے بلکہ کسی دوسرے کو بھی سکھا دے۔ پرانے زمانہ میں لوگوں کو یہ عادت تھی کہ وہ بعض ہنر مخفی رکھتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہنر ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے کہ ایک نائی تھا جسے زخموں کو اچھا کرنے کا ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا نسخہ معلوم تھا دور دور

سے لوگ اس کے پاس علاج کے لیے آتے اور فائدہ اٹھاتے۔ مگر وہ اتنا بخیل تھا کہ اپنے بیٹے کو بھی مرہم کا نسخہ نہ بتاتا اور کہتا کہ یہ اتنا بڑا ہنر ہے کہ اس کے جاننے والے دو آدمی ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ بیٹے نے بہتیری منتیں کیں اور کہا کہ مجھے یہ نسخہ آپ بتا دیں مگر وہ یہی جواب دیتا کہ مرتے وقت تمہیں بتاؤں گا اس سے پہلے نہیں بتا سکتا بیٹا کہتا کہ موت کا کوئی پتہ نہیں وہ کس وقت آجائے آپ مجھے ابھی یہ نسخہ بتا دیں مگر باپ آمادہ نہ ہوا آخر ایک دفعہ وہ بیمار ہوا اور سخت نازک حالت ہوگئی بیٹا کہنے لگا باپ مجھے اب تو نسخہ بتا دیں مگر وہ جواب دیتا میں مرتا نہیں اچھا ہو جاؤں گا پھر اور حالت خراب ہوئی تو بیٹے نے پھر منتیں کیں مگر اس نے پھر یہی جواب دیا کہ کیا تو سمجھتا ہے میں مرنے لگا ہوں میں تو ابھی نہیں مرتا۔ غرض اسی طرح وہ جواب دیتا رہا یہاں تک کہ مر گیا اور اس کا بیٹا جاہل کا جاہل ہی رہا یہ چیز ایسی ہے جسے اسلام جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ تم علم کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھو بلکہ اسے وسیع کرو اور دوسرے لوگوں میں پھیلاؤ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض علم اور بعض پیشے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک حد تک اور ایک وقت تک اخفاء جائز ہوتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے اخفاء جائز نہیں ہوتا۔ یورپ میں ادویہ کو پیٹنٹ کرانے کا ایک نہایت ہی مفید طریق جاری ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایجاد کرے تو چالیس سال تک وہ اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے اس دوران میں ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اس کی نقل کرے لیکن چالیس سال کے بعد اجازت ہونی چاہیے کہ سب لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ ایک بہت ہی اچھا طریق ہے جو یورپ والوں نے ایجاد کیا ہے کہ کچھ وقت موجد کو دے دیتے ہیں کہ وہ اس میں اپنی ایجاد سے فائدہ اٹھائے اور پھر ساری دنیا میں اس کو پھیلا دیتے ہیں تا کہ اور لوگ بھی اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا لیں اسی طرح صناع اور تاجر اگر اپنی صنعت اور تجارت کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی یہ پیشے سکھا دیں یا ان پیشوں کے سیکھنے میں ان کی مدد کریں تا کہ دوسرے شہروں یا دوسرے ملکوں میں بھی صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل ہو تو یہ بھی ایک رنگ کی زکوٰۃ ہوگی جو ان کی تجارت اور صنعت کو پاک کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ غرض تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی میں تجارتی کمیٹیاں اور صناعوں کی کمیٹیاں بھی شامل ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مال فروخت کرنے میں مدد دیں اور ایک دوسرے کی تجارتوں کے فروغ میں مدد دیں مسلمان عموماً تجارت میں اس لیے نقصان اٹھاتے ہیں کہ اُن کی تجارتوں کو نہ دوسرے تجار سے

مدد ملتی ہے اور نہ گاہکوں سے۔ اس کے بالمقابل ہندو تاجروں کو دونوں طرف سے مدد ملتی ہے اور وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اصل مقصد دین کے غلبہ کے لیے کوشش کرنا ہے

چھٹا اصل جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اور جس کو مدنظر رکھنا ہر وقت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ (البقرۃ:145) یعنی جس کام میں بھی تم لگے ہوئے ہو تمہارے سامنے صرف ایک ہی مقصد رہنا چاہیے اور وہ یہ کہ دین کے غلبہ اور ترقی کے لیے تم نے کوشش کرنی ہے۔ پس اگر کوئی شخص تجارت کرتا ہے یا صنعت وحرفت اختیار کرتا ہے تو اسے ہر وقت یہ اصول اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اس اصول کے ماتحت اگر کوئی شخص اپنی تجارت یا اپنی صنعت کو اسلام کی شوکت اور اس کے غلبہ کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ دنیا نہیں کماتا بلکہ دین کماتا ہے خواہ وہ اپنی تجارت اور صنعت کے ذریعہ لاکھوں روپے ہی کیوں نہ کما رہا ہو۔

ماپ تول اور وزن درست ہونا چاہیے

ساتواں حکم قرآن کریم یہ دیتا ہے کہ ماپ تول اور وزن درست ہونا چاہیے۔ تاجروں میں بالعموم یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ جائز طور پر مال کمانے کے علاوہ وہ ماپ اور تول میں ضرور کچھ نہ کچھ کمی کر دیتے ہیں۔ پہلے تو وہ صرف ڈنڈی مارا کرتے تھے مگر اب کئی قسم کے بٹے بنائے گئے ہیں۔ پہلے بھی جب اسلام میں تجارت کا زور تھا لوگوں میں یہ نقص پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ پرانی کُتب میں بھی ذکر آتا ہے کہ اس زمانہ میں تین قسم کے بٹے ہوا کرتے تھے۔ ایک لینے کے لیے، ایک دینے کے لیے اور ایک افسروں کو دکھانے کے لیے، پس پہلے بھی یہ نقص تھا مگر اس زمانہ میں اس نقص نے بہت بڑی وسعت اختیار کر لی ہے۔ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ تول اور ماپ میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ جب کوئی چیز لے تو تول کر لے اور جب کوئی چیز دے تو تول کر دے کسی قسم کی دھوکہ بازی اور فریب اسلام میں جائز نہیں اور اگر کوئی تاجر یا صناع ایسا کام کرتا ہے تو اس کا کام محض دنیا داری ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب نہیں بلکہ اس کی ناراضگی کو بھڑکانے کا موجب ہے۔ جب وہ اس قسم کے دھوکہ کے

بعد کوئی مال کما کر اپنے گھر میں لاتا ہے تو وہ حرام مال ہوتا ہے اور وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے چوری اور ڈاکہ سے حاصل کیا ہوا مال، چاہے اس نے اپنی دکان پر بیٹھ کر ہی وہ کیوں نہ کمایا ہو۔

دھوکہ اور فریب اور ملاوٹ جائز نہیں

آٹھواں حکم اسلام نے یہ دیا ہے کہ دھوکہ اور فریب اور ملاوٹ جائز نہیں۔ بے شک تم تجارت کرو مگر تجارت میں یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نقص بھی ایسا ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں تو یہ مرض اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ کوئی چیز دھوکہ اور ملاوٹ سے نہیں بچی۔ گھی فروخت کریں گے تو اس میں چربی یا تیل وغیرہ ملا کر، تیل بیچیں گے تو وہ خالص نہیں ہوگا بلکہ اس میں بعض اور تیلوں کی ملاوٹ ہوگی۔ یہی باقی چیزوں کا حال ہے۔ سب میں دھوکہ اور فریب سے کام لیا جاتا ہے اور خالص چیز خریداروں کو مہیا نہیں کی جاتی۔ یہ نقائص بھی صرف اسی زمانہ میں نہیں بلکہ گزشتہ زمانہ میں بھی یہ نقص پائے جاتے تھے اور انہی کو دور کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف سے محتسب مقرر ہوتے تھے۔ پس یہ بھی ایک بہت بڑا نقص ہے جس کو دور کرنا چاہیے۔

مال کو روک کر نہ رکھو

نواں حکم اسلام نے یہ دیا ہے کہ تم جو مال بناؤ یا دوسروں سے خریدو اُسے روک کر نہ رکھ لیا کرو کہ جب مال مہنگا ہوگا اس وقت ہم فروخت کریں گے۔ اگر کوئی تاجر مال کو اس لیے روک کر رکھ لیتا ہے کہ جب مال مہنگا ہوگا اس وقت وہ اسے فروخت کر کے زیادہ نفع کمائے گا تو اسلام کی رو سے وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ حدیثوں میں صاف طور پر ذکر آتا ہے کہ اگر کوئی شخص غلہ خرید کر اس لیے روک لیتا ہے کہ جب غلہ مہنگا ہوگا تو اس وقت میں اسے فروخت کروں گا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے مگر بعض لوگوں نے غلطی سے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم صرف غلہ کے متعلق ہے اور چیزوں کے متعلق نہیں، حالانکہ تَـفَـقُّـہ کے معانی ہی یہی ہوتے ہیں کہ جو حکم کسی خاص موقع پر دیا جائے اس کے متعلق دیکھا جائے کہ اس حکم کی غرض کیا تھی، اور پھر جہاں جہاں وہ غرض پائی جائے اس حکم کو چسپاں کر دیا جائے۔ پس گو احتکار کا حکم غلہ کے متعلق ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف غلہ کے

تاجروں کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ غلہ کو اس ارادہ اور نیت سے روک لیتے ہیں کہ جب غلہ مہنگا ہوگا تب فروخت کریں گے تو وہ ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن اس سے عام استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس حکم کی اصل غرض یہ ہے کہ لوگ کسی چیز کو روک کر نہ رکھیں تا کہ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ پس جس طرح غلہ روک کر ایک شخص احتکار کرتا اور شریعت کے نزدیک مجرم قرار پاتا ہے اسی طرح اگر کوئی کپڑے کا تاجر کپڑے کو روک لے اور لوگوں میں فروخت نہ کرے تو وہ بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا۔ یا اگر کوئی لکڑی کو روک لیتا ہے یا لوہے کو روک لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جب یہ چیزیں مہنگی ہوں گی تب میں ان کو فروخت کروں گا تو وہ یقیناً اسلام کے خلاف چلتا ہے۔ پس شریعت اسلامی کی رو سے کوئی ایسی تجارت اور صنعت جائز نہیں جس میں احتکار سے کام لیا گیا ہو یعنی یہ مدنظر رکھا گیا ہو کہ جب چیزیں مہنگی ہوں گی تب ان چیزوں کو ہم فروخت کریں گے۔ اس سے پہلے ہم فروخت نہیں کریں گے۔ آج کل تاجروں میں خصوصیت سے احتکار پایا جاتا ہے اُن کے پاس کپڑا موجود ہوتا ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کپڑا نہیں جس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب کپڑا اور زیادہ مہنگا ہوا تب ہم فروخت کریں گے۔ اسی طرح لکڑی موجود ہوتی ہے مگر جب کوئی لکڑی کا خریدار آتا ہے تو اس کے سامنے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی لکڑی نہیں۔ کوئلہ موجود ہوتا ہے مگر جب کوئی کوئلہ مانگنے کے لیے آتا ہے تو انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی کوئلہ نہیں۔ شریعت کی رو سے یہ بالکل ناجائز ہے اور ہر شخص جو احتکار کے نتیجہ میں روپیہ کماتا ہے اُسے اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حرام خوری کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکاتا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے کے جو جائز ذرائع رکھے ہوئے ہیں صرف ان ذرائع سے کام لینا چاہیے ناجائز اور گندے اور ناپاک ذرائع جن کا اسلام دشمن ہے جن سے اس نے بڑی شدت کے ساتھ منع کیا ہے ان کو اختیار کرنا دین کی ہتک کرنا اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں موردِ غضب بننا ہے۔

مزدور کو اس کا حق پورا دو اور وقت پر ادا کرو

دسواں حکم اسلام نے یہ دیا ہے کہ تم مزدور کو اس کا پورا حق دو اور پھر وہ حق اپنے وقت پر ادا کرو۔ گویا مزدور کے متعلق اسلام دو حکم دیتا ہے اول یہ کہ اس کی تنخواہ کام کے مطابق مقرر کرو دوسرے

یہ نہ کرو کہ وقت پر اس کی مزدوری ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام لینے لگ جاؤ۔ میں نے دیکھا ہے بالعموم لوگ اس حکم کی پرواہ نہیں کرتے وہ مزدور سے پورا کام لیتے ہیں لیکن جب ان کی تنخواہ یا اجرت کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس میں تساہل سے کام لینے لگ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے دروازہ پر بار بار آتا اور اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے اس پر بھی وہ اسے اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں آج نہیں کل آنا۔ کل آتا ہے تو کہتے ہیں پرسوں آنا۔ اس طرح بار بار اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی کسی دن اسے ایک روپیہ دے دیتے ہیں کسی دن دو روپے دے دیتے ہیں اور کسی دن چار روپے دے دیتے ہیں گویا اسے خراب کر کر کے اس کی مزدوری دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مزدوری سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اسے اکٹھی اجرت مل جاتی تو وہ اپنی ضروریات اکٹھی خرید لیتا اور اس طرح اسے فائدہ رہتا۔ لیکن چونکہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اجرت دی جاتی ہے اس لیے اسے تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور پھر اکٹھی اجرت ملنے سے جو فائدہ اسے پہنچ سکتا تھا وہ بھی نہیں پہنچتا۔

پس اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ مزدور کے ساتھ اس قسم کا سلوک نہ کیا جائے اُسے اس کا حق پورا ادا کرو اور پھر عین وقت پر ادا کرو۔ یہ نہ ہو کہ وہ اپنے حق کے لیے تمہارے دروازے کھٹکھٹاتا رہے اور تم اسے بار بار ٹالتے رہو۔

تمہاری دولت سے تمہارے اندر کبر پیدا نہ ہو

گیارھواں حکم اسلام یہ دیتا ہے کہ بیشک تم مال کماؤ لیکن دیکھو اس کے نتیجہ میں تمہارے اندر کبر پیدا نہ ہو۔ تمہاری دولت امیر اور غریب میں فرق پیدا کرنے کا موجب نہ بن جائے اگر کوئی دولت امیر اور غریب میں اتنا بعد پیدا کر دیتی ہے کہ امیر اپنے غریب بھائی کے ساتھ مل کر بیٹھ نہیں سکتا۔ ایک دستر خوان پر اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا۔ اگر وہ ملنے کے لیے آتا ہے تو امیر آدمی تکبر سے پیٹھ موڑ لیتا ہے۔ یا غصہ اور جوش کی حالت میں اس سے کہتا ہے تم جانتے نہیں میں کون ہوں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص دولت کمانے کے بعد انسان نہیں رہا بلکہ حیوان بن گیا ہے اور دولت صرف انسان کے لیے جائز ہے حیوان کے لیے نہیں۔

لیکن اگر کسی شخص کے پاس دولت تو آجاتی ہے مگر اس کے باوجود اس میں اور دوسرے غریب بھائیوں میں مغائرت کی کوئی دیوار حائل نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو کوئی علیحدہ جنس سمجھنے نہیں لگتا وہ دوسروں کو تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے نہیں دیکھتا وہ ان کے ساتھ محبت سے بات چیت کرتا ہے ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اپنے آپ کو کوئی الگ قسم کا آدمی اور غریبوں کو کوئی الگ قسم کے آدمی نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کے لیے دولت کمانا بالکل جائز ہے۔

مالدار شخص اپنے مال میں سے غریبوں کے لیے وصیت کرے

بارھواں حکم اسلام یہ دیتا ہے کہ مالدار شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی موت کے وقت رشتہ داروں کو یہ وصیت کر جائے کہ وہ اس کے مال کا کچھ حصہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کے غریب بندوں کے فائدہ اور ترقی کے لیے خرچ کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ**(البقرۃ: 181) یعنی اگر کوئی شخص مرنے لگے اور مال و دولت اس کے پاس ہو تو وہ کچھ روپیہ غرباء کی بہبودی اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دے اور اس کی اپنے رشتہ داروں کو تاکید کر جائے اور گو اس آیت کے ایک دوسرے معنے بھی ہیں کہ رشتہ داروں کو وصیت کر جائے کہ شریعت کے مطابق اس کی جائیداد تقسیم ہو لیکن اس آیت کے ایک یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہو تو وہ موت کے وقت ایک حصہ غرباء کے لیے وصیت کر جائے اور جہاں کسی آیت کے دو معنے ہو سکتے ہیں وہاں دونوں لیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایک معنے ترک کر دیئے جائیں اور دوسرے معنے لیے جائیں۔

یہ بارہ موٹے موٹے احکام ہیں جو قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی تاجر اور صناع ان اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے تو گو وہ بظاہر کپڑا یا لوہا یا تیل یا کوئی اور چیز فروخت کر رہا ہوتا ہے مگر وہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے وہ دین کا کام کر رہا ہے اور وہ پیسے لے کر اپنے گھر واپس نہیں لوٹتا بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کا تحفہ لے کر اپنے گھر میں آتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 336 تا 347)

تجارتی بد دیانتی اور اس کے مہلک اثرات

حضور انور رضی اللہ عنہ نے سورۃ الشعراء کی اس آیت وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (الشعراء:184) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دوسروں کو پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور لوگوں کو نقصان پہنچانے والے مت بنو اور ترازو کی ڈنڈی بھی سیدھی رکھا کرو اور انہیں جائز حق سے کم مت دیا کرو اور ملک میں فتنہ وفساد سے کلی طور پر مجتنب رہو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں شرک کے علاوہ تجارتی بد دیانتی کا بھی بڑا زور تھا چونکہ ان لوگوں کا گزارہ زیادہ تر تجارت پر تھا اس لیے وہ دھوکہ اور فریب سے کام لینے لگ گئے۔ وہ اول تو وزن میں کمی کر دیتے تھے جس کے لیے ممکن ہے انہوں نے مختلف قسم کے باٹ رکھے ہوئے ہوں۔ اشیاء لیتے وقت اور قسم کے بٹے استعمال کرتے ہوں اور چیز دیتے وقت اور قسم کے بٹے استعمال کرتے ہوں۔ پھر وہ ڈنڈی مارنے میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ماپ اور تول دونوں میں لوگوں کو لوٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تجارتی بد دیانتی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ لوگ جنہیں حرام مال کھانے کی چاٹ لگ گئی تھی اس سے کب باز آنے والے تھے۔ انہوں نے اور بھی اپنے ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے اور آخر وہ وقت آیا جب ان کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور آسمان سے عذاب کے فرشتے ان کی تباہی کے لیے نازل ہو گئے۔

افسوس ہے کہ یہ مرض اس زمانہ میں بھی بڑے زوروں پر ہے اور دیانت ہمارے ملک سے اس حد تک اٹھ چکی ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو جس حد تک ممکن ہو لُوٹے اور نقصان پہنچائے۔ گاہک چاہتے ہیں کہ دکاندار کم قیمت وصول کریں اور دکاندار اس کا علاج یہ سوچتے ہیں کہ وہ ناقص اور گندی چیزیں کم قیمت پر گاہکوں کو دے دیتے ہیں۔ میں تو سودا لینے جاتا نہیں لیکن چونکہ سودے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ سودوں میں بالعموم دیانت سے کام نہیں لیا جاتا۔ آٹے میں مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے اور کھانڈ میں اور شکر میں بہت کچھ میل اور گند ہوتا ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو فوراً نظر آ جاتی ہیں چنانچہ کھانڈ کے ہر چمچہ میں انسان اگر آنکھیں کھول کر دیکھے تو

اسے بہت سی مٹی ملی ہوئی دکھائی دے گی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وزن زیادہ کرنے کے لیے مٹی ملائی جاتی ہے۔اسی طرح آٹے میں ریت اور مٹی ہوتی ہے۔دانت کے نیچے آٹے کو زرا چبا کر دیکھو تو فوراً اس سے کرکر کی آواز آنے لگے گی۔عام طور پر ہمارے ملک میں لوگ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ اگر وہ لقمہ چبا چبا کر کھانے کی عادت رکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ آٹا نہیں کھا رہے بلکہ گند کھا رہے ہیں۔نوّے فیصدی آٹا ایسا ہوتا ہے جس میں کرک ہوتی ہے ذرا اسے دانتوں کے نیچے دباؤ تو کرکر کی آواز آنے لگ جائے گی اور یہ صحت کے لیے سخت مضر ہوتا ہے۔پھر یہ دھوکہ بازی بھی ہے کہ دکاندار قیمت خالص آٹے کی وصول کرتے ہیں اور آٹا وہ دیتے ہیں جس میں ریت اور مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے۔بددیانتی صرف اس چیز کا نام نہیں کہ تم کسی کا ناحق روپیہ لے لیتے ہو بلکہ بددیانتی اس بات کا بھی نام ہے کہ تم کسی کی کوڑی اٹھا لیتے ہو۔

اسی طرح بددیانتی صرف اس کا نام نہیں کہ تم 95 فیصدی آٹا اور 5 فیصدی مٹی ملا کر دو بلکہ اگر تم 98 فیصدی آٹا اور 2 فیصدی مٹی ملاتے ہو یا 99 فیصدی آٹا اور ایک فیصدی مٹی ملاتے ہو یا ساڑھے ننانوے فیصدی آٹا اور نصف فیصدی مٹی ملاتے ہو بلکہ اگر تم 999 حصہ آٹا اور 1/1000 حصہ مٹی ملاتے ہو تو وہ بھی ویسی ہی بددیانتی اور گندی عادت ہے جیسے 5 فیصدی مٹی ملانا۔نیکی اور بدی دل سے تعلق رکھتی ہے۔جس طرح اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں اخلاص سے ایک پیسہ دیتا ہے اور وہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا ایک پیسہ امیر آدمی کے ایک لاکھ روپیہ سے کم نہ سمجھا جائے اور وہ اخلاص سے ایک پیسہ دے کر سمجھتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ دینے والے جیسی قربانی کی ہے تو اسی طرح اگر کوئی شخص پانچ فیصدی ٹھگی کرتا ہے تو وہ بھی ٹھگ ہے اور جو 1/1000 حصہ کی ٹھگی کرتا ہے وہ بھی ویسا ہی ٹھگ ہے۔جس طرح نیکی کی جزا نیت پر ہے اسی طرح بدی کی سزا بھی نیت پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی راہ میں ایک غریب نے اخلاص سے ایک پیسہ دیا اور دوسرے امیر نے ایک لاکھ روپیہ دیا۔بلکہ وہ اخلاص دیکھتا ہے اور اس کے مطابق جزا دیتا ہے۔اسی طرح خدا تعالیٰ یہ نہیں دیکھے گا کہ ایک نے پانچ فیصدی ٹھگی کی ہے اور دوسرے نے آدھ فیصدی بلکہ وہ کہے گا کہ دونوں نے ٹھگی کی ہے پانچ فیصدی ٹھگی کرنیوالے نے بھی ٹھگی کی ہے اور 1/1000 حصہ ٹھگی کرنے والے نے بھی ٹھگی کی ہے۔تقدس اور نجاست کا دل سے تعلق ہوتا ہے اور جس طرح زیادہ نیکی بھی نیکی اور تھوڑی نیکی بھی نیکی

سمجھی جاتی ہے۔اسی طرح زیادہ بدی بھی بدی اور تھوڑی بدی بھی بدی سمجھی جاتی ہے۔

ممکن ہے کسی جگہ دکاندار خود اس قسم کی حرکات نہ کرتے ہوں اور باہر سے بے احتیاطی سے اس قسم کا ناقص مال لے آتے ہوں لیکن اس صورت میں بھی وہ بَری نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر کوئی شخص جاتا ہے اور خراس والے سے گندا آٹا لے آتا ہے تو یہ اسی کا قصور ہے۔اگر گندا آٹا تھا تو وہ کیوں لایا؟ اسے چاہیے تھا کہ وہ نہ لاتا اور اگر وہ ناقص مال سمجھ کر سستا لے آیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بلاواسطہ فائدہ اٹھاتا ہے مثلاً دوسری جگہ سے اچھا آٹا خریدتا تو اسکے 101 روپے خرچ ہوتے لیکن جس خراس والے سے اس نے خریدا اسے 100 روپے دینے پڑے تو اس صورت میں بھی یہ ٹھگ ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ٹھگی میں شریک ہوتا ہے۔

پس اگر اس قسم کی ٹھگی یہ خود نہیں کرتا بلکہ باہر سے ناقص سودا لاتا اور بیچتا ہے تب بھی وہ ویسا ہی ٹھگ ہے جیسے اپنے ہاتھ سے آٹے میں مٹی ملانے والا۔ولایت میں کئی چور ایسے ہیں جو یتیم بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور پھر ان کے ذریعہ چوریاں کرواتے ہیں۔اب کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ یتیم بچوں کے ذریعہ چوریاں کروانے کی وجہ سے کم چور ہیں۔اگر خود چوری کرتے تو زیادہ چور ثابت ہوتے۔وہ ویسے ہی چور ہیں جیسے اپنے ہاتھ سے چوریاں کرنے والے۔اسی طرح جب تم خراس سے ناقص آٹا لاتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ خراب ہے تو تم ویسے ہی مجرم ہو جیسے اپنے ہاتھ سے آٹے میں مٹی یا ریت ملانے والا۔پھر کئی لوگ بظاہر دیانتدار بھی ہوتے ہیں اور وہ مٹی نہیں ملاتے لیکن جب گیہوں کو صاف کرنے کے لیے زمین پر پھیلاتے ہیں تو اسے سمیٹتے وقت جب جھاڑو دیں گے تو پاؤ یا سیر کے قریب اس میں مٹی بھی ملا دیں گے اور اپنی طرف سے یہ سمجھیں گے کہ ہم تو بڑے دیانتدار ہیں حالانکہ وہ دیانتدار نہیں ہوتے۔

اسی طرح بعض غلہ فروش کمپنیوں کے ایجنٹ غلہ خریدتے ہیں تو اس میں باریک غبار ملا دیتے ہیں چونکہ لاکھوں کا غلہ ہوتا ہے اس لیے ان کی یہ چالاکی چھپی رہتی ہے اور ہر ایک کو اس کا پتہ نہیں لگتا بعض لوگ غلے کو پانی کا چھینٹا دے دیتے ہیں تاکہ بوجھل ہو جائے۔اسی طرح اگر کسی کو کچھ خریدنا ہوتا ہے تو کہتا ہے میں نے اتنا مال لیا ہے مگر تم کچھ بھی رعایت نہیں کرتے اور اگر بیچنا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا تم ہمارا گھر ہی لوٹ کر لے جاؤ گے۔

بعض تجار کی چالاکی اور دھوکہ دہی

اسی طرح بمبئی کے بعض تجّار کی نسبت تو عجیب روایات سنی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض تاجروں کے تین قسم کے باٹ ہوتے ہیں (1) پورے وزن کے (2) بھاری اور (3) ہلکے اور ان کے انہوں نے عجیب عجیب نام رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کا نام سبحان اللہ رکھا ہوا ہوتا ہے کسی کا نام استغفراللہ اور کسی کا نام لاحول ولا قوۃ اور جس قسم کا کوئی آدمی دیکھتے ہیں اسی طرز کا اس سے سلوک کرتے ہیں اگر ہوشیار آدمی ہوا تو اصل بٹہ نوکر کو لانے کا حکم دیا اور وہ لفظ بول دیا جس سے اصل بٹوں کی طرف اشارہ ہوتا ہو۔ کوئی سادہ لوح آیا تو چھوٹے بٹے منگوا لیے اسی طرح دھوکا باز عطاروں کا طریق ہے کہ علاقہ میں کوئی وبا شروع ہو جائے اور حکیم لکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ مریض کو عرق مکو، عرق گاؤزبان پلاؤ تو ایک دیانتدار عطار تو بعض دفعہ کہہ دے گا کہ میرے پاس عرق مکو اور عرق گاؤزبان تیار نہیں لیکن بددیانت عطار کہے گا میرے پاس دونوں چیزیں موجود ہیں وہ پانی لے گا اور بوتل میں بھرے گا اور کہے گا کہ یہ عرق مکو ہے یہ عرق کاسنی ہے یہ عرق گلاب ہے۔ تم جو عرق بھی مانگو گے وہ اس کے پاس موجود ہوگا۔

ہماری تاریخ طب کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک عباسی بادشاہ نے کہا کہ اب طب بڑی ترقی کر رہی ہے اس پر کسی نے کہا طب ترقی کیسے کر سکتی ہے جب تک دوائیں بیچنے والوں میں دیانت پیدا نہ ہو طبیب چاہے کوئی نسخہ لکھے اس سے کیا فائدہ ہوگا بادشاہ نے کہا بغداد میں پانچ چھ سو دکانیں ہیں تم تجربہ کر لو اس پر انہوں نے کسی دوائی کا مصنوعی نام رکھ لیا اور کہا یہ دوا منگوا دو وہ دوا آنی شروع ہوئی کسی دوا فروش نے ملٹھی بھیج دی اور کہہ دیا یہی وہ دوا ہے کسی نے عناب بھیج دیئے اور کہہ دیا یہی وہ دوا ہے غرض سب دکانداروں نے یہی طریق اختیار کیا صرف ایک دکاندار ایسا نکلا جس نے کہا کہ میرے پاس یہ دوا نہیں میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کس دکاندار نے سچ بولا ہے تو طبیبوں نے کہا سب جھوٹ بولتے ہیں سچا وہی ہے جو کہتا ہے کہ میں نے یہ نام نہیں سنا کیوں کہ ہم نے مصنوعی نام رکھ کر یہ تجربہ کیا تھا۔ اس تجربہ کی وجہ سے مسلمان بادشاہوں نے دوا سازی کا بھی امتحان رکھا تھا اور دواؤں کی پہچان کے لیے سکول بنائے گئے تھے اور جو شخص وہ مخصوص امتحان پاس کر لیتا تھا صرف اس کو دوائی بیچنے کی اجازت دی جاتی تھی عام لوگوں کو دوا فروشی

کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

کشمیر میں میں نے دیکھا ہے کہ وہاں لوگ مشک کا نافہ لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے اندر ایک تولہ مشک ہے اوراس کی اصل قیمت بتیس روپے ہے مگر چونکہ ہمیں روپے کی ضرورت ہے اس لیے ہم آپ کو چوبیس پچیس روپے میں نافہ دیں گے پھر وہی نافہ جس کی وہ پچیس روپے قیمت بتاتے ہیں بعض دفعہ آٹھ آنہ میں بھی دے دیتے ہیں اور جب تم آٹھ آنہ میں مشک کا نافہ لے کر یہ سمجھتے ہو کہ دنیا کے سب سے بڑے ماہر تم ہو کیونکہ تم نے ایک شخص سے مشک کا نافہ آٹھ آنہ میں لے لیا تو اس وقت بھی تم دھوکہ خوردہ ہوتے ہو کیونکہ جب اسے کھول کر دیکھا جاتا ہے تو اس میں سے کبوتر کے جمے ہوئے خون کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑے ماہر تم نہیں بلکہ بڑا ٹھگ وہی تھا جو تمہیں لوٹ کر لے گیا وہ نافہ کے باہر تھوڑی سی مشک مل دیتے ہیں اور اندر کبوتر کا خون بھر دیتے ہیں کبوتر کے خون کی بعض دوائیوں کے ملانے سے بالکل مشک کی سی شکل ہو جاتی ہے اور ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ آج میں نے بڑا سستا سودا کیا ہے میں نے آٹھ آنہ میں مشک کا نافہ خرید لیا ہے حالانکہ اس میں صرف کبوتر کا خون ہوتا ہے اور کبوتر کے خون کی قیمت ایک روپیہ بھی نہیں ہوتی۔

اس طرح ایک دفعہ میں کشمیر گیا وہاں ایک قسم کی قالین بنتی ہے جو اونی کپڑے کاٹ کاٹ کر اور پھر ان کو سی کر بناتے ہیں اور اس کو وہ گابھا کہتے ہیں ہمیں وہ دیکھ کر پسند آیا چنانچہ میں نے بھی چاہا کہ یہاں سے دو چار خرید کر لے جائیں اپنے گھروں میں تحفہ دیں گے ایک شخص اسلام آباد میں اس کام کے لیے اچھا مشہور تھا میں نے اس کو جا کر کہا کہ میں یہ قالین پنجاب میں تحفتہً لے جانا چاہتا ہوں تم مجھے اچھے اچھے قالین بنا دو۔ اس نے کہا اچھا کچھ پیشگی دے دیں چنانچہ ہم نے کچھ رقم اس کو پیشگی دے دی اور ہم آگے پہاڑ پر سیر کے لیے چلے گئے۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ دیکھنا میں جو اس کی لمبائی چوڑائی بتاؤں گا وہ ٹھیک ہو کیونکہ میں کمروں کے لحاظ سے لے رہا ہوں اس نے کہا بالکل ٹھیک ہوں گے جب وہ آئے تو مجھے دیکھتے ہی پتہ لگ گیا کہ وہ ٹھیک نہیں ہیں اور پھر جو ماپ کر دیکھا تو ایک بالشت چوڑائی میں کمی تھی اور ایک بالشت لمبائی میں کمی تھی میں نے اس کو کہا کہ یہ تم نے بڑی دھوکہ بازی کی ہے کہ اس کو چھوٹا بنا دیا ہے اس پر اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں میں نے کہا کہ مسلمان تو تم ہوئے لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے ساتھ تمہارا وعدہ تھا یا نہیں

کہ اتنے لمبے چوڑے قالین بناؤں گا اور پھر دو چار آدمیوں کے سامنے یہ بات ہوئی تھی میں نے ان آدمیوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے سامنے اس نے یہ وعدہ کیا تھا یا نہیں۔ انہوں نے کہا ہمارے سامنے وعدہ کیا تھا اس پر میں نے اسے کہا کہ دیکھو تم نے وعدہ کیا تھا وہ اپنے کشمیری طریق پر کہنے لگا جی میں مسلمان ہوندی میری عمر اس وقت کوئی انیس بیس سال کی تھی مجھے اس پر غصہ چڑھے کہ یہ اپنا فعل اسلام کی طرف کیوں منسوب کرتا ہے یہ کہے میں نے ٹھگی کی ہے جانے دو یہ کیوں کہتا ہے کہ میرے مسلمان ہونے کے لحاظ سے میرا حق تھا کہ میں ٹھگی کرتا غرض میں اصرار کروں کہ اسے پورا کرو اور وہ یہی کہتا جائے کہ میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں۔ گویا اسلام اتنا گر گیا ہے کہ اب یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان اگر ٹھگی کرے تو یہ بھی اس کا ایک قسم کا جائز حق ہے۔

میں جب پہلی دفعہ کشمیر گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ کشمیر کے تاجروں کی صرف چاندی کے کام کی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت یورپ والوں سے تھی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت کے یہ معنی ہیں کہ بیس پچیس لاکھ روپیہ انہیں بطور منافع حاصل ہوتا تھا اور کام کی مزدوری الگ تھی لیکن مجھے بتایا گیا کہ اب یہ تجارت سولہ لاکھ روپیہ تک رہ گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے لوگ کہتے ہیں یہاں کے مال کا کوئی معیار نہیں کبھی کوئی چیز بھیج دیتے ہیں اور کبھی کوئی۔ کبھی تو نہایت اعلیٰ مال روانہ کر دیں گے اور کبھی اس میں کھوٹ ملا دیں گے حالانکہ اگر وہ دیانت داری سے کام کرتے تو وہ ایک کروڑ کی تجارت آج تین چار کروڑ روپیہ تک پہنچی ہوئی ہوتی۔ پہلے زمانہ میں تجارتیں بہت کم تھیں تجارت میں زیادتی اسی زمانہ میں ہوئی ہے پھر اگر اس زمانہ میں جبکہ تجارت کا رواج بہت کم تھا ان کی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت ہو سکتی تھی تو لازماً اب وہ تجارت تین چار کروڑ روپیہ کی ہو جاتی۔ مگر بجائے اس کے کہ ان کی تجارت تین چار کروڑ روپیہ تک ترقی کرتی اور کروڑ ڈیڑھ کروڑ روپیہ انہیں نفع حاصل ہوتا پہلی تجارت بھی گر گئی اور وہ ایک کروڑ سے اُتر کر سوا لاکھ روپیہ تک آ گئی۔ اگر وہ تھوڑے سے نفع کی خاطر بددیانتی کر کے اپنے کام کو نقصان نہ پہنچاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کی یہ تجارت خوب چلتی مگر چونکہ انہوں نے بددیانتی کی اس لیے تجارت میں نقصان ہو گیا انگریزوں کے کئی لوگ دشمن ہیں مگر دشمن بھی اقرار کرتے ہیں کہ تجارت کے معاملہ میں انگریزوں پر زیادہ اعتبار کیا جا سکتا ہے انگریزوں سے اُتر کر امریکہ اور جرمن کے لوگ ہیں اور ان سے اُتر کر اور ممالک کے لوگ ہیں مگر ایشیا تجارت میں اتنا خطرناک طور پر بدنام ہے کہ کوئی قوم اس پر اعتبار نہیں کرتی۔

قومی ترقی دیانتداری کی شہرت سے حاصل ہوتی ہے

حالانکہ قومی ترقی ہمیشہ امانت اور دیانت داری کی شہرت کے ساتھ ہوتی ہے اگر تمام مسلمان تاجر دیانت دار ہوں تو لوگ سود کا نوں کو چھوڑ کر بھی ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ان سے سودا اچھا ملتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان دو کاندار بھی ایک من آٹے میں سیر بھر مٹی ملا دیتا ہے تو اس کے اندر وہ کون سی چیز ہوگی جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف توجہ کریں گے۔

پس ہر شخص کو اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ میں نے بد دیانتی کو مٹانا ہے اگر اس کا باپ دکاندار ہے تو وہ اپنے باپ سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کے بھائی دکاندار ہیں تو وہ اپنے بھائیوں سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کے دوست اور رشتہ دار دکاندار ہیں تو وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کی بیوی دکان کرتی ہے تو وہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میں تمہیں بد دیانتی نہیں کرنے دوں گا اور اگر تم باز نہ آئے اور اصلاح نہ کی تو میں تمہارے خلاف کھڑا ہو جاؤں گا۔

اگر ہر شخص اس بات کا تہیہ کر لے کہ میں نے بد دیانتیوں کا مقابلہ کرنا ہے تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس عیب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تمہارا بھائی تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتا ہے اگر تمہارا باپ تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتا ہے۔ اگر تمہاری ماں تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتی ہے اگر تمہاری بیوی تاجر ہے اور وہ بد دیانتی کرتی ہے تو یہ بد دیانتی اس وقت تک پنپ سکتی ہے جب تک ان کو یقین ہے کہ تم ان کی محبت کی خاطر ان کی بالا افسروں کے پاس رپورٹ نہیں کرو گے لیکن جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تم ان کی محبت کی پرواہ نہیں کرو گے اور تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر وہ بد دیانتی سے باز نہ آئے تو تم ان کی رپورٹ کرو گے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے منٹ میں بد دیانتی کریں۔ باپ کہے گا بیٹا پچھلا قصور جانے دو آئندہ میں بد دیانتی نہیں کروں گا۔ بھائی کہے گا پچھلا قصور معاف کرو آج سے میں باز آیا۔ بیوی کہے گی کہ اب یہ قصور معاف کرو، آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گی۔

پس قوم کی اصلاح تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ بیٹے کی اصلاح باپ کے ہاتھ میں ہے۔ باپ کی اصلاح بیٹے کے ہاتھ میں ہے۔ بھائی کی اصلاح بھائی کے ہاتھ میں ہے بیوی کی اصلاح خاوند

کے ہاتھ میں ہے اور ماں کی اصلاح بیٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس طریق کو استعمال کرو تو چند دن نہیں بلکہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ساری قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے لیکن اگر تمہارا دوست دیکھتا ہے کہ وہ بددیانتی کرے گا تو تم اس پر پردہ ڈالو گے اور جھوٹ بولو گے تو تم اس کو بھی تباہ کرتے ہو اور آپ بھی تباہ ہوتے ہو۔

جماعت ایمان سے زندہ رہتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت روپے سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ ایمان سے زندہ رہتی ہے اگر روپیہ ہی اصل چیز ہو تو یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کے پاس مسلمانوں سے بہت زیادہ روپیہ ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا اس لیے کہ ایمان کا روپے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی روپیہ دیتا ہے مگر وہ روپیہ یا تو انعام کے طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ غرباء کی امداد کی جائے اور یا پھر آزمائش کے طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اس روپے کا کیسے استعمال کرتے ہیں اگر تو روپے کے آنے سے انسان کا ایمان سلامت رہے تو وہ روپیہ اس کے لیے خیر اور برکت کا موجب ہوتا ہے لیکن اگر وہ روپیہ انسان کے ایمان کو باطل کر دیتا ہے اور وہ بے ایمانوں جیسی چالاکیاں کرنے لگ جاتا ہے اور چوروں اور ٹھگوں کی طرح لوگوں کو لوٹتا ہے مثلاً بلیک مارکیٹ شروع کر دیتا ہے مقررہ نرخ پر چیز فروخت نہیں کرتا بلکہ چیز کی موجودگی سے ہی انکار کر دیتا ہے لیکن اگر اسے کوئی چوری چھپے حسب منشاء دام دے دے تو وہ فوراً اسے مہیا کر دیتا ہے تو وہ روپیہ اس کے لیے عذاب کا باعث بن جاتا ہے۔

اس قسم کے ناجائز منافع خوروں کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی حریص آدمی کے پاس ایک مرغی تھی جو روزانہ سونے کا انڈا دیا کرتی تھی اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ اگر میں اسے زیادہ کھلاؤں تو شاید یہ دو انڈے دینے لگ جائے چنانچہ اس نے مرغی کو پکڑ کر اس کا منہ کھول کر روزانہ اسے زیادہ سے زیادہ دانے کھلانے شروع کر دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرغی بیمار ہو کر مر گئی اور وہ ایک انڈے سے بھی محروم ہو گیا اس قسم کے ناجائز منافع خور بھی روپیہ جمع کرتے جاتے ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب کسی نہ کسی رنگ میں انہیں اپنی اس بددیانتی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے فوری نقصان تو اس رنگ میں پہنچ

جاتا ہے کہ جب وہ کسی شخص کو ایک سیر چیز دینے کی بجائے پندرہ چھٹانک دیتے ہیں اور وہ گھر جا کر اس کا وزن کرتا ہے تو اسے پتہ لگتا ہے کہ دوکاندار نے اسے ایک چھٹانک چیز کم دی ہے تو وہ آئندہ کے لیے اُس سے سودا لینا بند کر دیتا ہے۔اس طرح بظاہر تو اسے ایک چھٹانک کا نفع ہوا تھا لیکن اسے نقصان ہزار چھٹانک کا ہو گیا کیونکہ وہ آئندہ کے لیے اس کی دکان پر نہیں آئے گا اور کسی دوسرے سے سودا خریدنا شروع کر دے گا۔

یہ خیال کہ صرف بے ایمانی سے ہی روپیہ کمایا جا سکتا ہے اول درجہ کا احمقانہ خیال ہے صحابہؓ کو دیکھ لو وہ ہر امر میں دیانت کو ملحوظ رکھتے تھے مگر اس زمانہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا بچا کھچا روپیہ دو کروڑ نکلا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دین کے لیے بہت قربانی کرنے والے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے پاس دو کروڑ روپیہ بچ گیا تھا جو آج کل کے دو ارب روپے کے برابر ہے۔

اسی طرح تاریخوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص گھوڑے کو فروخت کرنے کے لیے بازار میں لایا اور اس نے کہا کہ اس کی پانچ سو درہم قیمت ہے۔ایک صحابیؓ نے اس گھوڑے کو دیکھا اور اسے پسند کیا اور کہا کہ میں یہ گھوڑا لیتا ہوں مگر اس کی میں قیمت پانچ سو درہم نہیں بلکہ دو ہزار درہم دوں گا کیونکہ یہ گھوڑا نہایت اعلیٰ قسم کا ہے اور اس کی قیمت اتنی تھوڑی نہیں جتنی تم بتاتے ہو۔اس پر گھوڑا بیچنے والا اصرار کرنے لگا کہ میں پانچ سو درہم لوں گا اور گھوڑا خریدنے والا اصرار کرنے لگا کہ میں دو ہزار درہم میں لوں گا۔ایک کہتا کہ تجھے گھوڑے کی پہچان نہیں ہے یہ گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے اور دوسرا کہتا کہ میں صدقہ لینا نہیں چاہتا میں اپنے گھوڑے کو جانتا ہوں اس کی قیمت پانچ سو درہم ہی ہے۔

اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کے کتنا الٹ نظارہ دنیا میں نظر آتا ہے وہاں تو یہ تھا کہ چیز خریدنے والا قیمت بڑھاتا تھا اور چیز بیچنے والا قیمت گراتا تھا اور یہاں یہ حال ہے کہ دو دو آنے کی چیز بعض دفعہ دس دس روپے میں فروخت کی جاتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ خریدار بھی دکانداروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں اور دکاندار بھی گاہکوں کو فریب سے گندی چیزیں نہ دیں اور نہ ماپ اور تول میں انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 243 تا 249)

تجارت کے بعض بنیادی اصول

حضور انور رضی اللہ عنہ نے سورۃ الکوثر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''پھر تجارت ہے۔اس کے متعلق بھی اسلام نے کئی قسم کے اصول مقرر کر دیئے ہیں تا کہ کوئی تجارت ایسی نہ ہوجس میں دھوکہ ہو۔اسلام کہتا ہے کہ بغیر دیکھے مال نہیں لینا چاہیے۔مثلاً کوئی تھان ہوتو کوئی دکاندار اسے یونہی نہیں بیچ سکتا۔ بلکہ خریدار اگر اسے دیکھنا چاہے تو دکاندار کا فرض ہوگا کہ دکھائے پھر یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی دکاندار اپنے گاہک سے کہے کہ تم اگر اسے اسی طرح لے لوتو میں تمہیں کم قیمت پر دے دوں گا۔یا کوئی کنکر ماردے اور کہے کہ جس چیز پر یہ کنکر پڑے وہ میری چیز ہے یا کوئی کہے کہ میں یہ ڈھیر خریدتا ہوں اوراس کا وزن نہ کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بازار گئے وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ ڈھیر گندم کا اتنے کا ہے اور یہ ڈھیر اتنے کا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مارا تو نیچے کے دانے گیلے تھے آپؐ کو غصہ آ گیا اور فرمایا یہ دانے گیلے کیوں ہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ بارش ہوگئی تھی جس کی وجہ سے دانے گیلے ہو گئے ہیں آپؐ نے فرمایا گیلا حصہ اندر کیوں ڈال دیا گیا ہے۔پھر آپؐ نے اس قسم کے سودے کو ناجائز قرار دے دیا۔اسی طرح فرمایا کہ لین دین میں کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو۔

پھر قرآن کریم نے کہا ہے کہ جب بھی تم سودا کرو اس کی تحریر دو۔انگریزی فرمیں میمو دیتی ہیں اور سارا یورپ فخر کرتا ہے کہ ہمارے ہاں میمو لیے جاتے ہیں مگر یہ اصول سب سے پہلے قرآن کریم نے پیش کیا تھا اگر مسلمان اسے چھوڑ بیٹھے ہیں تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔

پھر سود ہے اسے بھی اسلام نے منع فرمایا ہے سود بھی حقیقی تجارت سے روکتا ہے اس میں جتھا والے لوگ آگے نکل جاتے ہیں اور دوسرے لوگ گھاٹے میں پڑ جاتے ہیں۔

پھر رہن ہے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ باقبضہ ہو اور اس کی تحریر ہو۔

پھر اسلام نے بیع سلم کا جواز رکھا۔عجیب بات ہے کہ آج کل کے مسلمان سود تو لیتے ہیں مگر بیع سلم کو ناجائز قرار دیتے ہیں حالانکہ اسلام نے سود کے مقابلہ میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔آجکل سود کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ تو بنکوں کا سود ہے اس کے لینے میں کیا حرج ہے حالانکہ یہ بالکل غلط

ہے نام خواہ کچھ رکھ لیا جائے وہ بہر حال سود ہے اور اس کا لینا ناجائز اور حرام ہے اسی طرح اسلام نے تجارت کے کئی اور اصول مقرر کیے ہیں جن کی پابندی تجارتی ترقی کے لیے نہایت ضروری چیز ہے۔ یہ مسلمانوں کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ بنک جاری ہو گئے جن کو اب ایک دم بند نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آج بنک بند ہو جائیں تو ملک کا دیوالیہ نکل جائے اگر مسلمان شروع سے ہی بیع سلم کو جاری رکھتے تو ان پر بنکوں کی حکومت نہ ہوتی۔ لیکن عقل کے ساتھ اب بھی کئی ایسے طریق معلوم کیے جا سکتے ہیں جن سے تجارت جاری رہے۔ پہلے بھی لوگ تجارت کرتے تھے اور مسلمانوں میں بڑے بڑے تاجر پائے جاتے تھے اور وہ سود کے بغیر ہی تجارت کرتے تھے بنکوں کا اس وقت رواج نہ تھا۔''

(تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 308، 309)



اپنے پیشہ میں امانت دار اور دیانت دار رہنا ضروری ہے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مؤرخہ 23/اکتوبر 1966ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر فرمایا:

''اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (القصص : 27) یہ فقرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان دولڑکیوں نے اپنے باپ کو کہا تھا۔ جن کے جانوروں کو آپ نے پانی پلایا تھا۔ یعنی اگر تم نے کسی شخص کو اجرت پر ہی رکھنا ہے تو جس شخص کو اجرت پر رکھا جائے اگر اس میں دو خوبیاں پائی جائیں تو وہ بڑا ہی اچھا کام کرنے والا ثابت ہوگا۔ ایک تو وہ مضبوط جسم کا ہو اور دوسرے وہ امین ہو۔ اور لفظ امین کے اندر ذہانت والا پہلو آجاتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ذہانت کا بڑا انحصار توجہ پر ہے اور توجہ قائم رکھنے کے لیے ایک انسان کا اپنے پیشہ میں امانت دار اور دیانت دار رہنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ مثلاً درزی کی دکان پر درزی کا کام کر رہا ہوگا اور سوچ رہا ہوگا کہ میں نے پیسے کمانے کے لیے جو مرغیاں پالی ہوئی ہیں شام کو میں انہیں کیا کھلاؤں گا اور وہ کپڑے کے اوپر ٹانکے ادھر اُدھر لگاتا چلا جائے گا۔ اس کی توجہ قائم نہیں ہوگی۔''

(مشعل راہ جلد دوم صفحہ 33، 34)

سمال انڈسٹری سے کام شروع کریں

حضور انور رحمہ اللہ نے مجلس مشاورت 1968ء میں فرمایا:

''گورنمنٹ نے جو سمال انڈسٹریز قائم کی ہیں۔ وہ دو چار لاکھ سرمایہ سے کم کی نہیں۔ تو یہ (ناظر صاحب تجارت) اس انڈسٹری کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ حالانکہ سمال انڈسٹری عقلاً اور عملاً ایسی بھی ہو سکتی ہے جس کا ایک ہزار دو ہزار تین ہزار پانچ ہزار دس ہزار سرمایہ ہو اور چونکہ حکومت کے پیچھے یہ چلے ہیں۔ اس لیے سب کمیٹی نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی (حضور نے چوہدری محمد انور حسین کو مخاطب کر کے فرمایا) آپ کی بات بڑی وزنی ہے۔ میں آپ کی تائید میں ہوں۔ یہ تجارتی سب کمیٹی کا کام تھا۔ شوریٰ کی سب کمیٹی مراد نہیں۔ یہ ان کا کام تھا۔ یہ شوریٰ کی سب کمیٹی کا کام نہیں۔ تربیلا ڈیم میں بہت

کام نکلے گا۔ناظر صاحب اس کی طرف توجہ کریں۔

قالین کی انڈسٹری ہے۔ چھاپے کی انڈسٹری بھی بڑی مفید ثابت ہوسکتی ہے۔اصل میں اس وقت صیغہ تجارت (میں جان بوجھ کر لفظ ''تجارت'' بول رہا ہوں) پر بڑی ذمہ واری ہے۔ نئے سے نئے مواقع پیدا ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ایک نظام بابرکت بخشا ہے اور خلافت عطا کی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہمارے احمدی زمیندار سب سے زیادہ غلہ پیدا کرنے والے ہوں۔نئے بیج ہیں، کھاد ہے۔زمیندار گھبراتا ہے عام طور پر نئی چیز کو شروع میں استعمال کرنے سے ڈرتا ہے۔اب بھی اس سال میں جو زمیندار مجھ سے ملتے رہے ہیں پوچھتا رہا ہوں کہ تم نے اس سال نئی گندم کا بیج کتنے ایکڑ میں بویا تو جس کی بیس گھماؤں گندم ہے یا فصل ہے،ایک گھماؤں میں دو گھماؤں میں بویا ہے۔ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلے یا مجبور تھے کہ نئے بیج کے مطابق کھاد نہیں ڈال سکتے۔

تو اگر خدا کرے جماعت اور جماعت کا نظام ایسا انتظام کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ احمدی زمیندار دوسروں کی نسبت جلد زیادہ غلہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے ساتھ بہت سی اور تجارتیں بھی وابستہ ہیں۔مثلاً کھاد کی تجارت ہے۔کھاد کی ایجنسی ہے۔تو جماعت مطالبہ کرے گی نظارت زراعت سے کہ کھاد کا انتظام کریں جماعت مطالبہ کرے گی نظارت زراعت سے کہ یہ نئے بیج زیادہ پانی مانگتے ہیں۔اس کے لیے آپ ہمیں مشورہ دیں ایسی تجاویز بتائیں کہ ہم زیادہ پانی کی بجائے کم پانی خرچ کر کے اپنی زمین کے اندر اپنی استطاعت کے اندر رہتے ہوئے مہیا کریں۔ جب زیادہ غلہ پیدا ہوگا تو غلے کی تجارت کا زیادہ موقع ہوگا۔لیکن زمیندار جو ہے وہ تجارت نہیں کرسکتا کیونکہ اسے تجربہ نہیں ہوتا۔ابھی میں نے ایک دوست کو حکماً منع کیا ہے کہ تم نے روئی کی تجارت نہیں کرنی کیونکہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے پھر اس نے کہا میں گنے وغیرہ کی تجارت کرسکتا ہوں۔مخلص آدمی ہے۔میں نے کہا ہاں ٹھیک ہے گنے کی کرو۔لیکن ان اصول پر جو میں نے بتائے ہیں۔

جب نیا ہمارا احمدی تجارت میں پڑے گا تو اسے بہت کچھ سیکھنا ہوگا۔اس کے اٹھانے کا انتظام ہونا چاہیے اس کو یہ مشورہ دینا چاہیے کہ ان رستوں پر نہ جانا یہ خطرناک صورت اختیار کرے گا۔تو سینکڑوں نہیں ہزاروں بلکہ ملک کے لحاظ سے تو لاکھوں نئے کام نکلے ہیں۔نئی سڑک کے اوپر ابھی ہمارے امیر صاحب شیخوپورہ نے توجہ دلائی ہے کہ نئی منڈیاں ہیں۔ جو نئی منڈی میں سہولت ہے وہ

سہولت پرانی منڈی میں نہیں۔تو جہاں بھی نئی منڈی بن رہی ہے وہاں کی جماعت کو چوکس رہنا چاہیے تا کہ وہاں کام کر سکیں۔نئی سڑک کے اوپر صرف نئی منڈیاں نہیں بنتیں بلکہ چھوٹے چھوٹے کھوکھے کی، پانی کی، چائے کی، لسی کی دکانیں بھی بنتی ہیں۔تو اس میں اپنا حصہ جو ہے (حصہ سے مراد تعداد کے لحاظ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو عقل اور فراست دی ہے) اس کے مطابق جو حصہ ہم لے سکتے ہیں وہ لینا چاہیے۔کئی جگہ مخالفت بھی ہوگی۔کئی جگہ دنیوی لحاظ سے ایک کھوکھا دوسرے کھوکھے کے مقابل احمدیت کا نام لے کر کسی احمدی کو تنگ بھی کرے گا۔اس کو مدد ملنی چاہیے۔اگر وہ ایسی جگہ جاتا ہی نہیں تو ثواب سے محروم رہتا ہے علاوہ دنیوی فائدہ کے اس واسطے اگر کوآپریٹو کے اصول پر ایسی جگہ جہاں احمدی زیادہ ہیں اس قسم کا انتظام کیا جائے۔تو احمدیت کو بہت فائدہ ہوسکتا ہے لیکن انتظام کیا جائے سوچنے کے بعد غور کرنے کے بعد۔نظارت زراعت اور نظارت تجارت کو مل کر بڑ الطیف انتظام کرنا چاہیے کیونکہ جتنی بھی ہمارے مال میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالے گا (ہم امید بھی رکھتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ برکت ہو لیکن) اگر اخلاص کا معیار یہی رہے اور آمد آپ کی دگنی ہو جائے۔تب بھی چندے آپ کے دگنے ہو جاتے ہیں۔اگر اخلاص کا معیار بڑھ جائے اور آمد دگنی ہو تو چندہ آپ کا تین گنا ہوسکتا ہے۔کیونکہ جو زائد آمد آپ کو ہو رہی ہے اس کے اوپر بار نہیں۔پہلے مثلاً آپ کو سو روپیہ آمد تھی۔آپ کے سارے خرچ سو میں سے نکل رہے تھے۔جب دوسو روپیہ ہوگئی تو سو روپیہ آپ کے پاس ایک قسم کا فالتو ہے اور احمدیوں کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ سو میں گزارہ کریں۔اپنی عادتوں کو اس طرح نہ بنائیں کہ دوسو کی ضرورت پڑے اگر زائد سو ہے تو سرمایہ کے طور پر اپنے پاس اسے محفوظ رکھیں اس کو ثواب کا موقع بھی تھا۔حق کیوں چھوڑیں ہم اپنا۔تو اس طرف ہمیں بہت زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔لیکن ہم اس طرف توجہ نہیں کر رہے۔

اس طرح مثلاً میکنا ئزڈ فارم ہیں۔اگر جماعت کو صحیح مشورہ دیا جائے اور ساتھ ہی کوئی آدمی بٹھایا جائے تو یہ بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔جو شخص بیس ایکڑ زمین رکھتا ہے وہ ٹریکٹر نہیں خرید سکتا۔نہ اسے خریدنا چاہیے۔اس کا نقصان ہے۔کیونکہ عام تجربہ کے بعد یہ اصول قائم کیا ہے زراعت والوں نے کہ کم از کم پچاس ایکڑ پر ایک ٹریکٹر چاہیے۔اس سے کم پر نقصان دیتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سوا یکڑ سے زیادہ ایک فصل ہو تو ایک ٹریکٹر سے گزارہ نہیں چلتا۔دو ٹریکٹر چاہئیں۔دو ٹریکٹر نہیں ہوں

گے تو کام کا نقصان ہوگا۔ لیکن ٹریکٹر جو ہیں بہت سارا وقت فارغ بھی پڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ تھوڑے وقت میں کام کی ضرورت پڑتی ہے اور کچھ خدا کی راہ میں دیں۔ زیادہ اچھا زیادہ محفوظ سرمایہ پیدا کرلیں کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جاتا ہے اس سے بہتر اور محفوظ سرمایہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

بہرحال بہت بڑا کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس معیار پر غور اور فکر نہیں کیا گیا میرا یہی احساس ہے۔ خدا کرے کہ ان کو اب توفیق مل جائے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1968ء صفحہ 100 تا 103)

اسلام کا اقتصادی نظام بخل سے پاک ہے

حضور انور رحمہ اللہ نے 11؍جولائی 1969ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''بخل کے نتیجہ میں انسانی فطرت اس طرف بھی مائل ہو جاتی ہے کہ جب انسان ماپ اور تول والی چیزوں کو لینے لگتا ہے تو زیادہ لیتا ہے یعنی دوسرے کے حق کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے اور جب اسے کوئی چیز دینے لگتا ہے تو کم تول کر یعنی کم اور چھوٹے پیمانے سے اس کو ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام: 153) کہ ماپ اور تول کو تم حق وانصاف کے ترازو پر تولا کرو اس میں صرف کیل اور میزان ہی نہیں بلکہ معنی کے لحاظ سے ہر ایک چیز کا پیمانہ مراد ہے مثلاً باہمی معاہدات ہوتے ہیں کہ اس قسم کی چیز دینی لینی ہے جیسے مثلاً روئی ہے تو اس قسم کی روئی ہو، گندم ہے تو اس قسم کی گندم ہو ویسے اب گندم کی بھی بہت سی قسمیں نکل آئی ہیں تاہم لین دین میں اس معاہدہ کی اصل روح کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قومیں جو اپنے عہد و پیمان کو انصاف سے پورا کرنے والی نہیں ہوتیں وہ اقتصادی لحاظ سے کبھی نہیں اُبھریں۔ قرآن کریم میں یہ بھی آتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ ہیں کہ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (المطففین: 4) کہ جب تول کر دیتے ہیں یا وزن کرتے ہیں یا پیمائش کرتے ہیں یا ایک معیار مقرر کرتے ہیں تو اس معیار پر پورے نہیں اترتے، مثلاً ہاکی ایک کھیلنے کی چیز ہے بچے اس مثال کو سمجھ جائیں گے۔ اگر کسی کالج نے درجنوں کے حساب سے ہاکیاں خریدنی ہیں اور دوکاندار ایک معیاری ہاکی انہیں دکھاتا ہے لیکن اگر بعد میں وہ اس معیار کی ہاکیاں نہ دے تو یہ چیز بھی اسی آیت کے نیچے آجاتی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اقتصادی نظام کو ایسا بنایا ہے کہ بخل اس میں کوئی مفسدانہ کھیل کھیل ہی نہیں سکتا۔ بلکہ بخل کے نتیجہ میں جو مختلف شکلوں کی حق تلفی ہو سکتی تھی اسلام کے اقتصادی نظام میں اس حق تلفی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔''

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 733 تا 734)

نکماپن کی عادت نہایت ہی مہلک ہے

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 18 / جولائی 1969ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ایک بہت بری عادت جسے بعض مخفی ایسوسی ایشنز (Associations) نے بعض اوقات میں بعض جگہوں پر جان بوجھ کر ان لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے جن کو وہ اپنا مخالف سمجھتی تھیں یا جن کو تباہ کرنے میں وہ اپنا فائدہ دیکھتی تھیں اس قسم کی عادت پیدا کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔ یہ نکماپن کی عادت تھی۔ میرے نزدیک نکمے پن کی تعریف یہ ہے کہ انسان کے قویٰ پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا جتنا بوجھ وہ اپنی نشو و نما کے اس مخصوص دور میں برداشت کر سکتا ہے۔ یہ بوجھ بتدریج بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ممکن ہے بعض قسم کے بوجھ آخری عمر میں گھٹتے ہی چلے جائیں۔ لیکن بہر حال جسمانی طور پر (روحانی طور پر تو وہ نہیں گھٹتے) نشو و نما کے ابتدائی دور میں یہ بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن کسی کا اپنی قوت اور قابلیت پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا جتنا وہ نشو و نما کے اس دور میں یا اس مخصوص وقت میں برداشت کر سکتا تھا، یہ نکماپن ہے۔ بوجھ کا ایک حصہ وقت سے تعلق رکھتا ہے کہ اتنا وقت کام کرو۔ اب یہ تو درست ہے کہ ہر آدمی کے کام کی نوعیت مختلف ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے اس کو ایک طاقت دی ہے۔ پس جتنا زیادہ سے زیادہ وہ بوجھ برداشت کر سکتا ہو (اپنے وہم کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کے نتیجہ میں) اتنا وقت اپنے کام میں خرچ کرنا چاہیے۔ اگر وہ اتنا وقت خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس کام میں زیادہ قوت لگا نہیں سکے گا۔ دنیا کے کاموں میں تو شاید ہم ٹھہر جائیں لیکن روحانی طور پر تو اوقات بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انسان کسی اور رنگ میں کسی اور طرف سے کچھ بچاتا ہے اور ادھر دے دیتا ہے۔

پس نکماپن ایک نہایت ہی مہلک چیز ہے۔ یہ عادت روحانی لحاظ سے بھی، اخلاقی لحاظ سے بھی اور (ہم چونکہ اس وقت اقتصادیات کی بات کر رہے ہیں اس لیے) اقتصادی لحاظ سے بھی بڑی ہی

مہلک ہے۔فرض کریں ہم نے کسی چیز کی پیداوار معلوم کرنے کے لیے سال یونٹ مقرر کیا ہے۔اس اعتبار سے کسی فرد یا خاندان یا ملک کی سال کی مجموعی پیداوار اس کی دولت متصور ہوگی۔یہ کاغذ پر پرنٹ کیے ہوئے نوٹ (روپے) اصل دولت نہیں بلکہ کسی فرد یا کسی خاندان کی یا کسی ملک کی دولت وہ پیداوار ہے جو ایک سال کے اندر ہوتی ہے۔اگر کسی ملک کے باشندے اپنے اوقات کار میں سے بیس فیصدی ضائع کر دیتے ہیں ،بیکار بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں ،سینما میں چلے جاتے ہیں اور دوسری قسم کے Shows دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اپنے اصل کام کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دیتے تو اس ملک کی پیداوار 100 کی بجائے 80 رہ جاتی ہے۔اس پر اگر وہ شور مچائیں کہ ہماری ساری ضرورتیں پوری کرو تو ظاہر ہے کہ جب انہوں نے وہ چیز پوری پیدا ہی نہیں کی تو کس طرح سب کی ضرورتیں پوری اور سب کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔

اگر ایک طالب علم روزانہ بارہ گھنٹے کی بجائے یا دس گھنٹے پڑھنے کی بجائے صرف تین گھنٹے پڑھائی کرے اور باقی وقت ضائع کر دے،اگر فرض کریں ہمارے کالجوں میں ایک لاکھ طالب علم ہوں تو اس طرح نکمے پن کی وجہ سے روزانہ تعلیم کے نو لاکھ گھنٹے ضائع ہوئے یعنی انہوں نے اپنی پڑھائی کے اوقات میں سے 75 فیصدی حصہ نکمے پن کی وجہ سے ضائع کر دیا۔پس ایک ایسی قوم جس کے طالبعلم اتنے کاہل ہوں وہ ایک ایسی قوم سے جس کے بچے اپنے اوقات میں سے بمشکل ایک فیصدی وقت ضائع کرتے ہوں (کوئی نہ کوئی استثنا تو ہر جگہ ہوتا ہے) دنیوی اعتبار سے کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔

آکسفورڈ میں جو طالب علم کلاس کی پڑھائی کے علاوہ دس بارہ گھنٹے روزانہ پڑھتا تھا وہ پڑھائی میں بڑا اچھا طالب علم سمجھا جاتا تھا اور جو طالب علم روزانہ اوسطاً سات آٹھ گھنٹے پڑھتا تھا اس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ درمیانے درجہ کا طالب علم ہے جبکہ چار پانچ گھنٹے روزانہ پڑھائی کی اوسط بتانے والے طالب علم کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑا آوارہ ہے اس کو پڑھائی کی طرف توجہ نہیں لیکن ہمارے ملک میں روزانہ چار پانچ گھنٹے کی اوسط سے پڑھنے والا ٹاپ کے سکالرز میں شمار ہوتا ہے۔

پس اگر معیار میں یہ فرق ہو تو اس محنتی قوم کے ساتھ ہمارے بچے ان تمام اچھے ذہنوں کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیے ہیں کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نکمے پن کی عادت بنیادی طور پر بڑی مہلک ہے اور اقتصادیات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔پیداوار اور پیداوار کی تیاری اس

سے شدید متاثر ہوتی ہے۔ میں نے طالب علم کی مثال دی ہے اور وہ اقتصادی مثال ہی ہے کیونکہ وہ مستقبل کی پیداوار کی تیاری ہے اگر ہم ٹیکنیشن نہیں بنائیں گے، اگر ہمارے ہاں انجینئرز طالب علم نہیں ہونگے، اگر ڈاکٹر نہیں ہونگے، اگر وکیل نہیں ہونگے، اگر پولی ٹیکنیشن میں پڑھنے والے نہیں ہونگے اور جو ہوں گے وہ وقت ضائع کرنے والے ہونگے تو ہماری پیداوار کیسے سو فیصد ہوگی۔

غرض یہ طالب علمی کا زمانہ اقتصادی پیداوار کی تیاری کا زمانہ ہے۔ یعنی اس نسل نے آگے جا کر اپنے فن، مہارت اور کوشش کے نتیجہ میں اقتصادی طور پر کچھ پیدا کرنا ہے یا اس نے مادی چیزیں پیدا کرنی ہیں، جیسے کارخانوں میں کپڑے بنتے ہیں یا اس نے سروسز پیدا کرنی ہے جیسے ڈاکٹر کی سروس ہے، وکیل کی سروس ہے۔ اقتصادی زبان میں ان سروسز کو کموڈیٹی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سروسز اقتصادیات کا ایک باقاعدہ حصہ ہیں۔ پس اقتصادی میدان میں بھی نکمے پن کا پیدا نہ ہونے دینا ایک اہم اور بنیادی چیز ہے۔

نکمے پن کا محرک بعض خفیہ تنظیمیں بھی ہیں

اس نکمے پن کی عادت کی اصل محرک اور سب سے بڑا سبب بعض تخریب پسند خفیہ انجمنیں ہیں جس طرح انسان کی پیدائش کے وقت سے شیطان اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اسی طرح یہ انجمنیں بھی ہزاروں سال سے تخریبی کام کرتی چلی آرہی ہیں، جہاں بھی ان کو موقع ملتا ہے وہ اپنا کام کرتی چلی آرہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ میں صرف ایک مثال دے دیتا ہوں۔ وہ بھی پرانی ہے تا کہ کسی کو اپنی طرف خیال نہ چلا جائے۔

یہ 1822ء کی بات ہے۔ ایک خفیہ انجمن کے ایک لیڈر نے جس کا نام Petittiger تھا اپنے ایک ماتحت افسر کو جو کسی دوسری جگہ خفیہ کام کر رہا تھا ایک ہدایت نامہ بھجوایا۔ اس ہدایت نامہ کا پہلا حصہ اس نکما پن کی مثال سے تعلق نہیں رکھتا لیکن اس حصہ کو بھی سن لیں تو اچھا ہے شاید یہ کسی وقت میرے بھی اور آپ کے بھی کام آجائے۔ وہ لکھتا ہے۔

"It is essential to isolate the man from his family and cause him to lose his morals"

کہ دنیا میں ہم جو شرارت اور تباہی مچانا چاہتے ہیں اور جو تخریبی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اس کے خاندانی بندھنوں سے آزاد کر دیا جائے اور اس کے اندر بداخلاقی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک تو یہ ہدایت تھی دوسرے جہاں سے میں نے یہ اقتباس لیا ہے وہاں اس نے پہلے کچھ الفاظ چھوڑے ہوئے ہیں یعنی ڈاٹس (Dots) ڈالے ہوئے ہیں اور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس خالی جگہ سے اس کی کیا مراد تھی، وہ لکھتا ہے:

"He loves the long talks of the cafe,the indleness of the shows.....teach him discreetly to tire of his daily work,and in this way.....after having shown him how tiresome all duties are inculcate in him the desire for another existence"

(Trail of the serpent by inquire within page91 published by britons publishing co,North Devon1936)

یعنی ایک تو اس کے اندر بداخلاقی پیدا کرو اور پھر ایسے حالات پیدا کرو کہ اس کے اندر یہ عادت پیدا ہو جائے کہ وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر یا کلب میں بیٹھ کر یا اپنے گھر کے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر (جگہ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا) چائے یا کافی (coffee) کی ایک پیالی پر لمبی لمبی گپیں مارنے کا عادی بن جائے۔ اس طرح جب وہ رات کو دیر سے سوئے گا تو صبح دیر سے اور تھکا ہوا اٹھے گا جس کے نتیجہ میں اس کے قویٰ سو فیصدی صحیح اور نتیجہ خیز کام نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح اس کو سینما، تھیٹر اور کئی قسم کے دوسرے تماشے دیکھنے کی عادت ڈالو اور بڑی ہوشیاری سے اسے یہ بات ذہن نشین کرا دو کہ یہ روز روز کی مزدوری تو بڑی مصیبت ہے۔

ایک شخص جس نے سارے خاندان کو پالنا ہے اور قوم بنانی ہے اس کو یہ سکھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ محنت اور مزدوری تو ایک مصیبت ہے ایک تباہی ہے جو اقتصادی لحاظ سے امراء نے مچا رکھی ہے اور اس طرح اس کے دماغ میں یہ ڈال دو کہ یہ جو ہم ایک سبز باغ دکھا رہے ہیں (کیمونیزم یا اشتراکیت وغیرہ) اس Existence (زندگی) سے اس کو پیار ہونے لگ جائے کیونکہ یہ نظریہ زندگی بظاہر اس

سے کہے گا کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں بس ہر چیز مل جائے گی، ہر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ امراء سے چھین چھان کر تمہاری ضرورتیں پوری کر دیں گے۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس نظریہ پر عمل کیا ہے اور نہ عقلاً کر سکتے ہیں لیکن جب کسی کو احمق بنانا ہو تو جس چیز سے کوئی دوسرا احمق بن جائے احمق بنانے والا وہ چیز اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ نکمے پن کی عادت ان بنیادی مہلک عادتوں میں سے ہے جو انسان کی زندگی کو ہر لحاظ سے تباہ کر دیتی ہیں اور اس عادت کا اقتصادیات پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر کسی فرد یا خاندان یا قوم کو نکما بیٹھنے کی عادت ہے تو اس فرد کی اس خاندان کی اس قوم کی اقتصادی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ نوجوان نسل کا نکما پن بھیانک اور بے آبرو مستقبل کا ضامن ہے۔

انگلستان میں اس وقت مصیبت پڑی ہوئی ہے کیونکہ میں نے اوپر جو حوالہ پڑھا ہے وہ 1822ء کا ہے جس سے یہ بات عیاں ہے کہ وہاں خفیہ انجمنوں کی تخریبی کارروائیاں بہت پہلے سے شروع ہیں۔ مجھے (قیام انگلستان کے دوران میں) احمدی مزدوروں نے بتایا کہ ہم سے یہ انگریز مزدور بڑے ناراض رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تم اتنا کام کیوں کرتے ہو؟ ہماری طرح نکما پن کیوں اختیار نہیں کرتے؟ وہاں کے مزدوروں میں نکمے پن کی عادت کا یہ حال ہے کہ اگر ایک مزدور اپنے نگران سے کہے کہ مجھے پیشاب آیا ہے تو اس کا نگران باوجود یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بہانا بنا رہا ہے اسے روک نہیں سکتا ورنہ انگلستان بھر میں ایک ہنگامہ بپا ہو جائے اور لوگ بھڑوں کی طرح پیچھے پڑ جائیں کہ جی اتنا ظلم! پیشاب کرنے سے روکا گیا ہے لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ ایک مزدور کہتا ہے میں نے پیشاب کرنے جانا ہے مگر وہ اخبار ہاتھ میں پکڑتا ہے سگریٹ کی ایک ڈبیا جیب میں ڈالتا ہے اور پیشاب کرنے چلا جاتا ہے اور ایک گھنٹہ تک اخبار پڑھ کر اور سگریٹ کی ڈبیا ختم کر کے آرام سے باہر نکل آتا ہے کوئی بھی اسے کچھ کہہ نہیں سکتا ورنہ لیبر یونین یا ٹریڈ یونین والے انتظامیہ کے پیچھے پڑ جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی حالت اقتصادی اور اخلاقی ہر دو لحاظ سے (یہاں دونوں کا ذکر ہو چکا ہے) اتنی گر گئی ہے کہ وہاں کے بعض عقلمند لوگ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس کی اصلاح نہ کی گئی تو ہم تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ ویسے اس لحاظ سے وہ قابل رحم بھی ہیں کہ وہ ان بیماریوں میں خود مبتلا نہیں ہوئے بلکہ خفیہ انجمنوں نے بڑی کوشش سے، بڑی ہوشیاری سے انہیں ان بیماریوں میں مبتلا کیا ہے۔

نکمے پن سے سفارش کی خرابی پیدا ہوتی ہے

نکمے پن کی عادت کی وجہ سے ایک اور بنیادی خرابی جنم لیتی ہے اور وہ سفارش ہے ۔مثلاً ایک طالب علم دوران سال محنت نہیں کرتا امتحان قریب آتا ہے تو اسے فکر ہوتی ہے میں پاس نہیں ہوسکوں گا چنانچہ جب وہ امتحان کے ہال میں جاتا ہے تو بعض دفعہ چاقو سے سفارش کرواتا ہے ایک دفعہ پنجاب یونیورسٹی کے ایک سنٹر میں جو صاحب امتحان لینے گئے انہوں نے پہلے ہی دن یہ نظارہ دیکھا کہ ہر لڑکے نے ساڑھے پانچ انچ بلیڈ کا سپرنگ والا چاقو کھول کر اپنے اپنے ڈیسک پر رکھ لیا اور آرام سے ایک دوسرے سے پوچھ کر اور کتابیں نکال کر پرچہ حل کرنا شروع کر دیا۔ بیچارے امتحان لینے والے کا برا حال ہو گیا وہ ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔اس نے یونیورسٹی کو رپورٹ کی وہ سنٹر بند ہوا پھر یونیورسٹی نے ہمارے کالج کو لکھا (جس سے ہمیں اصل واقعہ کا علم ہوا) کہ آپ اپنے کالج کے سٹاف میں سے کوئی ایسا ممبر دیں جو وہاں جا کر دلیری سے امتحان لے یہ تو چاقو کی سفارش تھی پھر پیسے کی سفارش اور اثر و رسوخ کی سفارش الگ ہے۔

آخر سفارش کی ضرورت کیوں پڑی؟ سفارش کی ضرورت اس لیے پڑی کہ سفارش کروانے والے مثلاً طالب علم نے اپنی زندگی کے ایک دور میں (جو ہماری مثال میں اس کا امتحان سے پہلے سال دو سال کا دور ہے) اپنے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی بجائے گپیں ہانکنے، یونہی بیکار ہوائی قلعے تعمیر کرنے ،سوئے رہنے اور اسی طرح کی نکما پن کی دوسری عادتوں میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔ جب امتحان قریب آیا اس کو فکر پیدا ہوئی ،فیل ہو گیا تو بدنامی ہوگی سال مارا جائے گا۔اس کو یہ بھی نظر آرہا ہوتا ہے کہ شاید سفارش پر اس کو نوکری بھی مل جائے اگر پاس نہ ہوا تو کوئی اور آدمی سفارش کروا کر وہ جگہ لے جائے گا۔ چنانچہ وہ سفارش کروا کر پاس ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

دراصل اس نکمے پن کی وجہ سے انسان کے قویٰ صحیح اور پورے طور پر نشو ونما حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے اوپر وہ زیادہ سے زیادہ بوجھ نہیں پڑا ،جس کے اٹھانے کے لیے اس نے تدریجی طور پر خود کو قابل بنا لینا تھا مزید بوجھ اٹھانے کا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جس میں تدریج کارفرما ہوتی ہے اپنے مقام اور وقت کے لحاظ سے اور تربیت کے لحاظ سے اور حاصل کردہ نشو ونما کے لحاظ سے

جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا اٹھا تا تو سفارش کی ضرورت بھی نہ پڑتی اور قوم کو ایک ذہن کے ضائع ہونے کا نقصان بھی نہ ہوتا۔

سفارشوں سے حصول مال کی کوشش بھی نکمے پن کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قوت عطا کی ہے اور ساتھ ہی ہمیں تسلی بھی دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قوت تو اتنی دی کہ وہ صرف پانچ افراد کا پیٹ بھر سکے یا کپڑے وغیرہ کا انتظام کر سکے اور ان کی دوسری اقتصادی ضروریات کا کما حقہ خیال رکھ سکے لیکن عملاً اس کا خاندان دس افراد پر مشتمل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تسلی دیتا ہے کہ میں صرف رحیم ہی نہیں بلکہ رحمان بھی ہوں۔ تم اپنی طرف سے پوری کوشش کرو اپنی طاقت اور قوت کو خرچ کرو تمہیں اس کا بدلہ مل جائے گا۔ اس طرح خدا کی صفت رحیمیت کے ماتحت پانچ افراد کا تو گزارہ ہو گیا باقی پانچ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اسے تسلی دی کہ میری صفت رحمان بھی ہے میں نے ان کا انتظام کیا ہوا ہے۔ میں نے ان کے حصہ کا مال کسی اور کو دیا ہوا ہے اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمارے باقی ماندہ افراد کے حق کو تمہارے تک پہنچائے تا کہ تمارے حقوق پورے ہوں۔ لیکن جو شخص نکما رہتا ہے اس کی قوتیں اپنے نشو ونما کے کمال تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ایک بیمار پھل کی طرح اس کی نشو ونما بھی داغدار ہو گی اس کی شخصیت کی اس کے نفس کی کما حقہ نشو ونما نہیں ہو سکے گی اور اس طرح انسان کا مقصد حیات پورا نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندے میں اپنی صفات کا ظل دیکھنا چاہتا ہے یہی اس کی پیدائش کی غرض ہے اور عبادت الٰہی کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حسن میں رنگین ہو جائے اور اس کے احسان کے جلوے اس کے نفس سے پھوٹنے شروع ہو جائیں۔ یہ عبادت کا ایک طبعی نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی غرض کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس سے نہ صرف خود انسان کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ دنیا کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن ایک شخص جسے مثلاً اللہ تعالی نے ترقی کرنے کی سوا کائیاں عطا کی ہوں مگر وہ اپنے نکمے پن کی وجہ سے ان میں سے پچاس کو ضائع کر دے تو وہ اس سیب کی طرح ہے جس کا آدھا حصہ گلا سڑا ہوتا ہے یا اس کی حالت اس آم کی سی ہے جس کی ایک طرف کیڑا لگ جاتا ہے اور دوسری طرف سے قابل استعمال بھی ہوتا ہے یا ایک ایسی سیڑھی کی طرح ہے جو درمیان میں سے ٹوٹ گئی ہو یا اس کی مثال ایسے پرندے کی ہے جس کے اڑن پروں (پرندوں کے جو پر ہوتے ہیں ان کے بعض حصے پرندے کو اڑنے میں مدد دیتے ہیں اور بعض اس کے Balance (توازن) کو قائم رکھنے میں مدد دیتے ہیں)

میں سے دو چار پر گر گئے ہوں اور وہ اتنی پرواز کے قابل نہ رہا ہو جتنی پرواز کی طاقت اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر رکھی ہے۔ہم نے بعض دفعہ شکار کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر کسی مرغابی کے پر کا اگلا حصہ معمولی سا بھی زخمی ہو جائے تو وہ اپنی ڈار کے ساتھ اڑ نہیں سکتی۔غرض جو چیز اپنی ڈار کے ساتھ اڑ نہیں سکتی اس کے متعلق آپ سمجھ سکتے ہیں کہ پھر وہ منافقوں کی ڈار کے ساتھ مل جاتی ہے۔منافق کے اندر بھی پہلے تھوڑی سی کمزوری پیدا ہوتی ہے پھر گلے شکوے پیدا ہوتے ہیں جس کی ذمہ داری دراصل خود اس پر عائد ہوتی ہے پھر وہ ایسی تکلیف محسوس کرتا ہے جو درحقیقت کسی اور کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔......

قربانیاں دینے سے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔جب اس قسم کی عادت پیدا ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے اور آگے بڑھو میرے اور قریب آ جاؤ لیکن بری عادت اس سے الٹ سمت میں چل رہی ہوتی ہے یعنی وہ انسان کو خدا تعالیٰ سے دور سے دور تر لے جا رہی ہوتی ہے آج آدھ گھنٹہ ضائع کر دیا ریسٹورنٹ میں بیٹھے گپیں لگاتے رہے پھر اور شوق پیدا ہوا پہلے ہفتہ میں ایک دن ضائع کرتے تھے پھر دو دن اور پھر تین دن حتیٰ کہ سارا ہفتہ ہی ضائع کرنا شروع کر دیا۔۔جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اس کا نتیجہ بڑا ہی خطرناک نکلتا ہے انسان کی قوتوں کی نشو ونما نہیں ہو پاتی۔انسان خدا تعالیٰ کا پیار کھو دیتا ہے دنیا کی عزت بھی چلی جاتی ہے کیونکہ دنیا کی عزت تو اس شخص کو ملتی ہے جس کو خدا تعالیٰ عزت دینا چاہے اور وہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے۔

وقت کا ضیاع ایک قومی نقصان ہے

وقت کا ضیاع ایک قومی نقصان ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر سارے پاکستانی اپنی استعداد کے مطابق اقتصادی میدان میں اپنا پورا زور لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معیار زندگی ایک سال کے اندر اندر دگنا تگنا ہو جائے۔پیداوار کے حصول میں خالی ہاتھ یا پاؤں کا کام نہیں (بعض کام پاؤں سے بھی کیے جاتے ہیں) یا ہتھوڑے کا کام نہیں ہوتا بلکہ عقل کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص اپنی پوری توجہ (concentration) سے ایک کام کر رہا ہے وہ ایک چیز کو آدھ گھنٹے میں تیار کر دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کام کرنے والا ایک دوسرا مزدور اسی چیز کو ایک گھنٹے میں بھی تیار نہیں کر سکتا۔پس توجہ بھی تو آخر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک عطا ہے، ایک قوت ہے اگر یہ اور دوسری تمام طاقتیں اور قوتیں اس رنگ میں

کام کرنے لگ جائیں جس رنگ میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کام کریں تو ہماری اقتصادی حالت دگنی تگنی اچھی ہو جائے مگر ہم دوسروں کی نقلیں اتارنے کے لیے تو تیار ہو جاتے ہیں، اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔''

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 743 تا 752)

یورپین قوم کا تجربہ

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 7 رستمبر 1969ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کراچی سے خطاب میں فرمایا:

''یورپین اقوام، اب تو وہ اخلاقی لحاظ سے بہت گر گئی ہیں۔ ایک وقت ایسا تھا کہ ان کے اندر دیانت داری بہت تھی خصوصاً معاملات کی دیانت، تجارت کی دیانت وہ جو بھی Sample (نمونہ) بھیجتے تھے مال بالکل اس کے مطابق آتا تھا اور اگر کوئی یہاں سے ان کو مال بھجواتا تھا تو اس کو پتہ ہوتا تھا کہ پیسے نہیں مارے جائیں گے۔ دیانت دار قوم ہے۔ اب یہ بات بھی حسن اخلاق کے اندر آتی ہے لیکن وہ خلق کا اظہار اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے بلکہ اس لیے ہوتا تھا کہ ان کی عقل اور تجربے نے ان کو یہ بتایا تھا کہ تم دیانت داری کی راہوں کو اختیار کرو گے تو تمہیں دنیوی لحاظ سے بڑا فائدہ ہوگا۔ تمہاری تجارت چمک جائے گی۔ تم بڑے امیر ہو جاؤ گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو اور بہت سے اچھے اخلاق ہیں وہ ان میں نہیں پائے جاتے۔ بدمعاشی اور شراب نوشی اور اس طرح کی ہزاروں بداخلاقیاں اور بے ایمانیاں ان کے اندر پائی جاتی ہیں مگر جو روحانی اخلاق ہیں وہ کامل ہوں گے۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے جلووں کے نتیجہ میں پیدا ہونگے۔ پس ہدایت یافتہ اخلاق رکھنے والا کوئی شخص اسلام سے باہر نہیں ہوسکتا۔''

(مشعل راہ جلد دوم صفحہ 170)

مجلس مشاورت کے موقع پر نمائش کی تجویز

حضور انور نے مجلس مشاورت 1971ء میں فرمایا:

''تجویز نمبر 7 نمائش سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی جو خواہش تھی وہ تو

پوری ہونی چاہیے۔لیکن حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور بعد میں آنے والے خلفاء کی یہ ساجھی خواہش بھی ہے اور رہے گی کہ جو سنجیدہ ماحول مشاورت کے موقع پر ہوتا ہے، اس پر اثر نہ پڑے اس لیے اگر یہاں نمائش لگے تو ظاہر ہے کہ شوریٰ کے اوقات میں تو نہیں لگ سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو سب کمیٹیوں کے اجلاس کا وقت ہے اس میں بھی اس کا اتنا فائدہ نہیں۔تھوڑے آدمی رہ جاتے ہیں اور پھر رات کو دیر بھی بہت ہو جاتی ہے۔پس اس کے لیے وقت شوریٰ کے دوسرے دن جب ہم کھانے پر اکٹھے ہوتے ہیں وہ بھی ایک موقع مل بیٹھنے کا ہوتا ہے اور دعا کرنے کا ہوتا ہے۔اس کے بعد کا وقت ہو سکتا ہے یا تیسرے دن دوپہر کو شوریٰ ختم ہو تو دوپہر کے بعد کا وقت اس نمائش کے لیے ہوسکتا ہے۔ان پابندیوں کے ساتھ اس کو شروع کر دینا چاہیے۔اس سے کم از کم جماعت کو یہ پتہ لگ جائے گا کہ انہوں نے صنعت کی طرف وہ توجہ نہیں دی جو دینی چاہیے تھی، ضرورت سامنے آجائے گی۔شروع میں یہ بڑی چھوٹی سی نمائش ہوگی پھر ممکن ہے دوست توجہ دیں اور پھر صنعت ترقی کرے اور آگے کسی وقت جا کر نمائش اچھی بن جائے۔اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ہم شوریٰ کے کام اور شوریٰ کے وقار اور شوریٰ کے ماحول پر اثر نہیں پڑنے دیں گے۔دونوں باتیں ایک وقت میں ہوسکتی ہیں اور ہونی چاہییں۔لیکن نمائش ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور شوریٰ کا ماحول بہر حال اولیت کا حامل ہے۔اس ماحول اور وقار اور سنجیدگی کو قائم رکھتے ہوئے جن اوقات میں مناسب طور پر نمائش کی جا سکتی ہو اس کا انتظام اس وقت تھوڑے پیمانے پر (کسی وقت بڑا بھی ہوسکتا ہے) کر دینا چاہیے۔اس میں بھی میرے خیال میں رائے لینے کی تو ضرورت نہیں ہے۔یہ معاملہ سامنے آ گیا ہے۔‘‘

(رپورٹ مجلس مشاورت 1971ء صفحہ 88)

بیروزگاری دور کرنے کے لیے ذہنی تربیت

حضور انور رحمہ اللہ نے مجلس مشاورت 1971ء میں فرمایا:

’’ایک تو مثلاً ہمارے ملک کی یہ عام رَو ہے اور اس میں ہمارا احمدی نوجوان بھی بہہ جاتا ہے کیونکہ ہم نے اس کو توجہ نہیں دلائی اور وہ رَو یہ ہے کہ ہم بے ہمتے ہیں۔ ہمارے اندر Initivative کوئی نہیں۔ ہم اپنے لیے کوئی راہ نہیں ڈھونڈ سکتے۔ ہمارے اندر Adventurous Spirit نہیں،

ہمت اور عزم نہیں ہے کہ ان جگہوں پر جا کر ہم اپنی روزی کا دروازہ کھٹکھٹائیں جہاں دقتیں ہیں اور مشکلیں ہیں اور اس واسطے ہم بے روزگار ہیں۔

پس جماعت کو اور جماعت کے نوجوانوں کو اور اگلی نسل کو تو بے ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ جو دوست بڑی عمر کے ہیں ان میں سے اکثر بے روزگار نہیں۔ کبھی حادثہ کے طور پر کوئی انسان بیروزگار ہو جاتا ہے لیکن وہ تو استثناء ہے۔

جہاں تک ہماری تعلیم کا تعلق ہے ایک آدمی مثلاً بی اے ہے۔ بی اے کے بعد ہر کوئی کہتا ہے مجھے نوکر کروا دو یہ غلط بات ہے۔ اس سے سستی اور کم ہمتی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور یہ فضا غیر ملکیوں نے پیدا کی تھی۔ انگریز نے پیدا کی تھی۔ اس کو اپنے کام کے لیے کلرک چاہیے تھا۔ چنانچہ اس نے بابو صاحب کہہ کر ہر ایک کو بابو بنا دیا۔ اس زمانے میں بابو کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ ہماری قوم بڑی خوش تھی کہ جی ہم انگریز کے بڑے ممنون ہیں اس نے ہمیں بابو بنا دیا۔ اس نے ہمیں کلرک بنا دیا۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد بھی اور اب ہم آزاد ہو کر پھر بھی اس ڈگر پر چلے جاتے ہیں۔ یہ تو ٹھیک نہیں۔ مجھے تو ایسا ہزار بی۔ اے اور ایم۔ اے چاہیے جو ہل کے پیچھے ہو۔ اپنا ٹریکٹر چلائے اور وہ ایک ایکڑ میں سے زیادہ فصل حاصل کرے۔ ایک بی اے پاس اس وقت میرا سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ یہ کالج میں میرا شاگرد تھا۔ یہ اب بڑی اچھی طرح سے اور سمجھ کے ساتھ زمینداری کر رہا ہے۔ پس ایسے بی اے اور ایم اے چاہییں کہ جن کے پاس اگر ٹریکٹر یا دوسری مشینی چیزیں ہوں تو وہ ان کو سنبھالیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

میں خود زمیندار ہوں۔ دونوں طرح یعنی خاندانی لحاظ سے بھی زمیندار ہوں۔ میں جب ولایت سے واپس آیا تو مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ گندم کس موسم میں بوئی جاتی ہے اور ایک ایکڑ میں کتنا بیج پڑتا ہے۔ ایک دن میں خود ہی سوچ کر بڑا شرمندہ ہوا۔ میں نے کہا ہم ہیں تو ابنائے حارث لیکن مجھے اتنا بھی علم نہیں ہے کہ گندم کس موسم میں بوئی جاتی ہے۔ میں بڑا نالائق ہوں۔ چنانچہ میں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ جو اس وقت قادیان کی ساری مشترکہ جائیداد کے منتظم تھے ان سے جا کر کہا کہ میں نے یہ سوچا ہے اور میں بڑا شرمندہ ہوں اس لیے النصرت (جو حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا نے پیار سے شہر سے بالکل باہر ایک کوٹھی مجھے بنا کر دے دی تھی) اس کے اردگرد بھی ہماری زمینیں تھیں

اور ٹھیکے پر دی ہوئی تھیں آپ ان میں سے ایک ٹکڑا مجھے دے دیں۔ مشترکہ کھاتہ ہے جتنا ٹھیکہ کوئی اور آدمی دے رہا ہے اتنا ٹھیکہ میں دے دوں گا مشترکہ کھاتے میں چلا جائے گا۔ کیونکہ میں سیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک ہل بنوایا اور پھر ہر قسم کا زمیندارہ کیا اور اس کے بعد بھی کرتا رہا ہوں۔ آج کل بھی اپنا زمیندارہ کرر ہا ہوں۔

ساڑھے بارہ ایکڑ جیسا کہ میں نے پہلے اسی مجلس میں کہا تھا یہ تو بیل کا غلام بنانے والی بات ہے۔ لیکن پچیس ایکڑ یعنی ایک مربع سے ایک بی اے پاس نوجوان بڑا اشریفانہ گزارہ کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ سمجھ کے ساتھ کام کرر ہا ہو۔ ایک مربعے پر وہ اپنا ٹریکٹر نہیں لے سکتا۔ یہ ٹھیک ہے لیکن وہ کرایہ پر جہاں سے بھی سہولت سے مل سکتا ہو ٹریکٹر لے سکتا ہے۔ اب بہت سی جگہوں پر یہ سہولت پیدا ہوگئی ہے۔

مجھے ایک شخص نے خط لکھا کہ میں ایم ایس سی ہوں اور اسی (80) روپے ماہوار پر فلاں جگہ نوکر ہوں آپ میری کچھ مدد کر کے میرے علم اور ڈگری کے مطابق مجھے نوکری دلوادیں وہ احمدی نہیں تھا۔ مجھے اس پر بڑا رحم آیا کہ ایم ایس سی کرنے کے بعد بھی نوکری کا کیڑا دماغ میں تھا اس واسطے 80 روپے پر جا کر نوکر ہو گیا۔ اگر وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں برکت ڈال دیتا۔

پس ایم اے، ایم ایس سی زیادہ عقل اور سمجھ کے ساتھ اپنا کام کریں۔ تجارت کریں۔ زمیندارہ کریں۔ اس طرح خود بھی کمائیں گے اور جماعت کے چندے بھی بڑھیں گے اگر اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قائم رکھے اور پھر اس میں ملک کا بھی فائدہ ہے۔ ملک کی دولت بڑھے گی۔

غرض بیروزگاری کا یہ جو پہلو ہے کہ نوجوان غلط طریقے پر سوچتا ہے اس سلسلہ میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا قانون میں امور عامہ پر تو یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی۔

جماعت احمدیہ کا طرۂ امتیاز

پس اگلی نسل میں ہمت اور عزم ہونا چاہیے اور نوکریوں کی طرف جانے کی بجائے دوسرے کاموں مثلاً تجارت اور زمیندارہ کی طرف جانا چاہیے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بعض نوکریوں میں بھی جانا چاہیے کیونکہ ہر شعبۂ زندگی میں ہم نے اپنا حصہ لینا ہے اور ہمارا حصہ تعداد کے مطابق نہیں، ہمارا حصہ

ہماری عقل اور فراست اور دیانتداری کے مطابق ہے۔ کئی لوگ ہم سے بڑے ناراض ہوتے ہیں اور وہ اس واسطے ناراض ہوتے ہیں کہ یہ دیانت دار کیوں ہیں؟ جس طرح آج انگریز پاکستانیوں کے خلاف بڑی نفرت اور غصے کے جذبات رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زیادہ پیسے کمانے کی خاطر اوورٹائم (Over Time) بڑی خوشی سے لگا دیتے ہیں اور زیادہ ہمت سے کام کرتے ہیں اور زیادہ پیسے کما لیتے ہیں اور ہم ہفتہ کی شام کو چھٹی کرتے ہیں اور شراب خانے آباد کرتے ہیں اور یہ نالائق کارخانوں میں آجاتے ہیں اور کام کرتے ہیں اور پیسے لے جاتے ہیں اس لیے انہیں اس کا بڑا غصہ ہے۔ اسی طرح بعض لوگ ہم سے بھی سخت ناراض رہتے ہیں کہ جی یہ دیانت دار کیوں ہیں؟ زیادہ Efficient کیوں ہیں؟ زیادہ توجہ سے کیوں کام کرتے ہیں؟ زیادہ پرامن فضا کیوں پیدا کرتے ہیں؟ زیادہ خدمت کیوں کرتے ہیں؟ اپنے ہمسایوں سے زیادہ پیار کیوں کرتے ہیں؟ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجموعی طور پر (بعض استثناء بھی ہیں ہم میں سے بعض گندے بھی ہیں ہم اس سے انکار نہیں کرتے) جماعت میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ بعض لوگوں کو غصہ بھی دلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے ہماری تو یہ دعا ہے کہ ہماری طرح وہ بھی دیانت دار بن جائیں اور وہ بھی ہماری طرح Efficient بن جائیں۔ لوگوں سے پیار کرنے والے بن جائیں۔ ہمسایوں کی خبر گیری کرنے والے بن جائیں۔ مظلوموں کے ساتھ ہونے والے ظلم کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے بن جائیں۔ ہم تو ان کے لیے دعائیں ہی کرتے ہیں اور دعائیں ہی کرنی چاہئیں۔ اسی کام کے لیے ہمیں مقرر کیا گیا ہے۔

مہم جوئی کا جذبہ پیدا کریں

غرض بیروزگاری کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ اس کا نتیجہ دوسری شکل میں پھر یہ نکلتا ہے کہ نوجوان باہر بہت کم نکلتے ہیں کیونکہ ان میں عزم اور ہمت اور ایڈونچرس سپرٹ نہیں ہوتی کہ جہاں مشکل ہے وہاں ہم نے جا کر سر دے دینا ہے۔ مشکل کام سے ڈرنا نہیں۔ کچھ تو فطرت کی بات ہوتی ہے۔ کئی بچوں کو میں نے دیکھا ہے جہاں تنگ جگہ ہو وہاں جا کر سر ڈالتے اور گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دو سال کا چھوٹا بچہ ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ اندر گھس جائے وہ دراصل اس کی فطرت کا ایک جذبہ ہے جو اس وقت ظاہر ہو رہا ہوتا ہے اور کئی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ کھلی جگہ سے بھی گزرتے ہوئے ماں کو

بلاتے ہیں کوئی کہتا ہے میری انگلی پکڑیں تب میں یہاں سے گزر سکتا ہوں۔ پس بعض آدمی تو فطرتاً ہی اس قسم کے ہوتے ہیں لیکن فطرتی طور پر یا ورثہ میں اگر کوئی کمزوری آ گئی ہے تو ہم نے اس کو بھی دور کرنا ہے اور ویسے بھی ماشاء اللہ بڑے تیز نوجوان ہیں۔ اب باہر بھی جانا شروع ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں بھی وہ ایک غلطی کر جاتے ہیں۔ عقل اور فراست کا دامن زندگی کے کسی مرحلے پر بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ عزم اور ہمت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ آدمی عقل سے ہی کام نہ لے مثلاً یورپ کے ممالک میں بہت سی قیود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے ورک پرمٹ لو پھر یہاں آؤ۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا ہمارے دس پندرہ نوجوان یونہی بغیر پرمٹ لیے یورپ میں چلے گئے۔ ان میں سے ایک کو تو شاید رستے سے ہی واپس آنا پڑا تھا۔ کچھ ایسے ہمت والے تھے یعنی انہوں نے بے وقوفی کی تھی لیکن ان کی ہمت ان کی غلطی کے اوپر غالب آ گئی اور پھر تین چار مہینے بڑی مشکل سے گزارا کر کے انہوں نے کوشش کر کے ورک پرمٹ لے لیا اور کام پر لگ گئے اور اب بڑے خوش ہیں اور کئی ایسے ہیں کہ اب ان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کریں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے جو قواعد ہیں ان کو بہر حال مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ہمت اور عزم اور ایڈونچرس سپرٹ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ قرآن کہتا ہے دنیا بڑی کھلی اور وسیع ہے۔ دنیا میں باہر نکل کر میرے فضلوں کو حاصل کرو پس غیر ملکوں میں بھی جانا چاہیے۔

جس ملک سے کمائیں وہیں پر لگائیں

افریقہ میں ایک وقت میں شام اور لبنان کے لوگ اور ہندوستان کے بہت سارے ہندو اور سکھ پہنچ گئے۔ مسلمان مغربی افریقہ میں بہت کم پہنچا ہے۔ اب ہم گئے ہیں اور وہ بھی تجارت کے لیے نہیں گئے خدمت کے لیے گئے ہیں۔ ہمارے استاد بھی جاتے ہیں۔ ہمارے مبلغ بھی جاتے ہیں اور ہمارے ڈاکٹر بھی جانے شروع ہو گئے ہیں۔ ان میں ایک چیز جو میں نے مشاہدہ کی وہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے جو وہاں پیسہ کمایا اسے انہوں نے جائز اور ناجائز طریقے سے واپس ہندوستان بھیجنے کی کوشش کی اور عملاً بہت سا پیسہ بھیجا بھی۔ سیرالیون کے ایک بڑے بازار کی بڑی دکانوں میں تو غالباً ہر دوسری دکان کے اوپر کسی ہندو کا نام لکھا ہوا ہے۔ لیکن جس وقت وہ قومیں بیدار ہوئیں تو غیر ملکیوں کی اس حرکت کی وجہ سے بڑی سخت نفرت پیدا ہوئی۔ اتنی سخت نفرت پیدا ہوئی کہ ایک دوست نے مجھے بتایا

کہ جب ہم تبلیغ کرتے ہوئے ان کو یہ کہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیان جو ہندوستان میں واقع ہے وہاں کے رہنے والے تھے تو اس کی وجہ سے ان کے دل میں سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ گھبرا جائیں آپ یہ کہا کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوستان کے رہنے والے تھے اور یہ ہندو اتنی نالائق قوم ہے کہ اس بزرگ کی جماعت کو بھی وہاں سے نکال دیا تو وہ نفرت دور ہو جائے گی اور محبت پیدا ہو جائے گی۔

لبنانی اور شامی نے یہ عقلمندی کی کہ اس نے جو کمایا وہیں لگا دیا۔ اپنی تجارت کو وہیں فروغ دیا۔ ایک لبنانی نے لیگوس (نائیجریا کے دارالخلافہ) میں ایک بہت بڑا ہوٹل بنایا۔ اس نے جتنا پیسہ کمایا ہوا تھا سارا وہیں لگا دیا۔ اب نائیجریا کی حکومت کو ضرورت پڑی تو جس طرح یہاں انٹر کانٹینینٹل ہوٹل ہیں اسی سلسلے میں حکومت نے اس سے خرید کر اسے انٹر کانٹینینٹل بنا دیا یعنی ہوٹل حکومت نے لے لیا اور رقم اس کو دے دی۔ اس نے اس کے قریب ہی ایک اور ہوٹل بنا لیا۔ غرض لبنانیوں اور شامیوں سے وہ اتنے ناراض نہیں جتنے ہندوستانیوں سے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں جو پیسہ کما رہے ہیں اسے یہیں تجارت پر لگا رہے ہیں۔ اس میں ملک کا فائدہ ہے۔ البتہ وہ اتنا ہی پیسہ نکالتے ہیں جتنے کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً بچوں کی پڑھائی وغیرہ کے لیے۔

ہمارے تاجر بھی باہر جانے چاہئیں لیکن اس نیت کے ساتھ نہیں کہ ان کو لوٹ کر اپنا گھر بھر لیں گے بلکہ اس نیت کے ساتھ کہ وہیں کمائیں گے اور جو مال و دولت بنائیں گے اس سے جائز فائدے بھی حاصل کریں گے۔ یہ بھی ان ممالک کی خدمت ہے کہ سرمایہ ہو تو وہاں اور زیادہ کام بڑھائے جائیں مثلاً انجینئر ہیں یہ کسی جماعتی سکیم کے ماتحت نہیں بلکہ خود اپنی طرف سے کوشش کریں۔ بعض حکومت کے سکولوں میں غلطی کر کے بغیر پوچھے کے چلے گئے ہیں۔ پوچھ کر چلے جاتے تو نہ ہمیں تکلیف ہوتی نہ ان کو۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی معاف کرے۔ پس بجائے اس کے کہ لوگ ایم اے یا ایم ایس سی پاس کرنے کے بعد یہاں اسی روپے پر نوکر ہونے پر مجبور ہوں وہ باہر جا سکتے ہیں وہاں اساتذہ کو کم از کم ستر پونڈ ماہوار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر 20 روپے پونڈ کی قیمت ہو تو 1400 روپے ماہوار بنتے ہیں۔ اگرچہ کوئی ٹیوشن وغیرہ کا عام رواج نہیں لیکن یہ بھی بڑی رقم ہے۔ میں نے دیکھا ہے وہاں ہمارے اساتذہ نے بھی کاریں لی ہوئی ہیں۔ وہ بڑے خوش ہیں۔ پھر ہمارے

اساتذہ تو وہیں جماعتوں کو چندہ بھی دیتے ہیں اور بھی بڑے کام کرتے ہیں۔ وہاں اس وقت اساتذہ اور ڈاکٹروں کا بڑا مخلص گروہ ہے۔ خدا کرے ایسا ہی اخلاص ان میں قائم رہے۔ ان کی کوششیں بڑھتی اور وسیع ہوتی رہیں......

خلیفۃ المسیح کو دعاؤں کی قبولیت کا اعجاز بخشا گیا ہے

ایک اور شخص ہے جسے مثلاً پانچ سو روپے ماہوار کی نوکری ملتی ہے۔ وہ کہتا ہے! نہیں میں تو ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں لوں گا۔ یہ غلط بات ہے۔ ہمارے ایک احمدی دوست کو کسی غیر ملکی فرم نے خراب کیا۔ اس کا خاندان بڑی دعا کرنے والا خاندان ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ انجینئر جب باہر غیر ملکوں سے پڑھ کر آیا تو آتے ہی ایک غیر ملکی فرم نے اس کو قریباً ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار پر نوکر رکھ لیا۔ اب ہمارے یہاں کی جو فرمیں ہیں وہ ڈیڑھ ہزار پر کسی انجینئر کو شروع میں نوکر نہیں رکھ سکتیں۔ ہماری حکومت بھی غالباً چار پانچ سو سے گریڈ شروع کرتی ہے۔ اب اس کو یہ غیر معمولی تنخواہ دے کر اس کو ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار کی عادت ڈال دی اور پھر عادت ڈالنے کے بعد ایک دن اس کو بلایا اور کہا ہم تم کو فارغ کرتے ہیں۔ اب اس کے دماغ میں یہ بات کہ ڈیڑھ ہزار روپے سے کم پر نوکری کرنا میری بے عزتی ہے اور ڈیڑھ ہزار روپے دینے کے لیے اور کوئی فرم تیار نہیں تھی۔ وہ میرے پاس بھی آئے۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ جو نوکری ملے تم کرلو۔ باقی تم دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ اس کی والدہ بڑی دعا کرنے والی ہے۔ میں ان کا ایک واقعہ بھی آپ کو بتا دیتا ہوں جس کا میری ذات سے تعلق نہیں، خلافت سے تعلق ہے اس لیے میں آپ کو وہ واقعہ سنا دیتا ہوں جس وقت انہیں یہ پریشانی تھی تو اس کی والدہ یہاں جلسے پر آئیں۔ وہ خود بھی بڑی دعا گو ہیں یہاں کچھ دوسرے دوستوں کو بھی دعا کے لیے کہا اور پھر واپس لاہور چلی گئیں۔ ان کو خواب میں بتایا گیا کہ خلیفہ کی دعا بڑی طاقتور ہوتی ہے تم نے خلیفہ کو تو دعا کے لیے کہا ہی نہیں چنانچہ وہ پھر دوڑی ہوئی ربوہ آئیں اور انہوں نے مجھے دعا کرنے کے لیے کہا اور اپنا خواب بھی سنایا۔

غرض خلیفۂ وقت ایک بڑا ہی عاجز انسان ہوتا ہے فرد کے لحاظ سے۔ لیکن جس وقت ہم اس یقین اور ایمان پر قائم ہیں کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ بناتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خلافت کی بہت سی ذمہ واریاں اٹھاتا بھی

ہے اوران میں سے ایک یہ بے چینی کا دور کرنا ہے۔ بے چینی ہونے میں 90 فیصد ہاتھ دعا کی قبولیت کا ہے۔اس سے بے چینیاں دور ہوتی ہیں۔

بہرحال انہوں نے دعا کی خدا کا کرنا یہ ہوا مجھے تو بڑا لطف آیا۔ میں نے تو انہیں یہ سمجھایا تھا کہ جونوکری ملے اسے تم لے لو چنانچہ انہیں گیارہ سو کی مل گئی۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے یہ بھی بڑی نوکری تھی اور ابھی چند ہفتے ہوئے انہوں نے اطلاع دی ہے کہ غالباً دو ہزار سے بھی اوپران کی تنخواہ ہوگئی ہے۔

ملازمت کے بارہ میں ایک اصولی ہدایت

پس یہ دعا کا کرشمہ ہے۔اللہ تعالیٰ قبول کرلے تو بڑے فضل نازل کرتا ہے لیکن عام حالات میں دو چیزیں ضرور یادرکھنی چاہئیں۔بعض لوگ غلطی کرتے ہیں پھر وہ خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور مجھے بھی ان کی خاطر پریشان ہونا پڑتا ہے۔ایک تو یہ کہ دوسری جگہ اچھی نوکری کا انتظام ہوئے بغیر پہلی نوکری کو چھوڑ دیتے ہیں اس امید پر کہ چھ سو کی جگہ ہزار روپے کی نوکری مل جائے گی مگر پھر وہ نہیں ملتی یا اس امید پر کہ چھ سو روپے کی نوکری مل رہی ہے ہم تجارت کریں گے (انہوں نے کچھ سرمایہ جوڑا ہوا ہوتا ہے) تو ہمیں زیادہ آمد ہوگی۔ پھر ان کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے لیکن چھ سو روپے کی بھی آمد نہیں ہوتی پھر وہ روتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق مقدر کر دیا ہے اس کو دھتکارو نہیں ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ گو اس سے بڑی تھوڑی بیروزگاری پیدا ہوتی ہے لیکن بیروزگاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے انعام کی ناقدری کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے ایک عرصہ تک پریشان ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ جس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے رحم کر کے اس کے لیے آسانی کے سامان پیدا کر دیتا ہے لیکن پریشانی کے ایک دور میں سے ایسے شخص کو بالعموم گزرنا پڑتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ انجینئر بیٹھے رہتے ہیں یا شرط لگا دیتے ہیں کہ جی ہمیں اس علاقے میں نوکری ملے تو جائیں گے ورنہ نہیں۔ مجھے ایک انجینئر کراچی میں ملا۔ وہاں بھی دعا نے عجیب

اثر دکھایا۔ البتہ عام طور پر اصول وہ نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے نوکری نہیں ملتی۔ میں نے کہا کہ پنجاب میں تو ہمارا انجینئرنگ فائنل کلاس کا نتیجہ نہیں نکلا تھا کہ ہمارے جو ہوشیار لڑکے تھے انہیں نوکریاں مل گئی تھیں تو تمہیں کیسے نہیں ملتی۔ پنجاب میں چلے جاؤ۔ کہنے لگا یہی تو مشکل ہے میں کراچی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ میں نے کہا تم کراچی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ یہ تو غیر معقول بات ہے تمہیں کراچی سے باہر کوئی نوکری ملے تو وہ لے لو ویسے دعا کرو۔ میں بھی تمہارے لیے دعا کروں گا۔ اس کے خاندان میں بھی بعض لوگ دعا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ دو مہینے کے بعد مجھے پتہ لگا کہ اس کو کراچی میں ہی تسلی بخش نوکری مل گئی ہے۔ لیکن ہمیشہ تو اس طرح نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے جلوے مختلف شکلوں میں دکھاتا ہے۔

غرض یہ بھی بیروزگاری کا ایک سبب ہے یعنی چاہے دو پانچ دس سو دو سو ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں جگہ ہی نوکری کرنی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر کہے گا۔ میں نے ضرور لاہور میں ہی رہنا ہے۔ بندہ خدا! تم نے ڈاکٹری تو اس لیے کی تھی کہ علاوہ روزی کمانے کے تم خدمت خلق بھی کرو گے اور خدمت کی زیادہ ضرورت چک نمبر 98 شمالی سرگودھا میں ہے اور تم لاہور میں بیٹھنا چاہتے ہو اس کا کیا مطلب ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم باہر نکلو۔

یہ ساری بات ایک تربیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے ہماری صنعت اور زراعت کی جو کمیٹیاں ہیں یہ دونوں اس مسئلہ کو لیں۔ اگرچہ صنعت کے ساتھ براہ راست اس کا تعلق نہیں ہے لیکن مزدور کے ساتھ ان کا تعلق ہے اور ہر کام کرنے والا ایک لحاظ سے مزدور ہی ہوتا ہے۔ جس کا ذاتی طور پر اپنا کچھ نہیں ہوتا وہ پیشے کے طور پر کمار ہا ہوتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر نوکر ہو جاتا ہے تو وہ مزدور بن جاتا ہے اسی واسطے ڈاکٹر بھی سٹرائیک کر دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو سٹرائیک کرنا بالکل نامناسب اور غلط بات ہے لیکن ڈاکٹر سٹرائیک کر کے دنیا کو یہ ضرور بتاتے ہیں کہ ان میں اور اس مزدور میں جو کسی سلک مل میں ساٹھ روپے ماہوار لے رہا ہے کوئی زیادہ فرق نہیں ہے وہ بھی مزدور ہیں آزاد نہیں ہیں۔

پس سوائے اس کے کہ قوم کو ضرورت ہو احمدی ڈاکٹرز اور اسی طرح احمدی وکلاء کو خصوصاً باہر غیر ملکوں میں پھیل جانا چاہیے۔

بیروزگاری کے مسئلہ کا ایک اور حل

بے روزگاری کا مسئلہ محض صدر انجمن احمدیہ کے کسی قاعدے کا حوالہ دے کر حل نہیں ہوسکتا کیونکہ اس طرح کل سے آج تک کسی ایک کو بھی روزگار نہیں ملا۔ شوریٰ کمیٹی نے صدر انجمن احمدیہ کا ایک حوالہ دے کر امور عامہ کے ذمہ یہ بات ڈال دی۔ اس سلسلہ میں بعض شہری جماعتیں بڑا اچھا کام کر رہی ہیں جن میں سے ایک کراچی بھی ہے اور بعض جماعتیں بڑی سستی دکھا رہی ہیں جن میں سے ایک لاہور کی جماعت بھی ہے۔ جو آدمی بے روزگار ہے ایسے آدمی کی جہاں تک ہوسکے آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔

بیروزگاری سے مہمان نوازی میں بھی کمی آجاتی ہے

بے روزگاری کے نتیجہ میں ہمارے اندر ایک اور خرابی پیدا ہو رہی ہے اور وہ یہ تلخی ہے کہ مہمان نوازی کم ہوگئی ہے یعنی ویسے تو بیروزگاری کا معاملہ ہے لیکن ایک نئی چیز یعنی برائی بیچ میں پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا سرحد کے ایک نوجوان دوست ہیں انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں روزگار کی تلاش میں لاہور پہنچا۔ مگر وہاں کسی شخص نے مہمان نوازی نہیں کی۔ مہمان کا احترام ہی نہیں کیا۔ ویسے تو یہ بیروزگاری کا مسئلہ ہے لیکن ساتھ ایک اور مسئلہ پیدا ہوگیا۔ جو مہمان آتا ہے اس کی عزت واحترام کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ اسلام کا ایک حکم ہے اور احمدی کہلانے کے بعد آپ اس سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں کوئی تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً ہمارے ہاں دنیوی لحاظ سے بڑے بڑے امیر کروڑ پتی بھی آتے ہیں لیکن کبھی ان کے ساتھ تکلف نہیں کیا جو کھانا تیار ہے وہ پیش کر دیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ 66ء کے شروع میں یعنی میری خلافت کے بالکل ابتدائی زمانے میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب یہاں آگئے۔ جب میں کالج میں پرنسپل تھا تو ان کے ساتھ تعلقات تھے۔ وہ یہاں سے گزر رہے تھے ان کے دل میں پیار پیدا ہوا عین کھانے کے وقت آگئے۔ قاضی محمد اسلم صاحب پرنسپل ٹی آئی کالج نے ان کے لیے کچھ کھانا بھی تیار کروایا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تو

آپ نے تکلف والا کھانا کھانا ہے تو کالج میں چلے جائیں اور اگر آپ نے بے تکلف کھانا کھانا ہے تو پھر جو ہمارے گھر میں پکا ہوا ہے میرے ساتھ بیٹھیں اور کھانا کھائیں۔ انہوں نے کہا میں تو بے تکلف کھانا پسند کرتا ہوں۔

غرض مہمان نوازی میں تکلف کی ضرورت نہیں ہمارا زمیندار طبقہ بھی بڑا تکلف کرتا ہے۔ احمدیوں کو تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ زمیندار کا تو یہ حال ہے کہ جب مہمان آجاتا ہے تو اس وقت وہ کھانے کی تیاری شروع کرتا ہے۔ چاہے آپ اس کو دس دن پہلے اطلاع دیں کہ ہم آرہے ہیں اس کو یقین ہی نہیں آتا کہ ہمارے ساتھ کوئی وعدہ وفا کرے گا اور احمدی تو آپ کے ساتھ ضرور وعدہ وفا کریں گے اور اگر نہ بھی پہنچیں تو آپ کے لیے ثواب کا ایک موقع مل گیا۔ آپ کے گاؤں میں جو سب سے کم دولت والا اور بظاہر بڑا غریب آدمی ہے آپ اس کے گھر پر جائیں اور اس کو بلائیں کہ آؤ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔

بہرحال بے روزگاری اور اس کے ساتھ جو اور قباحتیں شامل ہو جاتی ہیں مثلاً مہمان نوازی نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ان سب کا خیال رکھنا چاہیے اور پیار کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے۔ باقی نتیجہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ نکتہ بھی مجھے کئی ایک کو سمجھانا پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس آئے اور کام ہو جائے گا حالانکہ میرا کام دعا کرنا ہے۔ میرا کام اللہ تعالیٰ سے ضرور زبردستی منوانا تو نہیں۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ ہم عاجز بندوں کی کبھی مانتا ہے کبھی کہتا ہے میری مانو۔ ہم تو دونوں طرح خوش ہیں۔ آپ کو بھی دونوں طرح خوش رہنا چاہیے۔ یا یہ کہ فلاں کو کہہ دیں ہمیں نوکر رکھ لے اور پھر کہتے ہیں وہ تو آپ کا کہنا موڑ ہی نہیں سکتا۔ وہ ضرور نوکر رکھ لے گا۔ حالانکہ اس نے اپنے حالات دیکھنے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیا ضرورت بھی ہے یا نہیں کسی اور سے وعدہ کیا ہوا ہے یا نہیں وغیرہ ہزار چیزیں دیکھنی ہوتی ہیں۔ وہ کیسے نوکر رکھ لے گا چاہے وہ احمدی ہی کیوں نہ ہو؟ پھر اس نے Effeciency دیکھنی ہوتی ہے۔ آپ کے بچے یہ یاد رکھیں کہ نااہلیت کی بنا پر نہ میں سفارش کروں گا نہ آپ کو ان کی سفارش کرنے دوں گا یعنی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اہل تو نہیں لیکن مجھے فلاں جگہ نوکر کروا دیں وہ کام نہیں ہوگا۔ اپنے آپ کو اہل بناؤ۔ ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

اس میں جماعت کی بھی عزت ہے اور آپ کے خاندان کی بھی عزت ہے۔ اگر کوئی نکھد، سست تھرڈ ڈویژن میں پاس ہونے والا لڑکا یہ کہے کہ جو فرسٹ ڈویژن میں آیا ہے اس کے مقابلے میں ہمیں ترجیح دی جائے تو یہ نہیں ہوگا جس کا حق ہے اس کو ملے گا۔ پس اپنا حق پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں دے گا اور اس کے بندے بھی تمہیں دیں گے۔ مگر اسی حد تک دیں گے جہاں تک خدا تعالیٰ نے انہیں توفیق دی ہوگی۔

پس بے روزگاری کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جو جماعت کے سامنے آنے چاہئیں تا کہ جماعت کی تربیت ہو۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1971ء صفحہ 95 تا 111)

تول میں بددیانتی توحید سے انحراف کا نام ہے

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 7/جون 1972ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی سالانہ تربیتی کلاس سے خطاب میں فرمایا:

''ہماری دنیا سے تعلق رکھنے والی جو صفات ہیں وہ قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان میں سے ہر صفت کے اوپر ہمیں غور کرنا چاہیے اور کسی صفت سے اِدھر اُدھر نہیں جانا چاہیے۔ یعنی ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کی قرآن عظیم میں بیان ہوئی ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں جانا چاہیے ورنہ تضاد پیدا ہو جاتا ہے مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رزق دیتا ہوں۔ تم ایک دوسرے کے رزاق نہیں ہو۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے اور توحید کا ایک حصہ ہے۔ خدائے واحد و یگانہ، اللہ، رب العالمین ہی رزاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا:

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (الواقعہ:64) گویا رزق دینا اللہ کا کام ہے۔ اس واسطے کوئی مؤحّد حصول رزق کے لیے ان راہوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ حرام اور ممنوع قرار دیتا ہے۔ کوئی حقیقی موحد، خدائے واحد و یگانہ پر حقیقی معنی میں ایمان لانے والا رشوت کی راہ سے مال نہیں کمائے گا۔

رشوت بھی ایک طرح رزق دیتی ہے لیکن اللہ کہتا ہے رشوت نہیں لینی اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ

رشوت کے بغیر گزارا نہیں وہ بالفاظ دیگر یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کامل طور پر رازق نہیں۔اس واسطے اللہ کے علاوہ اپنے مال میں ''برکت'' پیدا کرنے کے لیے کسی اور راہ کی تلاش کرتا ہے۔یہ غلط ہے۔پھر تم خدا تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ۔توحید جس کے معنی میں صرف خدا ہی رزاق سمجھا گیا ہے اس اعتقاد کے بعد پھر رشوت کی راہ کو اختیار کرنا اعتقاد اور عمل میں تضاد ہے اور ہر تضاد نامعقول ہے۔یعنی ایک ہی وقت میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ رزاق بھی ہے اور رشوت کے بغیر گزارہ بھی نہیں، یہ تضاد ہے۔یہ توحید سے انحراف اور بُعد اور دوری کا نام ہے۔رشوت لینا یا چوری کرنا یا تول کے وقت بعض تاجر ڈنڈی کو اس طرح ہلا دیتے ہیں کہ دیتے ہوئے دوسیر کی بجائے ایک سیر اور چودہ چھٹانک خریدار کو مل جائے۔یا لیتے وقت دوسیر کی بجائے دوسیر دو چھٹانک خود کو مل جائے۔تول میں ہوشیاری کے ساتھ بددیانتی کرتے ہیں۔نظر آ رہا ہوتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے لیکن ہونے دیتے ہیں اب ایک وقت میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو رزاق سمجھنا اور تول کی بددیانتی پر اپنے رزق کا انحصار سمجھنا یہ دو متضاد باتیں ہیں اور توحید باری تعالیٰ کے خلاف ہیں۔''

(مشعل راہ جلد دوم صفحہ 310)

صداقت و دیانت۔اسلامی تجارت کے سنہری اصول

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 18 رمئی 1973ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی سالانہ تربیتی کلاس سے خطاب میں فرمایا:

''جب تجارت میں بعض اقوام نے دنیا میں ترقی کی اور ان کی تجارت ساری دنیا میں پھیل گئی یہیں سے دولت مشترکہ کی ابتدا ہوئی یعنی مختلف یورپین اقوام تجارتی اغراض کے لیے اکٹھی ہو گئیں پھر جب امریکہ کی یا جاپان کی اجارہ داری قائم ہوئی اور اب چین میدان میں آ رہا ہے۔ان کی تجارت کی بنیاد دیانت پر اور صداقت پر تھی۔اس لیے کہ پہلی دفعہ انسان نے ہزاروں میل دور سے مال منگوانا شروع کیا اور اس کے لیے اپنا اعتبار جمانا ضروری ہو گیا۔انہیں یہ معلوم تھا کہ اس میں صداقت اور دیانت سے کام لینا ضروری ہے اور جھوٹ نہیں بولنا۔صداقت چھوڑ کر ہم دنیا کی تجارت پر قبضہ نہیں کر سکتے۔یہ دراصل اسلام سے اپنایا ہوا اصول ہے۔

یہ ایک بنیادی تعلیم اور اصول ہے جو اسلام نے معاشرہ کی اصلاح اور ترقی کے لیے دیا ہے۔ اسلام نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ دیانت اور صداقت کو کبھی نہیں چھوڑنا۔

یہاں سے ایک شخص مثلاً انگلستان کو دس بیس لاکھ روپے کے سامان کا آرڈر دے دیتا تھا۔ حالانکہ نہ اسے ان کے حالات کا پتہ اور نہ ان کے طریق کا پتہ ہوتا تھا۔ لیکن ایک چیز کا پتہ تھا کہ یہ ملک تجارت میں غلط بیانی نہیں کرتے۔ اس حد تک صداقت اور امانت کا حال تھا کہ آپ بیتی کی میں ایک مثال دے دیتا ہوں۔ بڑی دیر کی بات ہے غالباً 50ء یا 51ء کی۔ ہمارا کالج اس وقت لاہور میں تھا اور میں کالج کا پرنسپل تھا۔ ہمیں سائنس کے سامان کی ضرورت تھی۔ انگلستان کی ایک فرم کے ساتھ ہم نے خط و کتابت کی اور ان کو سامان بھجوانے کا آرڈر دیا۔ جس وقت وہ سامان پہنچا تو اس میں دو آئٹمز (ITEMS) (جو چھوٹے چھوٹے تھے اپنے حجم کے لحاظ سے وہ) موجود نہیں تھے۔

چنانچہ میں نے انہیں یہ لکھا کہ اس طرح یہ یہ چیزیں نہیں ہیں۔ ایک کا نام تو مجھے یاد ہے دوسرا ذہن سے نکل گیا۔ آٹھ کے قریب سٹاپ واچز تھیں جو کہ ہماری لیبارٹریز میں کام آتی ہیں اور لیبارٹریز سے باہر بھی کام آجاتی ہیں وہ موجود نہیں تھیں۔ انہوں نے مجھے جواباً لکھا کہ پیکنگ کا جو سامان ہوتا ہے مثلاً باریک باریک کاغذوں کی کترنیں وغیرہ اگر آپ نے وہ ضائع نہیں کیا تو اس میں تلاش کریں۔ چنانچہ اس وقت فزکس ڈیپارٹمنٹ اور ہمارے کسٹم والوں نے مجھے اس تجارتی فرم سے بہت شرمندہ کروایا۔

وہاں بیٹھے کئی ہزار میل دور مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ اپنا پیکنگ کا سامان دیکھو وہ چیز اس کے اندر ہوگی۔ یعنی یہ بات اُن کے تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ وہاں رہ گئی ہو۔ اس سے اُن کی دیانت اور امانت کے ساتھ اُن کی اہلیت کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ خیر میں نے اپنے فزکس کے شعبہ سے کہا یہ خط آ گیا ہے۔ تلاش کرو۔ جب انہوں نے تلاش کیا تو اُن دو میں سے ایک چیز وہاں سے مل گئی چنانچہ میں نے ان کو خط لکھا کہ ایک چیز مل گئی ہے اور دوسری نہیں ملی۔ تو انہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ کراچی کسٹم والوں سے پوچھو۔ شاید وہاں رہ گئی ہو اور جب میں نے کراچی کسٹمز کو لکھا تو انہوں نے آرام سے لکھ دیا کہ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ متعلقہ چیز یہاں رہ گئی تھی۔ انہوں نے چیزیں دیکھنے کے لیے بکس کھولا مگر ساری چیزیں اندر نہ رکھیں۔ ایک چیز بے احتیاطی سے باہر رہ گئی۔

اقوام نے دیانت،صداقت اور امانت سے تجارت پر قبضہ کیا

پس دیانت اور صداقت اور امانت کی بنا پر ان اقوام نے دنیا کی تجارت پر قبضہ کیا اور وہ سارے بنیادی اصول جو تجارت کو فروغ دینے والے اور دنیا کے سامان اور دنیاوی دولت کو اکٹھا کرنے والے ہیں وہ دراصل اسلامی تعلیم سے ماخوذ ہیں۔مسلمان ان کو بھول گئے۔لیکن انہوں نے ان سنہری اصولوں کو اپنایا اور دنیا کی تجارت پر قبضہ کر لیا۔اس کے مقابلہ میں جب پاکستان بنا اس وقت یہاں کے بعض تجارتی اداروں کے متعلق پتہ لگا کہ سامان کا جو نمونہ بھیجتے ہیں وہ کچھ اور ہوتا ہے اور بعد میں جو مال سپلائی کرتے ہیں وہ کچھ اور ہوتا ہے۔بعض کے متعلق اس وقت اخباروں میں یہ بھی چھپا کہ روئی کی گانٹھوں کو جب پریس کرتے تو درمیان میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سیر کی اینٹیں رکھ دیتے اور اس طور پر پریس کرتے کہ کسی کو پتہ ہی نہ لگتا کہ ان میں اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔چنانچہ اس طرح وزن پورا کر دیا جاتا اور اس کو باہر بھیج دیا جاتا لیکن ایک دفعہ تو ایسے تجارتی اداروں نے پانچ اینٹوں کی قیمت اصل قیمت سے کہیں زیادہ روئی کی قیمت کی صورت میں وصول کر لی۔یہ تو درست ہے لیکن بعد میں نہ صرف اپنے تجارتی ادارہ کو نقصان پہنچایا بلکہ اپنی قوم کی تجارت کو بھی نقصان پہنچایا اور آئندہ کے لیے تجارت کا دروازہ بند کروا دیا۔

غرض مسلمان اس چیز کو بھول گئے اور جو غیر اقوام تھیں انہوں نے قرآن کریم کے بتائے ہوئے ان اصولوں سے جو انسان کو عزت وشرف کے سامان بہم پہنچانے والے ہیں فائدہ اٹھایا اور دنیا میں ترقی کی۔بیسیوں ایسی مثالیں ہیں جن سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں بھی دنیاوی معیار کے مطابق شرف اور عزت کے سامان اگر کسی نے لینے ہوں تو اُسے قرآن عظیم کی تعلیم کو اپنانا پڑے گا۔پس اگر دیانت نہیں ہوگی اگر امانت نہیں ہوگی۔اگر لوگ جھوٹ بولیں گے۔اگر ان میں اہلیت نہیں ہوگی تو دنیا کے اموال تو ان کو ملیں گے لیکن ایک مسلمان کے لیے محض دنیا کے اموال میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔وہ تو ذریعہ ہے دنیا میں ترقی کرنے اور اس دنیا میں اور مرنے کے بعد کی جو دنیا ہے جس پر ہمیں ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ آج کی دنیا پر۔اگر وہاں عزت وشرف کے اپنے لیے سامان پیدا کرنے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے پیار کو ہم نے لینا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم سے خیر و برکت کے سامان حاصل کریں۔''

(مشعل راہ صفحہ 370 تا 372)

دیانتداری سے کام لیں کوئی کھوٹ نہ ہو

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 16 / دسمبر 1977ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

”دنیوی حسنات میں سے مثلاً تجارت ہے۔ اسلام میں تجارت کے جو اصول بتائے گئے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر تجارتیں کامیابی سے چلتی ہیں۔ اگرچہ کامیابی کی سب سے بڑی ضمانت تو دعا ہے لیکن اس کے جو دوسرے اصول بتائے ہیں ان کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً دیانت داری ہے اسلام نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ لین دین میں دیانت داری سے کام لو اور کوئی کھوٹ نہ ہو۔ نہ طبیعت میں کھوٹ ہو اور نہ مال میں تو اس سے تجارت خوب چمکتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی تجارت کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تجارت میں وہی افراد اور قومیں کامیاب نظر آتی ہیں جن کی ساکھ قائم تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اس کے مطابق مال سپلائی کرتے تھے لیکن اگر یہ ساکھ نہ ہو تو تجارت چل نہیں سکتی۔ مثلاً چند دن ہوئے اخبار میں یہ خبر آئی تھی کہ فیصل آباد میں حکومت نے مسالے بنانے والی ایک کمپنی پر چھاپہ مارا تو اخبار کے کہنے کے مطابق انہیں پتا لگا کہ ایک من ہلدی میں صرف تین سیر ہلدی ہے اور باقی گند ڈالا ہوا ہے۔

پس یہ جو تجارتی بددیانتی ہے اور اشیاء خوردنی میں کھوٹ کی ملاوٹ ہے اس سے تجارت چمکتی نہیں، اسی لیے جن خطّوں میں تجارتی لحاظ سے بددیانت دماغ ہیں ان کی تجارت کا گراف اس طرح بنتا ہے کہ شروع میں وہ بڑی دیانتداری کے ساتھ اچھی طرح گاہکوں کو دیتے ہیں لیکن جب ان کی تجارت چمک اٹھتی ہے تو پھر وہ دھوکا دہی کے ذریعہ سے پیسے کمانے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب لوگوں کو پتہ لگتا ہے کہ مثلاً ہلدی کے علاوہ اس میں مضر صحت چیزیں بھی پڑی ہوئی ہیں تو لوگ ایسا مال نہیں خریدیں گے۔ آج کی دنیا میں ترقیات کا ایک بہت بڑا حصہ بین الاقوامی تجارت سے وابستہ ہے اور بین الاقوامی تجارت صرف ساکھ پر قائم ہے مثلاً یہاں کا آدمی انگلستان سے مال منگواتا ہے اور انگلستان والا پاکستان سے مال منگواتا ہے یا اس سے بھی دور دراز کے علاقے ہیں وہاں سے سامان آتا اور جاتا ہے۔ اگر اس میں دیانتداری سے کام نہیں لیا جائے گا تو شاید عارضی طور پر کچھ فائدہ ہو جائے لیکن انجام کار پریشانیاں اٹھانی پڑیں گی۔ انکوائریاں ہوں گی۔ مقدمے چلیں گے۔ پس مستقل کامیابی اس قسم کی بددیانت تجارت میں ہمیں نظر نہیں آتی۔

تجارت کے لیے فراست کی بھی ضرورت ہے

تجارت کے لیے فراست کی بھی ضرورت ہے اور یہ تو ہے ہی اللہ کی عطا اور دعا ہی سے مل سکتی ہے یا دعا سے قائم رہ سکتی ہے۔ایک بزرگ صحابیؓ جو کسی زمانے میں مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پیٹ پر پتھر باندھ کر پھرتے تھے مگر بعد میں ان کے اموال میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت ڈال دی اور وہ اسی کتاب کی وجہ سے تھی جسے خدا تعالیٰ نے نازل کیا اور فرمایا ''فِيهِ ذِكْرُكُمْ ''اس میں تمہاری بزرگی اور شرف کے سامان رکھے گئے ہیں۔ پس صحابہ رضوان اللہ علیہم کو جو بزرگی اور عزت حاصل ہوئی تھی وہ اس کتاب کے ذریعہ ملی تھی۔انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور جھک کر اور خدا سے برکات حاصل کر کے تجارت میں بھی فراست پائی تھی۔ چنانچہ اس بزرگ صحابیؓ کے متعلق آتا ہے کہ جب مدینہ میں اموال آئے اور وہاں بڑی دولت جمع ہوگئی اور تجارت کی ایک بہت بڑی منڈی بن گئی تو اس منڈی میں ایک صبح کو کچھ تجار ایک لاکھ اونٹ لے کر آ گئے۔تو انہوں نے جا کر سودا کیا۔ان کے دوست ایک اور صحابیؓ نے کہا میں باہر گیا ہوا تھا میں نے ان اونٹوں کو باہر دیکھا تھا لیکن چونکہ اس بات کی اجازت نہیں کہ منڈی میں آئے بغیر سودے ہوں اس لیے میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی لیکن میری نیت یہ تھی کہ جب یہ اونٹ منڈی میں آ جائیں گے تو میں خریدوں گا۔لیکن تم پہلے پہنچ گئے اس لیے تم نے خرید لیے انہوں نے کہا کہ اب تم لے لو۔کہا کس دام پر؟ بولے جس دام میں میں نے لیے ہیں سوائے اس کے کہ ان کی نکیلیں مجھے دے دو۔تو اگر ایک نکیل کی قیمت ایک روپیہ ہو تو چند منٹوں میں ان کو ایک لاکھ روپے کا فائدہ ہو گیا۔اگر نکیل اٹھنی سمجھ لی جائے تب بھی پچاس ہزار روپے کا فائدہ ہو گیا۔

پس جو خداداد فراست ہے اس کا اثر دنیوی مال و دولت کی تجارت میں بھی نظر آتا ہے۔اس کا ''فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً'' کے ساتھ تعلق ہے۔تاریخ اسلام میں ہمیں اس قسم کی کئی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی تجارت بھی خوب چمکی اور اس طرح ہر دوسری چیز میں بھی جو دنیوی حسنات میں شامل ہے انہوں نے بہت ترقی کی۔''

(خطبات ناصر جلد ہفتم صفحہ 288 تا 290۔الفضل ربوہ 27 مارچ 1978ء)



جلسہ سالانہ کے موقع پر بازار کے متعلق ہدایات

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 10 دسمبر 1982ء کے خطبہ جمعہ میں جلسہ سالانہ کے متعلق ہدایات کے دوران فرمایا:

''بازار والوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے مواقع پر دکانیں بند کر دیا کریں لیکن یہ جو غیر ذمہ داری کا رجحان ہماری قوم میں پایا جاتا ہے اس نے بڑی مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ دو تین ریڑھی والے جب دکان لگا لیتے ہیں تو دیکھا دیکھی سارے دکانیں کھول کر کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔

یہ خوف ہر ایک کے دامن گیر ہو جاتا ہے کہ میرا رزق نہ مارا جائے یہ سب کچھ کما کر لے جائے گا یہ دراصل توکل کی کمی کا نتیجہ ہے۔ وہ دکاندار جو خدا کی خاطر دکانیں بند کرتے ہیں چاہے سارا بازار بھی کھلا ہو، ان کا رزق نہیں مارا جا سکتا۔ اللہ رازق ہے اسی جمعہ کے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (الجمعة: 10)

کہ جمعہ کے دن جب تمہیں خدا کے ذکر کی طرف بلایا جاتا ہے تو اپنی دکانیں اور اپنے کاروبار بند کر دیا کرو۔ تم یہ سمجھتے ہو گے کہ یہ نقصان کا سودا ہے تم گھبراؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ کاش! تمہیں علم ہوتا یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر کام ہے کہ خدا کی خاطر اپنی تجارتیں ٹھپ کر دو۔ پھر آخر پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰهُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ، کہ رازق تو اللہ ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

پس جب یہ تسلیم ہے کہ رازق اللہ ہی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خدا کی خاطر ہم اپنی دکانیں بند کرتے ہیں تو پھر اپنے رب پر یہ بدظنی کرنا کہ کوئی دوسرا آدمی ہمارا رزق مار دے گا یا جو رزق ہمارے مقدر کا تھا وہ کوئی اور عدم تعاون کرنے والا لے جائے گا اس سے بڑی بیوقوفی اور کیا ہو سکتی ہے۔

توکل ایک بڑی بنیادی صفت ہے۔ جو لوگ توکل اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کبھی ضائع نہیں

کرتا۔ آزمائشیں تو آتی ہیں اور یہ توکل کا حصہ ہوتی ہیں توکل کے فلسفہ کے اندر آزمائشیں داخل ہیں۔ اگر توکل سے یہ مراد ہو کہ ادھر فوراً کچھ چھوڑا اور خدا پر توکل کیا ادھر فوراً وہ چیز میسر آ گئی۔ یہ تو پھر دنیا کا قانون بن جائے گا۔ پھر تو ہر دنیا دار بھی اس توکل کی طرف دوڑے گا۔

اس لیے اللہ کے بندوں کو دوسرے بندوں سے ممتاز کرنے کے لیے توکل میں کچھ اِخفا بھی ہوتا ہے کچھ پردے بھی ہوتے ہیں کچھ آزمائشیں بھی ہوتی ہیں، لیکن انجام کار توکل کرنے والے دوسروں کی نسبت کبھی پیچھے نہیں رہا کرتے۔ ہر بات میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بڑے بڑے توکل کرنے والوں کے لیے بھی خدا نے امتحان رکھے ہوتے ہیں......

پس توکل کرنے والے کو خدا کبھی ضائع نہیں کرتا۔ لیکن توکل کرنے والے پر امتحان بھی آتے ہیں۔ اگر آپ امتحانوں میں ثابت قدم رہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازے گا لیکن یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ توکل کرنے والا ضائع کر دیا جائے۔

پس چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی خاطر یہ دو تین دن کے چند گھنٹوں کے رزق کے خوف سے اگر آپ دکانیں کھلی رکھیں گے تو یہ توکل تو درکنار ویسے بھی بہت گری ہوئی بات ہوگی۔ اتنی دور سے لوگ جلسہ کی خاطر آتے ہیں۔ لیکن آپ کی دکانیں انہیں اپنی طرف بلاتی ہیں اور ان کے ایمان کے لیے ٹھوکر کا موجب بنتی ہیں۔ ان کے لیے آزمائش پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی دکان کھلی ہو تو پہلے ایک آدمی آتا ہے۔ پھر دو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی دکانیں بند نہیں ہوتیں۔ حالانکہ ہم عبادت کی خاطر پیدا کیے گئے ہیں۔ عبادت کے لیے ہی سارا کاروبار چل رہا ہے۔ آخر یہ کارخانۂ عالم ہے کیا؟ صرف یہ کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مزہ بتائیں، ان کو عبادت کی لذتوں سے آشنا کریں تاکہ رفتہ رفتہ ساری مخلوق اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ یہ ہے مقصد جلسہ سالانہ کا۔ اس مقصد کے خلاف عین اس موقع پر یہ حرکت ہو رہی ہو، جبکہ یہ مقصد اپنے عروج کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی کریہہ المنظر شکل ہے۔"

(خطبات طاہر جلد اول صفحہ 328 تا 331۔ الفضل 18 دسمبر 1982ء)

دکاندار مناسب منافع لیں

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 17 دسمبر 1982ء کے خطبہ جمعہ میں جلسہ سالانہ کے متعلق ہدایات کے دوران فرمایا:

''اب میں ایک بات دکانداروں سے کہنی چاہتا ہوں۔ یہاں کے دکانداروں کے لیے رزق کی کمائی کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ کئی بے چارے انتظار کرتے ہوں گے کہ سارے سال کے گھاٹے جلسہ سالانہ پر پورے ہو جائیں۔ لیکن گھاٹے اس طرح پورے ہونے چاہئیں کہ کوئی بڑا گھاٹا نہ کھا جائیں۔ یہ نہ ہو کہ دنیا کا گھاٹا پورا کرتے کرتے اپنی عاقبت کا گھاٹا مول لے لیں اور بددیانتی کا ایسا طریق اختیار کریں جس کے نتیجہ میں آپ کی عاقبت خراب ہو جائے۔ لوگ بڑے اخلاص سے باہر سے آئیں گے۔ بڑی بڑی امیدیں لے کر آئیں گے، بعض تو اس لیے یہاں شاپنگ کرتے ہیں کہ ربوہ سے کچھ نہ کچھ لے کر جانا ہے۔

یہ ظاہر بات ہے کہ جس جگہ سے محبت ہو اور جس کے متعلق انسان سمجھے کہ یہ نیکی کی آماجگاہ ہے وہاں کی ظاہری چیزوں سے بھی اس کو پیار ہو جاتا ہے۔ لوگ مکہ اور مدینہ جاتے ہیں یا دوسرے مقامات مقدسہ مثلاً اجمیر شریف وغیرہ جاتے ہیں تو وہاں کی نشانیاں لے کر آتے ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ ان کو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو وہیں سے ملتی ہے بلکہ وہ صرف پیار کے ایک اظہار کے طور پر وہاں کی ایک نشانی لے کر آتے ہیں۔ ہمارے پاس بھی کئی احمدی جب حج کر کے آتے ہیں تو کبھی مدینہ کی جائے نماز دے دیتے ہیں اور کبھی کوئی تسبیح دے دیتے ہیں۔ یہ چیزیں وہ صرف محبت کے اظہار کے طور پر خریدتے ہیں کہ جس شہر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پھرا کرتے تھے وہاں سے ہم نے کوئی چیز خریدنی ہے۔ خواہ وہ چیز جاپان میں بنی ہو۔ لیکن چونکہ وہ اس مقدس مقام سے منسوب ہو جاتی ہے اس لیے برکت پا جاتی ہے۔ اس میں ایک عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ پیار کا ایک اظہار بن جاتی ہے۔

پس باہر سے آنے والے احمدیوں کی ایک بڑی تعداد، ضرورت سے بے نیاز ہو کر، یہاں صرف اس لیے شاپنگ کرتی ہے کہ جس جگہ کو خدا نے آج تمام دنیا میں نور پھیلانے کا مرکز بنایا ہے وہاں کی

چیزیں لے کر جائیں۔ان میں امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک سے آنے والے احمدی بھی ہوتے ہیں۔ان کو ضرورت تو نہیں ہوتی کہ یہاں سے چیزیں خریدیں بلکہ ساری دنیا ان سے چیزیں خریدتی ہے۔اس لیے جب باہر کے مہمان یہاں آکر شاپنگ کرتے ہیں تو خالصتہً نیکی کی وجہ سے اور للّٰہی محبت کے اظہار کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے جب بعض دکاندار زیادتی کرتے ہیں تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے ایمان کو کیسی ٹھوکر لگتی ہوگی وہ منہ مانگے دام دے دیتے ہیں۔وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایک احمدی دوکاندار جائز منافع سے زیادہ لے گا یا ہمارے بھول پن سے فائدہ اٹھا کر ہمیں کچھ زیادہ دام بتائے گا۔لیکن جب وہ دوسری جگہ جاتے ہیں اور وہاں نسبتاً نیک دکاندار ملتا ہے تو ان کو ٹھوکر لگتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اچھا! یہ قیمت ہے اس کی؟ ہمیں تو فلاں جگہ یہ بتائی گئی تھی۔چنانچہ ایسے واقعات وہ پھر بتاتے ہیں۔

بعض دکانداروں کا نامناسب رویہ

گزشتہ کئی سالوں سے مجھے تجربہ ہوا ہے کہ بعض باہر سے آنے والوں مثلاً امریکنوں نے بتایا ہے کہ ہمیں یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی کہ ایک دکاندار کے پاس گئے اور ایک چیز کی قیمت پوچھی تو اس نے کہا پچاس روپے، ہم نے اسی وقت دے دیئے۔لیکن جب دوسرے دوکاندار کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ یہ تو اکیس روپے کی ہے۔کوئی نسبت ہونی چاہیے۔آپس میں کوئی موازنہ تو ہو۔اکیس کے بائیس ہوجائیں یا تئیس ہوجائیں یا انیس ہوں۔یہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن پچاس کے اکیس ہوگئے ہوں یا اکیس کے پچاس ہو جائیں۔یہ حساب سمجھ میں نہیں آسکتا۔پس لازماً کسی نے بددیانتی کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ ان کے ایمان ان ٹھوکروں سے بالا ہیں۔لیکن ایک نقصان لازماً پہنچتا ہے۔ان کی توقعات میں ایک نئی تبدیلی ہوتی ہے، پھر وہ سوچتے ہیں کہ جتنی اعلیٰ توقعات ہم نے رکھی ہوئی ہیں۔یہ بہر حال وہ توقعات نہیں ہیں۔اور اگر وہ ایمان سے منحرف نہ بھی ہوں۔تب بھی ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے اخلاص کے اندر کمی ضرور آجاتی ہے۔اور اخلاص بڑھنے کے مواقع تو بہر حال ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔

دکاندار اخلاق کی بھی اصلاح کریں

پس بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اس پر توکل کریں جتنا خدا دیتا ہے وہ قبول کریں اور اگر آپ خدا کی خاطر بددیانتی سے باز رہیں گے، منافع کو مناسب رکھیں گے اور حسن اخلاق سے پیش آئیں گے۔ بلکہ اگر کوئی شخص غلط چیز لے گیا ہے اور واپس کرنے آتا ہے تو باوجود اس کے کہ آپ کا دستور نہیں ہے۔ آپ واپس لینا قبول کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ آپ کے افعال میں برکت دے گا اور آپ کے نقصان کو بھی فائدے میں بدل دے گا۔ توکل کریں۔ پھر دیکھیں تو سہی اپنے خدا کو کہ وہ کس قسم کا خدا ہے۔ یونہی بدظنیاں کر کے اپنا نقصان کر رہے ہیں حالانکہ بہت ہی محبت کرنے والا خدا ہے۔ بہت بڑھا کر عطا کرتا ہے۔ کبھی تھوڑا سا آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس آزمائش میں پورا اترنے کی کوشش تو کریں۔

پس دکانداروں کو بھی خصوصیت کے ساتھ اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے اور دیانتداری کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔ اگر وہ محض للہ ایسا کریں گے تو ان کے رزق میں برکت ہوگی ان کے ایمان میں بھی برکت ہوگی ان کی اولادوں میں بھی برکت ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان پر بڑے فضل نازل فرمائے گا۔''

(خطبات طاہر جلد اول صفحہ 343 تا 345۔ الفضل 14 مارچ 1983ء)

اقتصادی حالت میں بہتری کے لیے بحیثیت جماعت توجہ کی ضرورت ہے

حضور انور رحمہ اللہ نے مجلس مشاورت 1983ء میں فرمایا:

''دوسرے ایک بالکل مختلف موضوع سے تعلق رکھنے والی بات میں جماعت کے سامنے یہ رکھنا چاہتا ہوں کہ جہاں ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو بجٹ میں اضافے کی شکل میں دیکھ رہے ہیں وہاں جماعت کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی طرف بھی بحیثیت جماعت توجہ دینے کی ضرورت ہے صنعتی لحاظ سے بھی اور تجارتی لحاظ سے بھی۔ میں نے بہت غور کیا ہے دنیا میں کوئی جماعت بھی اپنے Potential کے لحاظ سے ہم سے زیادہ اس بات کی اہل نہیں ہے کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ ان دونوں

امور میں ترقی کرے کیونکہ تجارت اور صنعت کے لیے جو بہترین دماغ ہونے چاہئیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو مہیا ہیں اور اسی طرح جہاں تک Technical Know How یعنی سائنسی علم کے لحاظ سے میں نے جو سرسری جائزہ لیا ہے اپنے دورے کے دوران اور یہاں دوستوں سے ملاقاتوں کے دوران بھی تو مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ بڑی اعلیٰ اور Sophisticated یعنی باریک اور لطیف صنعتیں جن کا Higher Technology سے تعلق ہے ان سے بھی احمدی واقف ہیں اور عملاً اگر وہ چار یا پانچ احمدی سر جوڑ کر بیٹھیں تو وہ ان صنعتوں کا آغاز کر سکتے ہیں مثلاً کمپیوٹر سائنس ہے۔ اسی قسم کے اَور بہت سے آلات ہیں مثلاً Hard Ware (ہارڈ ویئر) سے تعلق رکھنے والے احمدی خدا کے فضل سے اتنے ہو چکے ہیں کہ وہ باقاعدہ ایک صنعت کو جنم دے سکتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو تنظیم عطا فرمائی ہے اور بین الاقوامی روابط عطا کیے ہیں دنیا کی کسی اَور جماعت کو یہ سہولت حاصل نہیں۔

تجارتی ترقی کے لیے تقویٰ بہت ضروری ہے

تجارت کے لیے تقویٰ بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ تجارت کو فروغ دینے کے ساتھ تقویٰ کا بڑا گہرا تعلق ہے چنانچہ تقویٰ کا جو معیار ہے وہ دنیا کی کسی اَور جماعت کو حاصل نہیں بلکہ کسی کو یہ توفیق ہی نہیں ہے کہ اس کے قریب ہی پھٹک سکے۔ پھر قربانی کا بے نظیر جذبہ موجود ہے۔ قوموں کے لیے عملی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے جس Spirit یعنی روح کی ضرورت ہوتی ہے وہ جتنی جماعت احمدیہ میں پائی جاتی ہے اتنی اور کسی جماعت میں نہیں پائی جاتی۔ پھر ایثار کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایثار بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ میں موجود ہے۔ غرض یہ سارے خزانے ہیں۔ ان خزانوں کو عملی خزانوں کی صورت میں تبدیل کرنا اور پھر حمد کے اظہار کے طور پر شکر کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ کی راہ میں پیش کرتے چلے جانا۔ یہ ایک ایسا نہ ختم ہونے والا جاری نظام بن جائے گا کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہم بہت تیزی کے ساتھ دنیا کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس کی طرف بہت گہری اور فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس غرض سے صدر انجمن احمدیہ میں بھی شعبے قائم فرمائے اور

تحریک جدید میں بھی لیکن اس سلسلہ میں بعض تلخ تجربے ہوئے جو ایسی چیزوں کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب نئی باتوں کا آغاز کیا جاتا ہے تو کچھ ناکامیوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے چنانچہ تجارت کی تلخیوں کے نتیجہ میں وہ شعبے بجھ سے گئے یہاں تک کہ اب (Appendix) اپنڈکس بن چکے ہیں اور صرف ان کے نشان باقی رہ گئے ہیں اور عملاً ان میں کوئی کام نہیں ہو رہا اس سلسلہ میں مَیں نے تحریک جدید کو تو ہدایت کی تھی کہ وہ صنعت وحرفت اور تجارت کے شعبہ کو فعال بنائیں۔ چنانچہ آج کل ماشاء اللہ بڑے زور سے وہاں کام ہو رہا ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ بہت جلدی تمام دنیا سے معلومات حاصل کر کے اس بارہ میں آگے قدم بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ میں بھی ایک الگ ناظر صنعت وحرفت اور تجارت مقرر کیا جائے اس کے لیے ہمیں موزوں آدمی کی ضرورت ہے جو اس فن سے کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ میرے ذہن میں جو نقشہ ہے وہ یہ نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ اپنا سرمایہ لگائے جو دوست سرمایہ لگائیں گے وہ بھی تو دراصل جماعت کا سرمایہ ہیں۔ تحریک اور انجمن کے یہ شعبے افراد جماعت کا اقتصادی معیار بڑھانے کے لیے وقف ہوں گے اور تمام ضروری معلومات فراہم کریں گے۔

ربوہ ہر قسم کے نادار لوگوں کی پناہ گاہ ہے

دوسرے ربوہ کو بالخصوص ایک ماڈل بنانے کی ضرورت ہے ربوہ میں بیوت الحمد کے منصوبہ کے سلسلہ میں اور دوسرے امدادی شعبوں پر نظر ڈالنے کا جب موقع ملتا ہے تو مجھے یہ معلوم کر کے بہت دکھ ہوتا ہے کہ ربوہ میں معطی حضرات کی تعداد بہت تھوڑی ہے ان کے مقابل پر جو لیتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں باہمی نسبت بڑی خطرناک حد تک بگڑ چکی ہے یہاں ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو سلسلہ سے مدد لینے پر مجبور ہے میرا خیال ہے کہ دنیا کی کسی جماعت میں یہ نسبت نہیں ہوگی اور بظاہر ہے بھی مجبوری کیونکہ ربوہ ہر احمدی کے لیے، ہر مصیبت زدہ کے لیے، ہر بیوہ اور ہر یتیم کے لیے، ہر بوڑھے اور اپاہج کے لیے ایک پناہ گاہ ہے اس لیے لازماً ان لوگوں کا یہاں اکٹھا ہو جانا اور اس نسبت کو بگاڑنا ایک طبعی امر ہے لیکن ایک بات کو ہمیں کبھی نہیں بھلانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں امت مسلمہ کی جو سب سے بہترین تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ (اٰل عمران: 111) کہ تم بہترین امت ہو۔ تمہیں لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یا تمہارے بہترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو عطا کرو گویا اب احسان تمہاری سمت سے دوسروں کی طرف بہے گا، اگر چہ من حیث الجماعت تو ہماری موجودہ حالت درست ہے لیکن میری خواہش ہے کہ احمدیت کا ہر فرد ایسا ہو جائے کہ اس سے احسان کے چشمے دوسروں کی طرف بہہ رہے ہوں، اور کسی ایک احمدی کی طرف بھی کسی احسان کا چشمہ نہ بہہ رہا ہو سوائے ایک احسان کے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے جس کے سامنے ہم سب کی گردنیں ہمیشہ خم رہیں گی۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کے سامنے سر اٹھا ہی نہیں سکتے، متبعین کے احسانات بھی ہیں لیکن میں اس کی بات نہیں کر رہا، اس میں تو ہم ڈوبے ہوئے ہیں میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جہاں تک اہل دنیا کا تعلق ہے ہر احمدی خود معطی ہو اور دوسروں سے عطا وصول کرنے والا نہ رہے۔

قوم کی اخلاقی قدروں کی حفاظت ضروری ہے

اس نقطہ نگاہ سے ربوہ کو ایک ماڈل بنایا جائے یہاں کوئی مانگنے والا نہ رہے اب بھی ان لوگوں کے دل میں بھی جو عطا قبول کرتے ہیں ایک کسک ضرور پیدا ہوتی ہے یہ میں جانتا ہوں بہت کم ہیں جو (Professional) یعنی پیشہ ور سائل کہلا سکتے ہیں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جب کہ بھاری تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو عزت نفس والے ہیں ان کی خواہش ہے کہ ہمیں نہ دیا جائے لیکن بیچارے مجبور ہیں، اس کے بغیر ان کا شریفانہ طور پر گزارہ نہیں چل سکتا۔ پس قوم کی اخلاقی قدروں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ جماعت ان کی ضروریات کو پورا کرے لیکن ان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ ہم عزت نفس کے ساتھ ان کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا اہل بنائیں۔ اس ضمن میں آج ہی میں نے عصر کی نماز کے بعد ایک میٹنگ بلائی ہے جس میں جماعت کے بعض تجار اور (Industrialist) صنعت کاروں کے علاوہ بعض صائب الرائے دوست اور کچھ امراء بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ہم مل کر انشاء اللہ مشورہ کریں گے لیکن اس مشورہ میں برکت تبھی پڑے گی جب ساری جماعت دعاؤں کے ذریعہ مدد کرے۔ جماعت میں جہاں جہاں بھی ذہین اور ان کاموں کے واقف لوگ ہیں وہ بھی مشورہ بھجیں۔

خیرامت کی بہترین تصویر

عمومی طور پر احباب جماعت یہ بات پیش نظر رکھیں کہ میرے ذہن میں نقشہ یہ اُبھر رہا ہے کہ افراد جماعت اپنی ذمہ داری پر اپنے سرمایہ کے ایک حصہ کو ربوہ میں اس نیت کے ساتھ منتقل کریں کہ یہ تجارت کے طور پر نہیں یعنی دنیا کی تجارت کے طور پر نہیں بلکہ اس تجارت کے طور پر ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ سورۂ صف میں ان الفاظ میں بلا رہا ہے هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الصف:11) کہ کیا میں تمہیں اس تجارت کی خبر نہ دوں جو تمہیں عذاب الیم سے بچائے گی۔

پس خالصتاً اس نیت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر اور یہ ارادہ کر کے اس کارخیر میں حصہ لیں کہ اگر سرمایہ کا یہ حصہ ضائع بھی ہو گیا تو دنیا کی نظر میں ضائع ہو گا خدا کی نظر میں ضائع نہیں ہو گا۔ کیونکہ میں نیک نیتی کے ساتھ یہ کام کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ دوست اپنے دماغ لے کر آئیں اور خود ترکیبیں سوچیں اور جاری کریں اور اس سکیم کی Orientation یعنی اس کا قبلہ اس طرف ہو کہ ہمارے ربوہ میں جس قسم کے لوگ بس رہے ہیں ان کو کام مہیا کیا جائے مگر یہ کام مہیا ہوں ان کے سوشل نظام کو توڑے بغیر مثلاً بیوگان ہیں۔ ان کو ہم کارخانوں میں تو نہیں گھسیٹیں گے یا یتیم بچیاں ہیں ان کو یہ تکلیف نہیں دی جائے گی کہ وہ دوسری جگہوں پر جا کر غیروں کے رحم و کرم پر ملی جلی فضا میں کام شروع کر دیں۔ ہم ایسا نہیں کریں گے اور نہ ایسا کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں بلکہ ان کے گھروں تک کام پہنچانے کی سکیمیں بنائی جائیں گی یا لجنہ اماء اللہ کی مدد کی جائے گی اور ان کے تعاون سے الگ طور پر ایسے تجارتی ادارے کھولے جائیں گے جن کا صرف لجنہ کے نظام سے تعلق ہو لوگ انفرادی طور پر پیشکش کریں اور لجنہ ان سے تعاون کرے، اس قسم کا کوئی نہ کوئی نظام اُبھرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تلخی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے وہ جماعت کے سرمایہ کو ناتجربہ کار ہاتھوں میں دینے کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔

اس سے ہمیں سبق سیکھنا چاہیے اور اگر جماعت نے دوبارہ سرمایہ لگانا ہو تو بڑی احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے لگائے اور پہلے چھوٹے پیمانے پر تجربے کیے جائیں لیکن زیادہ تر میں احباب جماعت کو دعوت دیتا ہوں کہ دنیا میں جہاں بھی احمدی ہیں وہ اس طرف توجہ کریں یعنی افریقہ

والا بھی یہاں سرمایہ لگائے اور امریکہ میں رہنے والا بھی، جرمنی والا بھی لگائے اور اسی طرح دوسرے ملکوں کے رہنے والے بھی یہاں حتی الامکان سرمایہ لگانے کی کوشش کریں اور پاک نیت کے ساتھ لگے ہوئے سرمایہ سے ربوہ کو بھر دیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک فرد اللہ کے فضل سے عطا کرنے والا بن جائے اور پھر اس سکیم کو باہر کی جماعتوں میں بھی رائج کیا جائے۔ مثلاً کراچی کی جماعت بھی اس کو اختیار کر لے اور لاہور کی جماعت بھی اور ساری جماعت میں ایک بھی سائل اور محروم نہ رہے اور ہم مجبور ہو جائیں کہ اپنے صدقات اور اپنی زکوٰۃ اور اسی قسم کی دوسری مدات کو محض للہ ان کے لیے خرچ کریں جن کا عقیدتاً احمدیت کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس طرح ہمیں بڑا ہی اطمینان نصیب ہوگا ہمارے دل پھر اور بھی زیادہ حمد باری سے بھر جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ جماعت پر کیسا احسان فرما رہا ہے کہ قرآن کریم نے جو تصور پیش کیا تھا آج ساری دنیا کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی عملی تصویر اگر دیکھنی ہے تو دنیا میں جماعت احمدیہ کی کسی ایک شاخ کو دیکھ لو۔ تمہیں وہاں وہ لوگ ملیں گے جن پر خدا کے پیار کی نظریں پڑ رہی ہوں گی اور دنیا بزبان حال یہ کہہ رہی ہوگی کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 111) اے امت محمدیہؐ! تم ہو وہ خیر امت جس کو خدا تعالیٰ نے اس واسطے پیدا کیا ہے اور تم اس مقصد کو پورا کر رہے ہو تم سے خیر کے چشمے تمام دنیا کی طرف بہہ رہے ہیں اور دنیا سے ایک بھی خیر کا چشمہ تمہاری طرف نہیں بہہ رہا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1983 صفحہ 262 تا 267)

ٹریڈ، انڈسٹری اور سائنس میں تمام دنیا سے آگے نکلنا ہے

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 15 ؍اپریل 1985ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میں نے مجلس شوریٰ میں توجہ دلائی تھی کہ ہمیں ٹریڈ اور انڈسٹری میں بھی تمام دنیا سے آگے نکلنا ہے، سائنس میں بھی آگے نکلنا ہے اور پھر سائنس کے نتیجے میں جو انسان عملاً جو صنعتی ایجادات کرتا اور انڈسٹری قائم کرتا ہے اس میں بھی جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سب سے آگے نکلنا ہو گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے فی الحال تحریک جدید میں ایک مرکزی سیل قائم کر دیا گیا ہے اور انشاء اللہ صدر انجمن احمدیہ میں بھی قائم کیا جائے گا۔ پھر وہ مشترکہ طور پر اس بات پر غور کریں کہ تمام دنیا کے

احمدی صنعتکاروں کے دماغ سے کس طرح استفادہ کیا جائے، تمام دنیا کے احمدی تاجروں کے دماغ سے کس طرح استفادہ کیا جائے۔ اور تمام دنیا کے احمدی سائنسدانوں کو اس طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ صرف نظریاتی طور پر سائنسدان نہ رہیں بلکہ ایسے فعال، سوچنے والے اور ہر وقت نئی چیزوں کی ایجاد میں منہمک سائنسدان بنیں جن کی قوت فکر کو جماعت احمدیہ قوت عمل میں ڈھالے اور ان کی ایجادات سے استفادہ کرے اور جس طرح بعض قومیں مثلاً جاپانی اپنے اعلیٰ اور لطیف فکر اور پھر اس فکر کے نتیجے میں اعلیٰ صنعتیں پیدا کرنے کے لحاظ سے مشہور ہیں یا امریکن یا یورپ کی دوسری قومیں جیسے جرمنی ہے جو خاص طور پر ان صنعتوں میں آگے نکل آئی ہیں اسی طرح جماعت احمدیہ کے سائنسدان بھی احمدی سائنسدان کے لحاظ سے دنیا میں ایک نام پیدا کریں۔ احمدی ایجادات پر احمدیت کی ایسی چھاپ ہو جس سے معلوم ہو کہ یہ چیز لازماً اپنی نوع میں بہترین ہے۔

لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کیلیے دیانتداری کی بھی بہت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ سائنسدان تو ایک ایجاد پیش کر دیتا ہے لیکن اگر صنعتکار دیانتدار نہ ہو تو اس ایجاد کو ضائع بھی کر سکتا ہے اور اس کا وقار کھو بھی سکتا ہے اور اپنی دیانتداری کی وجہ سے اس کا وقار بھی قائم کر سکتا ہے اور آگے بھی بڑھا سکتا ہے۔ لیکن دیانتداری صرف اس میدان میں ہی ضروری نہیں بلکہ ہر دوسرے میدان میں بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دیانتداری کے بغیر کوئی انسان کسی چیز میں بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ کھیل میں بھی ضروری ہے اور تجارت میں بھی ضروری ہے۔ اس لیے احمدی تجار کو بھی اور احمدی صنعتکاروں کو بھی اور احمدی سائنسدانوں کو بھی بلکہ ہر میدان میں آگے بڑھنے کا ارادہ رکھنے والوں کو بھی لازماً اپنی دیانت کے معیار کو بڑھانا ہوگا۔

بہت سے ایسے پسماندہ ملک ہیں جن کو بد دیانتیوں کی وجہ سے بہت گہرے اقتصادی نقصان پہنچے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک بھی ان میں سے ایک ہے۔ یہاں بہت اچھی اچھی صنعتیں موجود تھیں جن کے ذریعہ تمام دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً سیالکوٹ میں کھیلوں اور اوزاروں کی صنعت تھی بلکہ یہ دونوں صنعتیں ابھی تک موجود ہیں لیکن جس طرح یہ تمام دنیا کی منڈیوں پر قابض ہو سکتی تھیں اس طرح نہیں ہو سکیں۔ جب میں نے باہر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ پاکستان کی تجارت کو زیادہ تر نقصان تاجروں یا صنعتکاروں کی بد دیانتی کی وجہ سے پہنچا ہے۔

صنعتکار اپنی دیانت کے معیار کو بلند کریں

پس جب میں جماعت احمدیہ سے کہتا ہوں کہ وہ صنعت میں بھی سب سے آگے نکل جائے اور تجارت میں بھی سب سے آگے نکل جائے اور اس مقصد کے لیے مرکز میں ایسے سیل قائم کیے جائیں جہاں ان سب کے تبادلہ خیالات کے لیے ایک مرکز قائم ہو اور ایک دوسرے سے استفادہ کا نظام قائم ہو تو یہ ہو نہیں سکتا جب تک جماعت کے دیانت کے معیار کو بھی اونچا نہ کیا جائے اس لیے ہمارے سارے تجار کو چاہیے کہ وہ لازماً ایک Devotion کے ساتھ ،ایک وقف کی روح کے ساتھ اپنی دیانت کے معیار کو بلند کریں اسی طرح تمام صنعتکاروں کو بھی چاہیے کہ اسی روح کے ساتھ صنعت میں اپنی دیانت کے معیار کو بلند کریں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم قرآنی ارشاد ''فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ '' کو ملحوظ رکھتے ہوئے محض للہ ایسا کریں گے ،اگر ہمارا مقصود یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کے تابع ہم نے اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے تو یہ درست ہے کہ ہماری صنعتوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہماری تجارتوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہماری طبابت کو بھی فائدہ پہنچے گا اور ہماری اقتصادیات کا ہر شعبہ اس سے فائدہ اٹھائے گا لیکن سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ ہم سے راضی ہو گا ،اللہ کی طرف سے ہماری کوشش کو بہت برکت کے پھل لگیں گے اور جب انسانی محنت کے ساتھ اللہ کی رحمت شامل ہو جاتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوم ایسے لوگوں کو شکست نہیں دے سکتی۔ یہ ایک ایسا عنصر ہے جو آپ کو دنیا کی تجارتوں میں بھی نظر نہیں آتا ،صنعتوں میں بھی نظر نہیں آتا اور یہ علم طب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ یہ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان غلاموں کو عطا ہوگا جو خدا کی خاطر کام کرتے ہیں اور پھر دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہتے ہیں۔ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ غیر معمولی برکتیں عطا فرماتا ہے۔ یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے لیکن دنیا کے عام انسان اس کو سمجھ نہیں سکتے......

اس لیے جب اللہ کی رضا شامل ہو جائے گی تو احمدی تاجروں کو ،احمدی صنعتکاروں کو اور احمدی سائنسدانوں کو اور احمدی وکلا کو اللہ کا پیار نصیب ہو جائے گا۔ جب وہ خدا کی رضا کی خاطر اس سے دعائیں مانگتے ہوئے ہر شعبہ کی زندگی میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے تو خدا کا غیر معمولی فضل ان کے شامل حال ہوگا۔

اپنے گُر اور ہنر جماعت کو پیش کریں

پھر یہ کوشش بھی کرنی ہے کہ پوری سخاوت کے ساتھ اپنے گُر اور ہُنر جماعت کو پیش کریں۔ یہ وہ آخری حصہ ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ تاجروں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ اُن کو کوئی گُر مل جائے یا کوئی اچھا موقع تجارت کا میسر آجائے تو وہ اسے اپنے تک محدود رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی اور اس میدان میں داخل نہ ہو۔ ہمارے اطباء میں بھی یہ مرض پایا جاتا ہے۔ لوگوں کو تو شفا دیتے ہیں لیکن ان کو اپنے اس مرض کی شفا نہیں۔ کوئی اچھا نسخہ ہاتھ آجائے جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ دبا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ یہ چٹکلا صرف ان سے ہی ملے گا۔

اسی طرح ہمارے صنعتکاروں میں بھی یہ بیماری ہے بلکہ ہمارے دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بھی یہ بیماری پائی جاتی ہے۔ اس بیماری کے ساتھ بعض صورتوں میں فرد کی ترقی کی ضمانت تو دی جاسکتی ہے لیکن قومی ترقی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ علامت قومی تنزل کی ضمانت بن جاتی ہے۔ چنانچہ آپ مشرق اور مغرب کی ترقیات کا مقابلہ کریں یا تنزّل اور ترقی کا مقابلہ کریں تو ایک بہت بڑا امر جو کارفرما نظر آئے گا وہ یہی ہے۔ ہمارے ہاں یہ بات رواج پکڑ گئی کہ جس کو کوئی علم ملا اس نے سینہ بہ سینہ اپنی اولاد میں چلانا شروع کر دیا۔ اور یہ ''سینہ بہ سینہ'' کا محاورہ سوائے مشرق کے دنیا میں اور کہیں ملتا ہی نہیں۔ عجیب وغریب محاورہ ہے اور لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ راز سات پشتوں سے سینہ بہ سینہ ہمارے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ راز سینہ بہ سینہ تو آرہا ہے لیکن ساری قوم کو دفن کر گیا۔

مغرب نے اس کے برعکس اپنے علوم کو ترویج دی ہے۔ اگر کسی کے ہاتھ چھوٹا سا نکتہ بھی آیا ہے تو اس نے اس کی تشہیر کی ہے اور تمام قوم کو اس میں شامل کیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر فرد کی دولت ساری قوم کی دولت بن گئی، صرف اس کی ذاتی دولت نہ رہی۔ اس طرح ہر فرد نے جو سیکھا وہ بھی اس کو مل گیا اور اس نے آگے دوسروں کو بھی عطا کیا۔''

(خطبات طاہر جلد دوم صفحہ 221 تا 225۔ الفضل 14 جولائی 1983ء)

گاہک اور دکاندار کے حقوق و فرائض

حضور انور رحمہ اللہ نے مؤرخہ 23 ردسمبر 1983ء کے خطبہ جمعہ میں جلسہ سالانہ کے متعلق ہدایات کے دوران فرمایا:

'' کچھ بازاروں کے حقوق گاہکوں سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ دکانداروں سے تعلق رکھتے ہیں جو گاہک باہر سے آتے ہیں ان کا فرض یہ ہے کہ دکانوں پر بھی جم گھٹا نہ کریں اور وہاں بھی چونکہ مستورات اور مرد اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے حتی المقدور کوشش کریں کہ مستورات کو پہلے موقع ملے اور اگر ایسی بات ہو کہ ان کو پہلے موقع دینے سے خود اپنے آپ کو موقع ملے ہی نہ یعنی انتارش ہو تو پھر دکانوں میں دو حصے مقرر ہو جانے چاہییں ایک طرف مرد کھڑے ہوں اور ایک طرف عورتیں اور دکانداروں کو اس کا انتظام کرنا چاہیے کہ الگ الگ دونوں قسم کے گاہکوں کو بیک وقت خدمات مہیا کی جائیں باہر سے آنے والے دوست خود بھی ان باتوں کا لحاظ رکھیں اور دوکاندار سے ایسی بات نہ کریں جس کے نتیجہ میں چڑ پیدا ہو اور خواہ مخواہ تو تو میں میں کی نوبت آجائے۔ اگر سودا پسند آتا ہے تو لیں اور اگر نہیں پسند آتا تو نہ لیں اور چھوڑ دیں بعض دفعہ گاہک بھی ایسی تلخ کلامی سے پیش آتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں دکاندار بھی مجبور ہو جاتا ہے اس لیے دکان پر کم وقت ٹھہریں۔ ضرورت کی چیزیں دیکھیں اگر پسند نہ ہو تو چھوڑ کر چلیں جائیں لیکن وہاں بحث نہ کیا کریں اور اگر کوئی شکایت کی بات ہے تو اس کو ضرور انتظامیہ تک پہنچانا چاہیے۔

بعض دفعہ قیمتوں میں ایک جگہ کے دوسری جگہوں سے اتنے فرق ہوتے ہیں کہ وہ مناسب نہیں لگتے۔ ایک شہر میں مثلاً ایک دوکاندار اگر ایک روپیہ منافع لے رہا ہے تو دوسرا دوکاندار اگر اسی چیز کے پانچ روپے منافع لے رہا ہے تو عام اقتصادی حالات میں جو کم منافع لینے والا ہے اس کو جزا مل جاتی ہے اور جو زیادہ لینے والا ہے اس کو سزا مل جاتی ہے۔ چونکہ اس میں اقتصادی قانون کام کرتے ہیں۔ لیکن جب ربوہ میں یہ واقعات رونما ہوں تو ان کے نتیجہ میں باہر والے یہ تاثر لیتے ہیں کہ یہاں بڑا ہی بے ہنگم انتظام ہے اور جو چاہے اور جتنا چاہے داؤ لگانے کی کوشش کرتا ہے اس طرح لوگ اہل ربوہ کی دیانت پر حملے کرتے ہیں۔ طعن دیتے ہیں بعض لوگ واقعتاً ان باتوں سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں اس لیے جہاں تک

گاہکوں کا تعلق ہے ان کا فرض ہے کہ جب وہ اس قسم کی باتیں دیکھیں تو وہ بروقت منتظم بازار یا افسر صاحب جلسہ سالانہ کو جہاں بھی وہ مناسب سمجھیں کہ بات پہنچا دینی چاہیے وہاں بات پہنچا دیں۔اسی طرح اگر دوکاندار بداخلاقی کریں تو ان کی بھی رپورٹ کیا کریں۔عموماً جلسہ سالانہ کے گزرنے کے بعد رپورٹیں آتی ہیں اس وقت تو معاملہ عملاً ختم ہو چکا ہوتا ہے۔آئندہ سال کے لیے نصیحت کی جاتی ہے لیکن وہ نصیحت وقت سے پہلے ہوتی ہے یہاں تک کہ آئندہ سال تک دکاندار بھی اس کو بھول جاتے ہیں۔کچھ تو وہ وقت کے بعد بن جاتی ہے اور کچھ وقت سے بہت پہلے بن جاتی ہے۔اس لیے دوست ان باتوں کی فوری طور پر اطلاع دیا کریں۔انشاءاللہ فوری طور پر سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔

دکانداروں کو سال میں یہ موقع ملتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ سارے سال کی کمائی جلسہ سالانہ کے دوران کر لی جائے اور بعض دوکاندار اس میں اخلاقی ضوابط کو ملحوظ نہیں رکھتے۔یعنی اخلاقی ضوابط سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے بعض مہمان محض اخلاص کی وجہ سے ربوہ میں آ کر سودے خریدتے ہیں اور بہت سے ایسے مہمان بھی ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہاں کا دکاندار ناجائز منافع خوری کر ہی نہیں سکتا۔اس لیے ان کا جو بھول پن ہے وہ اس لیے نہیں کہ وہ بیوقوف لوگ ہیں ان کو خریداری کی چالاکیاں نہیں آتیں بلکہ ان کا بھول پن خالصتاً للہ ہے۔ان کے ایمان کے نتیجہ میں ہے ایسے لوگوں سے ان کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اٹھانا ایک بہت بڑا گناہ ہے اور بعض دکاندار اس گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔چنانچہ کئی دفعہ باہر کے مہمانوں نے اطلاع دی کہ انہوں نے خالصتاً اعتماد کرتے ہوئے ایک چیز اس نیت سے یہاں سے خریدی کہ ربوہ کے دکانداروں کو فائدہ پہنچے۔کیونکہ یہ چندے بھی دیتے ہیں سارا سال مرکز میں بیٹھے رہتے ہیں اس لیے ان کو فائدہ ہونا چاہیے۔لیکن دکانداروں نے ایسی خوفناک منافع بازی کی کہ اس کا کوئی بھی جواز عقلاً نظر نہیں آتا۔یعنی بعض صورتوں میں ربوہ ہی کی ایک دوکان پر جو چیز سو روپے میں خریدی گئی وہ دوسری دکان پر پچاس روپے میں مل گئی۔اب اس کے لیے کون سا اقتصادی جواز ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا دو چار روپے اوپر نیچے ہو جائیں تو سمجھ آنے والی بات ہے لیکن اتنا بڑا فرق تو ہو ہی نہیں سکتا۔سوائے اس کے کہ بددیانتی کی گئی ہو۔

اس لیے دکانداروں کی ذمہ داری ہے کہ آنے والوں کے اخلاص سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ

قربانی سے کام لیں اس موقع پر اگر وہ حسن خلق سے کام لیں گے اور منافع بڑھانے کی بجائے اللہ کی رضا کی خاطر کچھ کم کریں گے تو اس کے بہت سے نیک اثرات پیدا ہوں گے۔ باہر سے تشریف لانے والے مہمان جب اس حسن خلق کو دیکھیں گے تو وہ واپس جا کر ساری دنیا میں ربوہ کی نیک نامی کی بات کریں گے اور جو دکان کے تجربے ہیں وہ بھی بیان کریں گے۔ اگر ان سے حسن خلق کا معاملہ کیا گیا تو ساری دنیا میں ربوہ کے خلق کی باتیں ہوں گی۔ پس یہ ثواب کا ایک موقع ہے جو جلسہ سالانہ دکانداروں کے لیے فراہم کرتا ہے۔ اس کو ثواب کمانے کی بجائے عذاب سہیڑنے میں تبدیل کر دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے دکاندار خاص طور پر ان باتوں کا خیال رکھیں۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر آپ نے خود اپنے رزق میں کچھ کمی کی تو اللہ یہ کمی نہیں رہنے دے گا۔ وہ زیادہ بابرکت رزق آپ کو عطا فرمائے گا۔ زیادہ وافر رزق عطا فرمائے گا۔ آپ کے روپے میں برکت ہوگی۔ آپ کی خوشیوں میں اضافہ ہوگا۔ آپ کے ایمان اور خلوص میں برکت پڑے گی۔ اس لیے دکانداروں کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں۔

لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں

بعض دکاندار جن کا تعلق دوائیں بیچنے سے ہے ان پر عام دکانداروں سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ بیماری کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ بعض لوگوں کو آدھی رات کے وقت تکلیف ہو جاتی ہے اور اکثر دکانیں ادویہ بیچنے والوں کی اس وقت بند ہو جاتی ہیں اور ایک دو کھلی رہتی ہیں۔ یہ شکایت ملی ہے پچھلے سال بھی اور اس دفعہ دوران سال بھی۔ بعض ایسے دکاندار جو رات کو دکان کھولتے ہیں وہ لوگوں کی تکلیف سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی نام تو یہ ہے کہ خدمت ہو رہی ہے لیکن خدمت کے بہانے دراصل قصابی ہو رہی ہوتی ہے۔ لوگوں کی کھالیں اتار رہے ہوتے ہیں اور وہ عام دوا جو پچاس روپے میں ملتی ہے وہ رات کے وقت سو روپے میں دے رہے ہوتے ہیں اور پھر ساتھ بداخلاقی سے بھی پیش آتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دو واقعات بڑے ہی تکلیف دہ سامنے آئے۔ باہر کے مریض تھے انہوں نے رات کو جا کر کہا دوا دو۔ دکاندار نے قیمت بتائی۔ گاہک کو علم تھا کہ اتنی بڑی قیمت کا تو سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو بڑی سستی دوا ہے۔ مگر دکاندار نے کہا کہ اس وقت اسی قیمت پر ملے گی۔ لینی ہے تو لو ورنہ جاؤ۔ انہوں نے کہا مریض ہمارا مر رہا ہے کچھ خدا کا خوف کرو، انہوں نے کہا کہ پھر جہاں سے سستی ملتی ہے وہاں سے لے لو۔ غرض بڑی بداخلاقی سے وہ صاحب پیش آئے۔ میں نے امور عامہ سے کہا ہے کہ وہ اس معاملہ میں غور کریں اگر ربوہ میں ایسے دوکاندار رہے تو بہت ہی بدنامی کا موجب ہوگا۔ بلکہ ساری جماعت کے لیے تکلیف کا موجب ہو گا۔ ایسے لوگوں کی دکانیں بند ہو جانی چاہییں۔ ربوہ میں اس قسم کی دکانداری کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ پس اخلاق حسنہ کا معیار بلند کریں اور خصوصاً وہ لوگ جن کا تعلق زندگی بچانے سے ہے بیماریوں کو شفا دینے سے ہے وہ اپنی اندرونی شفا کا تو پہلے انتظام کریں۔ روحانی طور پر اس قابل تو بنیں کہ لوگوں کو شفا دینے سے ان کا تعلق قائم ہو سکے۔ اس لیے ڈاکٹرز بھی اور طبیب بھی اور دوائیں بیچنے والے بھی اس موقع پر قربانی کے معیار کو خصوصیت کے ساتھ بلند کریں۔''

(خطبات طاہر جلد دوم صفحہ 642 تا 645۔ الفضل 21 فروری 1984ء)

Dignity Of Labour

(اختتامی خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ بیلجیئم 4/جون 2000ء)

(غیر مطبوعہ)

تشہد، تعوذ، تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد آپؒ نے یہ آیت تلاوت کی

''وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى o ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى o

(سورہ النجم: 40تا42)

اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں جو اس نے کوشش کی ہو اور یہ کہ اس کی کوشش ضرور زیر نظر رکھی جائے گی پھر اسے اس کی بھرپور جزا دی جائے گی۔

میرا آج کا خطاب Dignity Of Labour سے متعلق ہے۔ یعنی اصل عزت اور وقار محنت میں ہے خواہ کسی قسم کی بھی محنت ہو مگر جائز محنت ہو اور بڑے بڑے عہدوں اور رشوتوں کے ذریعہ حاصل

کی ہوئی دولت میں کوئی بھی عزت اور کوئی بھی وقار نہیں۔ گھر میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا باعث عزت نہیں۔ بعض لوگ باہر سے آتے ہیں بہت بڑے بڑے تعلیم یافتہ، اور ان سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ ہم بیکار ہیں کیونکہ ہمیں ہمارے پروفیشن کا جاب نہیں ملا۔ یعنی جو علوم ہم نے سیکھے ہیں اونچے، ان کے مطابق یہاں کوئی کام ہمیں نہیں مل رہا۔ حالانکہ بہت سے ایسے ہیں جو تعلیم یافتہ بھی ہیں اور کھیتوں میں محنت مزدوری کرتے ہیں، بسیں چلاتے ہیں، ٹیکسیاں چلاتے ہیں اور کوئی بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے اسوہ کے مخالف بات ہے۔ احمدیوں کا فرض ہے کہ اس وقت دنیا میں Dignity Of Labour کو دوبارہ بحال کریں اور ہر قسم کی مزدوری کو عزت سے دیکھیں اگر وہ نیکی اور تقویٰ پر مبنی ہے اور انسان کے ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کوئی کمائی نہیں۔

اس سلسلے میں آپ کے سامنے چند احادیث نبویؐ رکھتا ہوں۔ پہلی حدیث حضرت سلام بن ابی شرحبیل رضی اللہ عنہ کی مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خالد کے بیٹوں حبہ اور سواء سے سنا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپؐ اپنے دست مبارک سے کوئی کام کر رہے تھے یا کوئی عمارت بنا رہے تھے۔ ہم نے اس کام میں آپؐ کی معاونت کی۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کام سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ہمارے لیے دعا کی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد3صفحہ469نسخہ میمنیہ)

اب اس میں ایک پوشیدہ حکمت یہ بھی ہے کہ جب کوئی کام کر رہا ہو اور کوئی دوسرا اس کی مدد کو آجائے تو ستانے کے لیے نہ بیٹھ جائے اور ان کے ساتھ گپیں نہ مارنی شروع کر دے۔ اپنے کام میں مصروف رہے اور جو لوگ اس کی مدد کرتے ہیں کام سے فارغ ہونے کے بعد ان کے لیے دعا کرے جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو بخاری کتاب الاجارۃ سے لی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی نے قبل از بعثت بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ نے عرض کیا کہ کیا حضور نے بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں چند قیراط کے معاوضے پر میں مکے والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

(بخاری کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم علی قرا ریط)

اب دینار تو آپ لوگوں نے سنا ہوا ہے۔ قیراط ایک دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے۔ تو چند قیراط کے عوض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

ایک حدیث بخاری کتاب البیوع میں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس سے بہتر کوئی روزی نہیں کھا سکتا کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب البیو ع باب کسب الرجل و عملہ بیدہ)

ایک حدیث ترمذی کتاب الاحکام سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاکیزہ خوراک وہ ہے جو تم خود کما کر کھاؤ اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہی ہے۔

(ترمذی کتاب الاحکام باب ما جاء ان الوالد یأ خذ من مال ولدہ)

اب انسان سمجھتا ہے کہ صرف دنیا کا روپیہ پیسہ ہی کمائی ہے۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم کی اس سورت میں جس کی تلاوت کی گئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نظر رکھو اپنی اولاد پر بھی جو کل آنے والی ہے۔ تو اولاد بھی انسان کی کمائی ہے اور اس پر نگاہ رکھنا بھی دراصل اس لیے ضروری ہے کہ سب دولت تو انسان کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ جو وہ پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے۔

ایک حدیث بخاری کتاب الزکوۃ سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اگر رسی لے کر جنگل میں جائے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر بازار میں آئے اور اسے بیچے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کی عزت وخودداری کی حفاظت فرمائے تو یہ لوگوں سے بھیک مانگنے سے بہت بہتر ہے۔ نامعلوم وہ لوگ اس کے مانگنے پر اسے کچھ دیں یا نہ دیں۔ یعنی اگر مانگنے کی ضرورت ہو تو اللہ سے مانگنا چاہیے۔ انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو انسان کی بے عزتی ہے۔ چاہے تو وہ جھولی میں کچھ ڈال دے، کوئی ہاتھ میں ڈال دے چاہے تو نہ۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الاستعفا ف عن المسألۃ)

ایک حدیث ابوداؤد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی موضوع پر مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ

میری خالہ کو تین طلاقیں مل گئی تھیں اس حالت میں وہ اپنے گزارے کے لیے کھجوریں توڑنے نکلیں تو ایک آدمی نے انہیں اس بات سے منع کیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجوریں توڑنے جایا کرو ہوسکتا ہے تم اس میں سے کچھ صدقہ اور خیرات کرو یا نیک راستے اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرو۔

(ابو دائود کتاب الطلاق باب فی المبتوتۃ تخرج بالنھار)

اسی طرح ایک حدیث حضرت وائل بن ابوبکر کی مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عبایہ بن رافع بن خدیج اپنے دادا رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بہتر کمائی کون سی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جو نیکی پر مبنی ہو اور اس میں جھوٹ اور خیانت شامل نہ ہو۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4صفحہ 141نسخہ میمنیہ)

اسی قسم کی ایک حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگوں کو سوال کرنے سے بچنا چاہیے۔ اوپر والا ہاتھ جو خرچ کرتا ہے نیچے والے مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(مسلم کتاب الزکوٰۃ باب البیان ان الید العلیا خیر من ید السفلیٰ)

اور یہ ایک بہت ہی عظیم الشان کلمہ ہے کہ دوسرے پر احسان کرنے والا احسان مند کی نسبت ہمیشہ اوپر رہتا ہے۔ جس پر احسان کیا جائے اس کی نظریں جھک جاتی ہیں اور جو احسان کرنے والا ہے اگر وہ نظریں اٹھا کے نہ بھی دیکھے تو یہ اس لیے کرے گا کہ اس کے دل میں فروتنی ہوگی وہ عجز کا اظہار کرتا ہے ورنہ دنیا کے شیخی مار تو جب کچھ کسی کو دیتے ہیں تو بڑے فخر سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا کرتے ہیں۔

ایک لمبی حدیث بخاری کتاب الوصایا سے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کچھ عطا کریں آپؐ نے عطا فرما دیا پھر میں نے ایک موقع پر عرض کیا حضورؐ مجھے کچھ عطا کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

عطا تو فرما دیا مگر مجھے کہا اے حکیم (یعنی ان کا نام تھا) یقیناً یہ مال (یہ تیسری دفعہ تھی جب ارشاد فرمایا) اے حکیم یقیناً یہ مال بہت سرسبز اور میٹھا ہے لیکن برکت بے نیازی میں ہی ہے۔ جو شخص اس دنیا کے حاصل کرنے میں حرص و لالچ کا مظاہرہ کرتا ہے وہ بے برکتی کا منہ دیکھتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ جو دراصل ایک جہنم کی تمثیل ہے۔ جہنم کے متعلق یہ آتا ہے کہ جب جہنم بھر دی جائے گی تو وہ پھر پوچھے گی اپنے رب سے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہ کیا کچھ اور بھی ہے وہ بھی جھونک دیا جائے۔ ایک حریص اور لالچی انسان کا پیٹ کبھی نہیں بھرا کرتا جتنا مرضی اس کو دو وہ اور بھی طلب کرتا رہے گا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ حریص انسان کی تو ایسی ایک مثال ہے کہ اسے اگر ساری دنیا بھی دے دی جائے تو خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا کہ اور دنیا بھی ہے تو وہ بھی میری جھولی میں ڈال دے۔ بہر حال حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر بھر کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا بلکہ جو آپ کو خود بھی عطا کرتا تھا اس کو بھی لینے سے انکار کر دیا کرتے تھے اور بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بلاتے ہیں تا کہ انہیں عطیہ دیں لیکن وہ قبول نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں ان کو ان اموال سے جو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے تھے، حضرت ابن حزام کو دینا چاہتے ہیں مگر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو گواہ ٹھہرا دیا کہ اے مسلمانو! میں تم کو حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے متعلق گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے سامنے مال میں سے ان کا حق پیش کیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ غرض حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتے دم تک کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔

(بخاری کتاب الوصایا باب تاویل قول اللّٰہ تعالیٰ من بعد وصیة یوصی بها او دین)

یہ درست ہے کہ اس میں ایک ان کی طرف سے مبالغہ ہے۔ باقی صحابہ جو قبول کرتے تھے وہ کوئی معیوب بات تو نہیں کرتے تھے مگر چونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود یہ نصیحت سنی ہوئی تھی اس لیے وہ وقت ایسا تھا کہ ان کے دل پر اتنا گہرا اثر کر گئی کہ پھر مرتے دم تک کبھی اس نصیحت کو نہ بھلایا۔

حضرت محمد بن عمار کشاکش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اور یہ مسند احمد بن حنبل کی حدیث ہے کہ میں نے سعید المخبر ی کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر کمائی وہ ہوتی ہے جو ایک مزدور اپنے ہاتھ سے کرتا ہے جبکہ وہ اخلاص اور دیانتداری سے ایسا کرے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد2صفحہ334نسخہ میمنیہ)

ایک لمبی حدیث ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ (باب ماتجوز فیہ المسألتہ) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری سوالی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر میں کچھ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ایک چادر ہے جسے آدھا نیچے بچھاتا ہوں اور آدھا اوپر اوڑھتا ہوں اور ایک چھاگل ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں چیزیں لے آؤ جب وہ آ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نیلامی کی اور کہا، ہے کوئی جوان چیزوں کو خریدلے؟ تو صحابہ کے لیے تو وہ بیکار چیزیں تھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نیلامی سے وہ سمجھے کہ یہ بہت بابرکت سودا ہے ہم بھی اس میں کچھ پیش کریں۔ایک صحابی نے ایک درہم کی آفر دی۔میں ایک درہم میں یہ دونوں چیزیں لے لیتا ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا ہے کوئی اور؟ جیسے نیلامی والا کہتا ہے ناں کہ ایک دو تین اب بتاؤ اور کوئی ہے تو ابھی بولے؟ تو آخر ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دو درہم پیش کرتا ہوں چنانچہ آپ نے دونوں درہم لے کر وہ نیلامی ختم کی اور دونوں درہم اس آدمی کو پکڑاتے ہوئے کہا یہ لو ایک درہم سے کھانے پینے کی چیزیں خرید کر گھر دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ جب وہ کلہاڑی خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور علیہ السلام نے اس میں خود لکڑی کا دستہ ڈالا اور اس شخص سے فرمایا جاؤ اس سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر فروخت کرو۔اور پندرہ دن سے پہلے میں تیرا منہ نہ دیکھوں۔وہ شخص لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچتا رہا یہاں تک کہ اس عرصے میں اس نے دس درہم کمائے۔چنانچہ ان میں سے اس نے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ کا کھانے پینے کا سامان۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تیرے لیے خود کما کر کھانا اس بات سے زیادہ اچھا ہے کہ تو قیامت کے دن اس حالت

میں آئے کہ مانگنے کی وجہ سے تیرا چہرہ خراش زدہ ہو۔ دیکھو مانگنا صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک وہ شخص جو غربت کی وجہ سے پس چکا ہو اور خاک آلودہ ہو چکا ہو۔ یا اس شخص کے لیے جس پر ناحق چٹی آپڑی ہو۔ بعض دوسروں کی خاطر چٹی دیتے ہیں یا ضمانت دیتے ہیں اور وہ لے کر بھاگ جاتا ہے۔ تو اس غریب پر وہ چٹی پڑ جاتی ہے اور اس کے پاس پیسہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو دے سکے تو اس کے لیے بھی جائز ہے کیونکہ حکومت کی طرف سے اس پر پابندی ہوتی ہے کہ ضرور یہ قرض اتارو۔ تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی سے مانگ کر اس غلطی کا خمیازہ بھگتے۔ پھر اس کے لیے بھی آپ نے جائز فرمایا جس سے غلطی سے کوئی قتل ہو گیا ہو اور اس کی دیت دینی اس پر لازم ہو لیکن پاس کچھ نہ ہو تو اس کی دیت کے طور پر اگر وہ اپنی دیت پوری کرنے کے لیے مانگ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک حدیث حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی ترمذی کتاب الزہد میں مروی ہے۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین باتوں کے مؤثر ہونے کے بارہ میں مَیں قسم کھا سکتا ہوں۔ تم ان باتوں کو یاد رکھو۔ اوّل یہ کہ صدقہ سے کسی کا مال کم نہیں ہو جاتا۔ دوسرے کوئی مظلوم جب ظلم پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی عزت بڑھا دیتا ہے۔ تیسرے جب کوئی انسان اپنے لیے سوال اور مانگنے کا دروازہ کھول دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ غربت اور احتیاج کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ یاد رکھو دنیا میں رہنے والے چار قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دیا اور اس نعمت کی وجہ سے اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ رشتے داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتا ہے۔ یعنی خدا کی راہ میں اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے اور اپنا علم بھی خرچ کرتا ہے۔ یہ تو سب سے اعلیٰ درجے کا انسان ہے۔ دوسرا وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا لیکن مال نہیں دیا اور سچی نیت سے کہتا ہے کہ اگر مجھے بھی مال ملتا تو میں فلاں سخی کی طرح عمل کرتا۔ ایسے شخص کو اس کی نیت کا ضرور ثواب ملے گا اور چونکہ اس کی یہ حسرت ہے کہ میں بھی نیک ہوں اس کے پاس کچھ نہیں اس لیے وہ نیکی کا یہ کام نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے آدمی کے برابر اس کا درجہ ہو گا۔ تیسرا وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال تو دیا لیکن علم نہیں دیا۔ چنانچہ وہ اپنے مال کو سوچے سمجھے بغیر بے جا خرچ کرتا ہے اور خرچ کے

بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ صلہ رحمی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے حق کو نہیں پہچانتا۔ علم نہیں دیا سے مراد ہے کہ یہ کام جاہل لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ بدترین انسان ہیں۔ چوتھے وہ انسان جس کو خدا تعالیٰ نے نہ مال دیا اور نہ علم۔ لیکن آرزو رکھتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی مال ہو تو میں اس بدکردار شخص کی طرح اسے خوب خرچ کروں اور گل چھڑے اڑاؤں۔ ایسے شخص کو بھی اسکی نیت کا بدلہ ملے گا اور دونوں کا گناہ برابر ہوگا۔

(ترمذی کتاب الزھد باب ماجاء مثل الدنیا)

ان چند احادیث کے بعد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے چند اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

الحکم میں یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے عبارت درج ہے۔

''اگر چہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے۔ (نتیجہ تو بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل سے نکلتا ہے اور کوشش کرنا ہر ایک کا فرض ہے) جیسا کہ قرآن شریف نے صراحت سے حکم دیا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کرے گا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہوسکے گا۔''

(الحکم 14رمئی 1908ء)

''انسان کے لیے سعی اور مجاہدہ ضروری چیز ہے اور اس کے ساتھ مصائب اور مشکلات بھی ضروری ہیں۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی جو لوگ سعی کرتے ہیں وہ اس کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کی قربانی کرتے ہیں ان پر الٰہی قرب و انوار و برکات اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بہشت کا نقشہ ان پر کھولا جاتا ہے۔''

(الحکم 17راگست 1905ء)

ایک دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں اور یہ بھی الحکم جلد آٹھ سے عبارت لی گئی ہے۔

''قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی یعنی کوئی انسان بغیر سعی کے کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے پھر اس کے خلاف اگر کوئی کچھ حاصل

کرنا چاہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور اسے آزماتا ہے اس لیے محروم رہے گا۔ دنیا کے عام کاروبار میں بھی تو یہ سلسلہ نہیں ہے کہ پھونک مار کر کچھ حاصل ہو جائے یا بدُوں سعی اور مجاہدہ کے کوئی کامیابی مل سکے۔ دیکھو آپ شہر سے چلے تو اسٹیشن پر پہنچے اگر شہر سے ہی نہ چلتے تو کیونکر پہنچتے؟ پاؤں کو حرکت دینی پڑی ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے جس قدر کاروبار دنیا کے ہیں سب میں اول انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی راہ میں وہی لوگ کمال حاصل کرتے ہیں جو مجاہدہ کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) پس کوشش کرنی چاہیے کیونکہ مجاہدہ ہی کامیابیوں کی راہ ہے۔‘‘

(الحکم 17/10 نومبر 1904ء صفحہ 3)

’’کمالات تو انسان کو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں۔......اصل بات یہ ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب اپنے نفس کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے فسق و فجور وغیرہ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر وہ یقین کی حالت پر پہنچ کر ان کو صیقل کر سکتا ہے۔......انسان کھیتی کرتا ہے۔ اس میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک ملازم ہے تو اسے بھی محنت کا خیال ہے۔ غرضیکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر کوشش میں لگا ہے اور سب کا ثمرہ کوشش پر ہی ہے۔ سارا قرآن کوشش کے مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی۔‘‘

(البدر 2 جنوری 1903ء صفحہ 74)

پھر البدر میں آپ فرماتے ہیں:

’’محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ (یعنی جو آپ نے فرمایا وہ البدر جلد دو نمبر چودہ میں چھپا ہے) محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے اور قسم قسم کی محنت اٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے مگر محنت کے لیے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو، سامان بھی عمدہ ہو، سب کچھ کر بھی سکے تب جا کر فائدہ پاوے گا۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیے۔ جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بلاؤں سے اسے بچاتا ہے۔‘‘

(البدر 24/اپریل 1903ء صفحہ 3)

پھر الحکم جلد چار نمبر 29 میں یہ عبارت درج ہے۔

''اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے بلکہ اس نے صاف فرمایا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (یہ تمام لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کی تشریحات ہیں)اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ جدو جہد سے کام کرے لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے (مراد ہے جتنی دفعہ مجھ سے ممکن ہے) یہی کہوں گا کہ دنیا کو مقصود بالذات نہ بنالو۔ دین کو مقصود بالذات ٹھہراؤ اور دنیا اس کے لیے بطور خادم اور مَرکب کے ہو۔''

(الحکم 16/اگست 1900ء صفحہ 4)

مَرکب کہتے ہیں سواری کو۔ تو دنیا سواری کے طور پر ہو جو بالآخر خدا تک پہنچائے۔

پھر الحکم جلد 12 بتاریخ 14/مئی 1908ء میں عبارت ہے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال سے تھوڑے دن پہلے ہی کی عبارت ہے۔

''اگر چہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآن شریف میں صراحت سے حکم دیا ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کرے گا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہو سکے گا۔''

اب ایک عبارت الحکم جلد نہم سے میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

''انسان کے لیے سعی اور مجاہدہ ضروری چیز ہے اور اس کے ساتھ مسائل اور مشکلات بھی ضروری ہیں۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی جو لوگ سعی کرتے ہیں۔ وہ اس کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کی قربانی کرتے ہیں ان پر الٰہی قرب و انوار و برکات اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بہشت کا نقشہ ان پر کھولا جاتا ہے۔''

(الحکم 17/اگست 1905ء صفحہ 4)

یہ وہ عبارتیں ہیں جو میں پہلے پڑھ چکا ہوں اور ایک ہی طرف رکھی ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کا آخری جو اقتباس میں یہاں رکھ رہا ہوں اس وقت وہ تبلیغ و اشاعت دین سے ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو دوسری یورپ پر اتمام حجت کریں۔عرب پر اس لیے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوگا کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کو پہنچائیں۔اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہوگی۔ایسا ہی یورپ والے حق رکھتے ہیں کہ ان کی غلطیاں ظاہر کی جاویں۔(آپ میں سے اکثر کو، بھاری اکثریت کو تو عرب جانے کی توفیق نہیں مل سکتی مگر عربوں کو یہاں پہنچنے کی بہت توفیق ملی تو اس ماحول میں ان کو تبلیغ کرنا اس سے بہت زیادہ آسان ہے جتنا ان کے ماحول میں۔عرب میں ان کو تبلیغ کی جائے۔ایسا ہی یورپ والے حق رکھتے ہیں کہ ان کی غلطیاں ظاہر کی جاویں) کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دور جا پڑے ہیں۔یورپ کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ واقعی اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ کا مصداق ہوگیا ہے۔(کہ وہ زمین کی طرف جھک گیا ہے۔) طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں اس سے تعجب مت کرو کہ یورپ ارضی علوم وفنون میں ترقی کررہا ہے۔یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آسمانی علوم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو پھر زمین ہی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی کلیں بھی بنایا کرتے تھے یا ان کی ساری کوششیں اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 477 جدید ایڈیشن)

ان اقتباسات کے بعد میں اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں جس کا مجھے خیال اس لیے آیا کہ یہ منع ہے کہ جو انسان خود نہ کرے اس کی دوسرے کو نصیحت کرے۔تو آپ لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ میں نے خود تو بڑے آرام کی زندگی بسر کی ہے۔کبھی ہاتھ کی محنت نہیں کھائی۔ورثہ ہی میں جو پایا وہ سب کچھ کھایا۔تو میں کیسے آپ کو نصیحت کر سکتا ہوں کہ محنت میں برکت ہے اور محنت کرنی بہت ضروری ہے۔محض اس وجہ سے کہ یہ غلط فہمیاں دور کردوں میں آپ کو اپنی محنت کے بعض حالات بتاتا ہوں۔

میں نے خود زمینداری کی ہوئی ہے احمد نگر میں اور اتنی محنت کیا کرتا تھا کہ آپ میں سے بہت سے نہیں کر سکتے۔اکیلا مزدوروں کی طرح اڑھائی من کی بوری اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر ٹرالی میں لادا کرتا تھا اور مسلسل لادتا رہتا تھا تا کہ ان مزدوروں کو بھی پتہ چلے کہ یہ کوئی کام ایسا نہیں جو میں ان کو دیتا ہوں اور آپ نہیں کر سکتا اور اسی طرح وہاں سے اپنی زمین کی پیداوار اپنے سائیکل کے پیچھے لاد کر خود اپنے گھر

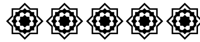
پہنچایا کرتا تھا اور بعض دفعہ فصلوں کے پکنے کے وقت 18، 18 گھنٹے اپنی زمینوں پہ جا کر محنت کرتا تھا۔ تو یہ نہ خیال کریں کہ میں آپ کو وہ باتیں کہہ رہا ہوں جن سے خود نا آشنا ہوں بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بہت سی ایسی محنتیں میں نے جو کی ہیں وہ آپ میں سے اکثر نہیں کر سکتے۔

یہی اب یورپ کی بات ہے وہاں تو ماحول اور تھا۔ یورپ کے ماحول میں میرا یہ دستور تھا کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک مہینہ سیر کی خاطر محنت کر کے کمائی کرتا تھا اور ایسی سخت محنت کی ہوئی ہے جس کے تصور سے اب بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اخبار کے پیکٹ، بہت بھاری پیکٹ وہ گاڑیوں پر لادنے ہوتے تھے اور رات سے صبح تک پورے 8 گھنٹے مسلسل یہ کام کرنا پڑتا تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ اب یہ ٹرک ختم ہوا تو عین اسی وقت دوسرا ٹرک پہنچ جاتا تھا پھر سمجھتے تھے کہ محنت اب ختم ہوئی تو پھر تیسرا ٹرک پہنچ جاتا تھا۔ ساری رات صبح 8 بجے تک کمر اتنی دکھنے لگتی تھی کہ واپس اپنے گھر آ کر بخار چڑھ جاتا تھا اور میں سوچا کرتا تھا کہ شاید اب مجھے دوبارہ جانے کی توفیق نہ مل سکے لیکن کچھ آرام کر کے جب تھکاوٹ کچھ دور ہو جاتی تھی تو رات کو پھر دوبارہ وہی کام۔ مسلسل ایک مہینہ میں نے انگلستان میں اس قسم کے کام کیے ہوئے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں محنت کی قیمت نہیں جانتا اور اپنے ہاتھ کی کمائی میں جو برکت ہے اس سے نا آشنا ہوں۔

ایک اور بات میں آپ کو سمجھاؤں کہ اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ لوگوں کی خاطر ہر قسم کی محنت کرتا ہوں۔ جسمانی محنت بھی، آپ مجھ سے ملاقاتیں کرتے ہیں آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ اس میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر رات کو، دن کو دعائیں کرنا اور آپ کے غم سے غمگین ہونا۔ آپ کی خوشیوں میں شریک ہونا۔ یہ جتنی خدا نے مجھے توفیق دی ہے میں کبھی اس سے باز نہیں آؤں گا تو یہ خیال نہ کریں کہ ایک نصیحت کرنے والا آپ کو ایسی نصیحت کر رہا ہے۔ جس سے خود نا آشنا ہے۔ پس میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ تمام اس نصیحت کو پلے باندھ لیں گے کہ اصل برکت محنت میں ہے اور محنت کی جو کمائی ہے اس سے زیادہ بابرکت اور کوئی کمائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اپنی امان میں رکھے اور محنت کے بداثرات سے بچاتا رہے اور اس کی برکتوں سے آشنا کرتا رہے۔۔ خدا کرے کہ ہم دنیا میں ایک دفعہ پھر محنت کے وقار کو قائم کر سکیں۔ سب دنیا محنت کا وقار ہم سے سیکھے۔

ابھی جرمنی سے ایک خط ملا ہے وہاں جو جلسہ گاہ کی تیاری ہے اس سلسلے میں جو ٹینٹ لگائے گئے

تھے۔خدام نے بڑی محنت کر کے ان کو فوراً کھڑا کر دیا۔اس وقت وہاں جوان کا انچارج تھا اس نے اپنی کمپنی کے جنرل مینیجر کو اطلاع کی کہ انہوں نے تو کمال کر دیا ہے۔ ہماری فیلڈ لیبر سے بھی زیادہ محنت کی ہے اور بہت تیزی سے یہ کھڑا کر دیا ہے۔ یہ کیمپ جس پر یہ لگا ہوتا ہے کھڑا کر دیا ہے۔اس جنرل مینیجر نے نہ صرف تعجب کیا بلکہ کہا یہ ہو ہی نہیں سکتا۔تم مبالغہ کر رہے ہو میں ابھی آ رہا ہوں۔ میں خود اپنی آنکھ سے آ کے دیکھوں گا۔ جب اس نے پہنچ کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔اس نے کہا کہ یہ عجیب قوم ہے۔ کس قسم کے جنّ ہیں کہ جو اتنی محنت سے کام لیتے ہیں کہ جرمن محنتی قوم کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔پس میں آخر پر آپ سے یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دعا میں میرے ساتھ شامل ہوتے وقت ان سب باتوں کو پیش نظر رکھیں۔محنتیوں کے لیے دعا کریں۔ بہت سے غریب محنتی دنیا میں ہیں جو اپنی محنتوں کے حق سے محروم ہیں اور دن رات محنت کے باوجود پھر بھوکے مرتے ہیں۔ وہ خوش نصیب ہیں جن کو محنت کا پھل یہاں مل جاتا ہے۔ تو ان بیچاروں کے لیے بھی دعائیں کریں جن کی زندگی Tragedy ہے۔ مسلسل محنت اور اس کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔تو آیئے اب میرے ساتھ دعا میں شامل ہو جائیں۔اس کے ساتھ میں اس خطاب کو ختم کرتا ہوں۔‘‘



شراب کے کاروبار کی ممانعت

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 10 اکتوبر 2003ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اس زمانہ میں بھی، آج کل بھی چند سال پہلے بعض احمدی یہاں بھی، جرمنی وغیرہ میں بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی ایسے کاروبار جن میں ریستورانٹ میں، ہوٹلوں میں جہاں شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔ حدیث کے مطابق شراب کشید کرنے والا، شراب پلانے والا، شراب بیچنے والا، رکھنے والا، ہر قسم کے لوگوں کو کہا گیا کہ یہ جہنمی ہیں اس لیے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو بھی احمدی اس کاروبار میں ملوث ہیں ان کو فوری طور پر یہ کاروبار ترک کر دینا چاہیے ورنہ ان کے خلاف سخت نوٹس لیا جائے گا۔ تو خود ہی حضورؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی بھاری تعداد نے اس کاروبار کو ترک کر دیا اور بعضوں کو تو خدا تعالیٰ نے فوراً بہت بہتر کاروبار عطا کیے اور بعضوں کو ابتلاء میں بھی ڈالا اور وہ لمبے عرصہ تک کاروبار سے محروم رہے۔ لیکن وہ پختگی کے ساتھ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور پھر انہوں نے اس گندے کاروبار میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔''

(خطبات مسرور جلد اول صفحہ 381 تا 382)

بے ضرورت قرض لینے کی ممانعت اور بروقت ادائیگی کی تلقین

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 6 فروری 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''پھر بعض لوگ قرض لے لیتے ہیں اور بعض لوگ تو عادی قرض لینے والے ہوتے ہیں۔ پتہ ہوتا ہے کہ ہمارے وسائل اتنے نہیں کہ ہم یہ قرض واپس کر سکیں۔ لیکن پھر بھی قرض لیتے چلے جاتے ہیں کہ جب کوئی پوچھے گا کہہ دیں گے کہ ہمارے پاس تو وسائل ہی نہیں، ہم تو دے ہی نہیں سکتے۔ اپنے اخراجات پر کنٹرول ہی کوئی نہیں ہوتا۔ جتنی چادر ہے اتنا پاؤں نہیں پھیلاتے اصل میں نیت یہی ہوتی ہے پہلے ہی کہ ہم نے کون سا دینا ہے۔ بے شرموں کی طرح جواب دے دیں گے۔ یہاں جو قرض دینے والے ہیں ان کو بھی بتا دوں کہ بجائے اس کے کہ بعد میں جھگڑے ہوں اور امور عامہ میں اور جماعت میں اور خلیفۂ وقت کے پاس کیس بھجوائیں کہ ہمارے پیسے دلوائیں تو پہلے ہی سوچ سمجھ کر،

جائزہ لے کر ایسے لوگوں کو قرض دیا کریں۔ یا تو اس نیت سے دیں کہ ٹھیک ہے اگر نہ بھی واپس ملا تو کوئی حرج نہیں۔ یا پھر اچھی طرح جائزہ لے لیا کریں کہ اس کی اتنی استعداد بھی ہے، قرض واپس کر سکتا ہے کہ نہیں۔

پھر ایک دوسری روایت میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اس نیت سے کوئی چیز خریدتا ہے کہ وہ اس کی قیمت ادا نہ کرے گا تو جس دن وہ مرے گا وہ خائن ہوگا اور خائن جہنمی ہے۔

(مجمع الزوائد جلد 4 صفحہ 131)

بعض لوگ چیزیں ادھار خرید لیتے ہیں یہ بھی ایک طرح کا قرض ہے ایسے لوگوں کے بارہ میں بھی بڑا انذار ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (البقرۃ: 284)

اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے متعلق مطمئن ہو اور اسے بلا رہن روپیہ دے دے تو وہ شخص جسے روپیہ دیا گیا ہے اور جسے امین جانا گیا ہے اس کا فرض ہے کہ دوسرے کے مطالبہ پر روپیہ بلا حجت واپس کر دے اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔ اس جگہ قرض کو امانت قرار دیا گیا ہے جس میں یہ حکمت ہے کہ دنیا میں عام طور پر امانت کی ادائیگی تو ضروری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن قرض کی ادائیگی میں ناواجب تساہل اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرض بھی ایک امانت ہی کی قسم ہے......اس آیت سے ہر قسم کی امانتوں کی حفاظت اور ان کی بروقت واپسی کا بھی ایک عام سبق ملتا ہے جس کی طرف قرآن کریم کی ایک دوسری آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (المومنون:9) میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اور نصیحت فرمائی ہے کہ تمدنی معاملات کی ایک اہم شاخ دوسرے کے پاس امانت رکھوانا بھی ہے۔ پس نہ صرف قرض کے معاملات میں بلکہ امانت کے معاملہ میں بھی تمہیں تقویٰ اللہ سے کام لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ امانت لینے والا آئے اور تم واپسی میں پس و پیش کرنے لگ جاؤ۔

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 648، 649)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ ایک دوسرے

شخص کی امانت جو اس کے پاس جمع تھی لے کر کہیں چلا گیا ہے۔ اس پر فرمایا:

''ادائے قرضہ اور امانت کی واپسی میں بہت کم لوگ صادق نکلتے ہیں اور لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس التجا اور خلوص کے ساتھ لوگ قرض لیتے ہیں اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ واپس نہیں کرتے بلکہ واپسی کے وقت ضرور کچھ نہ کچھ تنگی ترشی واقع ہو جاتی ہے۔ ایمان کی سچائی اسی سے پہچانی جاتی ہے۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 265، بدر 5 ستمبر 1907ء)

تو احمدی کی پہچان تو یہ ہونی چاہیے کہ ایک تو قرض اتارنے میں جلدی کریں، دوسرے قرض دینے والے کے احسان مند ہوں کہ وہ ضرورت کے وقت ان کے کام آیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں، اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز (جنازہ) نہ پڑھتے تھے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سُستی نہیں کرنی چاہیے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دُور بھاگنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے جو اس نے اس آیت میں یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى (النحل: 91) دیا ہے''۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 607۔ الحکم 24 رجنوری 1906ء)

تو یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ایک تو یہ کہ قرض مقررہ میعاد کے اندر ادا کیا جائے جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر پتہ ہے کہ واپس نہیں کر سکتے کیونکہ وسائل ہی نہیں ہیں، اور غلط بیانی کر کے میعاد مقرر کروا لی ہے تو پھر بہتر ہے کہ خائن بننے کی بجائے مدد مانگ لی جائے۔ لیکن جھوٹ اور خیانت کے مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن مدد مانگنے والوں کو بھی عادت نہیں بنا لینی چاہیے کیونکہ سوائے انتہائی اضطراری حالت کے اس طرح مدد مانگنا بھی منع ہے اور معیوب سمجھا گیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے سخت خلاف تھے۔''

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 111 تا 114)

مانگنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 13رفروری 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''حضرت کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین چیزوں کے بارے میں مَیں قسم کھا کے بتاتا ہوں کہ انہیں اچھی طرح یاد رکھو، صدقہ بندے کے مال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرتا۔ جب بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اسے اور عزت بخشتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ صدقہ دو کیونکہ صدقے سے مال میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے اور جب کسی پہ ظلم کیا جائے اور وہ صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت بخشتا ہے اور تیسری بات یہ کہ جس نے سوال کرنے کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر اور محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(ترمذی کتاب الزھد باب مثل الدنیا مثلُ اربعة نَفَرٍ)

زیادہ مانگنے والے ہوں تو ان کی محتاجی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک تو خود ان میں بیٹھے رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر خواہشات بھی بڑھتی رہتی ہیں۔ تو اس میں ایک تو صبر کرنے والے کے لیے خوشخبری ہے کہ صبر سے کام لو اگر تنگ بھی کیے جاؤ تو اپنے خدا کی رضا کی خاطر صبر کرو اور جب اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ جو دینے سے کبھی نہیں تھکتا وہ تمہیں نہ صرف اس مشکل اور تکلیف سے نکالے گا بلکہ صبر کی وجہ سے تمہیں عزت بھی دے گا۔ پھر ایک اہم بات یہ یہاں بیان فرمائی کہ مانگنے کی عادت اپنے اندر کبھی نہ پیدا کرو۔ جیسے مرضی حالات ہوں صبر شکر کے ساتھ گزارا کرو اور اسی طرح گزارا کرنے کی کوشش کرو کیونکہ اگر ایک دفعہ مانگنے کی عادت پڑ گئی تو پھر یہ بڑھتی چلی جائے گی۔ قناعت پھر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ تن آسانی کی بھی عادت پڑ جاتی ہے، پتہ ہے کہ کھانے کو مل رہا ہے، کسی قسم کا کام کرنے کو دل نہیں چاہتا، اور صرف اس لیے کہ میری ساری ضروریات پوری ہو رہی ہیں مدد کے ذریعے سے تو ایسے نکمے مرد بیٹھے رہتے ہیں اور بیوی بچوں کی بھی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اگر جماعتی وسائل کے مطابق محدود پیمانے پر ضروریات پوری ہو رہی ہوں تو بیوی بچوں کی بہت سی ایسی ضروریات بھی ہیں جو ان وسائل کے ساتھ پوری نہیں ہو سکتیں، ایک محدود مدد ہوتی ہے۔ تو بہر حال ہر انسان کو اگر

مدد ہو بھی رہی ہو تو کام کرنا چاہیے، اپنی ذمہ داری خود اٹھانی چاہیے اس لیے جس قسم کا بھی کام ملتا ہو کرنا چاہیے اور ہر ایک کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرمایا کہ اگر تم سوال کرنے کی عادت جاری رکھو گے تو پھر اللہ تعالیٰ محتاجی میں بھی اضافہ کرتا چلا جائے گا اور اس وجہ سے پھر گھر سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیں ایسے گھروں میں میاں بیوی کی لڑائیاں بھی ہو رہی ہوتی ہیں۔ بچے الگ پریشان ہو رہے ہوتے ہیں، نفسیاتی مریض بن رہے ہوتے ہیں۔ اس بات کو کوئی معمولی بات نہ سمجھیں۔ عزت اور وقار اسی میں ہے کہ خود محنت کر کے کمایا جائے۔ اور امدادوں یا وظیفوں کو کبھی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کی طرح محنت کی کمائی بھی فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے اور بہت سے فرائض ہیں ان میں یہ بھی فرض ہے کہ محنت کر کے کماؤ اور کھاؤ۔

میں نے دیکھا ہے کہ جن کو اپنی عزت نفس کا خیال ہو مانگنے سے گھبراتے ہیں۔ یہ مجھے پاکستان کا تجربہ ہے۔ ایسے خاندان بھی میری نظر سے گزرے ہیں جن کے وسائل اتنے بھی نہیں تھے کہ پورا مہینہ کھانا کھا سکیں تو بعض دن ایسے بھی آجاتے تھے کہ لنگر خانے سے آ کے سوکھے ٹکڑے لے جاتے تھے اور ان کو پانی میں بھگو کر کھاتے رہے۔ لیکن کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔ گو بعد میں پتہ لگ گیا اور ان کی مدد کی گئی اور ضرورت پوری کی گئی، لیکن انہوں نے خود کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا، ایسے سفید پوش بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے ہیں کہ اچھی بھلی آمدنی ہو جس سے بہت اچھا نہ سہی لیکن غریبانہ گزارا چل رہا ہوتا ہے پھر بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں وظیفہ دیا جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے گھروں سے اللہ تعالیٰ برکت اٹھا لیتا ہے۔ اگر ہمت ہو اور نیک نیتی ہو تو بہت معمولی رقم قرضہ حسنہ کے طور پر لے کر بھی کام کیا جا سکتا ہے۔ مَیں نے بعض لوگوں کو اس طرح سے معمولی رقم سے کاروبار وسیع کرتے بھی دیکھا ہے۔ تو جب انسان ہمت کرے تو خدا تعالیٰ برکت بھی ڈالتا ہے۔ یہاں یورپ میں بھی بعض لوگ جو جوان ہیں بعض فارغ بیٹھے رہتے ہیں کہ ضروریات تو پوری ہو رہی ہیں تو ان کو بھی چاہیے کہ چاہے چھوٹے سے چھوٹا کام ملے، اپنی تعلیم کے مطابق نہ بھی کام ملے تب بھی کام کرنا چاہیے۔ فارغ بہر حال نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 126 تا 128)

کم تجربہ والوں کو دھوکہ سے نقصان میں مبتلا کرنا قابلِ شرم حرکت ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 5/مارچ 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''پھر بعض لوگوں کو عادت ہے کہ بعض کاروباری لوگ جو بعض دفعہ بہت ہوشیار چالاک بنتے ہیں کم تجربہ والے کو ساتھ ملا کر کاروبار کرتے ہیں۔ بعض بیچاروں کے پاس پیسہ تو آجاتا ہے ایسے سیدھے ہوتے ہیں کہ جو اِن چالاک اور ہوشیار آدمیوں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور ان سے کاروبار کا ایسا معاہدہ کر لیتے ہیں جو آخر کار سراسر نقصان پہ منتج ہوتا ہے اور سارا سرمایہ بھی ان لوگوں کا ہوتا ہے اور کام کی ساری ذمہ واری بھی ان لوگوں کی ہوتی ہے اور اس دوسرے شخص کو گھر بیٹھے صرف منافع مل رہا ہوتا ہے ایسے ہوشیار لوگوں کو بھی کچھ خوف خدا کرنا چاہیے کہ لوگوں کو اس طرح بیوقوف نہ بنایا کریں، اگر کوئی باتوں میں آ کے بیوقوف بن گیا ہے یہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہے جو دیکھ رہی ہے۔ اس کو تو خبر ہے تمہارے دل میں کیا ہے تو کبھی بھی ایسے تقویٰ سے عاری معاہدے نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ جب بھی تم نے ایسا معاہدہ کیا تو ایسا معاہدہ کرنے والا جس نے کسی ایسے شخص کا جس کو پوری طرح تجربہ نہیں ہے رقم دلوائی اور ضائع کروائی اس نے بہرحال عدل و انصاف کا خون کیا اور بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کا یہ پیسہ بھی لوٹ لیتے ہیں اور اس کے بعد جب ان لوگوں کو سمجھایا جائے کہ یہ تم نے غلط کام کیا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے ایسے معاہدے بھی نہیں ہونے چاہئیں تقویٰ کو مدنظر رکھ کر ایسے معاہدے کیا کرو تو جواب ان کا یہ ہوتا ہے کہ دیکھو جی! اس نے اپنی خوشی سے دستخط کیے تھے ہم نے کون سا اس پر پستول رکھ کر اس سے منوایا تھا۔ یہ بہت قابل شرم حرکت ہے، ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں۔ لیکن جو دوسرے لوگ اس طرح کی بے وقوفی میں پیسہ ضائع کر رہے ہوتے ہیں ان کو بھی اپنا سرمایہ سوچ سمجھ کر لگانا چاہیے۔ مشورہ کر کے، دعا کر کے، سمجھ کے، کچھ فائدہ بھی ہوگا کہ نہیں بلاوجہ بیوقوف نہیں بن جانا چاہیے مومن کو کچھ تو فراست دکھانی چاہیے۔

قرض کی ادائیگی میں پس و پیش عدل کے خلاف ہے

بعض لوگ قرض لے لیتے ہیں اور واپسی کے وقت بہانے بنا رہے ہوتے ہیں۔ ان کو بھی خوف خدا کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرَد الاسلمی بیان کرتے ہیں کہ

ایک یہودی کا ان کے ذمے چار درہم قرض تھا جس کی میعاد ختم ہوگئی، اس یہودی نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اس شخص کے ذمے میرے چار درہم ہیں اور یہ مجھے ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ سے کہا کہ اس یہودی کا حق دے دو، عبداللہ نے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا اس کا حق اسے لوٹا دو، عبداللہ نے پھر وہی عذر کیا اور کہا کہ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ آپؐ ہمیں خیبر بھجوائیں گے اور مال غنیمت میں سے کچھ حصہ دیں گے اور واپس آ کر میں اس کا قرض چکا دوں گا، آپؐ نے فرمایا ابھی اس کا حق ادا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات تین دفعہ فرما دیتے تھے تو وہ قطعی فیصلہ سمجھا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ اسی وقت بازار گئے، انہوں نے ایک چادر بطور تہہ بند کے باندھ رکھی تھی۔ سر کا کپڑا اتار کر تہہ بند کی جگہ باندھ لیا اور چادر چار درہم میں بیچ کر قرض ادا کر دیا۔ اتنے میں ایک بڑھیا وہاں سے گزری، کہنے لگی اے رسول اللہ کے صحابی یہ آپ کو کیا ہوا ہے، عبداللہ نے سارا قصہ ان کو سنایا اس نے اسی وقت جو اپنی چادر اوڑھ رکھی تھی ان کو دے دی اور یوں ان کا قرض بھی اتر گیا اور ان کی چادر بھی ان کو مل گئی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 324. مطبوعہ بیروت)

اس صحابی کی دیکھیں قرض ادا کرنے کی حالت بھی نہیں تھی۔ اس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا چاہے اپنے تن کے کپڑے بھی بیچ کر قرض ادا کرو قرض بہرحال ادا کرنا ہے۔ تبھی حق اور انصاف قائم ہوسکتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عدل کی حالت یہ ہے کہ جو متقی کی حالت نفس امارہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس حالت کی اصلاح کے لیے عدل کا حکم ہے، اس میں نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کسی طرح سے اسے دبا لوں اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گزر جائے اس صورت میں نفس اور بھی دلیر اور بے باک ہوگا کہ اب تو قانونی طور پر بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ہوسکتا، مگر یہ ٹھیک نہیں۔

عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دَین واجب ادا کیا جاوے، یعنی اس کا قرض واپس ادا کیا جائے اور کسی حیلے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جائے، فرمایا مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ

ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں بہت کم توجہ کرتے ہیں، یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے یعنی جنازہ نہ پڑھتے تھے، پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دور بھاگنا چاہیے کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے۔''

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 607۔ الحکم 24 جنوری 1906ء)

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 181 تا 184)

روپیہ کی حرص میں دھوکہ دینے اور دھوکہ کھانے والوں کو نصیحت

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 30/اپریل 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اب بعض لوگ اچھے بھلے اپنے کاروبار ہونے کے باوجود دوسروں کے پیسوں پر نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کئی کم تجربہ کار اپنی بے عقلی سے زیادہ پیسہ کمانے کے لالچ میں ایسے لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور پھر اپنے پیسوں سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور پھر نظام جماعت کو لکھتے ہیں یا مجھے لکھتے ہیں کہ فلاں احمدی کو ہم نے اس طرح اتنی رقم دی تھی وہ سب کچھ کھا گیا اور اب ہم خالی ہاتھ ہو گئے ہیں تو ہماری مدد کی جائے اور رقم ہمیں واپس دلوائی جائے۔ تو ایسے لوگوں کو یہ پہلے سوچنا چاہیے کہ واقعی یہ کاروبار اس طرح ہو بھی سکتا تھا کہ نہیں یا صرف کسی نے باتوں میں لگا کے، چکنی چوپڑی سنا کے، بتا کے تمہارے سے پیسے اور رقم بٹور لی۔ اگر قناعت کرتے رہتے اور کم منافع پر بھی کماتے رہتے تو کم از کم ایسے حالات تو نہ پیدا ہوتے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا سرمایہ کئی گنا زیادہ ہو چکا ہوتا۔ اس کے بعد جو رقم ضائع ہو گئی منافع تو کیا ملنا تھا رقم بھی گئی، اصل سرمایہ بھی گیا۔

لیکن ساتھ ہی میں ان احمدیوں کو بھی جو اس طرح کے کاروبار کا لالچ دے کر دوسروں کی رقم بٹورتے ہیں اور کاروبار میں بنکوں سے دوسرے شخص کی امانت پر رقم لے کر لگاتے ہیں، دوسروں کے نام پر کاغذات بناتے ہیں، غلط بیانی کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی جائیداد یا رقم سے محروم کر دیتے ہیں ان کو میں کہتا ہوں، ان کو بھی خوف خدا کرنا چاہیے۔ دنیا کی اتنی حرص کیا ہو گئی ہے۔ اگر قناعت کرتے،

اگر امیر سے امیر تر بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا خوف پیش نظر رکھتے تو ایسی حرکت کبھی نہ کرتے۔ جماعتی خدمات سے بھی محروم نہ ہوتے اور اپنے ماحول میں شرمندگی بھی نہ اٹھاتے۔ہم باوجود اس بات کا علم ہونے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا نصیحت کی ہے، ہر احمدی بچے کو بھی پتہ ہے احمدی ماحول میں اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے کہ ہمیشہ مالی معاملات یا دنیاوی معاملات میں اپنے سے اوپر نظر نہ رکھو بلکہ اپنے سے کم تر کو دیکھو یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہ جانو اور شکر ادا کر سکو۔

(مسند احمد جلد 2 صفحہ 254 بیروت)

پھر بھی ہم دنیاداری میں پڑے ہوئے ہیں۔یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سے امیر کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے اور یہی حرص ہوتی ہے کہ اس کا پیسہ بھی ہمارے پاس آ جائے یا کسی کے پاس چاہے تھوڑا پیسہ بھی ہو تو اس کو دیکھ کر بھی بعض لوگوں کی حرص بڑھ جاتی ہے۔تو اگر ہم ان نصائح پر عمل کرنے والے ہوں تو بہت سی قباحتوں سے بچ سکتے ہیں۔''

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 283 تا 285)

مال و دولت کا حقیقی فائدہ

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 7 رمئی 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ مال و دولت، جائیدادیں، فیکٹریاں، بڑے بڑے فارمز جو ہزاروں ایکڑ پہ پھیلے ہوئے ہوں، جن پر جاگیردار بڑے فخر سے پھر رہا ہوتا ہے اور دوسرے کو اپنے مقابلے پہ یا عام آدمی کو اپنے مقابلے پہ بہت نیچ اور ہیچ سمجھ رہا ہوتا ہے اور پھر اولاد جو اس کا ساتھ دینے والی ہو، نوکر چاکر ہوں یہ سب باتیں ایک دنیادار کے دل میں بڑائی پیدا کر رہی ہوتی ہیں اور اس کے نزدیک اگر یہ سب کچھ مل جائے تو ایک دنیادار کی نظر میں یہی سب کچھ اور یہی اس کا مقصود ہے جو اس نے حاصل کر لیا ہے اور اس وجہ سے ایک دنیادار آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی بھلا بیٹھتا ہے۔اس کی عبادت کرنے کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔اپنے زعم میں وہ سمجھ رہا ہوتا ہے یہ سب کچھ میں نے اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا احساس دلانے کا کوئی خانہ اس کے دل میں نہیں ہوتا۔

حقوق العباد ادا کرنے کی طرف اس کی ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی اور اپنے کام کرنے والوں، اپنے کارندوں، اپنے ملازمین کی خوشی، غمی، بیماری، میں کام آنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ تو یہ سب اس لیے ہے کہ اس کے نزدیک اس زندگی کا سب مقصد دنیا ہی دنیا ہے اور ایک دنیادار کو شیطان اس دنیا کی خوبصورتی اور اس کی زینت اور زیادہ ابھار کر دکھاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باقی رہنے والی چیز نیکی ہے، نیک اعمال ہیں، اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے، اس کی عبادت کرنا ہے۔ اس لیے تم اس کے عبادت گزار بندے بنو اگر اس کی رضا حاصل کرنی ہے۔ یہ دنیا تو چندروزہ ہے، کوئی زیادہ سے زیادہ سوسال زندہ رہ لے گا اس کے بعد انسان نے مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اس لیے آخرت کے لیے دولت اکٹھی کرو بجائے اس دنیا میں دولت بنانے کے۔ فرمایا کہ اگر یہ سوچ پیدا کر لو گے تو یہی مال اور دولت اور بیٹے اور وسیع کاروبار تمہارے لیے ایک بہترین اثاثہ بن جائیں گے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مال و دولت کے ساتھ خدمت دین بھی کر رہا ہو اپنے ملک و قوم کی خدمت بھی کر رہا ہو، انسانیت کی خدمت بھی کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے رب سے بہترین چیز حاصل کر لی اور ایسی چیزیں حاصل کر لیں جو مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں گی اور اگر یہی وصف اپنی اولاد میں پیدا کر دو تو پھر دنیا نہ صرف تمہاری تعریف کر رہی ہوگی بلکہ تمہارے آباء و اجداد کے لیے بھی دعا کر رہی ہوگی، تمہارے لیے بھی دعا کرے گی اور تمہاری اولادوں کے لیے بھی دعا کرے گی۔ اس سے تمہاری نیکیوں میں اور اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور تمہاری آخرت مزید سنورتی چلی جائے گی۔ تو یہ سوچ اور کوشش ہر مومن کی ہونی چاہیے، جس کو نہ صرف اپنی فکر رہے بلکہ اپنی نسلوں کی بھی فکر رہے۔ یہ سوچو کہ دنیا بھی کماؤ لیکن مقصد صرف اور صرف دنیا نہ ہو بلکہ جہاں اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہو تو اس وقت دنیا سے مکمل بے رغبتی ہو۔‘‘

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 298 تا 299)

اصل مقصود دین ہو

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 7 رمئی 2004ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’پس دنیا کی نعمتوں کی موجودگی میں ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت اور اس کے حضور جھکنا ہر وقت مدنظر رہنا چاہیے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ میرا یہ

مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان سست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سست نہیں بناتا۔اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لیے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو اس وقت بھی مدنظر رکھیں تا کہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کرے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملے میں کوئی ہو دین کو مقدم کریں۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو اصل مقصود دین ہو پھر دنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 410 الحکم 31 جنوری 1901ء)

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 313، 314)

قرض کا لین دین معاشرتی مسائل کو پیدا کرتا ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 18 نومبر 2005ء کے خطبہ جمعہ میں تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت 283 کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''ہماری تمدنی اور معاشرتی زندگی کا ایک اہم حصہ آپس کا لین دین کا معاملہ ہے۔ انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔لیکن یہی لین دین جب قرض کی صورت میں ہو تو بے انتہاء معاشرتی مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ بھائیوں بھائیوں کی رنجشیں ہو جاتی ہیں، دوستوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے ہو جاتے ہیں اور جب بڑے بڑے پیمانے پر کاروباری اداروں اور بنکوں سے قرض لیے جاتے ہیں تو بعض دفعہ سب کچھ لٹنے اور ذلت و رسوائی تک نوبت آ جاتی ہے۔

قرض کے لین دین میں مسائل سے بچنے کا طریقہ

تو ایک مومن کو، ایسے شخص کو جو خدا تعالیٰ کا عبد کہلانے کا دعویٰ رکھتا ہے، معاشرے کی اس برائی سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور پھر طریق بھی فرما دیا کہ کس طرح لڑائی جھگڑوں اور ذلت و رسوائی کی باتوں سے بچا جا سکتا ہے، اسلام نے قرض دینے والوں کو بھی بتا دیا کہ کس طرح قرض دینے کے بعد واپس لینے کا تقاضا کرنا ہے اور لینے والوں کو بھی بتا دیا کہ تم نے کس طرح حسن ادائیگی کی طرف

توجہ دیتے ہوئے معاشرے میں اپنا مقام پیدا کرنا ہے یا اپنا مقام بلند کرنا ہے۔قرآن کریم نے اتنی گہرائی میں جا کر انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے لین دین جو قرض کی صورت میں ہو اس کا حساب رکھنے کا طریق سکھایا ہے کہ اگر نیت نیک ہو تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فریقین کو کسی بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

لین دین چھوٹا ہو یا بڑا اسے لکھا جائے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معین مدت کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اب یہ دیکھیں کتنا خوبصورت حکم ہے، بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں بڑا اعتبار ہے، کیا ضرورت ہے لکھنے کی، ہم تو بھائی بھائی کی طرح ہیں۔ لکھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ بے اعتباری ہے اس طرح سے تو ہمارے اندر دُوری پیدا ہوگی اور ہمارے اندر رنجشیں بڑھیں گی اور ہمارے آپس کے تعلقات خراب ہوں گے۔تو یاد رکھیں کہ اگر تعلقات خراب ہوتے ہیں اور اگر تعلقات خراب ہوں گے تو تب ہوں گے جب قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے نہ کہ قرآن کریم پر عمل کرنے سے۔بعض دفعہ یہ لکھتے ہیں یا کہتے ہیں کہ چھوٹی رقم کا لین دین ہے اس کو کیا لکھنا ہمیں تو شرم آتی ہے کہ اتنی چھوٹی سی رقم کے بارے میں لکھیں کہ اتنا قریبی تعلق ہے اور اتنی چھوٹی سی رقم کے لیے تحریر لی جائے۔یا پھر کوئی چیز استعمال کے لیے لی ہے اس کے بارے میں تحریر لی جائے مثلاً بعض دفعہ بیاہ شادیوں وغیرہ پر بھی ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کے لیے لی جاتی ہیں تو وہ بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔وہ بھی لکھ لینی چاہئیں کیونکہ ان میں بھی بعض دفعہ بدظنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعد کی بدظنیوں سے بچنے کے لیے بہترین طریق ہے کہ چھوٹی سی تحریر بنا لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہے کہ لین دین چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ان جھگڑوں سے بچنا ہے تو لکھا کرو۔جیسا کہ فرمایا کہ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِهٖ کہ لین دین خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اس کی مقررہ میعاد پر یعنی جب تک کا معاہدہ ہے وہ بھی لکھو اور معاہدے کی تفصیل بھی لکھو، اور اس سے اکتانا نہیں چاہیے۔یا اس کو معمولی چیز نہیں سمجھنی چاہیے۔

معاہدہ کو نہ لکھنے کے نقصانات

کیونکہ اکتانے کا مطلب تو یہ ہے کہ شیطان کسی وقت بھی تمہارے اندر بدظنیاں پیدا کر دے گا اور بظاہر جو تم بلند حوصلگی کا مظاہرہ کر رہے ہو یا جو تم نے کیا ہے یہ تمہیں ایک وقت میں ایسے مقام پر لا کر کھڑا کر دے گا کہ بلند حوصلگی تو ایک طرف رہی تم ادنیٰ اخلاق کا بھی مظاہرہ نہیں کر رہے ہو گے۔ اور اس طرح عموماً ہوتا ہے، عموماً یہ باتیں ہوتی ہیں۔ یعنی تصور میں باتیں نہیں میں کر رہا ایسے معاملات آتے ہیں اور کئی جگہ ایسے لین دین میں، ایسے معاملوں میں کئی لوگوں کے قضا میں، امور عامہ میں، جماعت میں یا ملکی عدالتوں میں کیس چلتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ وہی جو ایک وقت میں ہم پیالہ ہم نوالہ ہوتے تھے۔ اکٹھے بیٹھتے تھے، اکٹھے کھاتے تھے، پیتے تھے، بڑی پکی دوستیاں ہوتی تھیں، ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں بھی تلاش کرنی پڑیں تو تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں ہے۔

معاہدہ لکھنے کا طریق

پھر اللہ تعالیٰ نے جس کو اپنی مخلوق کا علم ہے کہ کس قسم کے ذہن ہیں ایسے لین دین کی تحریر لکھنے کا طریق بھی بتا دیا کہ کس طرح لکھی جائے اور کون لکھوائے۔ تو تحریر لکھوانے کی ذمہ داری قرض لینے والے پر ڈال دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ **وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا** ۔ یعنی وہ لکھوائے جس کے ذمے دوسرے کا حق ہے۔ اور لکھوانے والا اللہ، اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ یعنی جس نے قرض لیا ہے وہ لکھوائے۔ اس کی وجہ مثلاً ایک تو یہ ہے کہ جس کے ذمے قرض ہے وہ خود ہی وضاحت کرے کہ اتنا قرض میں نے لیا ہے اور اس قرض کی جو رسید بنے اس میں واپسی کی شرائط بھی اس طرح ہی لکھی جائیں جس طرح قرض لینے والے نے کہی ہیں مثلاً اگر قسطیں ہیں تو لکھا جائے کہ اتنی قسطیں ہیں۔ عرصہ معین ہے تو لکھا جائے کہ اتنا عرصہ ہے وغیرہ تا کہ قرض لینے والا یہ نہ کہے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے اور زبردستی یا دھوکے سے

بعض الفاظ گھما پھرا کر معاہدے میں ایسے لکھ دیئے گئے ہیں جو مجھ پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ تو اس سے بچنے کے لیے کہا کہ قرض لینے والا خود ہی الفاظ بنا لے اور یہ بات بھی صرف آپ کو اسلامی معاشرے میں ہی نظر آئے گی، اسلام کی تعلیم میں ہی نظر آئے گی پھر قرض دینے والے کو ثواب کا حقدار قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ قرض دیتے وقت سہولت والی شرطیں منظور کر لے تو اس کو ثواب ملے گا۔ آجکل دنیا میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ قرض دینے والا، اپنی شرطیں ڈکٹیٹ کرار ہا ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں قرض لینے والا اپنی شرائط پہ قرض لے رہا ہے اور قرض دینے والے کو یہ حکم ہے کہ تم شرائط مان لو تم کو اس کا بڑا اجر ملے گا۔ (آگے اس بارے میں کچھ حدیثوں کا ذکر کروں گا)۔

پھر یہ کہ قرض لینے والا جب اپنی شرائط پر قرض لے لے گا تو پھر پابند بھی ہو گا کہ ان کو پورا کرے۔ اس کو پھر یہ شکوہ نہیں ہوگا اور نہ ہونا چاہیے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ پھر قرض خواہ کے خلاف کسی قسم کی شکایت نہیں ہوگی۔ تو یہ اسلامی معاشرے کی خوبصورتی ہے کہ ضرورت مند کے لیے ضرورت مہیا کرنے کے ضرورت باہم پہنچانے کے سامان پیدا کیے گئے ہیں۔ پھر یہ کہ اگر دونوں کو لکھنا نہ آتا ہو تو اپنے واقفوں میں سے اپنے قریبیوں میں سے اپنے عزیزوں میں سے کسی کو تلاش کر لو جو لکھنا جانتا ہو تو اس سے تحریر لکھواؤ اور اس بات کو اتنی اہمیت دی ہے کہ لکھنے والے کو بھی کہہ دیا کہ ایک تو انصاف سے لکھو انصاف سے تحریر بناؤ، کسی کی قرابت داری یا عزیز داری تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تحریر میں کسی فریق کی ناجائز حمایت کر دو اور پھر یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو علم دیا ہے یعنی لکھنا سکھایا ہے تو وہ تمہیں اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ جب بھی کسی تحریر لکھوانے کا معاملہ تمہارے پاس آئے تو تم نے انکار نہیں کرنا۔ سارے معاشرے کو اکٹھا جوڑ دیا ہے۔

پھر یہ بھی کہ جس نے قرض لیا ہے اس بات کی طاقت نہیں رکھتا اتنا پڑھا لکھا نہیں یا ذہنی طور پر کم ہے تو اس کی کم علمی یا بیوقوفی سے فائدہ اٹھا کر کوئی قرض دینے والا اس کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اس لیے فرمایا کہ اس کا کوئی قریبی عزیز یا ولی اس کی طرف سے تحریر لکھوائے۔ یا بعض دفعہ بعض نابالغ ایسے ہوتے ہیں جن کی جائیداد ہوتی ہے ان سے بھی بعض لوگ قرض لے لیتے ہیں۔ اس طرح بھی بعض دفعہ ہوتا ہے کہ کسی کو قرض کی تھوڑی سی رقم دے کر، بے وقوف بنا کر، اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے کئی گنا سود منافع کا نام دے کر لے لیتے ہیں اس سے بھی بچانا فرض ہے۔

تحریر کے ساتھ گواہ بھی ضروری ہیں

پھر اتنی احتیاط کی گئی ہے کہ کوئی وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب کسی قسم کی بدظنیاں پیدا ہو جائیں ہر کوئی اپنے مطلب کی بات کرنے لگ جائے اور جھگڑے اور رنجشیں پیدا ہونی شروع ہو جائیں تو اس سے بچنے کے لیے فرمایا کہ جب یہ تحریر مکمل ہو جائے تو اس پر گواہوں سے گواہی بھی ڈلوا لو جیسا کہ فرماتا ہے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ یعنی اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہراؤ اور پھر آگے فرمایا اگر دو مرد نہ ہوں تو دو عورتیں، ایک مرد کی جگہ دو عورتیں گواہی ڈال سکتی ہیں۔ دو کی شرط اس لیے رکھی کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسرا اس کو یاد کروا دے۔ تو یہاں ایک اور بھی مسئلہ حل ہو گیا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ تو دیکھیں کتنی تاکید کی گئی ہے اس طرح پورا طریق کار بتا دیا گیا ہے۔

تقویٰ کی تاکید

اور پھر اسی آیت میں دو دفعہ فرمایا کہ اگر تم اس طریق کار پر عمل کرنے والے نہیں تو پھر تم تقویٰ سے بھی دور جانے والے ہو گے اور یہ تقویٰ کی تلقین فریقین کو بھی کی، لکھنے والے کو بھی کی اور گواہوں کو بھی کی اور آخر پر یہ بھی فرما دیا کہ شاید کسی طرح ایک دوسرے کو دھوکہ دے سکو یا حقوق دبا لو یا احسن طریق پر ادا نہ کرو، کسی طرح گواہوں پر پریشر ڈال کر دباؤ ڈال کر جس طرح آجکل اکثر ہوتا ہے اپنے مطلب کی بات کہلوا لو تو یاد رکھو کہ لوگوں کو تو شاید دھوکہ دے لو لیکن اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اسے علم ہے اصل لین دین کن شرائط پر ہوا تھا اس کے علم میں ہے اصل تحریر کیا تھی، اگر تحریر میں کوئی ردوبدل کرو گے تو وہ تمہیں ضرور پکڑے گا۔ یا گواہوں پر دباؤ ڈالو گے تو تمہیں اس کی بھی سزا ملے گی کیونکہ یہ بھی گناہ ہے۔

اس لیے ہر ایک کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ چاہے وہ کاروباری لین دین ہو یا ذاتی لین دین سوائے نقد لین دین کے کہ وہاں اجازت ہے اس کے علاوہ جس قسم کا بھی اور جب بھی کوئی ایسا لین دین ہو جس میں کچھ وقفہ پڑتا ہو، جہاں بھی ادھار یا قرض کی صورت بنے تو ایک تحریر ہونی چاہیے۔ آجکل بہت سے کاروبار زبانی باتوں پر ہو رہے ہوتے ہیں اور پھر ادھار بھی چل رہے ہوتے ہیں۔ اور اکثر اس طرح

ہوتا ہے کہ جو پارٹی شریف ہوتی ہے جس کے پاس بڑا جتھہ نہیں ہوتا (کیونکہ کاروباری لوگوں نے بہت بڑے بڑے جتھے بنائے ہوتے ہیں) تو ان کی رقمیں ماری جاتی ہیں۔

زمانہ کے رواج کو چھوڑ کر خدا کے حکم کے مطابق لین دین کریں

تو احمدیوں کو چاہیے کہ زمانے کے رواج کو چھوڑیں۔ جو خدا کا حکم ہے اس کے مطابق ایسے لین دین کی کارروائی کیا کریں اور اسی میں سب کی بچت ہے۔ پھر بعض دفعہ بعض روزمرہ کی ضروریات کے لیے یا سفر کے دوران ضرورت کے پیش آنے پر کوئی شاپنگ کی اور رقم کم ہوگئی یا خرید وفروخت کی ہے اور رقم کم ہوگئی یا کوئی چیز پسند آئی تو خریدنے کی خواہش پیدا ہوئی اور کسی دوست سے کسی عزیز سے کسی رشتہ دار سے قرض لے لیا، یہاں ایک چیز واضح کر دوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تھوڑی سی رقم ادھار لی تھی۔ ان کے نزدیک ادھار اور قرض میں فرق ہے، حالانکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہاں بھی بعض اوقات بعض لوگ یا دوست آتے ہیں پھر اپنے دوستوں سے رقمیں بھی لے لیتے ہیں کہ واپس جا کے ادا کر دیں گے یا اگر کسی نے اپنے وہاں کسی عزیز کو رقم دینی ہو تو کہہ دیتے ہیں اتنی رقم مجھے دے دو میں پاکستان جا کے اس کو روپوں میں دے دوں گا۔ یا کسی ملک میں بھی جہاں رہتے ہوں وہاں جا کر تمہارے عزیز رشتہ دار کو وہاں کی مقامی کرنسی میں دے دوں گا اور پھر بعض دفعہ ہوتا یہ ہے کہ واپس پہنچ کے ٹال مٹول سے کام لینے لگ جاتے ہیں کہ ابھی انتظام نہیں ہوا اگلے مہینے یا دو مہینے بعد دے دوں گا۔ تو بعض دفعہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں پھر رنجشیں پیدا کرتی ہیں۔

بہرحال ایسی صورت میں بھی تحریر بنا لینی چاہیے اور دینے والا جس کو رقم دی گئی ہے اس سے تحریر لکھوائے کہ اتنی رقم فلاں کرنسی میں فلاں رشتہ دار کو دینی ہے۔ اس طرح کی کوئی تحریر بن سکتی ہے۔ اس طرح کریں گے تو بہت سارے جھگڑے، رنجشیں ختم ہو جائیں گی بلکہ پیدا ہی نہیں ہوں گی۔ یہاں بھی اکثر تو مہمان چلے گئے ہیں کچھ ٹھہرے بھی ہوئے ہیں جلسے پہ بھی لوگ آتے ہیں۔ جلسے پہ مہمان آئے ہوتے ہیں۔ ان سے میں یہی کہوں گا کہ وہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں یا دوستوں سے سوائے اشد مجبوری کے کسی بھی قسم کی رقم کا مطالبہ نہ کریں۔ قرض یا ادھار سے بچنے کی کوشش کریں، جتنا زیادہ پرہیز کریں گے اتنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا نیک نمونہ

ادھار کے ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ کسی نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ شروع میں جب ربوہ آباد ہوا ہے، چند ایک اس وقت ربوہ میں دکانیں ہوتی تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار سودا لینے کے لیے گئے، ان کے ساتھ خدمتگار تھا۔ تو میاں صاحب نے بازار سے کچھ سودا خریدا۔ جب رقم کی ادائیگی کرنے لگے تو رقم دیکھی تو پوری نہیں تھی۔ خیر جو صاحب ساتھ تھے، جو خدمتگار ساتھ تھے انہوں نے وہ رقم ادا کر دی اور سامان کا بیگ اٹھا لیا۔ گھر پہنچے تو انہوں نے وہ بیگ اندر دینا چاہا تو میاں صاحب نے کہا۔ نہیں ٹھہریں، دروازے کے باہر رکیں۔ میں آتا ہوں۔ اندر گئے اور اندر سے جا کے رقم لے کر آئے اور ان کے ہاتھ پر رکھ دی اور پھر سامان کا تھیلا پکڑ لیا اور فرمایا کہ اب مجھے دے دو کیونکہ جب تک میں نے تمہیں پیسے نہیں دیئے تھے، یہ سامان میرا نہیں تھا۔ یہ تمہارا تھا اور اب پیسے میں نے ادا کر دیئے ہیں، اس لیے یہ اب مجھے دے دو۔ تو ایسی مثالیں اگر معاشرے میں قائم ہونے لگ جائیں تو بہت سارے جھگڑے فساد کبھی پیدا ہی نہ ہوں۔ تو یہ چند باتیں تھیں جو میں نے قرض دینے والے اور قرض لینے والے کو کیا طریق اختیار کرنا چاہیے، اس کے بارے میں کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا طریق سکھایا ہے، جس پر عمل کر کے ہم معاشرے میں کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہ ہونے دیں۔

قرض دینے والے کو نرمی کی تعلیم

اب اس ضمن میں چند باتیں اور کرنا چاہتا ہوں کہ قرض دینے والا اپنے مقروض سے کیا سلوک کرے اور جس نے قرض دینا ہے اس کو کس طرح اس کی واپسی کی فکر کرنی چاہیے تا کہ باہم محبت اور پیار اور بھائی چارے کی فضا قائم رہے کسی بھی قسم کے لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے تو پہلے جو قرض خواہ یا قرض دینے والا ہے اس کے بارے میں کچھ کہوں گا کہ اس کو کس حد تک اپنے قرض کے مطالبے میں نرمی کرنی چاہیے، سہولت دینی چاہیے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط وَاَنْ

تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:281) جب کوئی تنگدست ہو تو اسے آسائش تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم خیرات کر دو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم کچھ علم رکھتے ہو یعنی قرض خواہ کو کہا گیا ہے کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ قرض دار بہت تنگدست ہو تو بہتر یہ ہے کہ یا تو اس کو سہولت دو کہ وہ آسان قسطوں پر قرض واپس کر دے یا پھر اگر وہ بہت ہی زیادہ مجبور ہے اور تم اس قابل ہو کہ اس کا قرض معاف کر سکو اور تمہارے حالات ایسے ہیں کہ تمہیں کوئی فرق نہ پڑتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو اور یاد رکھو کہ تمہیں یہ پتہ ہونا چاہیے اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے بے پناہ فضلوں کو حاصل کرنے والے ہو گے اور اگر تم اپنے مقروض کو تنگ کرو گے سختی کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس کے بہت سارے تم پر احسانات ہیں۔ تمہاری ضروریات پوری کر رہا ہے۔ یہ بھی اگر اس طرح حساب لینا شروع کر دے تو پھر تو تم مشکل اور مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ اس لیے ہمیشہ نرمی کا سلوک کرو۔

ایک حدیث میں آتا ہے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی سے قرض کی رقم لینی ہو اور وہ اس کو مقررہ میعاد گزرنے کے بعد بھی مہلت دیتا ہے تو ہر وہ دن جو مہلت کا گزرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا''۔

(مسند احمد بن حنبل جلد4 صفحہ 442 نسخہ میمنیہ)

تو یہ اس قرآنی حکم کی مزید تشریح ہوگئی کہ تمہاری یہ مہلت، تمہاری یہ سہولت جو تم نے اپنے مقروض بھائی کے لیے مہیا کی ہے تمہارے ثواب میں اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔ ایک تو قرض کا ثواب کما رہے ہو، دوسرے صدقے کا ثواب کما رہے ہو۔ کیونکہ قرض دینے کا بھی ثواب ہے اور صدقے سے زیادہ کا ثواب ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسراء والی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کی جزا دس گنا ہوگی اور قرض دینے کی جزا اٹھارہ گنا ملے گی۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! قرض صدقہ سے افضل کیوں ہے؟ (تو جبرائیل نے) جواب دیا کہ سائل اس حال میں سوال کرتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا صرف ضرورت کے وقت ہی قرض مانگتا ہے''۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب القرض)

تو اس میں قرض لینے والوں کے لیے بھی ایک سبق ہے، نصیحت ہے کہ سوائے اشد مجبوری کے قرض نہ مانگیں ورنہ ان کا شمار بھی صدقہ کھانے والوں میں ہوگا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کی تکلیف دور ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ تنگدست مقروض کو سہولت دے''۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 23 نسخہ میمنیہ)

قرض لینے کو پیشہ نہ بنائیں

تو تنگدست مقروض بھائیوں کی ضرور مدد کرنی چاہیے لیکن بعض لوگوں نے جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ قرض لینے کو بھی پیشہ بنا لیا ہے۔ کام کچھ نہیں کریں گے، مانگنے کا ذرا بہتر طریقہ یہ اختیار کر لیا کہ قرض دے دو اور اتارنے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ''ایک مسلمان پر ان کا کچھ قرض تھا تو جب یہ تقاضا کرنے جاتے تو یہ چھپ رہتا تھا، (چھپ جاتا تھا)۔ تو ایک روز گئے تو اس شخص کے لڑکے سے معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں (تو اس کو انہوں نے) آواز دے کر کہا کہ باہر نکلو مجھے معلوم ہو گیا ہے (کہ تم اندر ہو) اب چھپنا بے کار ہے اور پھر جب وہ باہر آئے تو چھپنے کی وجہ معلوم کی۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں بڑا تنگدست ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے اس کے ساتھ عیال دار ہوں، (بچے بھی بہت ہیں، خاندان بھی بڑا ہے، تو انہوں نے) پوچھا واقعی تمہارا یہی حال ہے تو اس نے کہا خدا کی قسم میرا یہی حال ہے تو اس پہ ابوقتادہ آبدیدہ ہو گئے اور انہوں نے اس کو سارا قرض معاف کر دیا''۔ (سیر صحابہ جلد 3 صفحہ 200) یہاں جو صورت نظر آ رہی ہے اس میں دوسرے مسلمان کا شرمندگی کا پہلو نظر آ رہا ہے۔ اس خیال سے کہ میں وعدے کے مطابق قرض نہیں اتار سکا کوئی صورت نظر نہیں آ رہی، سامنے جاؤں گا تو باتیں بھی سنوں گا، شرمندگی بھی اٹھانی پڑے گی تو اس وجہ سے وہ چھپے رہتے تھے لیکن صحابہؓ جن کی ٹریننگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست ہوئی تھی ان کے دل بھی نرم تھے اور وہ پہچانتے بھی تھے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ ان میں کافی فراست ہوتی تھی تو انہوں نے اس کا جائزہ لیا۔ اس سے بات کی اور پھر قرض معاف کر دیا۔ یہ آجکل کے لوگ بعض لوگوں کی طرح نہیں ہیں کہ قرض بھی لے لیتے ہیں اور اس کے بعد ڈھٹائی

سے کہہ دیا کہ ابھی حالات نہیں، ابھی واپس نہیں کر سکتے اور واپس کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کرنے والے (سخی) آدمی پر رحم فرمائے جب وہ خرید وفروخت کرتا ہے اور جب وہ قرضے کی واپسی کا تقاضا کرتا ہے''۔

(بخاری کتاب البیوع باب السھولة والسماحة فی الشراء والبیع......)

یعنی کاروبار میں بھی ناجائز منافع لوٹ مار نہیں کرتا بلکہ مناسب منافع رکھتا ہے اور جب کسی قرضدار سے قرض واپس نہیں ہوتا اس سے نرمی کا سلوک کرتا ہے کیونکہ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں سے پھر رحم کا سلوک فرماتا ہے۔

پھر ایک روایت ہے ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو جنت میں داخل کیا جو خریدتے وقت اور بیچتے وقت قرض دیتے وقت اور قرض کا تقاضا کرتے وقت آسانی پیدا کرتا تھا''۔

(سنن نسائی کتاب البیوع باب حسن المعاملة والرفق فی المطالبة)

پھر ایک روایت آتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے تنگدست مقروض کو قرضہ کی ادائیگی میں مہلت دی یا معاف کر دیا تو قیامت کے دن جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا''۔

(ترمذی کتاب البیوع ما جاء فی انظار المعسر والرفق به)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اگر وہ کسی تنگدست شخص کو دیکھتا تو اپنے ملازموں کو کہتا اس سے صرف نظر کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے بھی صرف نظر فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے صرف نظر فرمایا''۔

(بخاری کتاب البیوع باب من انظر معسرا)

پس جن کو توفیق ہو ان کو جس حد تک ممکن ہو سہولت مہیا کرنی چاہیے، بجائے لڑائی جھگڑوں اور عدالتوں کے۔

قرض لینے والے کس قسم کا نمونہ دکھائیں؟

اب میں جو قرض لینے والے ہوتے ہیں ان کو کس قسم کا نمونہ دکھانا چاہیے، ان کے بارے میں کچھ بتاؤں گا کہ قرض کی واپسی کس طرح کرنی چاہیے اور کتنی فکر سے اور کتنی جلدی کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا نمونہ ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے (قرض کی واپسی کا) تقاضا کیا اور شدت سے کام لیا، سختی سے بات کی تو صحابہؓ نے اس کو مارنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو صاحب حق ہے۔ (یعنی جس نے قرض لینا ہو) اس کو کہنے کا حق ہے پھر فرمایا اس کے اونٹ کی مانند اس کو اونٹ دے دو تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ ہے (ویسا نہیں بلکہ اس سے بہتر ہیں) تو آپؐ نے فرمایا اس کو وہی دے دو، تم میں سے بہتر وہ ہے جو (قرض کی) ادائیگی میں بہترین انداز اپناتا ہے۔

(بخاری کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ فی قضاء الدیون)

تو قرض لینے والے بھی یاد رکھیں کہ جب قرض لیں تو اس نیت سے لیں کہ ایک تو جلد واپس کرنا ہے اور جب واپس کرنا ہے تو احسن طریق پر کوشش کرکے، اگر بڑھا کے واپس کرنا ہے تو یہ سب سے اچھا طریقہ ہے اور یہ بڑھا کر واپس دینا سود نہیں ہے بلکہ یہ احسان ہے۔ وہ شکریہ کے جذبات ہیں کہ ضرورت کے وقت کوئی شخص آپ کے کام آیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ''شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے۔ یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاوے گا لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سود ہے تو وہ سود میں داخل نہیں ہے، وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے۔ پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگی کے وقت اسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ) دے دیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیے کہ اپنی خواہش نہ ہو خواہش کے برخلاف جو

زیادہ ملے وہ سود میں داخل نہیں ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 166-167۔ البدر 27 ؍مارچ 1903ء)

پھر ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’دولت مند کا (قرض ادا کرنے میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اگر تم میں سے کسی کو ٹال مٹول کرنے والے کا پیچھا کرنے کو کہا جائے تو چاہیے کہ وہ (اس ٹال مٹول کرنے والے کا) پیچھا کرے‘‘۔

(بخاری کتاب الحوالۃ باب الحوالات وھل یرجع فی الحوالۃ)

جان بوجھ کر قرض واپس نہ کرنے والے صدقہ کھاتے ہیں

یعنی اس کو مجبور کر کے اس کو قرض واپس دلوائے۔ تو بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ قرض لے لیا اور واپس نہیں کرتے۔ بینکوں سے لے لیتے ہیں اور نیت یہی ہوتی ہے کہ بہت ہی کوئی پیچھے پڑے گا تو واپس کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔ پاکستان وغیرہ اور ایسے ملکوں میں بڑے بڑے لوگ یہی کرتے ہیں قرض لے لیتے ہیں اور پھر سالوں ان کے پیچھے بینک پھرتے رہتے ہیں پھر جب کبھی زور چلا تو مل ملا کے معاف کروا لیا۔ اگر ایسے لوگوں کو کوئی کہے کہ صدقہ لے لو تو بڑا برا منائیں گے کہ ہمیں کہہ رہے ہو، اتنے امیر آدمی کو، صدقہ لے لو، لیکن قرض جو اس طرح مارنے والے ہیں وہ صدقہ کھانے والے ہی ہیں یا قرض لینا بھی ایک قسم کا صدقہ ہی ہے، اس کو ہضم کر جاتے ہیں اور کوئی فکر نہیں ہوتی، بہرحال جماعت میں بھی بعض اوقات بعض واقعات ایسے ہو جاتے ہیں اور پھر نظام جماعت ان کو حق دلوانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ سارے احتیاط سے کام لیں۔

قرض میں ٹال مٹول قرضدار کی آبرو اور سزا کو حلال کر دیتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’قرض ادا کر سکنے والے کا ٹال مٹول کرنا (یعنی جس کو توفیق ہو کہ قرض ادا کر سکے اس کا پھر ٹال مٹول کرنا) اس کی آبرو اور اس کی سزا کو حلال کر دیتا ہے۔

(ابوداؤد کتاب الحوالات باب الحوالۃ)

تو ایسے لوگوں کے خلاف جماعت کے اندر جب نظام جماعت حرکت میں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ دیکھو یہ ہماری خاندانی عزت سے کھیلا گیا۔فلاں عہدیدار نے ہماری بے عزتی کی یا قضا نے ہمیں غلط سزا دی۔تو ایسے لوگ جو صاحب استطاعت ہوں،استطاعت رکھتے ہوں اور پھر تعاون نہ کریں تو اس حدیث کی رو سے ان سے ایسا سلوک جائز ہے۔اگر ان کی بے عزتی بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور جب نظام جماعت ایسا سلوک کرتا ہے تو ان کو پھر شور مچانے کا بھی کوئی حق نہیں ان کو پہلے ہوش کرنی چاہیے۔

قرض واپسی کی نیت سے لیا جائے

پھر ایک روایت میں آتا ہے ''جس شخص نے لوگوں سے واپس کرنے کی نیت سے مال (قرض پر) لیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کرا دے گا اور جو شخص مال کھا جانے اور تلف کر جانے کی نیت سے لے گا اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا''۔

(بخاری کتاب الاستقراض واداء الدیون.باب من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ......)

تو نیت نیک ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے اور اگر بری نیت ہوگی تو اس میں برکت بھی نہیں ہوگی۔پس نیتوں کو صاف رکھنا چاہیے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ بعض لوگ صرف قرض اس لیے لے لیتے ہیں کہ چلو سہولت میسر آ گئی ہے،کہیں سے لے لو واپس تو کرنا نہیں تو ایسے لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے حصہ نہیں لیتے بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مورد ٹھہرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کا جنازہ نہ پڑھاتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مقروض کے بارے میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ آپؐ جنازہ بھی نہیں پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت سلمٰی بن اَکْوَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا اور نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی گئی آپؐ نے پوچھا اس

کے ذمہ قرض ادا کرنا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں (پھر) پوچھا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں۔ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

پھر ایک اور جنازہ لایا گیا، صحابہؓ نے درخواست کی یا رسول اللہ! اس کی نماز جنازہ پڑھیں آپؐ نے پوچھا کیا اس کے ذمے قرض ادا کرنا ہے؟ عرض کیا گیا ہاں! (پھر) پوچھا کیا کوئی چیز اس نے ترکے میں چھوڑی ہے؟ عرض کیا تین دینار، آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا صحابہ نے عرض کیا حضور اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں آپؐ نے فرمایا کیا اس نے کوئی چیز (ترکہ میں) چھوڑی ہے۔ صحابہؓ نے کہا نہیں، پھر دریافت کیا کیا اس کے ذمے کوئی قرض ہے، صحابہ نے عرض کیا تین دینار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔ (یعنی آپؐ نے نہیں پڑھائی اور کہا کہ دوسرے پڑھ لیں)۔ تو ابوقتادہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کا جنازہ پڑھا دیں۔ اس کا قرض میرے ذمہ ہے اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی''۔

(بخاری کتاب الحوالۃ باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز)

قرض کا معاملہ کفر کے برابر ہے

ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں کفر اور قرض سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (یہ آپؐ دعا کر رہے تھے) ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا قرض کا معاملہ کفر کے برابر کیا جائے گا؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں''۔

(مسند احمد بن حنبل مسند باقی المکثرین جلد 3 صفحہ 38)

بہت بڑا انذار ہے۔ ایک طرف تو ہم ایمان لانے کا دعویٰ کریں مومنوں میں شمار ہونے کی خواہش کریں دوسری طرف بلاوجہ قرضوں میں پھنس کر دین سے دور ہٹ رہے ہوں۔ قرض ادا کرنے کے معاملے میں لیت ولعل سے کام لینے والے ہوں اور کفر کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے۔

مقروض جھوٹ بولتا اور وعدہ خلافی کرتا ہے

ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہوں اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں کسی کہنے والے نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے قرض کے بارے میں کتنی ہی زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک شخص جب مقروض ہو جاتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے خلاف ورزی کرتا ہے“۔

(بخاری کتاب الاستقراض واداء الدیون باب من استعاذ من الدین)

اس سے پہلی حدیث کی بھی مزید وضاحت ہوگئی تو پھر جھوٹ اور وعدہ خلافی جب بڑھنے شروع ہوتے ہیں یہ کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔

قرض کی واپسی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصیحت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ”عدل کی حالت یہ ہے جو متقی کی حالت نفس امارہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس حالت کی اصلاح کے لیے عدل کا حکم ہے اس لیے نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو دبا لوں اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گزر جاوے۔ اس صورت میں نفس اور بھی دلیر اور بیباک ہوگا کہ اب تو قانونی طور پر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ ٹھیک نہیں، عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دین واجب ادا کیا جاوے اور کسی حیلے سے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جاوے۔ (فرمایا) مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دور بھاگنا چاہیے کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے“۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 607، الحکم 24 جنوری 1906ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا نمونہ

آپؑ کا اپنا نمونہ کیا تھا۔ ایک پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ آپؑ نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب سے پانچ سو روپے قرض لیا تو اس کے بعد آپؑ نے ان کو خط لکھا اس میں لکھا کہ باعث تکلیف دہی یہ ہے کہ کیونکہ اس عاجز نے پانچ سو روپے آں محبّ کا قرض دینا ہے، مجھے یاد نہیں کہ میعاد میں سے کیا باقی رہ گیا ہے اور قرضے کا ایک نازک اور خطرناک معاملہ ہوتا ہے۔ میرا حافظہ اچھا نہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پانچ برس میں ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کتنے برس گزر گئے ہوں گے۔ عمر کا کچھ اعتبار نہیں۔ آپ براہ مہربانی اطلاع بخشیں کہ کس قدر میعاد باقی رہ گئی ہے تا حتی الوسع اس کا فکر رکھ کر بتوفیق باری تعالیٰ میعاد کے اندر اندر ادا ہو سکے اور اگر ایک دفعہ نہ ہو سکے تو کئی دفعہ کر کے میعاد کے اندر بھیج دوں (یعنی قسطیں مقرر کر دوں)۔ امید ہے کہ جلد اس سے مطلع فرمائیں گے تا میں اس فکر میں لگ جاؤں کیونکہ قرضہ بھی دنیا کی بلاؤں میں سے ایک سخت بلا ہے اور راحت اسی میں ہے کہ اس سے سبکدوشی ہو جائے‘‘۔

(اصحاب احمد حصہ دوم۔ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، صفحہ 762 تا 764)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ہر کام میں وہ اعلیٰ نمونے قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی ہمیں تلقین فرمائی ہے۔ قرضوں کی لین دین کی شرائط ان احکامات کے مطابق کرنے والے ہوں اور قرضوں کی واپسی کا تقاضا بھی ہم تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے کرنے والے ہوں اور قرضوں کے حصول کی کوشش بھی صرف اس وقت ہو جب اشد مجبوری ہو اور پھر ان قرضوں کی ادائیگی کی بھی فکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے ان قرضوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے جھکنے والے ہوں۔ ان معاشرے کے بہت سے فساد اسی لین دین کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان سے بچائے اور جماعت احمدیہ کے معاشرے کو ان بکھیڑوں سے پاک رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں گے اور کوشش بھی یہ ہوگی کہ قرضے ادا کرنے ہیں اور ان کی فکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی سامان بھی اپنے فضل سے پیدا فرما دیا کرتا ہے۔

ایک نسخہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ملتا ہے ''کسی شخص نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ 25 ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہوں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کے تین علاج ہیں (بہت زیادہ) (1) استغفار کرو، (2) فضول خرچی چھوڑ دو۔ (سارے اپنا اپنا جائزہ لیں تو یہی باتیں سامنے آتی ہیں) اور (3) ایک پیسہ بھی ملے تو قرض خواہ کو دے دو۔

(حیات نور صفحہ 517، مرتبہ مولانا عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل)

یعنی یہ نہیں کہ پوری رقم ملے گی کہیں سے تو قرض ادا ہو گا بلکہ جتنی کم سے کم بھی رقم ملتی ہے کوشش یہ کرو کہ قرض ادا کرنا ہے اور اس کی ادائیگی کرتے چلے جاؤ۔ تو جو بھی مقروض ہیں وہ یہ نسخہ بھی آزمائیں۔ بہت سوں نے اس کو آزمایا ہے، کئی روایتیں ہیں، بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو قرضے کی مشکلات سے نکالے اور اپنی رضا کی راہوں پر ہمیں چلائے''۔ (آمین)

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 564 تا 580)

عبادتوں کا حق ادا کرو خدا کاروبار میں برکت دے گا

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 14؍ جنوری 2005ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''بعض لوگ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہم جس چیز کو بھی ہاتھ ڈالتے ہیں جس کاروبار میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں اس میں بربادی ہو جاتی ہے، کوئی برکت نہیں پڑتی۔ اور پھر اس وجہ سے ان لوگوں کے خیالات اور ان کے ذہن بڑے بیہودہ ہو جاتے ہیں۔ تو اگر عبادتوں کا حق ادا کرتے ہوئے پھر کاروبار بھی کریں گے تو اللہ تعالیٰ برکت بھی ڈالے گا۔ جمعے کی نماز کے وقت بجائے جمعے پہ آنے کے اگر کاروبار کی طرف ہی دھیان رہے گا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اگر ٹالیں گے تو بے برکتی ہی رہے گی۔ پس نمازوں اور جمعہ کے اوقات میں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا کریں۔ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کام کی جگہ دور ہے اور دو تین احمدی کسی نہ کسی جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ سینٹر میں نہیں آسکتے تو جو تین چار افراد ہیں وہ اپنی جگہ پر ہی کسی کو اپنے میں سے امام مقرر کر کے جمعہ پڑھ لیا کریں۔ لیکن جمعہ ضرور پڑھنا چاہیے۔

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 29)

اللہ تعالیٰ کو پاک مال چاہیے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 9؍ستمبر 2005ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''جب زکوٰۃ دو گے۔ مالی قربانی کرو گے اور اپنے پاک مال سے، حلال ذریعہ سے کمائے ہوئے مال سے زکوٰۃ دو گے۔ یہ نہیں کہ مالی دباؤ سے مجبور ہو کر شراب بیچنے یا اس قسم کے جو دوسرے کاروبار ہیں ان میں پڑ جاؤ۔ ایسے مال پر اگر تم چندہ دو گے تو اس سے مال پاک نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ کا مطلب ہے کہ پاکیزہ مال اور مال کو پاک کرنے کے لیے، تمہاری روحانیت کو پاک کرنے کے لیے مال کی قربانی۔ جیسا کہ بعض غیر احمدیوں میں رواج ہے، اپنے کاروبار ناجائز طور پر کرتے ہیں۔ لوگوں کو لوٹتے ہیں یا گھٹیا سودا بیچتے ہیں یا کوالٹی اچھی نہیں ہوتی یا شراب بیچنے والے ہیں اور پھر حج پر جا کر یا تھوڑا بہت صدقہ ودقہ کر کے سمجھتے ہیں کہ بہت نیک کام کر لیا اور اسی طرح واپس آ کر پھر وہی پرانے دھوکے شروع ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے حج اور ایسے صدقے کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ جو مستقل صاف کرنے والے نہ ہوں یا حرام ذریعہ سے کمائے ہوئے مال سے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو پاک مال چاہیے تاکہ تمہارا تزکیہ ہو اور جب اس پاک مال سے تزکیہ نفس بھی ہو گا اور یہ ان پہلی دو قسم کی نیکیوں میں بھی شامل ہو جائے گا۔ مالی قربانیوں کی طرف بھی توجہ پیدا ہو گی تو پھر وہ ایمان کا پودا بڑھتا ہے اور پھر اس کی ٹہنیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں پھر وہ نرم پودا نہیں رہتا۔ پس ایمان کے پودے کی بڑھوتری کے لیے پاک مال سے کی گئی مالی قربانی بھی ضروری ہے۔''

(خطباتِ مسرور جلد سوم صفحہ 551، 552)

ماپ تول میں کمی اور ناحق مال کھانے کا نتیجہ فساد ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 18؍نومبر 2005ء کے خطبہ جمعہ میں تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۃ الشعراء کی آیات 182 تا 184 کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ ماپ تول پورا دیا کرو۔ کم تولنے کے لیے ڈنڈی مارنے کے طریقے اختیار نہ کرو کیونکہ

تمہاری یہ بدنیتی ملک میں فساد اور بدامنی پھیلانے کا باعث بنے گی۔ یہ آیات جو مَیں نے تلاوت کی ہیں یہ بھی اسی مضمون کی ہیں۔ان کا ترجمہ ہے کہ: پورا پورا ماپ تولو اور ان میں سے نہ بنو جو کم کر کے دیتے ہیں اور سیدھی ڈنڈی سے تولا کرو اور لوگوں کے مال ان کو کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فسادی بن کر بدامنی نہ پھیلاتے پھرو۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''اور کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو۔یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں''۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 347)

تو یہ ماپ تول پورا نہ کرنا یا ڈنڈی مارنا، دیتے ہوئے مال تھوڑا تول کر دینا اور لیتے ہوئے زیادہ لینے کی کوشش کرنا یہ تمام باتیں چوری اور ڈاکے ڈالنے کے برابر ہیں۔اس لیے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ کوئی بات نہیں تھوڑا سا کاروباری دھوکہ ہے کوئی ایسا بڑا گناہ نہیں۔ بڑے واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ خبردار رہو، سن لو کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

پھر بعض لوگ دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بات نہیں اس کو تو پتہ نہیں چل رہا کہ فلاں چیز کی کیا قدر ہے، اس کو دھوکے سے بیوقوف بنالو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ اپنی جیب میں ڈال لو، کچھ اصل مالک کو دے دو۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یہ بات یہ عمل بھی اسی زمرے میں آتے ہیں جو فساد پیدا کرنے والے عمل ہیں۔اس قسم کے لوگ جو اس طرح کا مال کھانے والے ہوتے ہیں یہ لوگ دوسروں کے مال کھا کر آپس میں لڑائی جھگڑوں اور فساد کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔دوسرے فریق کو جب پتہ چلتا ہے کہ اس طرح میرا مال کھایا گیا تو ان کے خلاف کارروائی کرتا ہے اور اس طرح آپس کے تعلقات میں دراڑیں پڑتی ہیں۔تعلقات خراب ہوتے ہیں، مقدمے بازیاں ہوتی ہیں۔دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی ہیں۔لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔اور اگر دوسرا فریق صبر کرنے والا ہو، حوصلہ دکھانے والا ہو تو پھر تو بچت ہو جاتی ہے ورنہ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا یہ لڑائی جھگڑے، فساد، فتنہ یہی صورتحال سامنے آتی ہے اور روزمرہ ہم ان باتوں کا

مشاہدہ کرتے ہیں۔

پھر لوگوں کا مال کھانے والا، کم تول کرنے والا اس حرام مال کی وجہ سے جو وہ کھا رہا ہوتا ہے طبعاً فسادی اور فتنہ پرداز بن جاتا ہے۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے والا نہیں ہوتا۔ نیکی اور امن کی بات کی اس سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ہر بات اور ہر کام میں سے برکت اٹھ جاتی ہے اور یہ کاروباری بددیانتی یا کسی بھی وجہ سے دوسرے کا مال کھانا یہ ایسے فعل ہیں جن کی وجہ سے جیسا کہ اس آیت میں آیا کہ فساد نہ کرو، پہلی قوموں پہ تباہی بھی آئی ہے، یہ بھی ایک وجہ تباہیوں کی بنتی رہی ہے۔ تو یہ واقعات جو قرآن کریم میں ہمیں بتائے گئے ہیں صرف ان پرانے لوگوں کے قصے کے طور پر نہیں تھے بلکہ یہ سبق ہیں آئندہ آنے والوں کے لیے بھی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ سے کسی کی رشتہ داری نہیں ہے۔ اگر اس تعلیم سے دور ہٹو گے تو اس کے عذاب کے مورد بنو گے۔ ورنہ پہلی قومیں بھی یہ سوال کر سکتی ہیں کہ ہماری ان غلطیوں کی وجہ سے تو ہمیں عذاب نے پکڑا لیکن بعد میں آنے والے بھی یہی گناہ کرتے رہے اور آزادانہ پھرتے رہے اور عیش کرتے رہے۔ یہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ مالک ہے جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے، لیکن جن واقعات کی خدا تعالیٰ نے خود اطلاع دے دی، یہ اطلاع اس لیے ہے کہ پہلی قوموں میں یہ یہ برائیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کو یہ سزائیں ملیں، تم اگر سزا سے بچنا چاہتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور ان فسادی باتوں سے رکو۔

مغربی اقوام کی غریب ملکوں سے تجارتی دھوکہ بازیاں

اس زمانے میں دنیا کی لالچ کی وجہ سے عموماً انفرادی طور پر بھی اور قوموں کی سیاست کی وجہ سے قومی طور پر بھی ایک دوسرے کو تجارت میں، لین دین میں نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو معاہدے ہوتے ہیں ان پر من وعن عمل نہیں ہوتا۔ سوسو تاویلیں اور حجتیں نکالی جاتی ہیں۔ اگر ان مغربی قوموں کی اپنی مرضی کے مطابق غریب ممالک عمل نہ کریں تو یہ اپنے معاہدوں کو اور سودوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ یہی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح وہ اس معاہدے سے اتنا استفادہ نہ کر سکیں جس کی وجہ سے یہ معاہدے ہو رہے ہیں۔ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ ان غریب ممالک کو پہلے تجارت اور ہمدردی کے دھوکے میں رکھ کر لوٹا جاتا ہے اور پھر زیرنگیں کر لیا جاتا ہے۔ جو اختلاف کرے اس پر

فوج کشی کر دی جاتی ہے۔ طاقت استعمال کر کے اس قوم کو اپنے تسلط میں لے لیا جاتا ہے۔ تو بہرحال ان فساد پیدا کرنے والوں کے، دوسروں کے حقوق چھیننے والوں کے یہ دوہرے معیار ہوتے ہیں کہ اپنی پسند کی قوموں سے، اپنی ہم مذہب قوموں سے لین دین اور طرح سے کرتے ہیں۔ غریب ملکوں سے یا غیر مذہب قوموں سے لین دین اور طرح سے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کرتے ہیں کہ غریب ملکوں کی معاشی پالیسیاں بنانے کے بہانے سے ان کو ایسے شیطانی معاشی چکر میں گرفتار کر دیتے ہیں کہ وہ ترقی کر ہی نہیں سکتے اور یہ لوگ پھر ان غریب ملکوں کی دولت بھی لوٹ لیتے ہیں۔ تو ان سب چیزوں کی جڑ جن کی وجہ سے یہ فائدے اٹھائے جا رہے ہوتے ہیں اور نقصان پہنچائے جا رہے ہوتے ہیں یہی تجارتیں اور لین دین اور ماپ تول ہی ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (الاعراف:86) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ سورۃ الاعراف میں ایک آیت میں اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الاعراف:86) کہ تمہارے لیے بہتر تھا اگر تم ایمان لانے والے ہوتے۔

پس آج یہ پیغام ہمیں ہر اس شخص تک اور ہر اس قوم کے لیڈروں تک پہنچانا چاہیے اور ہر اس قوم تک پہنچانا چاہیے جو ان تجارتی دھوکے بازیوں میں مبتلا ہیں کہ تم ان دھوکوں سے امن اور اپنی بالادستی حاصل نہیں کر سکتے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ پرانی قوموں کی تباہیاں تمہارے سامنے ہیں۔ یہ عذاب جنہوں نے پہلی قوموں کو تباہ کیا اب بھی آ سکتے ہیں۔ اگر ہوش کی آنکھ ہو تو دیکھیں کہ آ رہے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ جو آفتیں اور تباہیاں آ رہی ہیں امریکہ میں بھی، ایشیا میں بھی اور دوسری جگہوں میں بھی اور اب موسم کی سختیوں کے بارے میں بھی پیشگوئیاں کی جا رہی ہیں تو ان آفتوں کی وجہ بہت ساری برائیاں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تو ان سے بچنے کا ایک ہی طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرو۔ ہر احمدی کو یہ پیغام اپنے اپنے دائرے میں اور اپنے حلقے میں پہنچانا چاہیے، قرآن کریم کے انذار کو سامنے رکھنا چاہیے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کو پیش کرنا چاہیے۔

انفرادی سطح پر مسلمانوں میں تجارتی دیانت داری کی کمی ہے

مسلمانوں کو بھی سمجھانا چاہیے کہ سب سے اوّل یہ حکم تمہارے لیے ہے کہ اس تعلیم پر عمل کرو۔ کیونکہ ہمارے مسلمان ملکوں میں سے جس کسی کا بس چلتا ہے انفرادی طور پر ماپ تول اور لین دین میں تقریباً سبھی ڈنڈی مارنے والے ہیں، دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں۔ عیسائی مغربی ممالک کم از کم چھوٹی اور انفرادی تجارت میں کافی حد تک ایمانداری سے اپنی چیزیں بیچتے ہیں اور لین دین کرتے ہیں اور عموماً اسی اعتماد پر ان سب کے کاروبار بھی چل رہے ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمان ملکوں میں اس کی بہت زیادہ کمی ہے۔ کئی ملکوں سے تجارت ہوتی ہے اور مغربی ممالک سے بڑے بڑے آرڈر ملتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ بعض کاروباری مسلمان بھائی کاروبار صحیح نہیں رکھتے اور دھوکے کی وجہ ہے وہ تجارتیں بجائے پھیلنے کے کم ہوتی چلی جاتی ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم نے دوسرے کو دھوکہ دے کر تیر مار لیا۔ جبکہ بعد میں وہ نقصان اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو انذار فرمایا ہے یعنی جو اس کا علم رکھنے والے اور اس کتاب کو ماننے والے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ اس کے نیچے آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم ترقی نہیں کر پا رہے۔ کیونکہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے بڑا واضح طور پر کھول کر ان پرانی قوموں کے واقعات بتائے ہیں اور احکامات بھی دیئے ہیں کہ یہ یہ باتیں تم نے نہیں کرنی اور یہ یہ کرنی ہیں۔ اس لیے ہم بہر حال جب تک اس پر عمل نہیں کرتے، ترقی نہیں کر سکتے۔ دوسروں کو تو ڈھیل زیادہ لمبا عرصہ ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کو نہیں۔

لین دین اور معاہدات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

پس آج دنیا کو ہر مصیبت، آفت اور پریشانی سے بچانے کے لیے ہر قسم کے اعلیٰ خلق پر عمل اور اس کی تبلیغ کرنا ہر احمدی کا فرض ہے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے کیا اسوہ قائم فرمایا۔ کس طرح آپؐ تجارت اور لین دین اور اس کے معاہدے کیا کرتے تھے، کس طرح اپنے عہد پورے کیا کرتے تھے، کس طرح قرضے اتارا کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنی امت کو بھی نصیحتیں فرمائیں کہ کس طرح لین دین کیا کرو اور یہ سب تعلیم آپؐ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق دی

اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتا ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے حضرت عداء بن خالد ہوذہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ایک دستاویز لکھی کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام خریدا جس کے اندر نہ تو کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی اخلاقی خرابی وخباثت ہے۔ یہ دو مسلمانوں کا آپس میں ایک سودا ہے (جس میں کسی طرح کی دھوکے بازی نہیں کی گئی)۔

(جامع ترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی کتابۃ الشروط)

تو دیکھیں کس طرح اور کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محتاط ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور تقویٰ کا جو معیار تھا اس تک تو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یقیناً آپؐ نے اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد یہ تحریر لکھوائی ہوگی۔ اس غلام کو اچھی طرح پرکھنے اور دیکھنے کے بعد اس پر یہ اعتماد قائم ہوا ہوگا۔ آپ نے کھول کر بتا دیا کہ یہ باتیں مَیں اس کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ بعض دفعہ انسانی طبیعتوں کا پتہ بھی نہیں چلتا لیکن یہ جو باتیں کہی ہیں تم بھی ان کا جائزہ لے لو کہ یہ ایسا ہی ہے جس طرح میں نے کہا ہے اور ہر چیز کھول کر بیان کردی۔

پھر ایک روایت میں آتا ہے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوعمر اونٹ کسی سے قرض لیا۔ پھر آپؐ کے پاس زکوٰۃ کے کچھ اونٹ آئے تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ اس آدمی کا نوعمر اونٹ واپس کر دو۔ مَیں نے کہا ان اونٹوں میں سے صرف ایک اونٹ ہے جو بہت عمدہ ہے اور سات سال کا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا وہی اسے دے دو اس لیے کہ بہترین آدمی وہ ہے جو بہترین طریق پر قرض ادا کرتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب جوازِ اقتراض الحیوان)

تو دیکھیں قرض کی حسن ادائیگی، معاشرے میں محبت و پیار پھیلانے کا طریق۔ لوگ تو آمنے سامنے کے سودوں پر بھی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔

پھر زمانہ نبوت سے پہلے بھی لین دین کے معاملے میں، تجارت میں، آپؐ کے اعلیٰ خُلق کے بارے میں روایت میں آتا ہے، حضرت ابی سائب سے روایت ہے کہ ہم آپؐ کے ساتھ جاہلیت کے زمانے میں کاروبار میں شراکت کرتے لیکن ہم نے آپؐ کو کبھی دھوکے بازی اور جھگڑا کرتے

نہیں دیکھا۔

اگر آج اس اسوہ پر عمل ہو تو بہت سارے جھگڑوں سے معاشرہ محفوظ ہوسکتا ہے۔تحریریں بھی لکھی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود بھی جھگڑے ہوتے ہیں۔ مقدمے بازیاں چلتی ہیں اور سالوں تک ان مقدمے بازیوں کی وجہ سے دونوں فریق وقت کے ساتھ ساتھ اپنا مالی نقصان بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے مُحارب بن دثار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قرض ادا کرنا تھا چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میری رقم ادا فرمائی اور میری رقم سے زائد بھی عنایت فرمایا۔

(سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی حسن القضاء)

یہ اس طرح رقم ادا کرنا کوئی سُود نہیں ہے۔ بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قرضے کی احسن رنگ میں ادائیگی ہے کہ قرض کی ادائیگی اس طرح احسن طور پر ہو، اس طرح شکریہ کے ساتھ کی جائے کہ مَیں تمہارا ممنون ہوں تم نے وقت پر میری ضرورت پوری کی اور اس شکر کے اظہار کے طور پر مَیں تمہیں یہ زائد اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔تو یہی وہ اُسوہ ہے جس سے معاشرے میں محبت اور امن کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

دارقطنی کی ایک لمبی روایت ہے جس میں راوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابتدائی زمانے میں مشرکین مکہ کے ظالمانہ سلوک کا نقشہ کھینچا ہے۔ پھر اسلام کے غالب آنے کے بعد جب تمام عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرنگیں تھا اس وقت کا آپؐ کے لین دین کا واقعہ بیان کیا ہے۔طارق بن عبداللہ المحاربی کہتے ہیں کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ کے قریب آ کر پڑاؤ کیا۔اس پڑاؤ کے دوران ایک شخص سفید کپڑوں میں ملبوس ہمارے پاس آیا اور سلام کیا۔(جو لین دین سے تعلق والا حصہ ہے وہ مَیں بیان کر رہا ہوں)اور پھر ہم سے پوچھا آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ رمضہ سے آئے ہیں۔راوی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ بھی تھا (اس زمانے میں سرخ اونٹ کافی مہنگے اونٹوں میں شمار ہوتے تھے) تو اس آنے والے شخص نے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہیں راوی اس وقت نہیں جانتے تھے) پوچھا کیا تم اپنا یہ سرخ اونٹ فروخت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپؐ

نے فرمایا: کتنے میں فروخت کرو گے؟ تو انہوں نے کچھ صاع کھجوریں اس کی قیمت بتائی کہ اتنے میں فروخت کریں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے دے دو اور آپؐ نے وہ اونٹ لیا اور مدینہ کی طرف چل دیئے کہ قیمت مدینہ جا کے مَیں بھجوا دوں گا۔ تو راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آپؐ اونٹ لے کر چلے گئے اور ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے بعد ہمیں خیال آیا کہ ہم نے ان سے تعارف تو حاصل ہی نہیں کیا کہ کون ہے۔ پتہ نہیں کون شخص ہے؟ کیا ہے؟ اب رقم بھی ملے گی یا نہیں؟ یا کھجوروں کا جو سودا ہوا ہے اس کی مقدار ملے گی یا نہیں؟ اس فکر میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگ گئے۔ ہر کوئی دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ تم نے کیوں اونٹ جانے دیا۔ ایسے شخص کو اتنا قیمتی اونٹ دے دیا جس کو ہم جانتے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے اس قافلے میں ایک خاتون بھی موجود تھیں۔ (لگتا ہے کہ وہ بڑی ذہین اور قیافہ شناس تھیں اور ان میں مومنانہ فراست تھی) اس عورت نے ہمیں کہا کہ ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ مَیں نے اس شخص کے چہرے کو دیکھا تھا وہ ایسا نہیں لگتا کہ تمہیں ذلیل کرے۔ میں نے کبھی کسی شخص کا چہرہ ایسا نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ چودھویں رات کے چاند سے مشابہت رکھتا ہو۔ تو راوی کہتے ہیں کہ رات کے کھانے کے وقت ایک شخص ہمارے پاس آیا اور ہمیں سلام کیا اور بتایا کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامبر کے طور پر آیا ہوں۔ انہوں نے تمہارے لیے کھانا بھیجا ہے، خوب سیر ہو کر کھاؤ اور یہ کھجوریں اپنے اونٹ کی قیمت کے مطابق ماپ لو یعنی کھانا بھی رات کا بھجوا دیا اور قیمت بھی بھجوا دی۔ روایت آگے بھی چلتی ہے۔ یہ لوگ پھر مدینہ گئے۔ بہرحال دیکھیں آپؐ نے صرف یہ نہیں کہا کہ مَیں نے ماپ کے کھجوریں بھیج دی ہیں لے لو۔ بلکہ فرمایا کہ تم لوگ بھی اس کو ماپ لو تا کہ کسی بھی قسم کا ابہام نہ رہے اور تمہاری قیمت پوری ہو جائے، کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

(سنن الدار قطنی کتاب البیوع. روایت نمبر 186/2944)

پھر ہمیں آپس کے لین دین کے بارے میں امانتوں کی ادائیگی کے بارے میں آپؐ نصیحت فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تمہارے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھتا ہے اس کی امانت اسے لوٹا دو اور اس شخص سے بھی ہرگز خیانت سے پیش نہ آؤ جو تم سے خیانت سے پیش آ چکا ہے۔

(ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجل یاخذحقھم تحت یدہٖ)

پھر صرف یہی نہیں کہ امانت لوٹا دو بلکہ فرمایا کہ وہ شخص مومن ہی نہیں کہلا سکتا جو امانتوں میں خیانت کرتا ہے، جو دوسروں کے حق مارتا ہے، جو کسی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا ہے، جو اپنے عہد کو صحیح طور پر نہیں نبھاتا۔

اس بارے میں ایک اور روایت ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطاب کرتے ہوئے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ **لَااِیْمَانَ لِمَنْ لَّااَمَانَۃَ لَہٗ وَلَادِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ** یعنی جو شخص امانت کا لحاظ نہیں رکھتا اس کا ایمان کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا اس کا کوئی دین نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 3صفحہ135 نسخہ میمنیہ)

اب امانت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ کسی نے کوئی چیز یا رقم کسی کے پاس رکھوائی تو وہ اس طرح واپس کر دی۔ یہ تو ہے ہی لیکن کوئی بھی شخص جو بھی کام کر رہا ہے اگر وہ اس کا حق ادا نہیں کر رہا، چاہے کام میں سستی کر کے حق ادا نہیں ہو رہا یا کاروباری آدمی کا اپنے کاروبار میں دوسرے کو دھوکے دینے کی وجہ سے اس سے انصاف نہیں ہو رہا، حق ادا نہیں ہو رہا تو یہ خیانت ہے کیونکہ کاروبار میں، لین دین میں مثلاً اگر کسی نے کسی دوسرے پر اعتبار کیا ہے تو اس کو امین سمجھ کر ہی اس کو امانتدار سمجھ کر ہی اس سے کاروبار یا لین دین کا معاہدہ کیا ہے۔ اگر اس اعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے تو یہ خیانت ہے۔ پھر ہمارے ملکوں میں سودے ہوتے ہیں۔ لوگ چیزیں بیچتے ہیں تو اس میں ملاوٹ کر دیتے ہیں یہ خیانت ہے۔ امانت کا صحیح طرح حق ادا کرنا نہیں ہے، کسی کا حق مارنا ہے۔ تو یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ایمان میں کمزوری کی نشانی ہیں۔

وعدوں کا پاس کرنا ہے۔ اگر اپنے عہد نہیں نبھا رہے تو عہد توڑنے کے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں اور عہد توڑنے کے ساتھ ساتھ خیانت بھی کر رہے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ بے ایمان اور بے دین لوگ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں امانت، دیانت اور لین دین میں اعلیٰ معیار قائم کرنے کا جو احساس پیدا کیا، جو تربیت کی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض دفعہ صحابہ سودے میں اس بات پر بحث کیا کرتے تھے کہ مثلاً لینے والا یا خریدنے والا کسی چیز کی قیمت زیادہ بتا رہا ہے اور دینے والا اس کی قیمت کم بتا رہا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ

''ایک دفعہ ایک صحابی ایک دوسرے صحابی کو ایک گھوڑا بیچنے لگے اور اس کی جو قیمت بیچنے والے نے بتائی وہ خریدنے والے کے نزدیک کم تھی۔ انہوں نے اس کی قیمت تین چار گنا کر کے بتائی اور اس بات پہ جھگڑا ہو گیا۔ لینے والا کہہ رہا ہے میں کم قیمت لوں گا۔ دینے والا کہہ رہا ہے کہ نہیں مَیں زیادہ قیمت دوں گا۔''

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 249)

تو یہ تھے وہ معیار جو صحابہ نے حاصل کیے اور یہی معیار ہیں جو ایک مومن کو حاصل کرنے چاہئیں، جن باتوں کا ایک مومن کو خیال رکھنا چاہیے اور اس طرح اپنی امانت اور دیانت کے معیاروں کو بڑھانا چاہیے۔

ایک بہت بڑی بیماری جو دنیا میں عموماً ہے اور جس کی وجہ سے بہت سارے فساد پیدا ہوتے ہیں وہ ہے کاروبار کے لیے یا کسی اور مَصرف کے لیے قرض لینا اور پھر ادا کرتے وقت ٹال مٹول سے کام لینا۔ بعض کی تو نیت شروع سے ہی خراب ہوتی ہے کہ قرض لے لیا پھر دیکھیں گے کہ کب ادا کرنا ہے اور ایسے لوگ باتوں میں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں جن سے قرض لینا ہوان کو ایسا باتوں میں چراتے ہیں کہ وہ بیوقوف بن کے پھر رقم ادا کر دیتے ہیں یا کاروباری شراکت کر لیتے ہیں۔

بہرحال ایسے ہر دو قسم کے قرض لینے والوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے لوگوں سے واپس کرنے کی نیت سے مال قرض پر لیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کے سامان کر دے گا۔ اور جو شخص مال ہڑپ کرنے کی نیت سے قرض لے گا اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا''۔

(بخاری کتاب فی الاستقراض باب من اخذ اموال الناس......)

اکثر مشاہدہ میں آتا ہے ایسے لوگ جو بدنیتی سے قرض لیتے ہیں ان کے کاموں میں بڑی بے برکتی رہتی ہے۔ مالی لحاظ سے وہ لوگ ڈوبتے ہی چلے جاتے ہیں اور خود تو پھر ایسے لوگ برباد ہوتے ہی ہیں ساتھ ہی اس بے چارے کو بھی اس رقم سے محروم کر دیتے ہیں جس سے انہوں نے باتوں میں چرا کر رقم لی ہوئی ہوتی ہے۔ جو بعض دفعہ اس لالچ میں آ کر قرض دے رہا ہوتا ہے، پیسے کاروبار میں لگا رہا ہوتا ہے کہ مجھے غیر معمولی منافع ملے گا۔ وہاں عقل اور سوچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس وہ منافع کے چکر

میں آ کر اپنے پیسے ضائع کر دیتے ہیں اور بظاہر اچھے بھلے، عقلمند لوگوں کی اس معاملے میں عقل ماری جاتی ہے اور ایسے دھوکے بازوں کو رقم دے دیتے ہیں۔

تو قرض جب بھی لینا ہو نیک نیتی سے لینا چاہیے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا اللہ پھر اس کی مدد کرتا ہے۔ اور ایک احمدی کا یہی نمونہ ہونا چاہیے اور قرض کی واپسی بھی بڑے اچھے طریقے سے ہونی چاہیے جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کی ایک اور روایت مَیں بیان کرتا ہوں۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سال کا اونٹ لینا تھا وہ آیا اور تقاضا کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دے دو۔ جس کو بھی آپؐ نے کہا تھا انہوں نے طلب کرنے والے کے تقاضے کے مطابق اونٹ تلاش کیا تو اس عمر کا یعنی ایک سال کا اونٹ انہوں نے نہیں پایا۔ بڑی عمر کا اونٹ تھا جو زیادہ قیمتی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دے دو۔ اس پر جس کو دینا تھا اس نے کہا آپؐ نے میرا قرض بہتر طور پر پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر دے۔ بہرحال وہ اس کی دعا تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض ادا کرنے کے لحاظ سے بہتر ہو۔

(بخاری کتاب الوکالۃ باب وکالۃ الشاھد والغائب جائزۃ......)

تو یہ قرض کی ادائیگی کے نیک طریق کے نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دکھائے ہیں۔

دنیا سے فساد دور کرنے کے لیے احمدیوں کے فرائض

احمدیوں نے اگر دنیا سے فساد کو دور کرنا ہے تو آپس میں جو بھی لین دین یا قرض لیتے ہیں ان کی اس طرح حسن ادائیگی ہونی چاہیے۔ آپس میں کاروباری معاملات خوبصورتی سے طے ہونے چاہئیں اور کوئی دھوکہ اور کسی قسم کی بھی بدنیتی شامل نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نفس امّارہ کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس حالت کی اصلاح کے لیے عدل کا حکم ہے۔ اس میں نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو دبا لوں اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گزر جائے۔ اس صورت میں نفس اور بھی دلیر اور بے باک ہوگا کہ اب تو قانونی طور

پر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دَین واجب ادا کیا جاوے"۔ اس کا قرض واجب ادا کرو"اور کسی حیلے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جاوے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے"۔ یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔"پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دور بھاگنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے"۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 607 جدید ایڈیشن)

پس ہمارے سامنے یہ تعلیم ہے۔ ہم جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیم کے نمونے قائم کرتے ہیں۔ اگر ہمارے عمل اس کے خلاف ہوں تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ نہ تو ہم امانت کا حق ادا کر رہے ہیں، نہ ہی ہم اپنے عہد پورے کر رہے ہیں بلکہ کاروبار میں دوسروں کو دھوکہ دے کر قرضوں میں ٹال مٹول سے کام لے کر گنہگار بن رہے ہیں اور اُس زمرے میں آ رہے ہیں جو فساد پیدا کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں سے بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ تو مَیں بھی آج بڑے افسوس سے یہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اتنا بڑا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں پہلے تو ذرائع وسائل اتنے نہیں تھے کہ خلیفۂ وقت جو بات کہہ رہا ہوتا تھا یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات جو بیان کیے جاتے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیم بتائی جاتی تھی جس کو ماننے کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان کیے جاتے تھے وہ اسی جگہ پر محدود ہوتے تھے جس مجمع کو یا جس جلسے کو وہ خطاب کیا جا رہا ہوتا تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کا خلاصہ یا کچھ حد تک تفصیل چند ہفتوں بعد جماعت کے افراد تک پہنچ جاتی تھی اور ان کی تعداد بہت کم ہوتی تھی جو براہ راست استفادہ کر سکیں۔ لیکن آج ایم ٹی اے کے بابرکت انعام اور انتظام کی وجہ سے یہ آواز اس وقت لاکھوں احمدیوں کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ آج ہمارے دعوے کی آواز اپنوں اور غیروں تک یکساں ایک ہی وقت میں پہنچ جاتی ہے۔ دوسرے بھی بہت سارے استفادہ

کرتے ہیں۔اس لیے ہماری ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ ہر ملک میں، ہر شہر میں، ہر احمدی اپنے آپ کو اس تعلیم کے مطابق ڈھالے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔اپنی کمزوریوں کواللہ تعالیٰ کے آگے جھکتے ہوئے چھپانے کی کوشش کرے، دور کرنے کی کوشش کرے اور حتی الوسع یہ کوشش کرے کہ ایسی کمزوریاں اور عمل سرزد نہ ہوں جو جماعت کی بدنامی کا موجب بنیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو بڑے واضح الفاظ میں فرمادیا ہے کہ ایسے لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میری طرف منسوب ہو کے اور پھر مجھے بدنام کرتے ہو تو پھر میرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کرتے تو میری بیعت کے مقصد کو پورا کرنے والے نہیں ہو۔کیونکہ جب ایک شخص غیر کے سامنے اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے تو دوسرا تو بہر حال اس کو احمدی سمجھتا ہے اور کسی احمدی کہلانے والے کے بارے میں گہرائی میں جانے سے پہلے، جاننے سے پہلے، یہی سمجھتا ہے کہ عموماً جس طرح احمدی دوسروں کی نسبت زیادہ قابل اعتماد ہیں، قابل اعتبار ہیں، یہ بھی ہوگا۔لیکن جب کسی احمدی سے ایسی سوچ والے کسی شخص کو لین دین میں یا کاروبار میں یا دوسرے وعدوں میں کوئی نقصان پہنچتا ہے یا صدمہ پہنچتا ہے تو وہ پوری جماعت کو ہی برا سمجھتا ہے۔

آج کل مجھے کئی خط مل رہے ہیں غیر از جماعت مسلمانوں کی طرف سے بھی اور غیر مسلموں کی طرف سے بھی۔چاہے مہینے میں دو چار ہی ہوں، لیکن بہر حال بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔جماعت جس طرح پھیل رہی ہے بعض نئے آنے والے اپنے کاروباری ساتھیوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان کے پرانے دھوکے چل رہے ہوتے ہیں۔لیکن مجھے تکلیف اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب پُرانے احمدی خاندانوں کے بعض لوگ بھی دھوکے میں ملوث ہوتے ہیں۔پاکستان سے بھی اور دوسرے ملکوں سے بھی بعض غیر از جماعت خط لکھتے ہیں کہ آپ کا فلاں احمدی ہمارے اتنے پیسے کھا گیا۔بلکہ ایک نے تو یہ لکھا کہ مَیں نے آپ کو خط لکھا تھا آپ نے جماعت کو کہا جماعت نے بڑی مدد کی۔لیکن وہ احمدی کسی طرح اس وعدے کو پورا کرنے یا پیسے دینے پر راضی نہیں ہے۔اس لیے مَیں اب اپنا معاملہ خدا پہ چھوڑتا ہوں۔یہ الفاظ تو ایک احمدی کو کہنے چاہئیں کہ مَیں اپنا معاملہ خدا پہ چھوڑتا ہوں کجا یہ کہ کوئی دوسرا کہہ رہا ہو۔تو جب بھی ایسے معاملات کا علم ہوتا ہے تو دوسرے کے پیسے واپس کرانے یا ادا کرنے کی کوشش تو کی جاتی ہے لیکن بعض دفعہ مطالبہ کرنے والا بھی غلط ہوتا ہے، ناجائز مطالبہ کر رہا ہوتا ہے۔بہر حال احمدیوں

کا فرض بنتا ہے کہ اپنے لین دین کو، ماپ تول کو، کاروبار کو، قرضوں کی واپسی کو، بالکل صاف ستھرا رکھیں۔ قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توقعات کے مطابق ہمیشہ اپنا دامن پاک وصاف رکھیں۔ اس طرح کرنے سے جہاں وہ اپنی عاقبت سنوارنے والے ہوں گے وہاں جماعت کی نیک نامی کا بھی باعث بن رہے ہوں گے۔ پہلے بھی مَیں کئی دفعہ اس بارے میں کہہ چکا ہوں یہ بھی ایک خاموش تبلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہر کوئی اپنے معاملات ہمیشہ صاف رکھنے والا ہو۔

(خطباتِ مسرور جلد سوم صفحہ 671 تا 684)

بیکاری ختم کریں

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 3 نومبر 2006ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

ایک مطالبہ نوجوانوں کا بیکاری کی عادت ختم کرنے کا تھا۔ یہ بھی بڑی خطرناک بیماری ہے اور بڑھتی جارہی ہے۔ پاکستان میں بعض بے کار نوجوان اس لیے بے کار ہیں کہ یا تو ان کے جو رشتہ دار، والدین، بھائی وغیرہ باہر ہیں وہ باہر سے رقم بھیج دیتے ہیں اس لیے ذمہ داری کا احساس نہیں۔ یا اس امید پر بیٹھے ہیں کہ باہر جانا ہے۔ اب باہر جانا بھی اتنا آسان نہیں رہا، ان لوگوں کو بھی غلط امیدوں پر نہیں بیٹھنا چاہیے اور جو آتے ہیں ان کے بھی یہاں اتنی آسانی سے کیس پاس نہیں ہوتے۔ اس لیے بلاوجہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور دھوکے میں نہ رہیں۔ اپنے نفس کو دھوکہ نہ دیں اور اپنے آپ کو سنبھالیں۔ جماعت اور ذیلی تنظیموں کو بھی اس بارے میں معین پروگرام بنانا چاہیے اور نوجوانوں کو سنبھالنا چاہیے۔

یہ لوگ جو فارغ بیٹھے ہیں، فارغ بیٹھے یہ مطالبے کر رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا کسی طرح باہر جانے کا انتظام ہو جائے، بعض لڑکوں کے ماں باپ لکھ رہے ہوتے ہیں کہ ہمارے حالات خراب ہیں باہر بلوا لیں۔ باہر بلوانا کون سا آسان ہے۔ یا ہماری شادی باہر کروا دیں یا جو بھی ذریعہ ہو۔ اور ایسے لوگوں میں سے جب کسی کی شادی یہاں ہو جاتی ہے اور یہاں آجاتے ہیں تو جب ان ملکوں میں ان کا Stay پکا ہو جاتا ہے تو پھر بیویوں پر ظلم کرنے شروع کر دیتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک غلط رَو خاص طور پر

پاکستان میں اور ہندوستان میں چل پڑی ہے۔ایسے نوجوانوں کو مَیں کہتا ہوں کہ اپنے ملک میں محنت کی عادت ڈالیں اور محنت کر کے کھائیں۔اس دوران میں اگر باہر کا کوئی انتظام ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے لیکن صرف اس لیے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھے رہنا کہ باہر جانا ہے، اس سے بہت ساری غلط قسم کی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور بہت ساری برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر وہ برائیاں معاشرے میں، اس ماحول میں پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح بعض ایسے ہیں جو یہاں آ کر بھی ہنر نہیں سیکھتے، زبان نہیں سیکھتے، اور ذرا سی کوئی تکلیف ہو جائے تو بیماری کا بہانہ کر کے گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیونکہ مدد مل جاتی ہے اس لیے کام نہیں کرتے۔ بیکاری کی عادت کے خلاف ایسی مہم یہاں بھی چلانے کی بہت ضرورت ہے۔

(خطباتِ مسرور جلد چہارم صفحہ 555)

ناجائز کاروبار کرنے والے اللہ تعالیٰ کو رازق نہیں سمجھتے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 13 /اپریل 2007ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز ہیں، ان کو چھوڑنا بڑا مشکل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو رازق نہیں سمجھتے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے کہا تھا کہ جو لوگ سؤر کے گوشت پکانے یا بیچنے یا براہ راست اس کے کاروبار میں ملوث ہیں، اس سے منسلک ہیں، وہ یہ کام نہ کریں یا اگر کرنا ہے تو پھر ایسے لوگوں سے چندہ نہیں لیا جائے گا۔ جس پر جرمنی کی جماعت نے ماشاء اللہ بڑی سختی سے عمل کیا ہے۔ باقی جگہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ ہونا چاہیے۔ لیکن مجھے بعض لوگوں نے جو ایسی جگہوں پر کام کرتے تھے لکھا کہ ہماری تو روزی ماری جائے گی، یہ ہو جائے گا اور وہ ہو جائے گا۔ تو میں نے کہا جو بھی ہوگا اگر براہ راست اس کام میں ملوث ہو تو پھر تم سے چندہ نہیں لیا جائے گا۔ تم نے یہ روزی کھانی ہے تو کھاؤ، اللہ کے مال میں اس کا حصہ نہیں ڈالا جائے گا۔ اگر تمہاری اضطراری کیفیت ہے تو اپنے پر لاگو کر لو، اس کو استعمال کر لو لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت پر کوئی ایسی اضطراری کیفیت نہیں ہے۔ اللہ جماعت کی ضروریات کو پوری کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا چلا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں انشاء اللہ کمی نہیں

آنے دوں گا۔ حسب ضرورت انشاء اللہ جس طرح ضرورت ہوتی ہے اللہ پوری فرماتا ہے تو جماعت کو بھی میری اس بات سے بڑی فکر تھی کہ بہت سارے لوگوں سے اس طرح چندہ لینا بند ہو جائے گا۔ لیکن اب مجھے سیکرٹری صاحب مال نے وہاں سے لکھا ہے کہ اس دفعہ جو بجٹ آئے ہیں وہ اتنے اضافے کے ساتھ آئے ہیں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، پہلے کبھی اتنا اضافہ ہوا ہی نہیں۔ تو یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:4)۔ پس اللہ تعالیٰ دے گا اور وہم وگمان سے بڑھ کر دے گا اور دیتا ہے لیکن تقویٰ پر قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ عمومی طور پر دنیا میں ہر جگہ چندہ عام میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہی مدّ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اخراجات پورے کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 4 مئی تا 10 مئی 2007)

سود غریب کو ہمیشہ کے لیے غربت کی دلدل میں دھنساتا چلا جاتا ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 8؍جون 2007ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

پھر دوسری آیت میں جو مَیں نے پڑھی تھی اس میں سے کچھ ذکر تو ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں انتہائی اہم معاشی مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہمیشہ سے معاشرے میں فساد کی جڑ رہا ہے اور آج بھی بظاہر بہتر معیشت کے لیے ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ہر شخص کو اور دنیا کے جو غریب ممالک ہیں ان کو ہمیشہ کے لیے قرضوں کے شکنجوں میں جکڑتا چلا جا رہا ہے لیکن غیر محسوس طریقے سے اور وہ چیز جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ میں بتایا تھا سُود ہے۔

خدا تعالیٰ نے سُود کی بڑی شدت سے مناہی کی ہے کیونکہ یہ غریب کو ہمیشہ کے لیے غربت کی دلدل میں دھنساتا چلا جاتا ہے۔ اس آیت میں جس میں سود کا ذکر کیا گیا ہے اس سے پہلی آیت کے ساتھ موازنہ بھی مل جاتا ہے کہ سود تمہیں کیا دیتا ہے اور غریبوں کے حق کے طور پر ان کی زکوۃ اور صدقات اور تحفوں سے جو مدد کرتے ہو اس سے تمہیں کیا ملتا ہے۔ پہلی بات تو یاد رکھو کہ جو خرچ اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تم کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یقینی طور پر اس میں تمہاری کامیابی ہے جس کے نظارے اس دنیا میں بھی دیکھو گے اور اگلے جہان میں بھی اور سب سے بڑی

کامیابی تو یہی ہے کہ اللہ راضی ہو گیا۔ دوسری کامیابی، پُر امن اور سلامتی سے پُر معاشرے کا قیام ہو گا۔ پھر مرنے کے بعد اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی وجہ سے دائمی جنتوں کے وارث بنو گے جہاں تمہیں ہمیشہ سلام اور سلام کے تحفے ملیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے جو سود کے کاروبار میں ملوث ہوں وہ کیا حاصل کرتے ہیں۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ اعلان جنگ کرتا ہے اور جن کے خلاف اللہ تعالیٰ اعلان جنگ کر دے ان کا نہ اس دنیا میں کوئی ٹھکانہ ہے اور آخرت میں جو ان کی سزا ہے وہ تو ہے ہی۔

سود معاشرے کے امن کی بربادی کا باعث ہے

پھر سود کی وجہ سے معاشرے کا امن کس طرح برباد ہو رہا ہے۔ جو غریب ہے وہ غربت کی چکی میں پستا چلا جاتا ہے۔ پینے والا اس سود کے پیسے سے اپنی تجوریاں بھر رہا ہوتا ہے۔ اور بظاہر بے تحاشہ پیسہ کمانے والا جو شخص ہے وہ اپنے خزانے بھر رہا ہوتا ہے، لیکن دل کا چین اور سکون ان میں نہیں ہوتا۔ کئی لوگ ہیں جو لکھتے ہیں اور کہتے ہیں بلکہ پاکستان میں مَیں نے دیکھے بھی ہیں کہ پیسوں کے باوجود راتوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ تو یہ عموماً سود ہی ہے جس نے ایک ملک کے معاشرے میں ملکی سطح پر بھی انفرادی سطح پر بھی پیسے کو ایک خاص طبقے کے گرد منتقل کر دیا ہے، ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور عموماً امیر ملکوں میں بھی جہاں بظاہر اچھے حالات ہیں، اسی سود کی وجہ سے تقریباً ہر شخص یا اکثریت قرض کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ اس کو محسوس نہیں کرتے اور اپنی زندگی میں اس سے باہر نہیں نکل سکتے۔

گزشتہ دنوں میں یہاں ایک پروگرام تھا، یونیورسٹی میں ایک فنکشن تھا۔ یہ بات مَیں نے وہاں کی اور بتایا کہ یہ بھی ایک طرح کی غلامی ہے تو یونیورسٹی کے چانسلر سمیت بہت سے لوگوں نے اس کی تائید کی اور ان لوگوں کا اس تائید کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے جو سچائی سے پُر ہے اور اس کے احکامات پر عمل کیے بغیر دنیا کی نجات ہو ہی نہیں سکتی اور جس طرح مَیں نے کہا سود غلامی کی ایک قسم ہے اور غلامی میں کبھی محبتیں نہیں پنپ سکتیں۔ ہمیشہ نفرتیں اٹھیں گی اور امن برباد ہو گا۔ پھر ہمارے غریب ملک ہیں کہ جہاں سود پر قرضے لیتے ہیں عموماً سندھ وغیرہ میں تو ہندو اس

کاروبار میں ہمیشہ زیادہ ہے لیکن بعض مسلمان بھی یہ کام کرتے ہیں اور مخصوص لوگ ہیں جو یہ کام کرتے ہیں اور یہ جو سود پر قرضے ہیں یہ تمام عمر اس قرض لینے والے کو بلکہ ان کی نسلوں کو بھی کبھی سر اٹھانے نہیں دیتے۔

ایک امریکن اکانومسٹ ہے اس نے ہندو پاکستان کی ریسرچ پہ لکھا تھا کہ یہ لوگ ایسے ہیں جو بظاہر زمیندار بھی ہیں، جائیدادوں والے بھی ہیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ پیدا ہوتے ہیں قرض لے کر اور زندگی گزارتے ہیں قرض لے کر اور اس دنیا سے جب جاتے ہیں تب بھی قرض ہوتا ہے جو آگے اولادوں کو ٹرانسفر ہو جاتا ہے۔ تو یہ سود ہی ہے جو ان کو اس مشکل میں گرفتار کیے ہوئے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرنے والے ہوں تو بجائے یہ کہ نسلیں تک قرض کی زنجیروں میں جکڑیں اور پروان چڑھیں اور پھر آگے اگلی نسلوں کو ٹرانسفر کریں، بے چینی اور بے چارگی سے زندگی گزاریں وہ اس سے بچ سکتے ہیں اور جب لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے، قرضوں میں جکڑے ہوتے ہیں تو پھر یہ کبھی نیک جذبات دوسروں کے لیے پیدا کرنے والے نہیں ہو سکتے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جن کے یہ مقروض ہوتے ہیں۔

پھر غریب ملکوں میں جن میں بہت سے مسلمان ممالک شامل ہیں مثلاً پاکستان ہے ویسے تو اسلام کا بہت نام ہے۔ لیکن ان کی بھی سودی نظام سے جان نہیں چھوٹ سکی۔ سود کا جو بھی نام رکھ لیں۔ بعض جگہ انہوں نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں لیکن عملی صورت سود دینے کی ہی ہے۔ یہاں بھی امیر طبقہ جب بینکوں سے قرض لیتا ہے تو ادائیگی نہیں کرتا اور کچھ عرصے کے بعد وہ بڑی بڑی رقمیں معاف ہو جاتی ہیں۔ لیکن غریب طبقہ جو ہے وہ پستا چلا جاتا ہے، ساری سختیاں اسی پر ہو رہی ہوتی ہیں اور یہ باتیں پھر غریبوں میں بے چینی پیدا کرتی ہیں اور کسی طبقے کی بے چینی سے معاشرے میں سلامتی اور امن نہیں رہ سکتا۔ تو جیسا کہ مَیں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ پاکستان میں مہنگائی اس قدر ہے کہ غریب حقیقت میں پریشان ہے اور وہاں جو حالات ہیں اس وجہ سے امیر اور غریب کے فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ جب یہ فاصلے بڑھتے ہیں تو پھر امن اور سلامتی کی ضمانت اس معاشرے میں نہیں دی جا سکتی۔

(الفضل انٹرنیشنل 29 جون تا 6 جولائی 2007ء)

سُودی قرض کی لعنت گھروں کو برباد کرنے کا باعث بنتی ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 15/جون 2007ء کے خطبہ جمعہ میں تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج بھی مَیں گزشتہ خطبہ والے مضمون کو ہی جاری رکھوں گا کہ معاشرے کے جھگڑے اور فسادوں کو ختم کرنے اور سلامتی اور امن اور پیار اور صلح کو پھیلانے کے لیے مالی لین دین کے معاہدے، تجارتی معاہدے یا قرض وغیرہ لینا دینا ہو تو کس طرح ہونے چاہئیں، اسلامی تعلیم ہمیں اس بارے میں کیا تعلیم دیتی ہے۔

گزشتہ خطبہ میں اس سلسلہ میں سود کا ذکر ہو رہا تھا کہ سود بھی ایک ایسی چیز ہے جو معاشرے میں فساد پھیلانے کی وجہ بنتا ہے اور سود کی بڑی شدت سے اللہ تعالیٰ نے مناہی فرمائی ہے۔ اس ضمن میں قرآنی احکامات کیا ہیں وہ ہم دیکھیں گے۔ جیسا کہ مَیں نے گزشتہ خطبہ میں ذکر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سود لینے والوں کو اپنے سے جنگ کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ پس یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا ہر قسم کے شر سے بچ کر رہنا اور سلامتی میں رہنا اور سلامتی پھیلانا بہت زیادہ پسند ہے۔ جبکہ سود کے ایسے بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں اور بعض مثالیں ایسی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات دیکھتے ہی دیکھتے سودخوروں کے ہاتھوں ایک اچھا بھلا صاحب جائیداد آدمی دیوالیہ ہو جاتا ہے اور دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ ہنستا بستا گھر مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے بچے بھی انتہائی کسمپرسی میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور یہ سب اگر مسلمانوں کے گھروں میں ہو تو اس لیے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے واضح حکم کے باوجود کہ یہ چیز نہ کرو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور بعض دفعہ یہ سود کی رقم معمولی اور غیر ضروری اخراجات کے لیے لی جاتی ہے، تو جہاں اللہ تعالیٰ نے سودخوروں کو وارننگ دی ہے کہ ضرورتمندوں کی مجبوریوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ وہاں قرض لینے والوں کے لیے بھی وارننگ ہے کہ بلاوجہ کے قرضوں میں مبتلا ہو کر اپنا اور اپنے گھر والوں کا امن اور سکون برباد نہ کرو۔

میرے علم میں ہے کہ بعض لوگ مثلاً لندن آتے ہیں اور سودخوروں سے سود پر قرض لے لیتے ہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو نیک مقصد کے لیے، جلسہ پر آنے کے لیے یہ قرض لے کر آئے ہیں تو یہ

بالکل غلط بات ہے۔ یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ اگر حج کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وسائل نہ ہوں تو نہ کرو تو یہ بالکل غلط چیز ہے کہ یہ بہانے بنا کر آ جاتے ہیں، اور مقصد بھی ہوتے ہوں گے۔ تو اس لحاظ سے اپنے آپ کو دھوکے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ ابھی بھی جلسہ ہو رہا ہے، انشاء اللہ لوگ آئیں گے تو جن کے وسائل ہیں انہی کو آنا چاہیے۔ بلاوجہ کے قرض اپنے اوپر چڑھا کر آنے کا کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ اس سے نہ صرف اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال رہے ہوتے ہیں بلکہ حکم کی نافرمانی کر کے سلامتی سے بھی اپنے آپ کو محروم کر رہے ہوتے ہیں اور اگر حالات کی وجہ سے بروقت ادائیگی نہ ہو سکے تو خود بھی مشکل میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اپنے بیوی بچوں کو بھی مشکل میں گرفتار کر رہے ہوتے ہیں۔ گھروں کا سکون برباد کر رہے ہوتے ہیں۔ یا جو صاحب حیثیت ہیں وہ یہ کر سکتے ہیں کہ پھر اس طریقہ پر عمل کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ سارا سال رقم جوڑتے رہیں تاکہ بوجھ محسوس نہ ہو۔

اور پھر بعض اور موقعوں پر بھی لوگ جو غیر ضروری اخراجات کے لیے قرض لے لیتے ہیں، یعنی شادی، بیاہ وغیرہ پر رسوم و رواج کے لیے۔ پاکستان اور ہندوستان وغیرہ میں تو قرض کی لعنت بہت زیادہ ہے اور غریب ملکوں میں بھی ہے۔ گزشتہ دنوں پاکستان کے حوالے سے ایک خبر تھی۔ پنجاب گورنمنٹ نے اسمبلی میں ایک بل پیش کیا ہے، پتہ نہیں پاس ہو گیا ہے یا نہیں کہ سودی کاروبار کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے لیکن مسلمان ملک ہونے کی حیثیت سے پاکستان کے اپنے مالی نظام کو بھی سود کی لعنت سے پاک ہونا چاہیے، اس کے لیے بھی ان کو کوشش کرنی چاہیے۔ بہرحال سودی قرض کی یہ لعنت گھروں کو برباد کرنے کا باعث بنتی ہے۔ احمدی مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں تو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔

سودی قرضہ سے بچنے کا ایک راز

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ بعض مجبوریاں ایسی ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے سودی قرضے لینے پڑ جاتے ہیں۔ تو ہم اس پر کیا کریں؟ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ:

''جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے، خدا اس کا کوئی سبب پردۂ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ

اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لیے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقع نہیں بناتا کہ وہ سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سُود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان دِہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر اتنا خرچ ہو جو انسان سودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں۔ طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں جو ان کی تباہی کا موجب ہے۔ دیکھو سود کا کس قدر سنگین گناہ ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں؟ سؤر کا کھانا تو بحالت اضطرار جائز رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرۃ:174) یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ غفور رحیم ہے۔ مگر سود کے لیے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لیے تو ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (البقرۃ:279-280) اگر سود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان ہے۔ .... مسلمان اگر اس ابتلا میں ہیں تو یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ...... انسان کو چاہیے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدنظر رکھے تا کہ سُودی قرضہ اٹھانے کی نوبت نہ آئے جس سے سُود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ...... پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں۔ مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ۔ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ سود دینے پر راضی ہے''۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 434-435 جدید ایڈیشن)

بلاضرورت قرض لینے والے شیطانی چکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں

ہمارے ہاں جیسا کہ مَیں نے کہا تھا کہ ایک بڑے طبقے میں غیر ضروری اخراجات کے لیے قرض لیا جاتا ہے، اس بات کی نشان دہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے۔ مثلاً نکاح پر

غیر ضروری خرچ ہے، شادی ولیمہ پر غیر ضروری خرچ ہے، جماعت کے ایک طبقے میں بھی دنیا دکھاوے کی وجہ سے غیر ضروری اخراجات ہوتے ہیں۔ جماعت میں جو شادی کے لیے امداد دی جاتی ہے اور ایک Reasonable قسم کی رقم دی جاتی ہے کہ سادگی سے شادی ہو سکے۔ مگر بعض لوگ اس طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ ہمیں نکاح اور ولیمے کے لیے بھی اتنی اتنی رقم چاہیے۔ اگر امداد نہیں مل سکتی تو قرض دے دیا جائے جبکہ جانتے ہیں کہ ان میں قرض واپس کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، وقت مقررہ پر ادا نہیں کر سکتے۔ پھر درخواستیں شروع ہو جاتی ہیں کہ اگر جماعت نہ دے تو ہم اِدھر اُدھر کہیں سے لیں گے اور جب لیتے ہیں تو پھر قرض کو اتارنے کے لیے مدد کی درخواستیں شروع ہو جاتی ہیں۔ تو یہ ایک سلسلہ ہے جب قرض بلا ضرورت لیا جاتا ہے تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک شیطانی چکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر گھروں کا سکون برباد ہوتا ہے۔ قرضوں کے بعد جو حالت ہوتی ہے اس سے طبیعتوں میں چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی بچوں کے تعلقات خراب ہو رہے ہوتے ہیں۔ گھروں میں ظلم ہو رہے ہوتے ہیں تو ایک عارضی خوشی کی خاطر وہ اپنے آپ کو مشکلات میں گرفتار کر لیتے ہیں چاہے بغیر سود کے ہی قرض لے کر کر رہے ہوں لیکن سود کا قرض لینا تو بالکل ہی لعنت ہے۔

سود کو تجارت کا نام دینا دھوکہ ہے

جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سؤر کھانے کی تو بھوک کی حالت میں، اضطرار کی حالت میں جب انسان بھوک سے مر رہا ہو، اجازت ہے لیکن سود کی تو بالکل اجازت نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو سود پر قرض لینے والوں کو بھی اس زمرہ میں رکھا ہے جو خدا سے جنگ کرتے ہیں اور سود پر قرض دینے والا تو کھڑا ہی خدا کے حکم کے خلاف ہے۔

بعض لوگ اپنا پیسہ، اپنی رقم معین منافع کی شرط کے ساتھ کسی کو دیتے ہیں کہ ہر ماہ یا چھ ماہ بعد یا سال بعد اتنا منافع مجھے ادا ہوگا۔ تو یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔ یہ تجارت نہیں ہے بلکہ تجارت کے نام پر دھوکہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کی جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ''ایک شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا یا کسی کو رقم دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے، تو فائدہ مقرر کرنا یا منافع مقرر کرنا سود کی شکل ہے۔ آپؑ نے فرمایا

''یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاوے گا''۔ پس اس تعریف کے لحاظ سے منافع رکھ کر یعنی پہلے سے منافع معین کر کے کسی کو قرض دینا یا رقم دینا یا تجارت میں لگانا، یہ سب چیزیں سود ہیں۔ نفع نقصان پہ جو آپ لگاتے ہیں جو اسلام کا حکم ہے وہ ٹھیک ہے، وہ جائز ہے، وہ تجارت ہے۔ تو ایسے لوگ جو تجارت اور سود کو ایک ہی طرح سمجھتے ہیں، قرآن نے ان کو سخت غلطی خوردہ بتایا ہے اور ایسے لوگوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ . وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:276) کہ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوتے مگر ایسے جیسے وہ شخص کھڑا ہو جسے شیطان نے اپنے مس سے حواس باختہ کر دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا یقیناً تجارت سود ہی کی طرح ہے جبکہ اللہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس کے پاس اس کے ربّ کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ باز آ جائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا رہے گا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو یہی لوگ ہیں جو آگ والے ہیں۔ وہ اس میں لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔

پس یہ نقشہ ہے سُود لینے والوں کا کہ مفت کی کمائی سے ان کے دل اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ دوسرے کے جذبات کا خیال نہیں رہتا۔ اگر ایک غریب کسان یا مزدور اپنی فصل خراب ہونے کی وجہ سے یا گھر کے بعض غیر معمولی اخراجات ہونے کی وجہ سے قرض واپس نہیں کر سکا تو ایسے شخص کو اس غریب کا کوئی خیال نہیں ہوتا جس کا سُود لینے پر دل سخت ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کو صرف اپنے پیسے سے غرض ہوتی ہے اور اگر نہیں ادا کر سکتے تو پھر اس رقم پر سُود دَر سُود چلتا چلا جاتا ہے اور غریب پستا چلا جاتا ہے۔

اسلامی بینکنگ

پس قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے یہ جو حکم ہے کہ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ اسلام مواخات کے ذریعے سے، بھائی چارے کے ذریعہ سے امن اور سلامتی پھیلانا چاہتا ہے اور مواخات کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب غریب کا خیال رکھا جائے، اس پر بلاوجہ کا بوجھ نہ ڈالا

جائے، بلکہ آسان شرائط پر اس کی ضرورت پوری کی جائے۔ بلکہ زیادہ مستحسن یہ ہے کہ ایسے لوگ جن کا پیسہ پڑا رہتا ہے وہ اپنے پیسے کو رکھنے کی بجائے لوگوں کے ساتھ جن میں کاروباری صلاحیت ہو، کاروبار میں لگائیں۔

بعض مسلمان ملکوں میں اب غیر سودی قرض کی سہولتیں دی جا رہی ہیں بلکہ یہاں بھی اسلامک بینکنگ (Islamic Banking) کے نام سے غیر سودی قرضے متعارف ہو رہے ہیں (گوابھی اس کی ابتدا ہی ہے) اور ہمارے احمدی، احمد سلام صاحب، جو ڈاکٹر سلام صاحب کے بیٹے ہیں، انہوں نے بلاسودی بینکاری پر کافی کام کیا ہے۔ تو ان مغربی ممالک میں بھی ایسے احمدی جن میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ بنک کی شرائط پوری کرتے ہیں اور کاروبار بھی کرنا جانتے ہوں یا ان کے کچھ کاروبار ہوں تو انہیں اپنے کاروبار اس طرح کے قرض لے کر بنانے اور بڑھانے چاہئیں۔ اس طرح جہاں وہ سود سے پاک کاروبار کریں گے وہاں اللہ تعالیٰ کی برکتوں کو سمیٹنے والے بھی ہوں گے اور اپنے معیار زندگی کو بہتر بنانے والے بھی ہوں گے۔ ان میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی استطاعت بھی بڑھے گی۔ اگر ایسا کاروبار ہوگا جس میں ملازمین رکھنے کی گنجائش ہے تو ملازمین رکھ کر چند بے روزگاروں کو روزگار بھی مہیا کر رہے ہوں گے۔ یہاں اب اس طرف کافی توجہ پیدا ہو رہی ہے، شاید یورپ اور اور جگہوں میں بھی ہو، اس لیے احمدیوں کو بھی اس طرف کوشش کرنی چاہیے۔

بہر حال متعلقہ جماعتوں کو اپنے اپنے ملکوں میں معلومات اکٹھی کر کے جماعت کے افراد کو بھی معلومات دینی چاہئیں تا کہ اپنے بھائیوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے والے بن سکیں اور بعض گھروں میں معاشی بدحالی کی وجہ سے جو بے چینی ہے اس کو دور کرنے والے بن سکیں۔

سود کے متعلق بعض لوگوں کے استفسار کا جواب

میرے گزشتہ خطبے کے بعد بھی کئی لوگوں نے سود سے ڈر کر مجھے خط لکھے کہ ہم نے سود پر گھر لیا ہوا ہے یا فلاں چیز سود پر ہے، جائز ہے یا نہیں؟ تو خدا تعالیٰ نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہی فرمایا ہے کہ جب تمہیں نصیحت آ جائے تو اس پر عمل کرو اور ایک احمدی جو ہر وقت قرآن کریم پڑھتا ہے اس کو تو پتہ ہی ہے۔ بہر حال لوگوں نے اب بعض سوال اٹھائے ہیں۔ یہاں مکانوں کی مورگیج (Mortgage)

ہے تو اس میں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کچھ مالی نظام ایسا ہے جس میں ایسا زیروز بر ہوا ہے کہ نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے عموماً جماعت اس بات کی اجازت دیتی ہے، پہلے خلفاء بھی دیتے رہے کہ مورگیج پر مکان لے لیا جائے۔ تو اس بارے میں مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر تو کم و بیش کرائے کی رقم کے برابر مکان کا مورگیج ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ عرصہ بعد پھر قیمت بڑھتی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں، جن کو فکر ہوتی ہے وہ اپنے مکان بیچ کر دوسرے علاقے میں لے لیتے ہیں اور بنک کی رقم سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس شرط کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رہائش کا مکان ہو تو اس کے لیے اجازت ہے۔ کاروبار کے لیے یہ اجازت نہیں ہے۔ اس لیے جو وصیت کرنے والے ہیں ان کی وصیتوں پر بھی اسی نظریہ سے مورگیج کے مکان شامل کر لیے جاتے ہیں۔ بہرحال اگر بعض علمی لوگ تحقیق کرنے کا شوق رکھتے ہیں تو اس بارے میں اگر ان کے سامنے کوئی اَور پہلو آئے تو مجھے بتائیں اور تحقیق کریں تا کہ اس بارے میں مزید پتہ لگ سکے۔

اسلامی مؤاخات سود سے بچاؤ کا ذریعہ ہے

اسلام جیسا کہ مَیں نے کہا مؤاخات سے پُر معاشرے کے قیام اور ہر قسم کے جھگڑوں سے پاک معاشرے کے قیام اور صلح و صفائی اور سلامتی پھیلانے والے معاشرے کے قیام کے بارے میں توجہ دلاتا ہے۔ ایک تو ہم دیکھ آئے ہیں کہ سود کی بڑی سختی سے مناہی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ سود کی وجہ سے بعض جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جب تم کسی کو قرض دیتے ہو تو اگر اس کے حالات بہتر نہیں ہیں تو اس کے حالات بہتر ہونے تک اسے مہلت دو۔ فرماتا ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:281) اور کوئی تنگ دست ہو تو اسے آسائش تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم خیرات کر دو تو یہ تمہارے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

پس سود کا تو سوال ہی نہیں ہے جو کسی قسم کے زائد مطالبات تم کر سکو۔ جو تم قرض دیتے ہو اس میں بھی قرض لینے والے کے معاشی حالات کا خیال رکھا کرو کیونکہ ایک دوسرے کا اس طرح خیال رکھنا آپس کی محبت اور پیار کو بڑھانے والا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ مقروض کی تنگدستی کا ہمیشہ خیال رکھو اور اگر دینے

والے کی اتنی کشائش ہے کہ مجبور شخص کا قرض معاف کیا جا سکے (اگر اس کی حقیقی مجبوری ہے) تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ بھی کرو۔ تمہارا یہ فعل تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والا ہوگا۔

احمدی وکلاء کو ایک نصیحت

یہاں مَیں ضمناً یہ بھی کہہ دوں کہ پہلے مَیں نے احمدی وکلاء کو بھی کہا تھا، بعض اسائلم (Asylum) کے کیس آتے ہیں تو احمدی وکلاء جو فیس چارج کرتے ہیں اس کو ذرا اتنی رکھا کریں کہ اس بیچارے شخص کو بالکل ہی مقروض نہ کر دیا کریں یا کم از کم یہ شرط ہو کہ اگر تمہارا کیس پاس ہو جاتا ہے تو اس کے بعد جب تمہیں کام مل جائے گا تو اس وقت معاہدے کے مطابق اتنی فیس دے دینا۔ لیکن بہرحال کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا، کسی جگہ بھی ہو، اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے حصہ لینا ہے تو اپنے مقروض بھائیوں سے شفقت سے پیش آؤ اور انہیں فائدہ پہنچاؤ اور یہ فائدہ ہی تمہیں پھر اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کرنے والا بنائے گا۔ ایک مسلمان کو اور خاص طور پر ایک احمدی کو اس طرف نظر رکھنی چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالی لحاظ سے کسی پر فضلیت بخشی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی شکرگزاری کا حقیقی طریق یہ ہے کہ مالی لحاظ سے کمزور بھائیوں کی مدد کی جائے۔ اگر سخت رویّہ رکھو گے تو پھر یاد رکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقتور ہے اور تمہارے سے بھی سختی کر سکتا ہے۔ پس اللہ کا خوف اور اس کا تقویٰ انتہائی اہم چیز ہے۔

کسی حکم پر عمل نہ کرنے والے مسلم اور غیر مسلم کی مثال

ایک مسلمان جو کسی حکم پر عمل نہیں کرتا اور ایک غیر مسلم جو کسی نیکی پر عمل نہیں کر رہا ہوتا دونوں برابر ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا موازنہ کرتے ہوئے اس طرح مثال دیتے ہیں کہ ایک غیر مسلم جو ہے وہ تو عاق شدہ بچے کی طرح ہے جس کو ماں باپ نے عاق کر دیا ہو۔ اگر وہ نافرمان ہو چکا ہے اور باپ کی بات نہیں مانتا تو باپ نے اس سے تعلق توڑ لیا ہے۔ وہ جو بھی کرتا رہے اس کے باپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ایک مسلمان کی مثال ایک ایسے بچے کی طرح ہے جو فیملی ممبر ہے۔ اگر وہ

کوئی حرکت کرتا ہے تو پھر اسے سزا بھی ملتی ہے۔ اگر غلط کام کرے گا تو اس مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جہان میں بھی سزا مل سکتی ہے اور اگلے جہان میں بھی سزا مل سکتی ہے یا دونوں جگہ جس طرح اللہ چاہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ چھوٹ دی ہے کہ نافرمانیوں کے باوجود نہیں پکڑا تو یہ اس لیے ہے کہ اصلاح کر لو تا کہ سزا سے بچ سکو۔

قرض دینے اور لینے والے کو ہدایات

اس بارہ میں جو حکم ہے کہ اپنے بھائیوں کا خیال رکھو تو چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو تنگی میں مبتلا کرنے کی بجائے ان کے لیے آسانیاں پیدا کرو، ان کے لیے سہولت پیدا کرو تا کہ سلامتی پھیلانے کی وجہ سے غریب کی دعائیں لینے والے بنو، اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنے والے بنو اور مقروض کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مطلب نہیں کہ کسی نے قرض دے دیا تو پھر کہہ دیا کہ میرے پاس کشائش نہیں۔

اس کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کسی معاہدے کا وقت مقرر کیا ہے تو اس معاہدے کو نبھانا ضروری ہے۔ پھر بہانے بنانے کی بجائے جس طرح بھی ہو قرض اتارنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر توفیق نہیں تو پھر سچائی پر قائم رہتے ہوئے ساری صورت حال سے اپنے قرض دینے والے کو آگاہ کرنا چاہیے، اس سے مہلت لینی چاہیے اور یہی چیزیں ہیں جو دونوں کو، قرض لینے والے کو بھی اور قرض دینے والے کو بھی آپس میں صلح وصفائی سے رہنے اور پیار میں بڑھانے والی ہوں گی۔ اگر ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو خاص طور پر جو مقروض ہے اُسے یہ خیال نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس لیے بخش دے گا کہ مَیں غریب ہوں۔ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ سچائی کو چھپانے والا جھوٹا ہے اور جھوٹا ہمیشہ خدا کے مقابلے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے۔

اگر قرض دینے والا یہ سوچ کر کہ اگر مَیں مقروض کی جگہ ہوتا اور حالات خراب ہوتے تو کیا مَیں نرمی کی توقع نہ رکھتا؟ مہلت کی توقع نہ رکھتا؟ اس طرح اپنے مقروض سے معاملہ کرے اور اسی طرح جو قرض لینے والا ہے اگر یہ سوچ کر کہ اگر مَیں قرض دینے والا ہوتا تو کیا مَیں دھوکہ دینے والے مقروض کو برداشت کر سکتا؟ اپنے قرض لینے والے سے اس طرح معاملہ کرے تو دونوں طرف کی یہ سوچیں پھر مثبت نتیجہ نکالنے والی ہوں گی اور اس طرف لے جائیں گی جہاں آپس میں تعلقات میں مزید بہتری

پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اس حدیث پر عمل کر رہے ہوں گے کہ حقیقی مسلمان کہلانے کے لیے ضروری ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو۔ پس یہ ایک ایسا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنے والا صلح پیار اور سلامتی کے علاوہ اور کچھ نہیں پھیلاتا۔

سود کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

سود کے ضمن میں ہی ایک بات جو شاید مجھے بیان کر دینی چاہیے تھی لیکن بہرحال اب بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ص وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ** (آل عمران:131) کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو سُود دَر سُود نہ کھایا کرو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اس پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ سُود کی مناہی تو نہیں لیکن سُود دَر سُود کی مناہی ہے۔ اب جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں کہ اتنے واضح احکامات کے بعد یہ تفسیر، یہ تشریح تو ویسے ہی غلط ہے۔ اور یہ آیت پہلی آیات سے ٹکراتی نہیں ہے۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بیان کرتا ہوں جس سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کسی نے سر سید احمد خان کے حوالے سے اس بارہ میں بات کی تو آپؑ نے فرمایا:

''یہ بات غلط ہے کہ سُود دَر سُود کی ممانعت کی گئی ہے اور سُود جائز رکھا ہے''۔ یعنی سُود دَر سُود تو حرام ہے لیکن سُود جائز ہے۔ فرمایا کہ

''شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے۔ یہ فقرے اسی قسم کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ گناہ در گناہ مت کرتے جاؤ۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ گناہ ضرور کرو' یا گناہ کرنے کی اجازت ہے۔''

(البدر جلد 2 نمبر 10 مورخہ 27 مارچ 1903ء صفحہ 75)

لین دین اور قرض کی شرائط کے متعلق قرآنی تعلیم

پھر تجارت میں جن باتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو، فساد نہ ہو، رنجشیں نہ ہوں۔ ان سب چیزوں سے محفوظ رہنے کے لیے یا لین دین اور قرض کی شرائط کس طرح ہونی چاہئیں، اس بارہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کیا تعلیم دیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا**

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ؕ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَایَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ. وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَایَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا. فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْضَعِیْفًا اَوْ لَایَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ. وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی. وَلَایَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا. وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْکَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ. ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا. وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ. وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّہٗ فُسُوْقٌ بِکُمْ وَاتَّقُوااللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ.وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ(البقرۃ: 283) یعنی اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ایک معین مدت تک کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے اور کوئی کاتب اس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے۔ پس وہ لکھے جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے اور وہ لکھوائے جس کے ذمہ (دوسرے کا) حق ہے اور اللہ اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ پس اگر وہ جس کے ذمہ (دوسرے کا) حق ہے، بیوقوف ہو یا کمزور ہو یا استطاعت نہ رکھتا ہو کہ وہ لکھوائے تو اس کا ولی (اس کی نمائندگی میں) انصاف سے لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ایسے) گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو۔ (یہ) اس لیے (ہے) کہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا دے اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو انکار نہ کریں اور (لین دین) خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اس کی مقررہ میعاد تک (یعنی مکمل معاہدہ) لکھنے سے اکتاؤ نہیں، تمہارا یہ طرزِ عمل خدا کے نزدیک بہت منصفانہ ٹھہرے گا اور شہادت کو قائم کرنے کے لیے بہت مضبوط اقدام ہوگا اور اس بات کے زیادہ قریب ہوگا کہ تم شکوک میں مبتلا نہ ہو۔ (لکھنا فرض ہے) سوائے اس کے کہ وہ دست بدست تجارت ہو جسے تم (اسی وقت) آپس میں لیتے دیتے ہو۔ اس صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اسے نہ لکھو اور جب تم کوئی (لمبی) خرید و فروخت کرو تو گواہ ٹھہرا لیا کرو اور لکھنے والے کو اور گواہ کو (کسی قسم کی کوئی) تکلیف نہ پہنچائی

جائے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً یہ تمہارے لیے بڑے گناہ کی بات ہو گی اور اللہ سے ڈرو جبکہ اللہ ہی تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم حکم ہے۔ لین دین کی وجہ سے معاشرے میں جھگڑوں اور فسادوں کو دُور کرنے کا اسلام کا ہر حکم اس کے خدا کی طرف سے ہونے اور کامل اور مکمل دین ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح اب یہ حکم بھی ہے کہ آپس کے لین دین کے معاملات کو لکھ لیا کرو۔ یہ حکم اس زمانے میں نازل ہوتا ہے جبکہ تحریر کا رواج ابھی اپنی ابتدائی حالت میں تھا، بلکہ انتہائی ابتدائی حالت میں تھا اور عربوں کا تو اس طرف بہت کم رجحان تھا۔ آج ترقی یافتہ ملکوں کو یہ فخر ہے کہ ہم نے معاہدات کو محفوظ کرنے کے کتنے پکے طریقے بنا لیے ہیں۔ لیکن پھر بھی بڑے بڑے دھوکے ہو جاتے ہیں لیکن اس ایک آیت میں دو دفعہ یہ بیان کر کے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، ایک مومن کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارے یہ سارے دنیاوی معاملات بھی اُس وقت صحیح انجام کو پہنچ سکتے ہیں جب اللہ کا تقویٰ ہو۔ پھر اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے بات کی گئی ہے تو اس لیے کہ ایک مسلمان مومن کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا ہے اور ہونا چاہیے اور جو کام اس سوچ کے ساتھ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے، اس میں دھوکہ دہی کا پہلو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا کہ لین دین کرتے وقت تو احساس نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کے بعض اوقات بڑے قریبی تعلقات ہوتے ہیں اس لیے لین دین کر لیتے ہیں۔ بڑے اعتماد کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہی اعتماد، بے اعتمادی میں بدل جاتا ہے۔ یہی محبت، نفرتوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر بعض دفعہ مقدموں تک نوبت آ جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات کو ہمیشہ محبت اور پیار کے دائرے میں رکھنے کے لیے فرمایا کہ قرض کی شرطیں، کاروباری معاہدوں کی شرطیں، لین دین کی شرطیں ہمیشہ تحریر میں لایا کرو۔ پہلی بات تو یہ کہ قرض کی مدت ہمیشہ مقرر کرو تا کہ لینے والے کو بھی یہ احساس رہے کہ مَیں نے فلاں عرصے کے اندر واپس کرنا ہے اور دینے والا بھی جس کو قرض دیا گیا ہے اس کو بار بار تنگ نہ کرے۔ بعض دفعہ اتنا تنگ کرتے ہیں کہ قرض لینے والا سمجھتا ہے کہ مَیں ایک تو قرض لے کر زیر بار ہوں اور مزید اس پہ پھر احسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ اس کی تحریر لے لیا کرو اور تحریر میں مدت مقرر کرنی ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ لیتے وقت لینے والے کو یہ احساس رہے گا کہ جو مَیں لے رہا ہوں اس کو مقررہ مدت میں ادا بھی کر سکتا ہوں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

بار بار جو تقویٰ کی شرط رکھی ہے تو اس شرط پر میں پورا اتر سکتا ہوں کہ نہیں۔ اس لیے پھر قرض لینے والا اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے گا۔ اس شرط سے ان لوگوں کی یہ دلیل بھی ردّ ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سُود اس لیے مقرر کیا جاتا ہے اور ایک فائدہ اس کا یہ بھی ہے کہ سُود کے خوف کی وجہ سے جلد قرض دار قرض ادا کر سکے یا اس کی کوشش کرے۔ سُود کا تو اتنا خوف نہیں ہوتا جتنا ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ بیسیوں لوگ ہیں، کئیوں کو مَیں بھی جانتا ہوں، جو سود پر قرض لیتے ہیں اور پھر تمام زندگی قرض نہیں اتارتے، پھر قرض پہ قرض چڑھتا چلا جاتا ہے یا لڑائی اور جھگڑے اور فساد ہو جاتے ہیں اور یہ قرض پھر ان کی اگلی نسلیں بھی نہیں اتار سکتیں۔ اگر حکومتی مالیاتی اداروں سے قرض لیا ہے تو اگر کسی طرح بچنے کی کوشش کی اور نہیں بچ سکے تو جیسا کہ مَیں نے پچھلے خطبے میں ذکر کیا تھا، پھر ایسے قرض لینے والے کی کوئی چھوٹی موٹی جائیداد ہو تو اس کی نیلامی ہو جاتی ہے، وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ تو یہاں پہلے بتا دیا کہ اگر تقویٰ ہے تو پہلے سوچ لو کہ ادا بھی کر سکتے ہو کہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدوں کی پابندی کی بڑی تلقین کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہارے درمیان کوئی تیسرا شخص جو انصاف کے تقاضے پورے کرتا ہو یہ معاہدہ لکھے تا کہ کسی فریق سے بے انصافی نہ ہو اور پھر تعلقات کو قائم رکھنے کے لیے فرمایا کہ بعض دفعہ لینے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ قرض دینے والے نے پتہ نہیں کیا شرائط رکھوا دی ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حق قرض لینے والے کو دیا ہے کہ کسی بھی قسم کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے تم اس معاہدے کی تحریر لکھواؤ تا کہ واپسی کی جو مقررہ میعاد ہے اس میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ کر سکو۔ اس حکم کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، ذہن میں رکھو کہ ایک مسلمان ہو اور مسلمان ہمیشہ معاہدوں کا پابند ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر معاہدہ نہ لکھواؤ کہ ابھی تو لے لو جب موقع ملے گا تو دیکھی جائے گی کہ واپس کرنا ہے کہ نہیں۔ نہیں بلکہ ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ کو جان دینی ہے اس لیے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی جس سے معاشرے کا امن اور سکون برباد ہوتا ہو۔ اگر سمجھتے ہو کہ واپسی کی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ متوقع آمد اس کی متحمل ہو سکتی ہے اور نہ جائیداد اس قرض کی متحمل ہو سکتی ہے تو پھر معاہدہ نہ کرو، پھر قرض نہ لو۔ تو مقروض کو پابند کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ تمام امور پر غور کر کے پوری توجہ سے پھر تم معاہدہ لکھواؤ گے اور جو شرائط ہیں، بعد میں پھر ان میں سے کم کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے تو ہر موقع پر اللہ کا تقویٰ پیش نظر رکھو اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

پھر قرآن کریم نے معاشرے کے کسی طبقے کی ضرورت کا بھی امکان نہیں چھوڑا۔ فرمایا کہ بعض دفعہ بے وقوف یا کم علم والے اور ضرورت مند ہو سکتے ہیں۔ تو ایک پاک معاشرے کا فرض ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں تو کوئی صاحب عقل اور علم والا آدمی ان ضرورتمندوں کی نمائندگی کرے، ان کے لیے معاہدہ لکھوائے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کم علم والا معاہدہ لکھواتے ہوئے بعض ایسی شرائط نہ لکھ سکے یا لکھوا سکے جو اس کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ اس لیے ولی کا فرض ہے کہ ملکی قانون کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی نمائندگی کرے۔ پھر فرمایا جب معاہدہ ہو جائے تو اس پر گواہ بنائے جائیں۔ پہلے دو مردوں کا ذکر ہے کہ ان کو گواہ بناؤ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن پر تم دونوں فریق راضی ہو۔ دو عورتیں گواہ رکھنے میں یہ حکمت ہوسکتی ہے کہ عموماً اس قسم کے کاروباری اور حسابی معاملات میں عورتیں کم دلچسپی رکھتی ہیں بلکہ یہاں ایک سوال اٹھا تو اسی بنا پر میں نے جائزہ لیا تو جو انفارمیشن (Information) مجھے ملی اس کے مطابق یہاں بھی براہ راست کاروبار میں یا فنانسز میں یا اکاؤنٹس میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت بہت کم ہے اور دلچسپی کم ہے۔ پھر اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ بعض ممالک میں تو یہ دلچسپی بہت ہی کم ہے مثلاً پاکستان میں لے لیں، اس قسم کے تجارتی بکھیڑوں میں نہ عورتوں کی اکثریت کو دلچسپی ہے اور نہ اس میں پڑتی ہیں۔ تو دو کی تصدیق اگر ضرورت پڑے تو گواہی کو مضبوط کر دیتی ہے اور دو مرد بھی اس لیے ہیں کہ دونوں کی گواہی ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہے۔

پھر اگر معاہدے میں کوئی بدمزگی ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ ان گواہان کو اگر کسی عدالت میں یا کہیں بھی گواہی کے لیے بلایا جائے تو پھر انکار نہیں کرنا۔ خوشی سے وہاں پیش ہوں اور حقیقت حال کے مطابق اپنا بیان دیں تا کہ فیصلہ کر کے معاشرے کا سکون قائم رکھا جا سکے۔

پھر فرمایا اگر دست بدست تجارت ہے، اگر خرید و فروخت براہ راست ہو رہی ہے تو ٹھیک ہے اس میں تحریر نہ لو۔ لیکن اس میں بھی بعض جھگڑا کرنے والے جھگڑوں کے بہانے تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ اس لیے ہمیشہ لینے والے کو اچھی طرح چھان پھٹک کر کے چیز لینی چاہیے تا کہ بعد میں کسی قسم کے جھگڑے نہ ہوں۔

لیکن اگر کاروبار کی صورت میں لمبے معاہدے ہو رہے ہیں تو پھر اسی طرح لکھنا ہے اور گواہ مقرر کرنا ہے جس طرح پہلے قرض کے معاملے میں ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن یہاں بھی فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ

اختیار کرو اور دینے والا اور لینے والا دونوں ہمیشہ یہ مدنظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انہیں ہمیشہ دیکھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر قرض اور لین دین کے معاملات کا ذکر ہے جس پر عمل کر کے محبت اور سلامتی کو پھیلایا بھی جا سکتا ہے اور اس کا قیام بھی کیا جا سکتا ہے۔

بھائی کو بھائی سے دور کرنے والی برائی

ایک اور حکم مَیں یہاں بیان کر دیتا ہوں جس نے آج کل بھائی کو بھائی سے دور کر دیا ہے۔ چند سال پہلے جن میں مثالی محبت نظر آتی تھی اب بغض، کینے اور حسد نے ان کو ایک دوسرے کے لیے اندھا کر دیا ہے اور وہ حکم جس پر عمل نہ کرنے سے یہ صورتحال پیدا ہوتی ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ یوں مناہی فرمائی ہے۔ فرمایا کہ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:189) اور اپنے ہی اموال آپس میں جھوٹ فریب کے ذریعہ نہ کھایا کرو اور نہ تم انہیں حُکّام کے سامنے اس غرض سے پیش کرو کہ تم گناہ کے ذریعہ لوگوں کے (یعنی قومی) اموال میں سے کچھ کھا سکو۔

تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔ دوسرے کے مال کھانے کے لیے قومی مال نہ کھاؤ۔ وہ بھی ایک وجہ ہے۔ پھر رشوت دے کر غلط فیصلے اپنے حق میں نہ کراؤ۔ ایک دوسرے کے مال پر نظر رکھنے سے، ایک دوسرے کی جائیداد پر نظر رکھنے سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ کسی کی جائیداد کے بارے میں عدالت بے شک دوسرے کو حق بھی دلا دے لیکن اپنے اندر ہمیشہ ٹٹول کر دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعی یہ میرا حق ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس طرح تم آگ کا گولہ اپنے پیٹ میں ڈالتے ہو۔ اس وجہ سے جہاں دو گھروں میں نفرتیں پلتی ہیں، معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے۔ ناجائز مال کھانے کی وجہ سے ایسے لوگ پھر اپنے گھر کی سلامتی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس اس بات کی بڑی سختی سے پابندی کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہنا چاہیے کہ کسی بھی صورت میں اپنے آپ کو سلامتی سے محروم کرنے والے نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو ان چیزوں سے بچائے رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 6 جولائی تا 12 جولائی 2007ء)

دنیا میں معاشی بحران کی موجودہ صورتحال

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 31/ اکتوبر 2008ء کے خطبہ جمعہ میں تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۃ الروم کی آیات 38 تا 41 کی تلاوت کے بعد فرمایا:

ان آیات کا ترجمہ ہے کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں ایمان لانے والی قوم کے لیے بہت سے نشانات ہیں۔ پس اپنے قریبی کو اس کا حق دو، نیز مسکین کو اور مسافر کو۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے اچھی ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں اور جو تم سُود کے طور پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں مل کر وہ بڑھنے لگے۔ اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تم جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہو تو یہی ہیں وہ لوگ جو اسے بڑھانے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق عطا کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا اور وہی تمہیں پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ہے جو ان باتوں میں سے کچھ کرتا ہو۔ وہ بہت پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

یہ آیات جن کی مَیں نے تلاوت بھی کی اور ترجمہ بھی پڑھا ہے۔ ان کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رزّاق ہونے کا اعلان فرمایا ہے کہ رزق میں کشائش وہ عطا فرماتا ہے اور تنگی بھی۔ کسی کا اگر رزق تنگ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ رزق کو دیتا بھی وہی ہے اور رزق کو روکتا بھی وہی ہے۔ فرمایا کہ حقیقی مومن کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاق بہت نشان دکھاتی ہے اگر اس کا ایمان پختہ ہو۔ آج کل جو دنیا کے معاشی حالات ہیں، جس معاشی بحران سے دنیا ہمیں گزرتی نظر آ رہی ہے، جس سے امیر ملک بھی متاثر ہیں اور غریب ممالک بھی۔ صنعتی ممالک بھی متاثر ہیں اور زراعت پر انحصار رکھنے والے ممالک بھی اور وہ بھی جو سمجھتے ہیں کہ تکنیکی مہارت ہمارے پاس اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ دنیا کو ہماری خدمات کی ہر حالت میں ضرورت ہے کیونکہ آج کے اس سائنسی دور میں اور اس جدید دور میں ان خدمات کی بہت اہمیت ہے۔ بعض بڑی طاقتیں یہ سمجھ بیٹھی تھیں کہ ہماری معیشت اتنی زیادہ مضبوط ہوگئی ہے کہ اب ہم جلد ہی تمام دنیا کو اپنے زیرنگیں کر لیں گے گو کہ بہت سارے ملکوں کو وہ پہلے ہی ڈکٹیٹ

(Dictate) کرواتے ہیں لیکن تمام دنیا پر اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔اُن کے خیال میں سائنس میں ہم اس حد تک ترقی کر چکے ہیں کہ اب ہمارا سائنس کے میدان میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وسیع رقبہ اور مختلف موسموں کی وجہ سے خوراک میں ہم خود کفیل ہو چکے ہیں۔اب ہمیں کھانے پینے کی اشیاء کے لیے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔طبّی میدان میں ہم نے وہ ترقیات حاصل کر لی ہیں کہ اب دنیا ہی ہے جو ہم سے سب کچھ اس میدان میں سیکھے گی۔ہتھیاروں کی دوڑ میں ہم سب دنیا سے آگے نکل چکے ہیں۔اب دنیا ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے۔زمین کی تسخیر کے ساتھ ساتھ ان کے خیال میں آسمانوں پر بھی ہم نے کمندیں ڈال لی ہیں اس لیے اب ہر طرح سے اس دنیا پر ہمارا قبضہ ہوسکتا ہے اور ضروری ہے کہ اب دنیا ہماری برتری تسلیم کرے اور خود بخود اپنے آپ کو ہماری جھولی میں گرا دے۔

پھر بعض طاقتوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے پاس معیشت کو کنٹرول کرنے کی جو طاقت ہے دنیا مجبور ہو کے ہم پر انحصار کرے اور اپنی مضبوط معیشت اور بعض میدانوں میں تکنیکی مہارت کے زعم میں ان لوگوں نے ایسی پلیننگ (Planning) کی کہ بہت ساری اپنی صنعت ختم کر دی اور زراعت بھی برائے نام رہ گئی۔نتیجہ یہ نکلا کہ معیشت کی تیزی سے گرتی ہوئی حالت اور جوان کے پاس پہلے تھی،صنعت اور زراعت ان چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی معیشت بڑی تیزی سے گرنے لگی۔

دنیا کے معاشی بحران کی اصل وجہ

تو یہ سب کچھ جو دنیا میں معاشی بحران کی صورت میں ہمیں نظر آ رہا ہے اس کی اصل وجہ کی طرف اب بھی ان لوگوں کی سوچیں نہیں جا رہیں اور وہ ہے سب قدرتوں کے مالک اور رازق خدا کو حقیقی طور پر نہ ماننا۔یا ماننے کا حق ادا نہ کرنا، یہ بھی نہ ماننا ہی ہے۔یہ طاقتیں یا ملک جو معاشی لحاظ سے مضبوط ہیں یا کچھ عرصہ پہلے تک مضبوط تھے اس طرف کم توجہ دیتے ہیں کہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے خدا کا اپنا بھی ایک قانون چل رہا ہے۔جب ارضی وسماوی آفات، زلزلوں اور سمندری طوفانوں یا ہری کینز (Hurricans) وغیرہ کی صورت میں یہ آفات آتی ہیں تو ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ہر چیز تلپٹ ہو جاتی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی غیر فطری طور پر جب معیشت کو چلایا گیا تو اس کے نتائج بھی سامنے

آ گئے۔ ایک تو خدا کو بھولنے کی وجہ سے جو زمینی و آسمانی آفات تھیں، انہوں نے اپنے اثرات دکھائے۔ دوسرے معیشت کے لحاظ سے بھی جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام کیے گئے تو اس نے اپنا اثر دکھایا اور اس کے لیے اب جو حل سوچے جا رہے ہیں وہ بھی کوئی ایسے دیرپا نہیں ہیں۔ اصل حقیقت تک نہیں پہنچ رہے۔ گو کچھ حد تک قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن جواب تک حل ہیں، لگتا ہے کہ وہ ان کو مزید الجھاتے چلے جائیں گے۔

ان مشکلات کا مستقل حل

پس یہ سب باتیں جب ہم دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا ایمان مزید بڑھتا ہے۔ اس وقت ہم احمدیوں کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کو اس بات سے ہوشیار کریں کہ ان سب آفتوں اور بحرانوں کی اصل وجہ خدا تعالیٰ سے دُوری ہے۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے کی طرف عدم توجہگی ہے۔ دوسروں کے وسائل پر حریصانہ نظر رکھنا ہے۔ پس اگر مستقل حل چاہتے ہیں تو ان چیزوں کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے۔ کئی بلین ڈالرز یا کئی بلین پاؤنڈز کی جو بیل آؤٹ (Bailout) ہے یا خرچ کرنا ہے یا امداد ہے وہ مستقل حل نہیں ہے کیونکہ اگر سوچا جائے تو یہ رقم بھی اسی جیب سے نکلتی ہے جس کو پہلے ہی نقصان ہو چکا ہے۔

مسلمان ممالک اور ان کے سربراہان کا منفی رویہ

اور آج مسلمان ممالک کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی دنیا کے معاشی نظام کی طرف چل پڑے ہیں، بجائے اس کے کہ اس سے راہنمائی لیتے جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُن کو راہنمائی دی ہے۔

ایمانداری اور اپنے ملک سے وفا کے تعلق کی جو انتہا ہے اس کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ سربراہانِ مملکت صرف اپنے مفاد دیکھتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ یا عرب ممالک جہاں تیل کی فراوانی ہے ان ملکوں نے بھی اپنی معیشت کو اس طرح نہیں چلایا جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ ایمان داری اور اس اصول پر چلنے کی وہ کوشش نہیں کی یا وہ حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔ بے شک اپنے ملک کو ترقی دی ہے، باقی ملکوں کی نسبت اس کا انفراسٹرکچر بڑا بہتر بنا لیا لیکن جیسا

کہ مَیں نے کہا وسائل کو اس طرح استعمال نہیں کیا گیا جیسا خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ مثلاً ان کے پاس اگر زائد رقم تھی اور بے تحاشا زائد رقم تھی، تیل کا اندھا پیسہ تھا تو اس رقم کو ان مغربی ممالک میں تجارت پر لگایا جہاں سے ان کو سود ملنا تھا اور وہ بھی ایسے غیر پیداواری کام پر جو صرف عارضی نفع کی چیز تھی۔ یعنی بعض بینکوں کو یا بعض اداروں کو رقمیں جمع کروائی گئیں تا کہ سود ملتا رہے۔

ان اسلامی ممالک نے اپنے ملکوں میں دکھانے کے لیے گو ایک بینکاری نظام شروع کیا جسے اسلامی بینکنگ کہتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک شوگر کوٹڈ (Sugar Coated) قسم کی بینکنگ ہے۔ ظاہر طور پر ہے کہ اسلامی بینکنگ ہے لیکن حقیقت میں وہ چیز نہیں ہے جو اسلام چاہتا ہے، جو قرآن چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر گہری نظر سے دیکھیں تو گو کہنے کو اسلامی بینکنگ ہے لیکن سود کی ایک قسم ہے جو ان کو منافع میں ملتا ہے۔

بہرحال مَیں یہ بتا رہا تھا کہ اسلامی تعلیم سے ہٹ کر انہوں نے اپنے پیسے کا استعمال کیا اور مغربی ممالک کو یہ رقم دی جس کا کوئی پیداواری مقصد نہیں ہے اور اب جب معاشی بحران آیا ہے تو یقیناً ان کی رقوم کو بھی دھچکا لگا ہو گا۔ ظاہر ہے جب سب دنیا متاثر ہوئی تو یہ بھی متاثر ہوئے ہیں۔

پیسے کے صحیح استعمال کے لیے تین حقوق کا بیان

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رزّاق ہونے کا ذکر فرمایا تو مومنوں کو جو نصیحت فرمائی ہے۔ مَیں نے سورۃ الروم کی جو آیات تلاوت کی ہیں ان میں سے دوسری آیت میں فرمایا کہ اپنے قریبی کو بھی اس کا حق دو، مسکین کو اس کا حق دو اور مسافر کو اس کا حق دو۔ یعنی اپنے پیسے کے صحیح استعمال کے لیے تین حقوق اس آیت میں بتائے گئے ہیں اور پھر آخر میں ان حقوق کو ادا کرنے کی وجہ سے دو باتیں بیان کی گئیں کہ اس کا مفاد تم کو اس طرح ملے گا کہ اللہ کی رضا حاصل کرو گے اور پھر دین و دنیا میں کامیابی حاصل کرو گے۔

پس مومن ہونے کے لیے صرف منہ سے یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم ایمان لائے یا ہم مسلمان ہیں یا یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں جو رزّاق ہے۔ ایمان کے اعلان اور صفت رزّاق پر یقین کے لیے عملی نمونے دکھانے کی ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ رزّاق ہے تو جو کامل ایمان والا ہے وہ

کبھی رزق کی کمی سے نہیں ڈرتا۔ اس کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے رزق مہیا کرنے کے سامان پیدا فرما دے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ بہتر رزق پانے والا جس کے حالات بہتر ہیں، مالی حالات بہتر ہیں، معاشی حالات بہتر ہیں دوسرے کو بھی اپنے مال میں حصہ دار بناتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ زیادہ آمدنی والا ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ جس میں اپنے قریبی بھی ہیں، رشتہ دار بھی ہیں، ہمسائے بھی ہیں بلکہ مسلمان مسلمان کا جو بھائی ہے تو تمام اُمّت کو اس کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

امیر اسلامی ممالک کی ذمہ داری

امیر اسلامی ممالک جو ہیں ان کو اپنے غریب ملکوں کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ان کی ترقی کس طرح کی جائے اور پھر ہی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صحیح حق ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ اور 'اٰتِ' کا جو اللہ تعالیٰ نے لفظ فرمایا (الف ت سے) اس کے لفظ میں اعزاز کے ساتھ چیز دینا شامل ہے اور پھر حق کا لفظ استعمال کر کے مزید اس کو کھول دیا کہ اعزاز کے ساتھ ان کی خدمت کرنا تمہارا فرض ہے۔ یہ عطا نہیں ہے، یہ بخشش نہیں ہے، یہ خیر نہیں ہے جو تم دوسرے کو ڈال رہے ہو۔ بلکہ جو زائد رقم ہے اس میں سے ان کو دینا تم پر فرض ہے۔

پس اسلامی ممالک اگر اپنے غریب مسلمان ملکوں کی بہتری کا سوچتے، اپنے تیل کے پیسے سے ان کی ترقی کی طرف توجہ دیتے، بجائے لالچ میں آ کر اپنا مال مغربی ملکوں کے بینکوں کو دینے کے اور ان سے سود لینے کے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے اور پھر فلاح پانے والوں میں ہوتے۔

امیر اسلامی ممالک کی ایک غلط فہمی

ان ملکوں کے کئی دفعہ بیان آتے ہیں کہ ہمارے حالات ٹھیک ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے کہ ہمارے پاس تیل کی دولت ہے اس لیے ہمارے روپے کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ ان کا مغربی بینکوں میں جو روپیہ ہے یا ان اداروں میں ہے جو قرض دینے والے ہیں وہ تو بہر حال متاثر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا روپیہ بھی متاثر ہوا۔ مختصراً بتا دوں، اس پر ہمارے بعض احمدیوں نے مضمون بھی

لکھے ہیں۔ بڑے اچھے مضمون ہیں۔ یہاں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ بہت سارے احمدی بھی جو قرضے بینکوں سے لیتے ہیں، یہ ادارے جو قرضے دیتے ہیں، یہ تمام غیر پیداواری قرضے ہیں اور ان میں سے بہت بڑی رقم گھروں کے سامانوں کے خریدنے کے لیے، کاروں کے خریدنے کے لیے، گھر خریدنے کے لیے ہیں یہ سب غیر پیداواری چیزیں ہیں اور جب ان تیل کی دولت والوں کا روپیہ ان کے پاس آیا، ان بینکوں میں جمع ہوا تو ان مغربی ملکوں نے دیکھا کہ یہ تو بڑی تیزی سے ہمارے پاس مال آنے لگ گیا ہے تو انہوں نے اور زیادہ کھلے دل سے قرضے دینے شروع کر دیئے۔ بنک اپنا تو بہت تھوڑا سا خرچ رکھتے ہیں اور بقایا رقم کا بڑا حصہ یعنی 90،95 فیصد دوسروں کا استعمال ہو رہا ہے اور اس میں جیسا کہ مَیں نے کہا، ان ملکوں کا جو تیل کی دولت پیدا کر رہے ہیں اور کوئی تعمیری کام یا پیداواری انویسٹمنٹ تو انہوں نے کی نہیں، غیر پیداواری مقاصد پر یہ لوگ خرچ کر رہے ہیں۔ تو بہت بڑی رقم ہے جو اس کے اوپر خرچ کی جاتی ہے۔

بینکوں کی انویسٹمنٹ کا بڑا حصہ قرض دینے میں استعمال ہوتا ہے

مثلاً یہاں ایک بینک والے نے مجھے بتایا کہ جو بینکوں کی کل انویسٹمنٹ ہے اس کا تقریباً 45 فیصد حصہ وہ گھروں کے خریدنے کے لیے قرضے دینے پر خرچ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ساری رقم دوسرے قرضوں میں چلی جاتی ہے اور تھوڑی سی رقم ہے جو پیداواری مقاصد کے لیے خرچ ہوتی ہے یا قرض دی جاتی ہے۔ اس طرح آسان شرائط پر قرض دے دیا جاتا ہے۔ آسان شرائط کے بارہ میں میرے سامنے بیٹھے ہوئے بہت سارے لوگ جانتے ہیں کہ اگر تین لاکھ کا مکان ہے تو پہلے 10-15 ہزار اُن سے کیش مانگ لیا جاتا ہے حالانکہ پہلے خاص فیصد ہوتی تھی کہ اتنے فیصد دو گے تو تمہارا قرض منظور ہوگا اور بقایا تمام رقم بینک کا قرض ہوتا ہے۔

بینکوں سے سودی قرض لینے والوں کی حالت زار

پھر جو قرض لینے والا ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ شرح سود کتنی ہے، کتنا مجھے اس پر دینا پڑے گا، کتنا عرصہ تک میں دیتا چلا جاؤں گا اور کتنی زائد ادائیگی کرنی پڑے گی؟ وہ صرف یہ سوچ رکھتا ہے کہ چلو گھر

خرید لو۔ واپسی آہستہ آہستہ ہوتی رہے گی۔ لیکن نہیں جانتا کہ ایک تو یہ لمبا عرصہ کی ادائیگی ہے دوسرے اس کی اپنی آمدنی محدود ہے۔ اس کے وسائل محدود ہیں اور اس قرض کی ادائیگی میں پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جو وہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عموماً مہنگائی دوسری چیزوں کی بھی بڑھ رہی ہے اور پھر گھر کے بھی اخراجات بڑھتے ہیں۔ اگر وہ قرض اتارنے لگے تو گھر کو کس طرح چلائے۔ بہرحال اس چکر میں پھر ایسا قرض لینے والا پھنستا چلا جاتا ہے اور پھر قرض بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ یہاں پر اور دنیا میں ری مورگیج کا رواج ہے جو کرواتے ہیں اور پھر مزید قرضوں کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ کہنے کو تو ان کو رقم بینک سے مل گئی لیکن اگر سوچیں تو مزید قرضوں کا بوجھ بڑھ گیا۔ عارضی طور پر تو جان چُھٹ گئی لیکن مستقل اُن کے اوپر ایک قرضہ چڑھ گیا۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں بعض بینکوں نے ایسے Incentive دیئے ہوئے ہیں کہ اپنی جیب سے بھی کچھ نہیں دیا، معاہدہ بینک کے ساتھ ہو گیا۔ مکان خرید لیا، کرایہ جمع سود بینک کو ادا کرتے رہے اور ساری زندگی کرایہ جمع سود ادا ہوتا رہتا ہے اور جب مرنے کے قریب آتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ چیز واپس بنک کو چلی جاتی ہے۔ جب مَیں نے پچھلی دفعہ سود پہ خطبہ دیا تھا تو بہتوں نے اس سے جان بھی چھڑائی۔ اگر حقیقت میں سوچا جائے تو جو سُود کا قرض ہے وہ پھر اس طرح بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بہت سارے ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ڈیفالٹر بن جاتے ہیں۔ جن بینکوں نے لوگوں کو قرض دیئے ہوتے ہیں جیسا کہ مَیں نے کہا وہ بھی لوگوں سے لے کر دیئے ہوتے ہیں، دوسرے کا پیسہ ہوتا ہے اور اس میں جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ تیل کے ملکوں کی بہت بڑی رقم شامل ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے قرض دینے میں کھلے دل کا مظاہرہ کیا۔

معاشی بحران سے امریکہ سمیت دنیا کے تمام ممالک متاثر ہوئے ہیں

یہ صورت حال صرف یہاں نہیں ہے، امریکہ میں بھی ہے اور دنیا میں بھی ہے تو بہرحال جیسا کہ مَیں نے کہا کہ قانون قدرت پھر اپنا کام کرتا ہے۔ جب ایک حد کو پہنچ کر لوگوں کی قرض کی واپسی کی طاقت ختم ہوئی تو بنکوں کو ہوش آئی کہ ہمارا اپنا پیسہ تو قرض میں تھا نہیں، یہ تو دوسروں کا پیسہ تھا اور پھر انہوں نے مزید قرضے دینے بند کر دیئے اور نہ صرف ان غیر پیداواری مقاصد کے لیے قرضے دینے بند

کر دیئے بلکہ پیداواری مقاصد کے لیے بھی قرضے دینے بند کر دیئے۔ اس کا پھر یہی نتیجہ نکلا کہ پوری معیشت متاثر ہوگئی اور ملکوں کی معیشتوں کا کیونکہ ایک دوسرے پر انحصار ہے اس لیے پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ اس لیے کسی ملک کا یہ کہنا کہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور ہمیں فرق نہیں پڑتا، بالکل غلط ہے۔ ایک تو وہ رقم جو مغرب میں ہے اس کے فوری ملنے کا امکان نہیں۔ دوسرے جب معیشت برباد ہوئی تو جو چیز ان کے پاس ہے یعنی تیل جس کو وہ کہتے ہیں کہ اپنی معیشت (Economy) کو سنبھال لیں گے اس میں بھی کمی ہوگی۔ اس ہفتے کا ٹائمز رسالہ ہے اس نے مضمون لکھا ہے، کچھ حقائق پیش کیے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ A sea of Debt کہ قرضوں کا ایک سمندر ہے اور ایسا سمندر جس کا پانی امریکہ، جو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی معیشت سمجھتا ہے اس کی کشتی میں بھی اس حد تک بھر چکا ہے کہ وہ ڈول رہی ہے اور ڈوبنے کے قریب ہے اور اس نے لکھا کہ امریکہ کی معیشت اس حد تک خراب ہو چکی ہے کہ جو بھی وہ کوشش کر لیں اس کی جلد بحالی کا امکان نہیں ہے۔ پھر یہ کہ معیشت کو جو جھٹکے لگ رہے ہیں اس سے دنیا کا کوئی ملک بھی اب محفوظ نہیں ہے۔ مغربی ملکوں، خاص طور پر امریکہ کی معیشت کا جو حال بیان کیا گیا ہے اس کا یہ حال ہے کہ مثلاً کریڈٹ کارڈ کا ان ملکوں میں بڑا رواج ہے۔ جس کو بغیر سوچے سمجھے استعمال کرنے کا رواج ہے۔ اس کی اب پابندی لگ گئی ہے اور بہت حد تک اس میں پابندی لگ رہی ہے۔ وہ جو لوگوں کی ایک لحاظ سے عیاشی بنی ہوئی تھی کہ بغیر سوچے سمجھے خرچ کیے جاتے تھے اس میں کمی آ گئی۔ کاروں کی سیل (Sale) کہتے ہیں کہ گزشتہ 15 سال کی کم ترین سطح پر آ گئی ہے۔ ہوائی سفروں میں کمی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بہت ساری کمپنیوں نے اپنی فلائٹس بند کر دی ہیں۔ یہ دو چیزیں خاص طور پر ایسی ہیں جن میں تیل کا استعمال ہوتا ہے تو جب استعمال ہی نہیں تو رقم کہاں سے آئے گی۔ کسی کو ضرورت ہی نہیں تو خود بخود اس کی طلب میں کمی ہو جائے گی اور جب طلب میں کمی ہوگی تو ظاہر ہے اس کا اثر پڑے گا۔

سود کے پیدا کردہ معاشی بحران کا ایک اور بد اثر

پھر لوگوں کے جو تفریحی پروگرام ہیں، کھانے پینے کے، ریسٹورنٹس وغیرہ کے، اینٹرٹینمنٹ (Entertainment) کے، ان ملکوں میں اس کا بہت زیادہ رواج ہے اس میں بھی کمی آ گئی ہے اور

جب اس میں کمی آئے، خاص طور پر سردیوں میں کوئی آؤٹنگ (Outing) نہیں رہی تو پھر اس کا بعد میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ ڈیپریشن جوان ملکوں میں پہلے ہی بہت زیادہ ہے اس میں مزید اضافہ ہو گا۔ پھر جب یہ بیماری شروع ہو جاتی ہے تو اس کے اپنے بداثرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ سود پر انحصار کرنے والے یا اس کا کاروبار کرنے والے ایسے لوگ ہیں جیسے شیطان نے انہیں حواس باختہ کر دیا ہو۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ. وَاَمْرُہٗ اِلَی اللّٰہِ . وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:276) یعنی وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوتے۔ مگر ایسے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے اپنے مَس سے حواس باختہ کر دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا یقیناً تجارت سود ہی کی طرح ہے جبکہ اللہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس کے پاس اس کے ربّ کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ باز آ جائے تو جو پہلے ہو چکا اسی کا رہے گا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو یہی لوگ ہیں جو آگ والے ہیں جو اس میں لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔

باقی اثرات تو جو ہونے ہیں وہ تو ہیں ہی۔ اس وجہ سے جن کی رقم ضائع ہو گئی یا کم از کم یہ خوف ہو گیا کہ کچھ عرصہ کے لیے ہمیں رقم نہیں ملے گی یا باوجود حکومتوں کی تسلّیوں کے یہ خوف کہ ہماری رقم ضائع ہو جائے گی تو یہ خوف ہی بہت خطرناک چیز ہے۔

پھر جن کے پروگرام تھے کہ اپنی جائیداد کو ری مورگیج کروالیں گے پھر قرضے اتاریں گے تو ان کا بھی حال خراب ہے۔ قرضے نہ ملنے کی وجہ سے مکان باوجود اس کے کہ ان کی قیمتیں کئی فیصد گر گئی ہیں، فروخت نہیں ہو رہے۔ کیونکہ لوگوں کے پاس نقد نہیں ہے اور بینک والے قرض نہیں دے رہے کیونکہ بینک پہلے تو جرأت کر رہے تھے اب ان کے پاس خود پیسہ نہیں ہے۔ اب جب حالات بدلے ہیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح ہے جس طرح شیطان کے مَس سے حواس باختہ ہو گئے ہیں، دنیا کی اکثریت جو اس میں ملوث تھی مخبوط الحواس ہو چکی ہوئی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ اور لگتا ہے کہ جیسا کہ

مَیں نے پہلے کہا کہ جب ایسی حالت ہو تو ڈیپریشن بھی بڑھتا ہے اور معاشرے میں ایک ابتری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ڈیپریشن سے ان کا ہی ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ اقتصادیات والے یہ کہتے ہیں، ان کا انگریزی کا لطیفہ ہے کہ

If my neighbour loses his Job, it is recession. If I lose my Job it is depression.

یعنی اگر میرا ہمسایہ اپنی ملازمت سے فارغ ہوتا ہے، اس کی نوکری ختم ہوتی ہے تو یہ recession کہلاتا ہے اور اگر مجھے نوکری سے فارغ کر دیا جائے تو پھر depression ہو گیا۔ اقتصادیات میں recession اور depression کی ٹرم ہے۔ اس کا موٹا مطلب یہ ہے کہ recession وہ ہے جو عارضی معاشی بحران ہوتا ہے اور depression وہ ہے جو مستقل معاشی بحران ہوتا ہے۔ لیکن اس وجہ سے اور لوگوں میں بھی depression پیدا ہو جاتا ہے۔ جب نوکریاں چھٹتی ہیں جیسا کہ مَیں نے کہا اور وہ بیماری کا Depression ہے اور یہ معاشی بحران جو آیا ہے تو اس نے دنیا میں لاکھوں لوگوں کی نوکریاں چھڑوا دیں۔

سودی نظام سے جان چھڑائیں اور تجارت کریں

پس اب بھی اگر دنیا میں عقل ہے تو اس سودی نظام سے جان چھڑانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وہ تجارت کریں جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اور مسلمان ممالک بھی جن کے حالات بہتر ہیں اپنی مثالیں قائم کریں۔ مسلمان کو سود کی سختی سے مناہی کی گئی ہے۔ ورنہ پھر اس دنیا کے بعد آخرت کی سزا کی بھی وارننگ ہے۔

اپنے وسائل سے ایمانداری کے ساتھ فائدہ اٹھائیں

جو ممالک اپنے وسائل ہوتے ہوئے ایماندار نہیں ہیں اور ان کی حکومتیں اپنے وسائل ضائع کر رہی ہیں یا اپنے ذاتی مفاد اٹھا رہی ہیں ان کو بھی ہوش کرنی چاہیے۔ مثلاً پاکستان ہے یا اس جیسے اور ممالک ہیں جن کے لیڈروں نے کبھی بھی اپنے ملک سے وفا نہیں کی اور ملک کو لُوٹتے ہی رہے ہیں اور

دنیا سے قرضے لے لے کر اس پہ گزارا کرتے رہے ہیں۔ابھی چند دن ہوئے بڑی خوشی سے یہ اعلان ہوا کہ چار سو ملین یا پتہ نہیں کتنے سو ملین ڈالر کا پاکستان کے لیے قرض دوبارہ منظور ہو گیا ہے۔اس کی واپسی کس طرح ہو گی؟ کچھ پتہ نہیں ہے۔کیونکہ پہلی پیمنٹ (Payment) جو انہوں نے کرنی ہے، جو قرضے دینے ہیں اس کے بارے میں ایک شور پڑا ہوا ہے۔ بڑا شور تھا کہ ہمارے فارن ایکسچینج کے ریزرو بڑھ گئے۔

اب جب حقیقت ساری ظاہر ہوئی تو پتہ لگا کہ ان کے پلّے کچھ بھی نہیں۔حالانکہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی وسائل سے بھی نوازا ہوا ہے اور زراعت کے لحاظ سے بہترین موسمی لحاظ سے، زمینوں کے لحاظ سے بھی نوازا ہوا ہے۔لیکن مانگنے اور قرض لینے کی اور اپنے وسائل کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ پھر غیرت بھی ختم ہو گئی ہے۔یہی حال بعض افریقن ملکوں نائیجیریا کا ہے۔تیل کی دولت سے مالا مال ہے لیکن ان کے لیڈروں کو بھی کوئی خیال نہیں۔بہر حال اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ خدا کو بھلا کر، اس تعلیم پر عمل نہ کر کے سودی نظام میں پھنس گئے ہیں، لالچوں میں پھنس گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سود دینے والوں کو فرماتا ہے کہ تمہارے خیال میں جو مال سود کی وجہ سے بڑھ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔اور جو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اس میں پھر برکت نہیں پڑ سکتی۔

پس جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا کہ مسلمان ممالک جو سُود پر بینکوں میں رقم رکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی اس تنبیہ کے نتیجہ میں زیادہ بڑی سزا ملے گی۔اس لیے یہ خیال کرنا کہ ہم محفوظ ہیں بالکل غلط خیال ہے۔ بلکہ اب تو حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ غیر مسلم بھی اس سزا کے جال میں آ گئے ہیں، اس پکڑ میں آ گئے ہیں اور وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔

مال میں اضافہ کا سبب ہر طبقہ کا ادا کرنا ہے نہ کہ سود

اس آیت میں جو آیت نمبر 40 ہے اس میں زکوٰۃ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو غریبوں کا حق ہے۔ پہلے بھی تین مختلف باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی اور اس میں بھی کہ زکوٰۃ ادا کرو۔غریبوں کا بھی حق ہے اور حکومت کا بھی حق ہے اور اسلام کی خدمت بھی ہے۔جبکہ سودی نظام کے ذریعہ سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جب یہ حق ادا نہیں کرتے تو امیر، امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور ایک حد تک ہی ہوگا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ آتی ہے تو وہی نتیجے نکلتے ہیں جو آجکل نکل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے بھی اس کی ہدایت دے چکا ہے کہ معاشرے کے ہر طبقے کا حق ادا کرو کیونکہ یہی حقیقت میں تمہارے مال میں اضافے کا باعث بنے گا نہ کہ سود۔ پس اس اہم نکتے کو مسلمان ملکوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے اور یہ بات ایسی ہے جس کو ان مغربی ممالک نے بھی کسی زمانے میں ریئلائز (Realise) کیا۔ جرمنی کی حکومت نے چند دہائیاں پہلے اس بات کو سمجھا اور وہ چاہتے تھے کہ سود ختم ہو جائے۔ لیکن پھر بدقسمتی کہنا چاہیے کہ اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ اب بھی گزشتہ دنوں یہ خبر تھی اس کرائسز کے بعد شرح سود میں کمی کی وجہ سے معیشت میں کچھ بہتری پیدا ہوئی۔ لیکن اصل حل یہی ہے کہ جو لے لیا وہ تو لے لیا۔ وہ تو معاملہ ختم ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ جو بقایا سود ہے اس کو اب ختم کرو اور اسے معاف کر دو اور آئندہ سود لینے سے توبہ کرو اور جو مومن ہیں، جو مسلمان ہیں ان کو خاص طور پر بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر یہ ہوگا تو پھر یہ جو چند سالوں بعد بار بار بحران آتے ہیں، معیشت کو دھچکے لگتے ہیں، ساری دنیا میں ہر ایک ملک اور افراد کو مصیبت پڑ جاتی ہے اس سے بچ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الرّوم کی آیت نمبر 41 میں (جو مَیں نے تلاوت کی) یہ ساری باتیں بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق عطا کیا پھر وہ تمہیں مارے گا اور وہی پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ان باتوں میں سے کچھ کرتا ہو؟۔ وہ بہت پاک ہے۔ وہ بہت بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق دیتا ہے

تو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور پیدا کر کے پھر چھوڑ نہیں دیا۔ رزق عطا کیا ہے۔ وہ رزق عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے وہ اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے جو جانور ہیں ان کو بھی رزق دیتا ہے، جو پرندے ہیں ان کو بھی رزق دیتا ہے۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے تو تمہیں بھی رزق دے گا اگر اس کے حکموں پر چلنے کی

کوشش کرو گے۔

پس اللہ فرماتا ہے تمہاری توجہ یہ رہنی چاہیے کہ ان حکموں کو ہر وقت اپنے سامنے رکھو، کیونکہ موت دینے والا بھی وہی ہے اور موت کے بعد زندہ کر کے اس کو اپنے سامنے حاضر بھی وہ کرے گا۔ سوال وجواب بھی ہوں گے۔ اس لیے نہ ظاہری شرک کرو۔ نہ مخفی شرک کرو اور نہ ہلکا سا بھی اس کے حکموں سے انحراف کرنے کی کوشش کرو۔

مسلمانوں کو سود کے متعلق تنبیہہ

اور مسلمان کے لیے خاص طور پر یہ تنبیہ ہے۔ اس سُودی کاروبار کا جو بیان ہے یہ ایسا خطرناک ہے کہ ہم احمدیوں کو تو خاص طور پر اس سے بچنا چاہیے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ سود چھوڑ دو۔ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (البقرۃ:279) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو سود میں سے باقی رہ گیا ہے اگر تم فی الواقع مومن ہو۔

اللہ تعالیٰ سود لینے کی مناہی کے بارے میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرۃ:280) اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کرو تو اصل زر تمہارے ہی رہیں گے۔ نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پہ ظلم کیا جائے گا۔ مومنوں کو خاص طور پر تنبیہ کی گئی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نظام یعنی سودی نظام کے اثرات ہر مذہب والے پر پڑ رہے ہیں چاہے وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے۔ پہلے تو یہ بتایا تھا کہ شیطان اس وجہ سے تمہارے حواس کھو دے گا اور اس حواس کھونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سُود میں ڈوبتے چلے گئے۔ پتہ ہی نہیں لگ رہا کہ کس طرح خرچ کرنا ہے۔ وہ سوچیں ہی ختم ہو گئیں جس سے اچھے بھلے کی تمیز کی جاسکتی ہو اور اب فرمایا اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور جب اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہو تو نہ دین باقی رہتا ہے اور نہ دنیا۔ دین تو گیا ہی، اس کے ساتھ دنیا بھی گئی۔

سود کی وجہ سے امیر غریب کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے

مسلمان ممالک اگر خاص طور پر یہ جائزہ لیں۔ ہر ملک کو یہ جائزہ لینا چاہیے لیکن ان ملکوں کو تو خاص طور پر (جائزہ لینا چاہیے) تو انہیں نظر آئے گا کہ سُود کی وجہ سے امیر غریب کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے، ملکوں کے اندر بھی اور ایک دوسرے ممالک میں بھی، جو غریب مسلمان ممالک ہیں وہ غریب تر ہو رہے ہیں۔ جو امیر ہیں، تیل والے ہیں وہ سمجھ رہے ہیں ہمارے پاس دولت ہے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں پھر بے چینیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بغاوتیں ہوتی ہیں مسلمان ملکوں کے اندر بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی۔ جیسا کہ مَیں نے پاکستان کی مثال دی تھی۔ وہاں بھی امیر غریب کا فرق بہت وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے اور ملک میں بے چینی کی وہاں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ دولت کے لالچ میں امیر غریب کے حقوق ادا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے پھر مولوی کو اس ملک میں کھل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر غریب کا حق صحیح طرح ادا ہوتا تو وہ خودکش بموں کے حملے جو غریبوں کے بچوں کو استعمال کر کے کروائے جاتے ہیں اس میں ان لوگوں کو آج اس طرح کامیابی نہ ہوتی۔ گو اس کی اور بھی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ پس یہ جو ہنگامی حالتیں ہیں، غریب ملکوں میں بھی اور امیر ملکوں میں بھی جو اور زیادہ ابھر کر سامنے آ رہی ہیں یہ اب اللہ تعالیٰ کے اعلان کا نتیجہ نکل رہا ہے۔ پھر ماضی میں بھی ہم نے دیکھا اور آج کل بھی دیکھتے ہیں کہ سُود کے لیے دیا گیا جو روپیہ ہے یہ جرموں کی وجہ بن رہا ہے۔ یہ روپیہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کو استعمال کر کے دوسروں کے وسائل پر قبضہ کرو تا کہ یہ واپسی قرض بھی محفوظ ہو جائے اور آمد کا ذریعہ بھی مستقلاً بن جائے۔

امن کی بحالی کے نام پر جنگوں کا اصل مقصد وسائل پر قبضہ کرنا ہے

آج کل امن کی بحالی کے نام پر جو جنگیں ہو رہی ہیں یہ جغرافیائی حدود پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے ہیں۔ اگر کوئی حکومت ان کی اچھی شرائط مان لے تو وہیں امن بھی قائم ہو جاتا ہے یا اپنی مرضی کا مقامی شخص وہیں ان کا صدر بنا دیا جاتا ہے یا حکومت بنا دی جاتی ہے ورنہ پھر جنگیں لمبی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ پیچھے سے رقم ان کو فیڈ (Feed) ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا بدنتیجہ

اور یہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہے اس لیے ایک وقت آتا ہے کہ طاقتور کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ دکھاتا ہے اور پھر اسے ذلیل کر دیتا ہے اور یہ ہم نے اب اس زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تمام تر کوششوں اور بہتر معاشی حالات کے باوجود جب اللہ تعالیٰ نے جھٹکا دیا تو تمام بڑی طاقتوں کی جو معیشتیں تھیں وہ ایک ٹھوکر سے گرتی چلی گئیں۔ وہ رقمیں دینے والے ادارے بھی کسی کام نہ آسکے بلکہ حکومتوں کو اپنے خزانے سے، لوگوں کے مال سے، ان کو سہارا دینا پڑا۔ جن سے قرضے لیے جاتے تھے انہی کو سہارے بھی دیتے جا رہے ہیں اور وہاں بھی پبلک کا پیسہ استعمال ہو رہا ہے لیکن کوئی ضمانت نہیں کہ کس حد تک اور کتنی جلدی حالات بہتر ہوں گے۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ دنیادار اب خود بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ جیسی طاقتور معیشت کے بھی جلدی سنبھلنے کے امکانات نہیں ہیں۔

امن کی بربادی کی وجہ دوسروں کے وسائل پر نظر رکھنا ہے

مَیں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ دوسروں کے وسائل پر نظر ہے اور ان لوگوں کو نظر آ رہا ہے کہ دوسروں کے وسائل پر نظر ہے اور یہ بھی ایک بہت بڑی وجہ ہے جو دنیا کے امن برباد کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ** (الحجر: 89) اور ان کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھو جو ہم نے انہیں عارضی دنیا کا سامان دیا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو مال تمہارا نہیں ہے، جو تمہیں نہیں ملا اس کے پیچھے نہ پڑو۔

پس یہ ایک اصولی ہدایت ہے کہ ہر ایک اپنے وسائل پر انحصار کرے اور مومنوں کے لیے خاص طور پر ہدایت ہے کہ دنیا کا مال و متاع عارضی چیز ہے تمہاری اس طرف نظر نہ ہو۔ کیونکہ یہ دائمی رہنے والی چیز نہیں ہے بالکل عارضی چیزیں ہیں۔ ایک مومن کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کی فکر کرنی چاہیے۔ اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ عارضی مال و متاع رکھنے

والے بھی تباہی کی طرف جا رہے ہیں اور اس کی خواہش رکھنے والوں کا بھی یہی انجام ہوگا۔ پس دنیا کو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اپنے وسائل کے اندر رہیں چاہے وہ گھریلو سطح پر ہوں، معاشرے کی سطح پر ہوں، ملکی سطح پر ہوں، بین الاقوامی سطح پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے حکم کے مطابق سود سے بچیں۔ گھریلو سطح پر اگر قناعت ہو جائے تو نہ زائد گھریلو ضروریات ہوں گی نہ قرض کی خواہش ہو گی۔ نہ ہمسائے کا اچھا صوفہ یا کوئی چیز دیکھ کر یہ خیال ہو گا کہ مَیں بھی خریدوں۔ نہ اپنے دوست کی اچھی کار دیکھ کر یہ خیال ہوگا کہ میرے پاس بھی ایسی کار ہو۔ اور نہ کسی عزیز کا گھر دیکھ کر فوری طور پر گھر خریدنے کی خواہش بھڑکے گی۔ بے شک گھر ہونا چاہیے، ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے لیکن سود کے پیسے سے نہیں۔

دوسروں کے مال پر قبضہ کی بجائے ملک تجارت سے فائدہ اٹھائیں

اسی طرح ملک ہیں۔ دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی بجائے اگر تجارت سے ایک دوسرے کے وسائل سے فائدہ اٹھائیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے غریب ملکوں کو بھی اس تحفظ کا احساس ہو کہ میرے وسائل، جو ہمارے ملک کے وسائل ہیں ہماری ترقی کے لیے خرچ ہوں گے، استعمال ہوں گے۔ اگر بین الاقوامی مدد ہے تو ملکوں کو یہ احساس ہو کہ یہ ہماری بھلائی کے لیے ہے نہ کہ ہمارے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے۔ پھر لیڈرز اپنے ملک کی دولت پر مجموعی طور پر جو ملک کی دولت ہے اس کو ایمانداری سے ملک کے مفاد کے لیے استعمال کریں تو فساد ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے حقدار کو اس کا حق ادا کیا جائے تو شیطان کے مَس سے بچ سکتے ہیں۔ سودی نظام سے بچیں تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن سکتے ہیں۔ اگر دنیا اسے ہر سطح پر نہیں سمجھے گی تو پھر جنگ کی صورت رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً اسی طرح دنیا والوں کو مار پڑتی رہے گی۔

آجکل کے بحران کا حل

پس آج کل کے بحران کا حل مومنوں کے پاس ہے اور تمام مسلمانوں اور مسلمان ملکوں کو اس بحران سے نکلنے اور نکالنے کے لیے پہل کرنی چاہیے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران: 131) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہوسُود در سُود نہ کھایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

پس اللہ کرے کہ فلاح پانے کے لیے کم از کم مسلمان دنیا کو یہ تقویٰ حاصل ہو جائے اور خاص طور پر امیر مسلمان ممالک کو جنہوں نے سُود کی کمائی کے لیے اپنی رقمیں لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس آواز کو بھی سننا ہوگا جو اس کے مسیح و مہدی کے ذریعہ ہم تک پہنچی کیونکہ اس کے بغیر اس زمانے میں کوئی نجات نہیں، کوئی تحفظ نہیں، کوئی ضمانت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''اس وقت لوگ روحانی پانی کو چاہتے ہیں۔ زمین بالکل مر چکی ہے۔ یہ زمانہ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: 42) کا ہو گیا ہے۔ جنگل اور سمندر بگڑ چکے ہیں۔ جنگل سے مراد مشرک لوگ اور بحر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جاہل اور عالم بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

غرض انسانوں کے ہر طبقے میں فساد واقع ہو گیا ہے۔ جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھو دنیا کی حالت بدل گئی ہے۔ روحانیت باقی نہیں رہی اور نہ اس کی تاثیریں نظر آتی ہیں۔ اخلاقی اور عملی کمزوریوں میں ہر چھوٹا بڑا مبتلا ہے۔ خدا پرستی اور خدا شناسی کا نام ونشان مٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لیے اس وقت ضرورت ہے کہ آسمانی پانی اور نورِ نبوت کا نزول ہو اور مستعد دلوں کو روشنی بخشے۔ خدا تعالیٰ کا شکر کرو اس نے اپنے فضل سے اس وقت اس نُور کو نازل کیا ہے مگر تھوڑے ہیں جو اس نُور سے فائدہ اٹھاتے ہیں''۔

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم صفحہ 52۔ زیر سورۃ الروم آیت نمبر 42)

خدا تعالیٰ دنیا کو توفیق دے کہ اس نُور کے دائرے کے اندر آ جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی کی وجہ سے جو اس دنیا میں فساد برپا ہے اس سے بچ سکیں کیونکہ اب خدا کی پہچان کروانے، اس تک پہنچانے کا یہی ایک ذریعہ ہے جو بندے کو خدا کا صحیح عابد بنائے گا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اور حقیقی مطیع اور فرمانبردار بنائے گا۔ اللہ کرے کہ دنیا اس اہم بنیادی اصول اور نکتے کو پہچان لے۔

(الفضل انٹرنیشنل 21 تا 27 نومبر 2008ء)

حقیقی منافع وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مؤرخہ 24/اپریل 2009ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایک لفظ متعدد بار بعض اوقات سنتے ہیں اور استعمال بھی کرتے ہیں اور وہ لفظ ہے'' نفع''۔ کاروباری لوگوں کے کاروبار کا مدار ہی اس لفظ پر ہوتا ہے۔ چاہے وہ ایک چھوٹا سا، چھابڑی لگا کر اپنا سامان بیچنے والا شخص ہو یا ملٹی ملینئر (Multi Millionaire) ہو جس کے کاروبار دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یہ لوگ ایسی سوچ میں رہتے ہیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ اس کے لیے وہ جائز ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں اور اکثر اوقات آج کل کی دنیا میں ناجائز ذرائع بھی استعمال ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک عام آدمی ہے جس کا کاروبار سے تو کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ بھی اپنے مفاد کی سوچ رہا ہوتا ہے کہ کس طرح وہ کسی بھی چیز سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے اور یہی چیز اس کے لیے نفع حاصل کرنا ہے۔ یہ تو دنیاوی معاملات میں اس لفظ کا استعمال ہے لیکن دینی اور روحانی دنیا میں بھی اس کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ اس تعلق میں احادیث اور قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں کچھ بیان کروں گا۔

یہ لفظ عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے لغوی معنی پہلے بیان کرتا ہوں۔ نَفَعَ کا مطلب ہے کسی چیز کا انسان کو فائدہ پہنچانا۔ کسی چیز کا انسان کو میسر آنا۔ کسی چیز کا قابل استعمال یا قابل فائدہ ہونا۔ لین (Lane) ایک لغت کی کتاب ہے۔ یہ اس میں لکھا ہے۔ پھر لین (Lane) میں ہی نَفَّعَہٗ۔ (ف کی شد کے ساتھ) لکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی شخص کا کسی کے لیے فائدہ کا سبب بننا اور بعض احادیث کے مطابق ایک مومن کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ دوسروں کے فائدے کا موجب بنتا ہے۔ پھر مفردات میں لکھا ہے کہ اَلنَّفْعُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے خیرات تک رسائی کے لیے استعانت حاصل کی جائے۔ یا وسیلہ بنایا جائے۔ پس نفع خیر کا نام ہے۔ پھر لین (Lane) میں ہی اس کا یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ کسی شخص کے مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ۔ اور لسان العرب ایک لغت کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ اَلنَّافِعُ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق میں سے جس تک چاہتی ہے فائدہ کو پہنچاتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر نفع اور نقصان اور ہر خیر اور شر کا

پیدا کرنے والا ہے۔

اس لُغوی وضاحت کے بعد اب میں احادیث کی روشنی میں یہ بیان کروں گا کہ ایک مومن پر اس لفظ کو کس طرح اطلاق پانا چاہیے۔ ایک مومن ایک دنیادار کی طرح صرف اپنے فائدہ کی نہیں سوچتا بلکہ دوسروں کا فائدہ بھی سوچتا ہے اور اس کو سوچنا چاہیے۔ قرآن کریم میں بھی ہمیں یہی تعلیم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جو احادیث سے ہمیں ملے ہیں وہ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔ اور اس فائدہ پہنچانے کے مختلف طریقے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائے ہیں۔

اس بارہ میں بعض احادیث پیش کرتا ہوں جن سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچانے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا ارشادات ہیں۔

سعید بن ابی بُردہ نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے ان کے دادا سے (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے دادا تھے) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ لوگوں نے کہا: یا نبی اللہ! جو شخص طاقت نہ رکھے؟ آپؐ نے فرمایا وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرے۔ خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی دے۔ انہوں نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے؟ آپؐ نے فرمایا حاجتمند، مصیبت زدہ کی مدد کرے۔ انہوں نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو؟ آپؐ نے فرمایا: چاہیے کہ اچھی بات پر عمل کرے اور بدی سے باز رہے۔ یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری. کتاب الادب باب کل معروف صدقة)

پھر اسی طرح ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے راستے میں درخت کی ایک شاخ پڑی دیکھی تو اس نے کہا اللہ کی قسم! مَیں اس کو ضرور ہٹا دوں گا تا کہ اس سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس پر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم . کتاب البر والصلة باب فضل ازالة الاذی عن الطریق)

پھر ایک روایت میں آتا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جس نے ایسے علم کو چھپایا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے معاملات اور دین کے امور میں نفع پہنچا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائے گا۔

(سنن ابن ماجه . باب من سئل عن علم فكتمه حديث نمبر 265)

پس ایک مومن کے لیے اپنا مال بڑھانے اور مالی مفاد حاصل کرنے میں ہی نفع نہیں ہے بلکہ اصل منافع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے سے ملتا ہے۔ جو دائمی ہے اور جس کے کھاتے اگلے جہان میں کھلتے ہیں۔ ان احادیث میں اس منافع کے حصول کے لیے جو سب سے پہلی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی وہ صدقہ ہے۔ جو ضرورت مندوں، غریبوں، مفلسوں، ناداروں کے بھوک اور ننگ کو ختم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی اور اس کا گوشت غرباء میں اور عزیزوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ گھر کے لیے بھی رکھ لیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بکری ذبح کی تھی۔ اس کا کس قدر تک گوشت بچ گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ مَیں نے تمام گوشت تو تقسیم کر دیا، صرف ایک دستی بچی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس دستی کے گوشت کے تمام گوشت بچ گیا۔ (ترمذی ابواب صفة القیامة)۔ کیونکہ اسی کا ثواب ہے۔ جو لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کیا۔ اسی پر اصل منافع ملنا ہے اور جو منافع ہے وہی بچت ہے۔

پس یہ تو اس انسان کامل ﷺ کا نمونہ تھا جس کو دنیاوی چیزوں سے ذرا بھی رغبت نہیں تھی اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ان کا اصل مقصد تھا۔ ہر انسان اس مقام تک تو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن یہ اسوہ قائم کر کے ہمیں یہ سبق دیا کہ ہمیشہ غریبوں کا خیال بھی تمہارے پیش نظر رہنا چاہیے۔ کیونکہ حقیقی منافع وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اور اس بات کی اتنی اہمیت آپ نے بیان فرمائی کہ جب صحابہ نے پوچھا کہ اگر صدقے کی توفیق نہ ہو تو کیا کریں۔ تو فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے محنت کرو اور کماؤ۔ جس سے تمہیں بھی فائدہ ہو، قوم کو بھی فائدہ ہو۔ قوم پر بوجھ نہ بنو۔ تم اگر کماؤ گے تو ایک تو قوم پر بوجھ نہیں بنو گے۔ دوسرے تم لینے والا ہاتھ نہیں بنو گے بلکہ دینے والا ہاتھ بنو گے جو خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔

احمدی کا ہاتھ دینے والا ہونا چاہیے

یہاں مغربی ممالک میں جو حکومت سے سوشل الاؤنس لیتے ہیں انہیں بھی اس بات پر سوچنا چاہیے کہ جس حد تک کام کر کے چاہے کسی بھی قسم کا کام ہو (بعض دفعہ اپنی تعلیم کے مطابق کام نہیں ملتا

تو جو بھی کام ملے وہ کام کر کے) کوئی جتنا بھی کما سکتا ہو اس کو کمانا چاہیے اور حکومت کے اخراجات کے بوجھ کو کم کرنا چاہیے۔ اور ایک احمدی کے لیے تو یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ کسی بھی قسم کی غلط بیانی سے حکومت سے کسی بھی قسم کا الاؤنس وصول کرے۔ اس قسم کی رقم کا حاصل کرنا نفع کا سودا نہیں ہے بلکہ سراسر نقصان کا سودا ہے۔ اسی طرح پاکستان، ہندوستان اور دوسرے غریب ممالک ہیں ان میں بھی ایک احمدی کو حتی الوسع یہ کوشش کرنی چاہیے کہ لینے والا ہاتھ نہ بنے بلکہ دینے والا ہاتھ بنے۔

دوسروں کی مدد کے مختلف ذرائع اختیار کریں

پھر صحابہؓ نے جب پوچھا کہ اگر ایسی کوئی صورت ہی نہ بنتی ہو جس سے کوئی کمائی کر سکیں۔ کسی بھی قسم کا کام نہیں ملتا اور اگر کچھ ملا تو مشکل سے اپنا گزارا ہوا اور صدقہ دینے کا تو سوال ہی نہیں تو پھر ایسی صورت میں کیا کریں؟۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کی مدد کے مختلف ذرائع ہیں وہ اختیار کرو ان ذرائع کو استعمال کرو اور کسی حاجتمند کی، ضرورت مند کی کسی بھی طرح مدد کر دو، کوئی خدمت کر دو۔

اس طرح کی مدد کی بھی ایک اعلیٰ ترین مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم فرمائی۔ ایک بڑھیا جسے آپ کے خلاف خوب بھڑکایا گیا تھا جب نئی نئی شہر میں آئی تھی تو اس کا سامان اٹھا کر اسے منزل مقصود تک آپؐ نے پہنچایا۔ وہ آپ کو جانتی نہیں تھی کہ آپ کون ہیں؟ اس نے انجانے میں آپ کو بہت کچھ کہا۔ آپؐ سنتے رہے لیکن آپؐ نے اظہار نہیں کیا اور منزل پر پہنچ کر جب بتایا کہ وہ مَیں ہی ہوں جس سے بچنے کا تمہیں مشورہ دیا گیا تھا کہ اس جادوگر سے بچ کے رہنا تو بے اختیار اس بڑھیا کے منہ سے نکلا کہ پھر مجھ پر تو تمہارا جادو چل گیا۔ تو کسی بھی رنگ میں، کسی کی تکلیف دور کر کے اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنا یہ بھی صدقہ جتنا ہی ثواب دیتا ہے اور پھر جب صحابہؓ نے کہا کہ اگر یہ بھی نہ ہو سکے، کوئی بالکل ہی معذور ہو تو فرمایا کہ بے شمار نیکیاں ہیں جن کا خدا تعالیٰ نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے انہیں بجالاؤ، ان پر عمل کرو۔ یہی تمہارے لیے نفع رساں ہے اور پھر جو برائیاں ہیں ان سے بچو تو یہ تو ہر غریب سے غریب شخص بھی کر سکتا ہے کہ نیکیوں کو بجالائے اور برائیوں سے بچے۔ اس کے لیے تو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ اس کے لیے تو جسمانی طاقت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب دیکھیں کہ ہمارے پیارے خدا نے چھوٹی سی نیکی کا کتنا اجر رکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے اس کی اطلاع ہمیں دی۔

اس بارہ میں بھی ایک حدیث میں ہم نے سن لیا کہ مومنوں کے راستے کی تکلیف دور کرنے کے لیے، راستے سے درخت کی شاخ ہٹانے کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔

(سنن ابن ماجه . كتاب الادب باب اماطة الاذى من الطريق)

پس یہ کس قدر منافع بخش سودے ہیں کہ نیکیاں کرنے کے اجر میں اللہ تعالیٰ بے انتہا دیتا ہے۔ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کس حد تک اللہ تعالیٰ اسے نوازتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ’’انسان کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، بدی سے بچے اور نیکی کی طرف دوڑے اور نیکی کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک ترکِ شر دوسرا افاضۂ خیر‘‘۔ ایک شر کو چھوڑنا دوسرے خیر سے فائدہ اٹھانا۔ ’’ترکِ شر سے انسان کامل نہیں بن سکتا جب تک اس کے ساتھ افاضۂ خیر نہ ہو۔ یعنی دوسرے کو نفع بھی پہنچائے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر تبدیلی کی ہے اور یہ مدارج تب حاصل ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان ہو اور ان کا علم ہو۔ جب تک یہ بات نہ ہو انسان بدیوں سے بھی بچ نہیں سکتا‘‘۔ فرمایا کہ ’’دوسروں کو نفع پہنچانا تو بڑی بات ہے۔ بادشاہوں کے رُعب اور تعزیرات ہند سے بھی تو ایک حد تک ڈرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ پھر کیوں احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں دلیری پیدا ہوتی ہے‘‘۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہو تو اس کے احکامات پر عمل ہوگا۔ دوسروں کو نفع پہنچانا تو دور کی بات ہے بعض لوگ ایسے ہیں، اتنے دلیر ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکامات ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو اوامر و نواہی مقرر کیے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں دیتے اور بڑی دلیری سے اُن باتوں کو کرتے ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ جبکہ ایک دنیاوی حکومت جو ہے اس سے ڈرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ ’’بہت سے لوگ ہیں جو قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے پھر کیوں احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں دلیری پیدا ہوتی ہے؟ کیا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ بجز اس کے کہ اس پر ایمان نہیں ہے؟ یہی ایک باعث ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 466۔ جدید ایڈیشن)

دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں

پھر دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانے کا بھی حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ہے چاہے وہ دنیاوی علم ہے یا دینی علم ہے، اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے ہوئے ایک نفع منداور فائدہ بخش سودا کر رہے ہوگے۔ اور جو علم خدا تعالیٰ نے دیا ہے اگر اسے چھپائے رکھو گے کہ اگر یہ بات مَیں نے کہیں دوسرے کو بتا دی تو اس کے علم میں بھی اضافہ نہ ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو بڑا انذار فرمایا ہے اور اپنی امت کو نصیحت فرمائی کہ اس بات سے ہمیشہ بچو بلکہ ان سے بچنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دعائیں بھی ہمیں سکھائیں۔ آپؐ جو انسان کامل تھے جن کا ایک ایک لمحہ اور سانس دوسروں کے فائدہ کے لیے وقف تھا۔ آپؐ جب صحابہؓ کے سامنے یہ دعائیں کرتے تھے تو اصل میں انہیں سکھاتے تھے کہ ہمیشہ یہ دعائیں مانگو اور امت میں ان کو رائج کرو اور کرتے چلے جاؤ کہ اصل منافع اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ ان دعاؤں میں سے دو دعائیں مَیں اس وقت پیش کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اُس دل سے جو نہ ڈرے اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس علم سے جو فائدہ نہ دے۔ مَیں ان چاروں چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن ا لترمذی. کتاب الدعوات باب 68/68. حدیث نمبر 3482)

پھر ایک روایت میں آتا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا کرتے تو سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا کرتے کہ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَیِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا** کہ اے اللہ میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع رساں ہو۔ ایسا رزق جو طیب ہو اور ایسا عمل جو قبولیت کے لائق ہو۔

(سنن ابن ماجه. کتاب الصلوٰة والسنة باب ما یقال بعدالتسلیم)

پس اپنے آپ کو نافع وجود بنانے کے لیے، نیک اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت

ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو شیطان کے بہکاوے میں آنے سے انسان کو محفوظ رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت شامل حال ہوتی ہے جب اس کے محبوب ترین بندے کے وسیلے سے اس سے دعائیں مانگی جائیں اور یہ اس وقت ہوگا جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہوں گے اور جب یہ ہوگا تو پھر ہی ہمارا عمل منافع بخش عمل کہلائے گا۔

ایک دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی وہ یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:
اے میرے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کر اور اس شخص کی محبت عطا کر جس کی محبت مجھے تیرے حضور نفع دے۔ اے میرے اللہ! میری پسندیدہ چیزوں میں سے جو تو نے مجھے عطا کی ہیں ان میں سے جو تجھے پسند ہیں ان کو میری قوت کا ذریعہ بنا۔ اے میرے اللہ! میری پسندیدہ چیزوں میں سے جو تو نے مجھ سے دور رکھی ہیں تو ان سے مجھے فراغت عطا کر اور وہ چیزیں میری محبوب بنا جو تجھے پسند ہیں۔

(سنن الترمذی. ابواب الدعوات باب73/74 حدیث نمبر3491)

خدا تعالیٰ کو دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی محبوب نہیں۔ اس لیے ہمیشہ آپؐ کے وسیلے سے جیسا کہ میں نے کہا، دعا مانگنی چاہیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے وہ ہمارا محبوب بن جائے اور اس ذریعہ سے ہمیں بھی وہ فیض حاصل ہوتے رہیں جس کے قائم کرنے کے لیے، جس کے پھیلانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

انسان کے نفع رساں ہونے کے لیے قرآن کریم کے اس ارشاد کہ **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ** (آل عمران: 93) کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''دنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی واسطے علم تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقاء اور ایمان کے حصول کے لیے فرمایا **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ** (آل عمران: 93) حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پاؤ گے جب تک کہ تم عزیز ترین چیز خرچ نہ کرو گے کیونکہ مخلوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوقِ خدا کی

ہمدردی ایک ایسی شے ہے''۔ یعنی اپنے ہم قوم، اپنے ہم وطن انسانوں کی اور مخلوق خدا کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے''جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔ جس کے بدُوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لیے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:93) میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے''۔ فرمایا کہ''پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 367-368 جدید ایڈیشن)

مَحَک کا مطلب کسوٹی یا معیار ہے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے صدقہ کا حکم ہے۔ اس پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب قربانی اور ایثار کی روح بھی انسان کے اندر ہو اور وہ حقیقی رنگ میں اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو اور اسی کے حصول کے لیے یہ دعا جو میں نے اس سے پہلے پڑھی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہنمائی فرمائی ہے کہ میری محبت تلاش کرو۔

نفع کے لُغوی معنی

نفع کے لُغوی معنی بیان کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ اَلنَّافِع اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور وہی ہے جو اپنی مخلوق میں سے جسے جس حد تک چاہتا ہے فائدہ اور نفع پہنچاتا ہے۔ وہی ہے جو نفع اور خیر کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس انسان بھی اس وقت تک نفع حاصل کرنے والا اور نفع پہنچانے والا بن سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی شامل حال ہو۔ اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تلقین فرمائی کہ تم نفع رساں وجود بنو تو ساتھ ہی اپنے عمل سے بھی اور نصیحت فرماتے ہوئے بھی یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد چاہتے ہوئے نافع وجود بننے کی کوشش کرو کیونکہ حقیقی ذات، نافع ذات جو ہے وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کا رنگ اس کے بندے اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق اپنے پر چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہی اصول بیان فرمایا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ حقیقی مومن کو حقیقی نفع میری ذات سے ہی مل سکتا ہے۔ اس لیے میرے آگے

جھکو اور ہر لحہ مجھے یاد رکھو اور مجھے پکارو۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ پر یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا (الانبیاء : 67) اس نے کہا کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں ذرا بھر فائدہ پہنچا سکتا ہے وَلَا يَضُرُّكُمْ (الانبیاء : 67) اور نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ پس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فائدہ دینے والی ہے۔

بعض شرک تو ظاہری ہوتے ہیں لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، شرک کرتے ہیں۔ جو مشرکین تھے وہ اُس زمانے میں بھی کیا کرتے تھے۔ آج کل بھی بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں جو خود انہوں نے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، جو نہ ہی کسی قسم کا نفع دے سکتے ہیں، نہ کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور یہ شرک جو ظاہری شرک ہے، یہ ہر ایک کو نظر آ رہا ہوتا ہے۔ بعض مخفی شرک بھی ہوتے ہیں۔ کسی مشکل وقت میں دنیاوی وسائل کی طرف نظر رکھنا۔ دنیاوی اسباب کو ضرورت سے زیادہ توجہ دینا اور تلاش کرنا۔ افسروں کی بے جا خوشامد کرنا حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو دنیاوی اسباب جو ہیں یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

ایک شخص نے کسی کا واقعہ بیان کیا کہ اس کو ملازمت نہیں مل رہی تھی۔ آخر ایک دن اس کے کسی عزیز رشتہ دار کو پتہ لگا کہ ملازمت کی تلاش میں ہے۔ تعلیم مکمل کر لی ہے۔ بڑا پڑھا لکھا ہے تو اس نے کہا ٹھیک ہے میرا ایک بہت بڑا افسر دوست واقف ہے۔ تم صبح میرے پاس آ جانا اس کے گھر چلیں گے۔ خیر اس کو ملنے گئے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے کل تم صبح میرے دفتر آ جانا، تو مَیں تمہارا کام کر دوں گا۔ ایک جگہ خالی ہے وہاں تمہیں نوکری مل جائے گی۔ وہ کہتا ہے کہ میں صبح سائیکل پر دفتر میں گیا تو گیٹ بند تھا۔ چوکیدار نے کہا کیوں آئے ہو؟ مَیں نے کہا فلاں صاحب نے مجھے کہا ہے اس لیے مَیں ان کو ملنے کے لیے آیا ہوں اور بڑے رعب سے اور فخر سے چوکیدار سے بات کی۔ اس سے کہا گیٹ کھول دو تو چوکیدار نے بتایا کہ ان صاحب کو تو صبح دفتر آنے سے پہلے ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ فوت ہو چکے ہیں۔ یہ جو خدا کے علاوہ دوسروں پر انحصار کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے یہ زعم توڑ دیتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ مَیں سخت مایوس ہو کے واپس آیا۔

پس جب بھی انسانوں کو خدا بنایا جاتا ہے تو یہ حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر حقیقت میں

میری طرف رجوع کرو تو میں ہی ہوں جو تمہیں نفع پہنچانے والا ہوں۔ تمہارے فائدے کے کام کرنے والا ہوں۔ تمہیں ہر چیز میسر کروانے والا ہوں۔ ہر چیز دینے والا ہوں۔

آخرت کی بھی فکر کرنی چاہیے

ایک جگہ مزید کھول کر فرمایا کہ یہ دنیا تو عارضی ہے تمہیں ہمیشہ اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ آخرت کی زندگی کی پرواہ کرنی چاہیے کیونکہ تمام نفع اور نقصان آخرت میں ظاہر ہو کر سامنے آنے والا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ o اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء: 89-90) کہ جس دن نہ کوئی مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے مگر وہی (فائدہ میں رہے گا) جو اللہ تعالیٰ کے حضور (قلب سلیم)، اطاعت شعار دل کے ساتھ حاضر ہوگا۔ پس فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں اور جو اس نے نیکیاں بتائی ہیں، ان پر عمل نہیں تو مال اور اولاد پر خوش نہ ہو یہ کسی کام نہیں آئیں گے۔ خدا تعالیٰ یہ نہیں پوچھے گا کہ کتنا مال چھوڑ کر آئے ہو؟ نہ ہی یہ پوچھے گا کہ کتنی اولاد چھوڑی ہے۔ کام آئیں گی تو اپنی نیکیاں اور جیسا کہ حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درخت کی شاخ راستے سے ہٹانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ ہاں اگر اولاد کام آ سکتی ہے تو وہ اولاد جو نیکیوں پر قائم ہو۔ جو ان نیکیوں کو جاری رکھنے والی ہو جو ماں باپ نے کی تھیں ان بچوں کی جو نیکیاں ہیں وہ آخرت میں والدین کو لحہ بہ لحہ نفع دیتی رہتی ہیں۔ ان کو فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک اطاعت شعار دل لے کر حاضر ہو گے تو یہی تمہارا اصل منافع ہے۔ وہ دل لے کر حاضر ہو گے جو دنیا میں تمام زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دیتا رہا تو یہی انسان کی پیدائش کا حقیقی مقصد ہے۔ ایسا دل لے کر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو گے۔ اگر ایسا دل لے کر جاؤ گے جو حقوق العباد ادا کرتا رہا تو تبھی اس نافع ذات کی صفت نافع سے فیض پاؤ گے۔

لغت کے مطابق قلب سلیم وہ دل ہے جو مکمل طور پر غیر اللہ کی ہر قسم کی ملونی سے پاک ہو۔ پھر اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ایمان کی کمزوری سے بالکل پاک ہو۔ پھر ہر قسم کے دھوکے سے پاک ہو۔ کسی کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے بھی پاک ہو۔ اخلاقی بے راہ روی سے بھی پاک ہو، یہ قلب سلیم

ہے۔ اور بعض کے نزدیک قلب سلیم ایسا دل ہے جو دوسروں کے لیے درد رکھنے والا دل ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عبادت کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو پھر میری رضا کی جنتوں میں داخل ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے دل عطا فرمائے جو نیک عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس مَیں پیش کرتا ہوں جس سے جماعت کے افراد کے لیے آپؑ کی دلی خواہش اور کیفیت اور دعا کا پتہ چلتا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں: ''جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر مَیں دعا کے لیے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں وہ ایک ہی بات ہے کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کر لوں کہ یہ خدمت دین کے سزاوار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کے لیے، خدا کے رسول کے لیے خدا کی کتاب کے لیے اور خدا کے بندوں کے لیے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو درد والم پہنچے وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے''۔

پھر فرمایا: ''ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دلوں میں خدمت دین کی نیت باندھ لیں جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کرے''۔

پھر فرمایا: ''مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی قدر و منزلت ہے جو دین کا خادم ہے اور نافع الناس بھی ہے۔ ورنہ وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کتوں اور بھیڑوں کی موت مر جائیں''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 215-216 جدید ایڈیشن)

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ معیار حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں، اپنی جماعت میں دیکھنا چاہتے تھے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 22 مئی 2009ء)



خدا کے ایک بندہ کو آپ کی تلاش ہے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ماہ ہجرت/مئی 1948ء کے آخری ہفتہ میں ”آپ کی تلاش ہے“ کے پُرکشش عنوان سے فرزندان احمدیت کے نام حسب ذیل پیغام شائع فرمایا جو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تنظیمی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کا نہایت لطیف خلاصہ اور نچوڑ تھا۔ حضور نے اس پیغام میں تحریر فرمایا:

”1۔ کیا آپ محنت کرنا جانتے ہیں؟ اتنی محنت کے تیرہ چودہ گھنٹے دن میں کام کر سکیں۔

2۔ کیا آپ سچ بولنا جانتے ہیں؟ اتنا کہ کسی صورت میں آپ جھوٹ نہ بول سکیں۔ آپ کے سامنے آپ کا گہرا دوست اور عزیز بھی جھوٹ نہ بول سکے۔ آپ کے سامنے کوئی اپنے جھوٹ کا بہادرانہ قصہ سنائے تو آپ اس پر اظہار نفرت کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

3۔ کیا آپ جھوٹی عزت کے جذبات سے پاک ہیں؟ گلیوں میں جھاڑو دے سکتے ہیں؟ بوجھ اُٹھا کر گلیوں میں پھر سکتے ہیں؟ بلند آواز سے ہر قسم کے اعلان بازاروں میں کر سکتے ہیں؟ سارا سارا دن پھر سکتے ہیں اور ساری ساری رات جاگ سکتے ہیں؟

4۔ کیا آپ اعتکاف کر سکتے ہیں؟ جس کے معانی ہوتے ہیں (الف) ایک جگہ دنوں بیٹھ رہنا (ب) گھنٹوں بیٹھے وظیفہ کرتے رہنا (ج) گھنٹوں اور دنوں کسی انسان سے بات نہ کرنا۔

5۔ کیا آپ سفر کر سکتے ہیں؟ اکیلے اپنا بوجھ اُٹھا کر بغیر اس کے کہ آپ کی جیب میں کوئی پیسہ ہو، دشمنوں اور مخالفوں میں، ناواقفوں اور ناآشناؤں میں؟ دنوں ہفتوں اور مہینوں۔

6۔ کیا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ بعض آدمی ہر شکست سے بالا ہوتا ہے وہ شکست کا نام سننا پسند نہیں کرتا۔ وہ پہاڑوں کے کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ دریاؤں کو کھینچ لانے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اس قربانی کے لیے تیار ہو سکتے ہیں؟

7۔ کیا آپ میں ہمت ہے کہ سب دنیا کہے نہیں اور آپ کہیں ہاں؟ آپ کے چاروں طرف لوگ ہنسیں اور آپ اپنی سنجیدگی قائم رکھیں۔ لوگ آپ کے پیچھے دوڑیں اور کہیں ٹھہر تو جا ہم تجھے ماریں گے اور آپ کا قدم بجائے دوڑنے کے ٹھہر جائے اور آپ اس کی طرف سر جھکا کر کہیں لو مارلو۔ آپ کسی کی

نہ مانیں کیونکہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں مگر آپ سب سے منوالیں کیونکہ آپ سچے ہیں۔

8۔آپ یہ نہ کہتے ہوں کہ میں نے محنت کی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ناکام کر دیا بلکہ ہر ناکامی کو آپ اپنا قصور سمجھتے ہوں۔آپ یقین رکھتے ہوں کہ جو محنت کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور جو کامیاب نہیں ہوتا اُس نے محنت ہرگز نہیں کی۔

اگر آپ ایسے ہیں تو آپ اچھا مبلغ اور اچھا تاجر ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں،مگر آپ ہیں کہاں؟ خدا کے ایک بندہ کو آپ کی دیر سے تلاش ہے۔اے احمدی نوجوان! ڈھونڈ اس شخص کو اپنے صوبہ میں،اپنے شہر میں،اپنے محلّہ میں،اپنے گھر میں اپنے دل میں کہ اسلام کا درخت مرجھا رہا ہے اسی کے خون سے وہ دوبارہ سرسبز ہوگا۔''(مرزا محمود احمد)

(روزنامہ الفضل 22رمئی 1948ء)

اشاریہ

آیات قرآنیہ

البقرة

آل عمران

النساء

المائدة

الانعام

الاعراف

التوبة

هود

ابراهيم

احادیث مبارکہ

مضامین

آ

ب

ز

س

ط۔ظ

م

ن

اسماء

مقامات

کتابیات

کتب حدیث وسیرت

کتب حضرت مسیح موعودؑ

کتب خلفائے سلسلہ احمدیہ

رپورٹ مجلس مشاورت

کتب سلسلہ عالیہ

متفرق

اخبارات و رسائل